DUE DATE

*Cl. No.*__________ *Acc. No.*__________

Late Fine Ordinary books **25 p.** per day, Text Book **Re. 1/-** per day, Over night book **Re. 1/-** per day.

مست قلندر

MAST QALANDAR



مست قلندر کے عُریاں نمبر کی عالمگیر مقبولیت

مست قلندر کے عُریاں نمبر نے اُردو رسائل کے سالناموں کو نہ صرف پس پشت ڈال دیا ہے بلکہ باعتبار اشاعت سابقہ تمام ریکارڈ مات کر دیئے ہیں۔ صرف تین دن میں پہلے ایڈیشن کی ۵ ہزار جلدیں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہونے کے باوجود تا دم تحریر ایجنٹوں اور وہیلر بک سٹالوں کی مانگ دھڑا دھڑ آ رہی ہے وہ تو کہو کہ پلیٹ محفوظ کر لئے گئے تھے ورنہ نئے ایڈیشن کے طبع ہونے میں مہینوں لگ جاتے۔ نیا ایڈیشن بسرعت تمام تیار ہو رہا ہے۔ اور ایک ہفتہ میں تیار ہو جائیگا

کیا آپ نے ابھی تک نہیں دیکھا؟

بیسویں صدی کے اس آٹھویں عجوبہ کو۔ کیا سچ مچ نہیں؟ تو اپنی اوّلین فرصت میں اپنے شہر کے مقامی ایجنٹ سے خرید کیجئے ورنہ موازی ۱۰ ؍ براہ راست دفتر میں بھجوائیے ڈاک خانہ سے روانگی کی رسید حاصل کر کے اڑھائی سو صفحات کا یہ ضخیم اور باتصویر نمبر آپ کے پاس بحفاظت تمام پہونچا دیا جائے گا۔ جلدی کیجئے ورنہ پھر شائد کسی قیمت پر آپ اسے حاصل نہ کر سکیں۔

مست قلندر کے عُریاں نمبر میں آپکو کیا ملیگا

کیا یہ سچ ہے۔ کہ ننگے رہنے سے انسان کی فہم و فراست صحت اور طاقت میں غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے!

کیا یہ سچ ہے۔ کہ ننگے رہنے سے بیماریاں دُور بھاگتی ہیں۔ بڑھاپا جسم انسانی پر اپنا سکہ نہیں جما سکتا؟

کیا یہ سچ ہے۔ کہ برہنگی درازیٔ عمر اور بقائے شباب کے لئے ازبس ضروری ہے؟

کیا یہ سچ ہے۔ کہ ننگے رہنے سے قوائے دماغی، جسمانی اور جنسی کی پرورش و پرداخت بطور احسن ہوتی ہے، اور گئے گذرے نامرد بھی چند دنوں میں بغیر کسی دوا کی مدد کے مردانہ قوتوں سے مالا مال ہو کر لطف شباب حاصل کر سکتے ہیں ——

کیا یہ سچ ہے۔ کہ ننگے رہنا عین منشاء قدرت کے مطابق ہے، جب دنیا نئی نئی آباد ہوئی تھی اور ہمارے آبا و اجداد جنگلوں میں رہ کر جنگلی میوے کھا کر گذر بسر کرتے تھے تب رائج الوقت پیچیدہ بیماریوں کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔ کیوں؟ شاید اس لئے کہ مریضوں کے جسم میں انواع و اقسام کے زہر شکل ادویات ٹھونس کر ان کی رہی سہی طاقت کا ستیاناس کرنیوالے حکیم اور ڈاکٹر لوگ تب معرض وجود میں نہ آئے تھے۔

کیا یہ سچ ہے۔ کہ ننگا رہکر انسان سنگین و پیچیدہ بیماریوں کے حملے سے محفوظ رہتا ہے اور غسل آفتابی صدہا بیماریوں کا واحد علاج ہے

کیا یہ سچ ہے۔ کہ آفتاب سرچشمہ آب حیات ہے اور غسل آفتابی کی مسلسل مداومت سے ہم اپنی کایا پلٹ کر کے پرانے جسم کے عوض نیا جسم حاصل کر سکتے ہیں؟؟؟ یہ اور اس قسم کے بیسیوں دلچسپ اور کارآمد سوالات کا حل مست قلندر کے عریاں نمبر میں دیکھئے

مختصر فہرست مضامین ملاحظہ ہو!

حصہ اول۔ کیا بالکل ننگے رہنا چاہیئے ○ کیا غسل آفتابی بقائے شباب اور لمبی عمر حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے ○ غسل آفتابی کیسے کیا جاتا ہے؟ ○ کیا آفتابی غسل مرض تپ دق کا یقینی علاج ہے؟ ○ جرمن میں تحریک عریانی کی ہمہ گیری ○ انگلستان و فرانس میں تحریک عریانی ○ کس قسم کے لوگ عریاں کلب کے ممبر بن سکتے ہیں؟ ○ عریاں کلب کے پوشیدہ حالات ○ عریاں کلب میں کس قسم کے کھیل کھیلے جاتے ہیں **حصہ دوم** تحریک عریانی کے کلب امریکہ میں ○ ایک امریکن جاسوس نے کلب کے اندر گھس کر کیا دیکھا؟ ○ عریاں کلب کی میک نائٹ یا پُر اسرار رات کا راز ○ میں عریاں کلب کا ممبر کیوں بنا ○ عریاں کلب میں ایک رات ○ اٹھارہ سالہ حسینہ کے قدموں میں ○ کھلے میدانوں میں عریانی کے مظاہرے ○ عریاں کلب کی ایک پر جمال عورت ○ عریاں کلب کے ممبروں کی گھریلو زندگی ○ کیا عریاں کلب کے ممبر بد چلن، آوارہ مزاج ہوتے ہیں؟ **حصہ سوم** مادر قدرت کی گود میں ○ بیماری کہاں سے آتی ہے ○ جلد بدن کی خرابیاں کیا ظاہر کرتی ہیں؟ ○ پرانے اور بوسیدہ جسم کے عوض نیا جسم کیسے مل سکتا ہے؟ ○ آب شفا کا قدرتی چشمہ ○ قدرت کیسے علاج کرتی ہے؟ ○ وحشی حیوانات سے ایک سبق **حصہ چہارم** کھلی ہوا کی زندگی ○ غسل آفتابی کی ترکیب ○ عینک لگانے کی عادت کس طرح چھوٹ سکتی ہے ○ چار زندگی بخش کسرتیں ○ سینما سے آنکھوں کی بینائی کس طرح تیز کی جا سکتی ہے ○ چہرہ کے داغ اور مہاسوں کا قدرتی علاج ○ ہم سو سال تک کس طرح جئیں؟ ○ ہمیشہ تندرست اور جوان رہنے کے لئے ہماری خوراک کیا ہو؟ ○ مالش کی مسیحائی وغیرہ۔ بوجہ عدم گنجائش اشتہار میں صرف چند موٹی موٹی سرخیاں دی گئی ہیں اسی قسم کے ایک سو سے زائد عنوانات کا حامل مست قلندر کا عریاں نمبر ہے۔ اس لئے اپنی اوّلین فرصت میں آرڈر بھجوائیے ورنہ کچھ عجب نہیں کہ دنیا کے اس آٹھویں عجوبہ کی دید سے آپ کو مایوس ہو جانا پڑے ٭

منیجر مست قلندر لاہور

(نوٹ) قیمت نقد بذریعہ منی آرڈر یا بصورت ٹکٹ بھیجئیے وی پی کے طلب کرنے پر موازی ۴؍۱ خرچ ہونگے۔

دلچسپ معمہ کے ڈیڑھ سو روپیہ نقد کے انعامات حاصل کرنیوالوں کے نام صفحہ ۴ پر ملاحظہ فرمایئے

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۸۵

تار کا پتہ مستقلندر لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۸۵

"ہندو وہے ایک آنکھ مسلمان دوسری"

جلد ۲۲

خوش باش دمے کہ زندگانی این است

نمبر (۱)

بعضے بہ تماشائے خط و خال خوش اند
اینہا ہمہ اسباب پریشانیہا ست

بعضے بہ تمنائے زر و مال خوش اند
خوشحال کسانیکہ بہر حال خوش اند

رسالہ مست قلندر لاہور

اکتوبر ۱۹۳۹ء

اردو میں اپنی قسم کا واحد باتصویر کثیر الاشاعت لاہور یہ رسالہ

ان زندہ دل انسانوں کے لئے جنہوں نے زندگی کا منتہائے مقصود تلاش کیا ہے. ہمیشہ خوش رہنے اور دوسروں کو خوش کرنے میں جو خدا کی حقیر ترین مخلوق کو بھی محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو اپنے قول یا فعل سے کسی کی دلآزاری نہیں کرتے جن کا مذہب ہے خدا کے ہر ایک بندے سے بلاامتیاز رنگ و قومیت محبت کرنا۔

قیمت فی پرچہ چار آنے ۴؁

ایڈیٹر ڈاکٹر پرتھی سنگھ

سالانہ چندہ تین (۳) روپے

امرت الیکٹرک پریس میں باہتمام ڈاکٹر پرتھی سنگھ پرنٹر و پبلشر چھپ کے دفتر رسالہ مست قلندر دشنولین گوالمنڈی لاہور سے شائع ہوا۔

فہرست مضامین!

مست قلندر لاہور کا عام پرچہ اسّی صفحات کا ہونے کے باوجود سالانہ چندہ صرف تین روپے ہے یعنی ہندوستان بھر کے اُردو رسائل کے چندہ سے کم اس پر لُطف یہ کہ اس قلیل ترین چندہ میں ہم خاص نمبروں کی قیمت بھی شامل ہے۔

مست قلندر کی مسلّمہ اشاعت ہندوستان کے تمام اُردو رسائل سے زیادہ ہے بارہ کم از کم چار لاکھ زندہ دل حضرات اس کے لئے چشم براہ رہتے ہیں۔ اس لئے اشتہار دیکر فائدہ کثیر حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

پانچ سوالوں کا ایک ہی جواب

اکتوبر ۱۹۳۹ء

(۱)
ہندوستان بھر کے
اردو رسالوں سے سستا
کون سا رسالہ ہے
؟

(۲)
سب سے زیادہ ٹھوس اور
کارآمد مضامین ہر ماہ کون سا
رسالہ شائع کرتا ہے
؟

(۳)
وہ کونسا رسالہ ہے جس کی قیمت اسکی
لاگت سے بھی بہت کم ہوتی ہے یعنی جو ہر ماہ دیتا ہے
(الف) سرورق پر سہ رنگا بلاک (ب)
فوٹو بلاکس کی متعدد مگر منتخب تصاویر (ج) بڑے سائز کے ۸۰ صفحات
کا ٹھوس میٹر اور اس سب کچھ کے باوجود بکتا ہے
صرف چار آنے میں
؟

(۴)
وہ کونسا رسالہ ہے جسے ہندو
اور مسلمان یکساں ذوق و شوق اور
دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں
؟

(۵)
دنیا جہان کی دلچسپیوں مزاحیہ
کارٹونوں بہترین افسانوں اور تڑپا دینے والے
ترانوں کا حامل کونسا رسالہ ہوتا ہے
؟

رسالہ مست قلندر لاہور

یقین نہ ہو تو اس پرچہ کا مطالعہ کرکے دیکھ لیجئے ،

فہرست انعام یافتگان دلچسپ معمہ نمبر (۶)

صحیح حل ساڑھے سینتیس روپے فی کس

(۱) مسٹر حشمت علی خاں فائرمین ای۔ آئی۔ آر۔ رننگ شیڈ عالم باغ بلاک نمبر ۲۴۳ آئی لکھنؤ
(۲) مسز حشمت علی خاں فائرمین۔ ای۔ آئی۔ آر۔ رننگ شیڈ عالم باغ بلاک نمبر ۲۴۳ آئی لکھنؤ

ایک غلطی سات روپے دو آنے فی کس

(۱) مسٹر جاوید کوہستانی ایم جیسر مینشن دادر بمبئی .. ..
(۲) مرزا غلام مرتضیٰ بیگ صاحب عرف آغا صاحب قندھاری بازار لکھنؤ .. ..
(۳) سید میر حیدر زیدی۔ اودت نارائن چھتری ہائی اسکول پڑرونہ ضلع گورکھپور

دو غلطی دو روپے دو آنے فی کس

(۱) سید عطا حیدر نقوی محلہ بیگم سرائے کلاں امروہہ (یو پی) .. ..
(۲) عطاء اللہ صاحب مدرسہ ہاشمیہ زکریا مسجد بمبئی نمبر ۳ .. ..
(۳) سید عبد الحبیب معرفت سید عبد الکریم محلہ سدو کی خندق لکھنؤ ..
(۴) حافظ خورشید حسن صاحب پبلک پراسیکیوٹر و گورنمنٹ پلیڈر سیالکوٹ ..
(۵) ظہور حسین صاحب محکمہ نہر عارف والا۔ عارف والا ضلع منٹگمری ۔ .. ..
(۶) درگا داس صاحب کلرک ڈاکخانہ عارف والا۔ عارف والا ضلع منٹگمری ۔ ..
(۷) حکیم محمد یوسف صاحب ذوقی الحکما محلہ لوہاران جگادھری .. .. ..
(۸) محمود حسن خاں صاحب معرفت مسعود حسن خاں صاحب اختر گورکھپوری کلرک
ٹی۔ ایس آفس۔ ریٹس سیکشن (ریکارڈ) بی۔ این ڈبلیو ریلوے گورکھپور
(۹) سری رام صاحب سریواستو معرفت منیشی آرٹ بھوشن ۴۳ لال باغ روڈ۔ لکھنؤ۔
(۱۰) شیام موہن لعل صاحب گورنمنٹ پنشنر کجھرولا ضلع مراد آباد .. ..
(۱۱) ہنس راج صاحب مینی خزانچی تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر .. ..
(۱۲) ایم بیگم صاحبہ معرفت حکیم جی ایم بیگ وارثی قندھاری بازار لکھنؤ۔

تین غلطی ایک روپیہ دس آنے فی کس

(۱) لالہ ملکراج ...... بودکان لالہ رحمنپت مل ملکراج بزاز مقام پھلرواں ضلع شاہ پور
(۲) زبیدہ خاتون صاحبہ معرفت مسٹر ایم اے محمود واٹر ورکس انسپکٹر تلاب گنگی سول شہر لکھنؤ
(۳) سردار ترلوک سنگھ رام گڑھیا ریلوے ورک شاپ بیکانیر .. .. ..
(۴) سجاد علی خاں صاحب محلہ اسمٰعیل پور گورکھپور .. .. ..
(۵) بابو امتیاز علی خاں صاحب اکونٹنٹ نانپارہ ضلع بہرائچ .. .. ..
(۶) ڈاکٹر ہدایت اللہ صاحب بمقام گھونڈ براستہ کھالڑا لاہور ..
(۷) مستری ظفر حسین صاحب سبزی منڈی دہلی ۔ .. .. ..
(۸) مسعود جاوید صاحب سعادت ہائی اسکول نانپارہ ضلع بہرائچ ..
(۹) غلام مرتضیٰ علی صاحب کلرک انگریزی دفتر بندوبست علی گڑھ۔ ..
(۱۰) کاہن چند صاحب شرما ٹیچر لوئر مڈل سکول بنگالہ ڈاکخانہ خاص ضلع لاہور ..

(۱۱) عبد العزیز صاحب پرشین ٹیچر سعادت ہائی سکول نانپارہ ضلع بہرائچ

چار غلطی ایک روپیہ دو آنے فی کس

(۱) فرخندہ بانو معرفت شاہ محمد قمر الہدیٰ شاہ منزل ولی گنج۔ آرہ .. .. ..
(۲) رامیشور پرشاد صاحب اگروال ہندوستانی دفتر بندوبست فیض آباد ..
(۳) ڈاکٹر اے پی ڈیمس سب پوسٹ ماسٹر تارہ ضلع اناؤ .. ..
(۴) محمد حبیب الرحمٰن صاحب بی اے اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر ہیکوک اکڈمی موتی ہاری چمپارن
(۵) اختری سلطانہ صاحبہ دختر ڈاکٹر ہدایت اللہ صاحب بمقام گھونڈ۔ ڈاکخانہ گھونڈ براستہ کھالڑا ضلع لاہور
(۶) شفیع محمد صاحب پرشین ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول ہریاب گڑھ .. ..
(۷) ایم حبیب الرحمٰن محلہ لساریگہ ڈاکخانہ مہہ سرائے ضلع پٹنہ۔ .. ..
(۸) سید سرور علی صاحب معرفت محمود السبطین صاحب تھانہ قرول باغ نئی دہلی .. ..
(۹) شیخ حبیب اللہ مینے نیدرسٹور انارکلی بازار بارہ مولا کشمیر ..
(۱۰) سردار سرجیت سنگھ مقام جھوکراں ڈاکخانہ اپھرہ ضلع جالندھر ..
(۱۱) کامتا پرشاد صاحب سکینہ پولیس آفس بریلی (یو۔پی) .. ..
(۱۲) مسٹر بی۔ ایچ صدر عثمانی لطیفی پریس دہلی گیٹ دہلی۔ .. ..
(۱۳) مسٹر ڈبلیو آئی۔ حارڈی ایل۔ پی ہاؤس لکھنؤ۔ .. ..
(۱۴) سید محمد عشرت حسین احمد شاہ منزل ولی گنج۔ آرہ (بہار) .. ..

ایک غلطی کی تصحیح گذشتہ ماہ فہرست انعام یافتگان نمبر ۵ شائع ہوئی ہے، کاتب کی غلطی سے ۵ کی بجائے ۶ لکھدیا گیا تھا ناظرین نوٹ کرلیں۔

پہلا انعام لینے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنے فوٹو جلد از جلد بھجوائیں۔

فہرست انعام یافتگان معمہ آئندہ اشاعت میں شائع کر دی جائیگی۔

صحیح حل دلچسپ معمہ نمبر (۷)

ب	ڑ	ھ	ا	ن	ے	■	م	ن	ت	ظ	م
ا	■	ر	س	ت	ہ	■	ز	و	ل	■	ح
ر	س	ن	■	ی	و	ن	ا	ن	■	خ	ر
■	و	■	ت	ج	د	ی	و	■	ح	ل	م
ش	د	■	ج	ھ	ی	ل	■	ج	■	و	■
ل	ا	ل	ہ	■	و	■	ہ	و	س	■	س
■	■	گ	■	س	ن	ق	ا	ر	ی	■	ہ
م	■	ا	ج	■	■	ک	ر	■	ل	■	ل
ک	ر	م	■	ج	ف	ا	■	ع	س	ل	■
ا	■	■	پ	ھ	و	ل	■	س	■	ل	ت
ج	ہ	ت	ا	■	■	ت	ی	ر	■	ی	ا
ی	■	س	ا	غ	ر	■	ک	ت	ا	■	ر

معمہ دلچسپ سے متعلق ایک شاندار اسکیم کا اعلان (لہم) نومبر ۱۹۳۹ء کی اشاعت سے کیا جائیگا۔

نگاہِ اوّلین

خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مست قلندر اپنی زندگی کے بیس دور ختم کر کے اب اکیسویں میں قدم رکھ رہا ہے۔ ایک وہ دن تھا کہ اس کے مداحوں کا حلقہ محدود اور اشاعت عام اردو رسائل سے زیادہ نہ تھی اور ایک یہ دن ہے کہ پورب، پچھم، اُتر، دکن، ہندوستان کے جس گاؤں، قصبہ یا شہر کے کوچہ و بازار میں آپ چلے جائیں آپ کو دوسرا میگزین یا رسالہ ملے نہ ملے مست قلندر ضرور دکھائی دے گا۔ اکثر احباب کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ مست قلندر نے اشاعت کے لحاظ سے سابقہ تمام ریکارڈ مات کر دئیے ہیں۔ اور بمبئی کے السٹریٹیڈ ویکلی کی طرح اردو کا کوئی میگزین اس کی گرد کو بھی نہیں پہونچ سکا۔ اس کے علاوہ مشتہرین بارہا اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں کہ واقعی مست قلندر کی اشاعت ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے اخبار اور رسالہ کی مجموعی اشاعت سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

آپ پوچھیں گے کہ مست قلندر ہر مذہب و ملت کے لوگوں میں کیوں اتنا مقبول اور ہر دلعزیز ہو رہا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان و ادب کی خدمت کے علاوہ سیکڑوں قسم کی دلچسپیوں اور حشر سامانیوں کے ساتھ آپ کا محبوب رسالہ بنی نوع انسان کی بہتری اور بہبودی کیلئے ایسی ایسی نادر و نایاب چیزیں مہیا کر رہا ہے جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں۔ انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اطمینانِ قلب اور روحی تسکین حاصل کرنا۔ آپ کی روح پیاسی ہے اور آب تسکین کیلئے بے قرار۔ اگر یہ میسر نہیں تو دنیا جہان کی نعمتیں بیکار اور زندگی کی تمام مسرتیں ہیچ و پوچ ہیں ——— اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتلائیے۔ دو میں سے آپ کس کو پسند کریں گے؟ ایک طرف بے چینی کے ساتھ سارے جہان کی بادشاہت ملتی ہے اور دوسری جانب بے سر و سامانی کے ساتھ اطمینانِ قلب اور روحی تسکین۔ اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو یقیناً آپ اوّل الذکر پر موخر الذکر کو ہی ترجیح دیں گے۔ ہماری ضروریات کیا ہیں؟ ہم کس طریق سے اطمینان و مسرت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں؟ آئے دن کی بیماریوں کے حملے سے محفوظ رہنے اور لمبی عمر حاصل کرنے کا راز کیا ہے؟ ہمیں نیکی کیوں کرنا چاہئے۔ جب خدائی نور کا شرارہ ہر ذی روح میں موجود ہے؟ تو پھر کافر و مومن کا جھگڑا کیوں؟ ہم بلالحاظ مذہب و قومیت ہر ایک کے ساتھ خلوص و محبت سے پیش کیوں نہیں آتے؟ ایک سے محبت اور دوسرے سے نفرت کیوں ہوتی ہے؟ کیا موت دراصل کوئی چیز ہے یا صرف تبدیلی ہیئت کا دوسرا نام 'موت' ہے۔ ہمیں اپنے بھلے بُرے اعمال کی جزا یا سزا کیوں بھگتنا پڑتی ہے؟ نیکی یا بدی کا بیج ہم بو رہے ہیں کیا اس کا پھل بھی ہمیں کو کھانا ہوگا؟ اس قسم کے اچھوتے خیالات کو اپنے مخصوص ظریفانہ انداز میں مست قلندر دنیا والوں کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص ایک نظر مست قلندر کو دیکھ لیتا ہے پھر ہمیشہ کے لئے اُسی کا ہو رہتا ہے۔ اور جیتے جی اسکی جدائی گوارا نہیں کر سکتا۔

مست قلندر کے چندہ میں اضافہ ہر ماہ اسّی تا سو صفحات کے بلند پایہ اور پُر مغز مضامین۔ آرٹ پیپر پر تصویریں اور کارٹون۔ اور قیمت صرف تین آنے فی کاپی۔ جو بھی مست قلندر کو دیکھتا متعجب ہوتا تھا کہ اتنا ضخیم پرچہ اور قیمت اتنی کم۔ خدا جانے ادارہ کو ہر ماہ کتنا نقصان اٹھانا پڑتا ہوگا؟ ——— لیکن یہ بات نہ تھی۔ اشاعت بہت زیادہ ہونے کے باعث بعض وقت میں آمد و خرچ برابر اور کبھی ایک پائی فی پرچہ کا ادارہ کو منافع بھی ہو جاتا تھا۔ پر اب حالات بالکل بدل گئے ہیں۔ یورپ کی جنگ نے کاغذ اور سیاہی کی قیمت کو دو چند کر دیا ہے۔ مست قلندر کیلئے کاغذ پہلے للعہ فی رم لیا جاتا تھا اور اب للعہ فی رم کے حساب سے لیا جا رہا ہے۔ اسی طرح آرٹ پیپر جو پہلے چار آنے فی پونڈ تھا اب ۸ فی پونڈ ہو گیا ہے۔ اس ناگہانی افتاد کے پیش نظر یکم اکتوبر ۱۹۴۱ء سے ہمیں رسالہ کی قیمت میں صرف ایک آنہ کا اضافہ کرنا پڑا ہے اور سالانہ چندہ عہ کی بجائے صرف تین روپے کر دیا گیا ہے۔ مگر ہم اپنے ناظرین کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ اضافہ بالکل عارضی ہے۔ جونہی کاغذ اور سیاہی کی قیمت نارمل ہو گئی ہم رسالہ کی قیمت گھٹا دیں گے۔

پیپر ریلیف فنڈ جو اصحاب اس سے قبل رسالہ کے خریدار بن چکے ہیں انکو سال بھر تک سابقہ چندہ پر رسالہ سپلائی کرنے کیلئے ہم قانوناً اور اخلاقاً پابند ہیں۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ چندہ میں اس معمولی اضافہ کے باوجود ہم مست قلندر کے غیر معمولی اخراجات کے کسی طرح متحمل نہ ہو سکیں گے۔ اسلئے اُن سے اپیل کی جاتی ہے کہ "جنے جنے کی لاکڑی اور ایک جنے کا بوجھ" اگر انہیں واقعی مست قلندر سے محبت ہے تو اپنی بساط کے مطابق پیپر ریلیف فنڈ میں دل کھول کر حصہ لیں۔ ان کی جانب سے چھوٹی سے چھوٹی رقم بھی نہایت شکریہ کے ساتھ قبول کی جائیگی اور مست قلندر کی آئندہ اشاعت میں اُن کرمفرماؤں کے نام جلی حروف میں شائع کر دئیے جائیں گے۔

ایڈیٹر

فہرست قوانین مست قلندر

(۱) مست قلندر ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے اور دو تین بار جانچ کا مقابلہ کر کے ڈاک میں ڈالا جاتا ہے اسلئے اگر کسی صاحب کے پاس ۱۰ تاریخ تک پرچہ نہ پہنچے تو اس کی شکایت مقامی ڈاکخانہ میں کی جائے اور ہمیں بھی لکھا جائے پرچہ نہ ملنے کی شکایت کا خط ۱۵ تاریخ تک آ جانا چاہئے اس کے بعد تین آنے کے ٹکٹ لفافہ میں آنے چاہئیں (۲) مست قلندر کا مقصد ظرافت روحانیت اور عام دلچسپی کے مضامین کی اشاعت کرنا ہے لہٰذا ایسے مضامین جو کہ اخلاق پر بُرا اثر ڈالیں یا فرقہ وارانہ فانیات پر بحث ہو یا سیاسی پہلو لئے ہوئے ہوں درج رسالہ نہیں ہو سکتے (۳) لائق اور قابل مضمون نگاروں کو معقول معاوضے دئیے جاتے ہیں۔ ہندی گجراتی مرہٹی بنگالی اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے والوں کی خاص ضرورت ہے۔ (۴) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک آنے چاہئیں (۵) مست قلندر کے متعلق جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام ہرنام سنگھ صاحب ایڈیٹر مالک رسالہ مذکور ہونی چاہئے (۶) مست قلندر کی توسیع اشاعت میں حصہ لینے والے خاص طور پر شکریہ کے مستحق سمجھے جائیں گے (۷) رسالہ کا سالانہ چندہ [illegible] ممالک غیر سے [illegible] شلنگ اور انعامی اشیاء ہمراہ لینے والوں سے [illegible] اور ممالک غیر سے ۱۰ شلنگ۔ چندہ برائے نمونہ تین روپیہ [illegible]

وقت پر خوراک نہ ملنے پر کیا ہوا؟



رسالہ
مست قلندر
لاہور
جلد ۲۲ — ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء — نمبر (۱)

مجھے شراب پینے دے

روک مت اے ہمنفا آج بھر کے پینے دے مجھے
زخمِ دل کو اشک کے تاروں سے سینے دے مجھے

میں نے اس دنیا کی ہر شئے کی حقیقت دیکھ لی
دیکھ لی یہ نار در آغوشِ جنت دیکھ لی

حسن کیا ہے؟ ٹوٹ کر گرتے ہوئے تارے کی تاب
عشق کیا ہے ایک پیاسے کے تخیل کا سراب

زندگانی اک کھلونا ہے اجل کے ہات میں
ہر نفس انسان کا محصور ہے آفات میں

علم کی تنویر کیا ہے؟ روئے فطرت کا حجاب
اور خوشی کیا ہے؟ عروسِ غم کے چہرے کی نقاب

مذہب و ملت ہیں نام اس ہستیٔ موہوم کے
لوٹتی ہے جو گھروں کو بیکس و مظلوم کے

پوجتے ہیں لوگ ڈاڑھی اور عبا کو ان دنوں
مولوی ہی سلام کرتے ہیں خدا کو ان دنوں

کالج اور اسکول سانچے مغربی تہذیب کے
چھا گئے انداز اس تعمیر پر تخریب کے

کوئی مفلس کا نہیں اس دور میں پرسانِ حال
آہ! کس درجہ بھیانک ہے غریبوں کا مآل

ہر نفس میں موت کی تصویر ہے ان کے لئے
زندگی اک خواب بے تعبیر ہے ان کے لئے

معبدیں اس عصر کی کیا ہیں ریاکاری کے گھر،
خانقاہیں، لوٹ، مکاری، سیاہکاری کے گھر

عزت و عصمت کے ڈاکو ہیں یہاں کے رہنما
ان کی نظروں میں ہے اک موہوم شئے خوفِ خدا

سانپ ہیں یا یہ رینگنے والے عباؤں کے تلے
کرتے ہیں عصمت دری معبد کی چھاؤں کے تلے

اور یہ "پنڈت" دیتے ہیں تعلیم جو ایمان کی
چابتے ہیں تخلیے میں ہڈیاں انسان کی،

پرستش جس جس جبیں مندر کی ہیں زیبائشیں
رقص کرتی ہیں وہاں ہر گام پہ آلائشیں،

چھینتے ہیں بیکس و مظلوم کے منہ سے اناج
یہ سگانِ کوئے ذلت، یعنی افرادِ سماج

چھوٹتی ہیں زرپرستوں پہ خوشی کی بدلیاں
گر رہی ہیں خرمنِ مظلومیت پر بجلیاں

تا کجا یونہی یہ دل. زاریاں دیکھا کروں
خلق کی مکاریاں، بدکاریاں دیکھا کروں

تا کجا، الفت بھرے طعنوں سے تڑپائے گی تو
تا کجا اس بے وفا دنیا میں الجھائے گی تو

چھوڑ اس پاید یہ قصے کو، بس اب پینے بھی دے
مجھکو اس شورش کدے میں چار دن جینے بھی دے

قاضی مست قلندر لاہور — حسرت

افسانہ

عورت کیا چاہتی ہے؟

از جناب روی ... آزادی

"اوما! کیا تم سچ کہتی ہو۔ زندگی کی تمام رنگینیوں سے پیچھے بھئے پردے کو کھول ڈالوں؟"

"ہاں!"

"میں ہنستے ہنستے مر سکتا ہوں لیکن روتے روتے جی نہیں سکتا اوما!"

"سب لوگ یہی کہتے ہیں!"

"میں بھی؟"

"اور نہیں تو کیا!"

شام ہو رہی تھی۔ آفتاب کی سنہری کرنیں دریا کی لہروں پر تھرک رہی تھیں۔ سوبودھ اور اوما ایک درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ اوما کے آخری فقرے پر سوبودھ خیالات کے جال میں الجھ گیا۔ کئی سال سے وہ ایک رنگین خواب دیکھ رہا تھا اور ہمیشہ خواب کو حقیقت ہی سمجھتا رہا تھا۔ لیکن اب اسے معلوم ہوا کہ خواب کی باتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ جس اوما کی محبت پر وہ بھروسہ کر رہا تھا اب اسی اوما کی محبت کا پس منظر بھی اس کے سامنے آگیا تھا۔ مگر اوما کے بغیر وہ زندہ کیونکر رہے گا؟ یہ سوال آج ہی پیدا ہوا۔ اس سے پہلے اس کے ذہن میں اوما کی جدائی کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ وہ اکثر سوچا کرتا تھا "سوبودھ اور اوما زندگی کے خارزار میں ایک ساتھ چلیں گے۔ کندھے سے کندھا ملا کر۔ سوبودھ گرے گا اوما اٹھائیگی اوما گرے گی سوبودھ اٹھائے گا۔ اسی طرح دونوں ہی چلتے رہیں گے۔ ماندگی کی پروا کئے بغیر۔ مگر آج اوما نے سوبودھ کی زندگی کے تمام لطیف اور حسین آرزوؤں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ سوبودھ نے موت کی تاریکیوں میں ہلکی سی زندگی کی روشنی دیکھی تھی۔ اس روشنی کا مرکز اوما تھی۔ اسی روشنی کے سہارے سوبودھ اب تک زندگی کی مشکلات کو سہتا ہوا چل رہا تھا۔ آج یکایک وہ چراغ گل ہو گیا۔ سوبودھ کے دل میں چراغ کو دوبارہ روشن کر دینے کے لئے آگ تو بہت تھی لیکن جب چراغ میں تیل ہی نہ ہو تو خالی بتی کب تک جل سکے گی۔

بہت دیر کی خاموشی کے بعد اوما نے پوچھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں"

"اچھا تو مجھے اجازت دو!"

"اجازت کی کیا ضرورت ہے!"

"مجھے بھول جانے کی کوشش کرنا سوبودھ!" کہتی ہوئی اوما وہاں سے چلی گئی۔

سوبودھ درخت کے نیچے کھڑا ہوا سوچ رہا تھا "انسان کیلئے غربت سب سے بڑی لعنت ہے۔ اوما اب تک ایک غریب آدمی کے جذبات و احساسات کے ساتھ کھیلتی رہی تھی۔ سرمایہ دار غریبوں کو دکھ ہی دینا تو جانتے ہیں۔ وہ اپنے سکھ کے ایک حقیر حصہ میں بھی فلاکت زدہ انسانوں کو شریک کرنا نہیں چاہتے۔ میں غریب ہوں اسی لئے تو اوما سرمایہ داری کے زعم میں مجھ سے کنارہ کش ہو گئی۔ چلو یہ اچھا ہی ہوا۔ ورنہ آگے چلکر اور نہ جانے کیا ہوتا۔ میرے پاس رہنے کے لئے گھر بھی تو نہیں ہے۔ صرف محبت ہی سے تو زندگی کی گاڑی نہیں چلتی۔ شادی کے ساتھ گرہستی اور سنسارک سکھ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اور خصوصاً عورت کے لئے۔ میرے ساتھ رہ کر اوما کو کیا ملتا۔ میں تو دکھ کی زندگی بسر کرتے کرتے دکھ کا عادی ہو چکا ہوں۔ لیکن اوما ——— اوما زندگی میں ہمیشہ سکھ کی اشتاق رہی ہے۔ اتنی بڑی کوٹھی۔ یہ سامان عیش میرے پاس کہاں ملتے!"

یہی سب کچھ سوچکر جیسے اس کا دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

وہ دولت مند تھی دولت تھی اس لئے ایک غریب آدمی کے جذبات و احساسات کے ساتھ کھیلتی رہی لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ وہ غریب آدمی ہے تو ...

(۲)

سوبودھ پیدائشی غریب نہیں تھا بلکہ قسمت نے اسے غریب بنا دیا تھا۔ سوبودھ کے پتا دھیرندر ناتھ مکھو پادھیہ لاکھوں روپے کے آدمی تھے۔ ہوڑہ میں ان کا بہت بڑا السی کے تیل کا کارخانہ تھا۔ دھیرندر بابو اپنے چھوٹے بھائی ویریندر ناتھ مکھو پادھیہ کو بہت پیار کرتے تھے۔ اسلئے اس کاروبار میں اس کو بھی شریک کر لیا گیا تھا۔ لیکن ویریندر نہایت ہی بددیانت آدمی تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے بھائی کو نقصان پہونچانے کی کوشش کرتا۔ اسے قانونی مشیر بھی کچھ ایسے ہی ... مل گئے تھے۔ رفتہ رفتہ اس نے بھائی کی بہت ساری دولت ہڑپ کر لی چونکہ دھیرندر بابو

کو اپنے چھوٹے بھائی پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اس لئے وہ کارخانے کی آمد و خرچ کے حساب کتاب کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ وہ ویریندر کے ہاتھ میں اپنا کاروبار سونپ کر جیسے مطمئن سے ہو گئے تھے۔ اور اس بڑھاپے میں انہیں اسکی ضرورت ہی کیا تھی کہ دن بھر کارخانے میں بیٹھ کر ماتھا پچی کرتے۔ ویریندر بھائی ہے۔ اس پر بھروسہ تو کرنا ہی چاہیئے۔ اس کے علاوہ دھیریندر بابو کے خاندان میں زیادہ افراد بھی نہیں تھے۔ دھرم پتنی مر چکی تھی۔ صرف سوبودھ اور وہ۔ سارا خاندان انہیں دو پرانیوں پر مشتمل تھا۔ ایسی حالت میں دھیریندر بابو کو گھر کے اخراجات کے لئے کچھ زیادہ دولت کی ضرورت بھی نہ تھی۔ سو دو سو روپے ماہوار ان دونوں کے لئے بہت کافی تھے۔ البتہ انہیں سوبودھ کے مستقبل کا بہت خیال تھا اور اسی کے کارخانے کی چمنی سے نکلتے ہوئے دھوئیں کو دیکھ کر وہ کسی طرف سے بھی کچھ مطمئن ہو جایا کرتے تھے۔ ویریندر بظاہر دھیریندر بابو کے دکھ سکھ کا کافی خیال کرتا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ ایک زبردست سازش کی اسکیم تیار کر رہا تھا۔ اس وقت سوبودھ کی عمر سولہ سال کی تھی۔ وہ کافی عقلمند اور سمجھدار ہو چکا تھا لیکن تعلیمی مشاغل کے باعث وہ کاروباری معاملہ میں پڑتا نہیں چاہتا تھا۔ پھر چچا پر اعتماد نہ کرنے کی بظاہر کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ ان تمام غلطیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ویریندر کی سازش مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔

دھیریندر بابو بڑھاپے کے باعث اکثر دمہ کے دورہ میں مبتلا رہا کرتے تھے۔ اس مرتبہ جب انہیں دمہ کا دورہ اٹھا تو ویریندر خاص طور پر ان کی خدمت میں مصروف رہنے لگا۔ اور ایک دن موقع پا کر دھیریندر بابو کو دوا کے ساتھ زہر کھلا کر ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا گیا۔ ویریندر نے اپنے قانونی مشیروں کے ذریعہ حساب کتاب تو پہلے ہی اپنے حق میں منتقل کر لیا تھا۔ اب کارخانے میں رہ ہی کیا گیا تھا جو سوبودھ کے حصہ میں آتا۔

کچھ روز تک سوبودھ چچا کے ٹکڑوں پر پلتا رہا۔ لیکن اس کے ساتھ کچھ اس قسم کی بدسلوکی کی جانے لگی کہ وہ بہت عرصہ تک اس تذلیل کو برداشت نہیں کر سکا اور نتیجہ کے طور پر ایک دن وہاں سے علیحدہ ہو کر پٹنہ چلا آیا۔ یہاں بیس روپے کی ایک ٹیوشن مل گئی۔ اور اسی کے سہارے وہ آگے پڑھنے لگا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے جس آدمی کی ہمدردی حاصل کی وہ اوما تھی۔ اوما اور سوبودھ ناتھ مکھوپادھیہ کی دوستی ہائی اسکول کے میٹرک کلاس سے شروع ہوئی تھی۔ اور بی۔ اے میں پہنچتے پہنچتے اس دوستی نے سوبودھ کو ایک رنگین خواب دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اوما بھی سوبودھ کو بہت چاہتی تھی۔ لیکن صرف چاہنے ہی سے تو کام نہیں چلتا۔ یہاں تو بہت سی باتوں کا خیال کرنا پڑتا ہے اوما جیسی دولت مند لڑکی ایک مفلس اور قلاش آدمی کے ساتھ رہ کر کیا حاصل کر سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی جو ایک دن اوما نے سوبودھ کو صاف صاف جواب دے کر چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔

(۳)

اس دن رات کو جب سوبودھ گھر واپس آیا تو اس کا چہرہ سڑک پر پڑے ہوئے بچے کی طرح اترا ہوا تھا۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی اندرونی تکلیف کے باعث اس کے دل میں اٹھنے والا خوشی کا طوفان دب گیا ہے۔ وہ پلنگ پر لیٹ کے ایک کتاب پڑھنے لگا۔ تاکہ اپنے آپ کو بھلا سکے۔ لیکن دل کی کمزوری نے اس کے جسم اور قلب کو کس طرح غیر معلوم طریق پر مغلوب کیا تھا۔ یہ اسے اسوقت معلوم ہوا۔ جب اس کو شدت کا بخار آ گیا اور وہ پلنگ سے اٹھنے کی کوشش کرنے کے باوجود بھی نہیں اٹھ سکا۔ ایک دن اور ایک رات کس طرح گذری۔ اسے وہ محسوس تک نہ کر سکا۔ ہوش ہونے پر وہ تکیہ کا سہارا لیکر بیٹھ گیا۔ اور طرح طرح کی مایوسی سے بھری ہوئی باتیں سوچنے لگا۔ یکایک باہر سے آواز آئی۔

"سوبودھ ناتھ مکھوپادھیہ!"

"ہاں" کہتا ہوا سوبودھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر آیا۔ دیکھا ہاتھ میں تار کا لفافہ لئے ہوئے میسنجر کھڑا ہے "آج غیر معمولی طور پر یہ تار کہاں سے آ گیا۔ اس کا تو دنیا میں کوئی نہیں ہے" یہی سوچتے ہوئے اس نے فارم پر دستخط کیا اور لفافہ کھول کر نہایت عجلت کے ساتھ پڑھنے لگا۔ تار میں لکھا تھا:—

ویریندر ناتھ مکھوپادھیہ دس لاکھ کی جائداد چھوڑ کر مر گئے۔ تم قانونی طور پر اس جائداد کے مالک ہو۔

مانک چندر بینر جی

تار بھیجنے والے کلکتہ ہائی کورٹ کے مشہور جج تھے۔ اس لئے اس بات کی تصدیق کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ سوبودھ پر جیسے غشی سی طاری ہونے لگی ابھی کچھ دیر پہلے وہ بہت غریب تھا لیکن اب وہ ایک دولتمند آدمی بن گیا تھا۔ "آج وہ اوما سے ایک مرتبہ اور ملاقات کرے گا۔ دس لاکھ کی جائداد کوئی معمولی چیز نہیں ہوتی" یہ بات ذہن میں آتے ہی اس نے کاغذ پر کچھ لکھنا شروع کیا۔ اور اس مسودہ کو جیب میں رکھ کر اوما کے گھر کی طرف چل پڑا۔

(۴)

نوکر نے آ کر اوما کو خبر دی کہ نیچے نشست گاہ میں سوبودھ اس کا انتظار کر رہا ہے۔ اوما نے ایک فرمائشی تبسم کے ساتھ کہا۔

"وہ بڑا احمق آدمی ہے"

اوما کے نیچے آتے ہی سوبودھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کے سوکھے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اوما تڑپ اٹھی۔ اس کے کلیجہ میں جیسے بھالا پیوست ہو گیا ہو۔ محبت کے نام پر اتنا بڑا ہولناک ظلم کیا جا سکتا ہے۔ یہ اوما نے آج اور ابھی

دیکھا۔ سوبودھ ہی پہلے بولا۔

"ایک ضروری کام سے آگیا ہوں۔ پھر کبھی نہیں آؤں گا۔"

"کیا کام ہے بھلا؟"

سوبودھ کے سوکھے ہوئے چہرے پر ہنسی کی روشنی پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"یہ لو۔" اور کہتے ہوئے جیب سے ایک کاغذ کا ٹکڑا نکال کر اوما کو دیدیا۔ اوما نے اس مسودہ کو پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ سوبودھ اپنی ساری جائداد اوما کے حق میں منتقل کر رہا ہے۔ اوما کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سوبودھ جیسا مفلوک الحال آدمی اسقدر جلد اتنا بڑا دولتمند بن جائیگا۔

گاڑیبان نے پھاٹک پر سے سوبودھ کو پکار کر کہا۔

"اور کتنی دیر ہوگی۔ اگر جلدی نہ چلیں گے تو پورب جانے والی گاڑی چھوٹ جائیگی۔"

اوما نے کھڑکی سے گردن نکال کر باہر دیکھا۔ سڑک پر ایک یکہ کھڑا ہے۔ اس کا چہرہ اتر گیا۔ بیتابی کے ساتھ اس نے سینکڑوں سوالات کر ڈالے۔

"پورب کون جائیگا؟ یکہ کس کا ہے؟ اتنی دولت تمہیں کہاں سے ملی۔ تمہارا چہرہ سوکھا ہوا کیوں ہے؟ آنکھیں لال کیوں ہو رہی ہیں......"

کہتے کہتے اوما نے سوبودھ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک دم چونک کر بولی۔

"ارے تمہیں تو بخار ہے۔ بڑے زور کا ہے۔ وہی تو میں کہہ رہی تھی کہ تمہارا چہرہ کیوں سُرخ ہو رہا ہے۔"

سوبودھ نے اوما کو اپنے سے علیحدہ کرتے ہوئے کمزور لیکن مطمئن لہجے میں کہا۔

"میں پورب جا رہا ہوں۔ کہاں ٹھہروں گا پتہ نہیں۔ اب تک میں تمہارے ساتھ بلا معاوضہ ہی محبت کرتا رہا تھا۔ آج میں نے سوچا چلکر تمہاری محبت کی قیمت ادا کر دوں۔ اسی لئے آگیا ہوں۔"

"پہلے یہ بتاؤ تمہیں یہ جائداد کہاں سے ملی؟"

"میری ہی تو تھی۔"

"مگر اب تک تم نے اس راز کو ظاہر کیوں نہیں کیا تھا؟"

"ظاہر کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوتا۔"

"تو گویا اب تم کالج چھوڑ دو گے۔"

"زیادہ پڑھ کر کیا کروں گا۔"

"تمہاری کتابیں؟"

"وہ گھر سے نیچے پڑی ہیں۔"

"اور تمہارا سامان؟"

"وہ بھی وہیں رکھا ہے۔"

"خیر اس کا بندوبست تو بعد میں ہو جائے گا۔ تم اوپر چلکر لیٹ رہو۔ چلو۔"

"لیکن آج مجھے جانا ہے۔"

"اتنے بخار میں؟ کیا تم سچ مچ یقین کرتے ہو کہ میں ایسی حالت میں تمہیں جانے دونگی۔"

"اب میں خواب سے بیدار ہو چکا ہوں اوما!"

اوما کی زبان میں جیسے تالا لگ گیا۔ وہ خاموش اور چپ چاپ کھڑی ہوئی سوچنے لگی اور سوبودھ حسرت کدہ سے باہر نکل گیا۔

(خواص)

جس کا عالم فرش پا انداز ہے
آکے پھر رعنائیوں پر ہے شباب

رہ کے آنکھوں میں رہے آنکھوں سے دور
ہے جس ہستی سے مجھے پیہم گلہ

مجھ سے جو سرزد ہوہ لغزش مری
المدد برقِ تجلّی المدد

حشر کے دن اہلِ عالم کا ہجوم

کوئی بربادِ نیاز و ناز ہے
آکے پھر چشمِ محبت باز ہے

حسن کی فطرت سراپا راز ہے
پھر اسی ہستی پہ مجھکو ناز ہے

تم سے جو صادر ہوہ انداز ہے
حسن کو جلووں پہ اپنے ناز ہے

ہیں یہ سمجھا انکی بزمِ ناز ہے

کون ہے جو ہر لوزاں سے نج چمن
یہ تو پہچانی ہوئی آواز ہے



معیارِ حسن

ایک بلند پایہ معاشرتی و اصلاحی افسانہ

ہندی کے مشہور فسانہ نگار [illegible] کے قلم سے

جملہ حقوق محفوظ

پنڈت بندری پرشاد شکل بہت بڑے آدمی ہیں، ان کی زمینداری بہت بڑی ہے، پورے پندرہ گاؤں ان کے پاس ہیں، شہر میں بھی کافی جائیداد ہے، خاندان بھی بہت بڑا ہے، مرد عورت ملا کر کل پندرہ آدمی ہیں، شکل جی کی دو اولادیں ہیں، ایک بیٹا جسکی عمر تقریباً دس برس کی ہے، اور ایک بیٹی جس کی عمر چودہ سال کے قریب ہے، شکل جی کی ماں بھی بقیدِ حیات ہیں—

(۱)

رات کا وقت تھا شکل جی اپنے کمرے میں لیٹے ایک انگریزی اخبار دیکھ رہے تھے، اس درمیان میں ان کی والدہ آگئیں اور بولیں "بیٹا بندری! لڑکی کی شادی کی بھی کچھ فکر ہے۔ اب وہ سیانی ہو گئی ہے"

شکل جی اخبار علیحدہ رکھ کر بولے "فکر کیوں نہیں ہے۔ ادھر اُدھر ذکر کر دیا ہے"

"صرف ذکر کر دینے سے کام نہیں چلتا، کچھ کوشش بھی تو کرنی چاہئے"

ماں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، کوشش بھی کر رہا ہوں، بات یہ ہے کہ آج کل کچھ ہوا چلی ہے کہ جسے دیکھو وہ لڑکی کا فوٹو ہی دیکھنے کو مانگتا ہے"

"فوٹو مانگتے ہیں تو فوٹو بھیج دو"

"فوٹو بھیجنے سے کام بگڑ جائیگا"

"کیوں، کام بگڑ جانے کا اندیشہ کیوں ہے؟ ہماری لڑکی کچھ کانی، لولی، لنگڑی تو ہے نہیں، ہاں خوبصورت بھی نہیں ہے، سو یہ بھگوان کی دین، اس کی کیا خطا ہے؟ چیچک کے داغ نہ ہوتے تو خوبصورت بھی تھی"

"تو یہ عیب کم ہے؟"

"یہ کون سا بڑا عیب ہے؟ بھلے گھر کی لڑکیوں میں جو باتیں ہونی چاہئیں، وہ سب اس میں موجود ہیں، سینے پرونے میں ہوشیار ہے، کھانا پکانا بھی اچھا جانتی ہے، پڑھی لکھی بھی کافی ہے، اس سے زیادہ اور کیا چاہئیے"

"یہ تو صحیح ہے لیکن اسکو کیا کیا جائے کہ آج کل سب سے پہلے لڑکیوں کے گن ڈھنگ نہیں بلکہ ان کی شکل و شباہت دیکھی جاتی ہے"

"تم کہاں کی باتیں کرتے ہو، میں نے تو کہیں نہیں سنا کہ شادی کیلئے اتنی دیکھ بھال کی جاتی ہے"

"پہلے یہ بات نہیں تھی لیکن آج کل تو یہی ہوتا ہے"

"پھر تو جو لڑکیاں خوبصورت نہیں ہیں، وہ کنواری ہی بیٹھی رہ جاتی ہوں گی؟"

"کنواری تو نہیں بیٹھی رہتیں لیکن ایسی لڑکیوں کی شادیاں بڑی مشکل سے ہوتی ہیں، ان کو خوشحال گھر اور تعلیم یافتہ لڑکے تو ملتے ہی نہیں، کیونکہ تعلیم یافتہ لڑکے لڑکی کا فوٹو دیکھے بغیر شادی کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے"

"پہلے کے لوگ اسی لئے تو کم عمری ہی میں شادی کیا کرتے تھے، کم عمری میں بیاہ کرنے سے یہ سب جھگڑے پیدا نہیں ہوتے، اس طرح غلطی بُری سب کا بیاہ ہو جاتا تھا"

"ہاں یہ بات تو تھی، لیکن کم سنی کی شادی میں بہت سی خرابیاں بھی تھیں اس لئے اب کم سنی کی شادی کو لوگ ٹھیک نہیں سمجھتے"

"ہاں یہ کلجگ ہے نا۔ اس زمانہ میں اچھی باتیں بند ہوتی جا رہی ہیں، اور بُری باتیں پھیلتی جا رہی ہیں"

"ہاں لیکن کیا کیا جائے۔ ملک اور زمانہ کے خلاف کرنے سے بھی تو کام نہیں چلتا"

"تو اپنی لڑکی کیلئے کیا کیا جائے گا وہ بیچاری کنواری ہی بیٹھی رہے گی؟"

"نہیں کنواری کیوں بیٹھی رہے گی، کوئی نہ کوئی فکر تو کرنا ہی پڑے گی، کوئی خاندانی غریب لڑکا مل جائے تو جہیز میں ایک آدھ گاؤں دیکر اس سے شادی کر دی جائے، لیکن ابھی کوئی ایسا لڑکا نہیں ملا، فکر میں ہوں، امید ہے کہ مل جائے گا، میں نے تم سے ذکر نہیں کیا، دو جگہ بات چیت ہوئی لیکن انہوں نے لڑکی کا فوٹو دیکھا تو نسبت طے کرنے سے انکار کر دیا"

"تو تم نے لڑکی کی تصویر بھیجی تھی؟"

"ہاں بھیجی تھی"

"یہ تو نے غلطی کی، تصویر نہ بھیجتے تو اچھا تھا"

"تو پھر کرتا کیا؟ تصویر دیکھے بغیر وہ شادی کرنے پر تیار ہی نہ تھے"

ماں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا "تصویر دیکھ کر بھی راضی نہ ہوئے؟"

"ہاں انہیں لڑکی پسند نہیں آئی"

"رام رام، کیسا زمانہ آگیا ہے؟ میری چچی بیچاری بالکل خوبصورت نہ تھی، رنگ سانولا تھا، ناک نقشہ بھی اچھا نہ تھا، لیکن بڑی آسانی سے شادی ہو گئی کوئی

دشواری پیش نہیں آئی۔ میرے چچا بھی اُنہیں دل سے چاہتے تھے۔ اسوقت تو لوگ صرف یہ دیکھتے تھے کہ گھر اچھا ہو۔ لڑکی خاندانی ہو، سلیقہ دار ہو، گھر گرہستی کے کاموں سے واقف ہو، صورت شکل کوئی نہیں دیکھتا تھا شکل و شباہت تو بازاری عورتوں کی دیکھی جاتی تھی۔"

ماں کی بات پر شکل جی بہت ہنسے، ماں بھی مسکراتی ہوئی بولی —— بھگوان جانے میں جھوٹ نہیں کہتی، میری موسی بڑی خوبصورت تھی۔ ایکبار میرے نانا سے کسی کہدیا "میں نے سُنا ہے آپ کی ایک لڑکی بہت خوبصورت ہے" یہ سُنکر میرے نانا ان پر بہت خفا ہوئے۔ بولے "اب کہا تو کہا آئندہ پھر یہ بات کہوگے تو اچھا نہ ہوگا۔ ایک وہ زمانہ تھا اور ایک یہ زمانہ ہے کہ لوگ لڑکیوں کی تصویریں بھیجتے ہیں۔"

شکل جی بولے "جس زمانے میں جو بات رائج ہوتی ہے وہی اچھی ہوتی ہے اُس کے خلاف کرنا اچھا نہیں ہوتا"

"خیر، ان باتوں کو تو تم جانو میں تو یہ کہتی ہوں کہ لڑکی سیانی ہوگئی ہے۔ اس کی شادی کی فکر ضروری ہے۔"

"ہاں تو شادی کی فکر تو کی ہی جا رہی ہے۔ اور وہ کسی طرح کی ہی جائے گی۔"

"پہلے لڑکا تو تلاش کرو۔"

"لڑکا تلاش کیا جائیگا، مگر اس کیلئے ذرا کوشش کی ضرورت ہے۔"

"تو کوشش کب کروگے؟ کیا اس کیلئے کوئی اور وقت آئے گا؟"

"وقت آگیا ہے، کوشش کر رہا ہوں۔"

"ہاں میں یہی چاہتی ہوں، میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، کم سے کم لڑکی کی شادی تو میرے سامنے ہو جائے۔ لڑکے کی شادی بھگوان نے خوش رکھیں ہوگی تب ہوگی، اس وقت تک میں رہوں یا نہ رہوں کون جانے؟"

"سب کچھ تمہارے سامنے ہو جائے گا، اطمینان رکھو"

(۲)

شکل جی نے لڑکی کی نسبت ٹھیک کرنے کی بہت کوشش کی مگر جہاں بات چیت کرتے فوٹو مانگا جاتا اور دینے سے انکار کرنے پر نسبت سے انکار کردیا جاتا تھا اور فوٹو بھیجا جاتا تھا تو لڑکی ناپسند کردی جاتی تھی، بیچارے شکل جی بہت پریشان تھے۔

ایک روز وہ اسی فکر میں بیٹھے تھے کہ ان کے پُرانے دوست ملنے آئے، کئی سال کے بعد ملاقات ہونے کی وجہ سے شکل جی ان سے بہت جوش کے ساتھ ملے خیر و عافیت کے بعد شکل جی نے پوچھا "کہو آج کل کیا شغل رہتا ہے؟"

"وہی پرانا شغل"

"سب کام کاج اچھی طرح چل رہا ہے۔"

"ہاں الٹیور کھانے بھر دیا جاتا ہے، یہی بہت ہے، آپ کا آج کل کیا شغل ہے؟"

"میں تو آج کل لڑکی کی شادی کی فکر میں پڑا ہوا ہوں۔"

"اس کے لئے فکر کی کون سی بات ہے؟"

شکل جی نے سب حال سُناکر کہا "بچپن میں لڑکی کے چیچک نکلی تھی اس کا چہرہ بدنما ہو گیا ہے، اور اس سے کہیں اس کی شادی ٹھیک نہیں ہوتی، نہ کوئی ایسا ملتا ہے جو بغیر فوٹو دیکھے شادی کرنے پر تیار ہو۔"

"تو اس کیلئے دوسری تدبیر ہے۔"

"وہ کیا؟"

"نقلی فوٹو بھیجدو۔"

"نقلی فوٹو" شکل جی نے کسی قدر نفرت سے کہا۔

"ہاں تو کروگے کیا، لڑکی کی شادی تو بہر حال کرنی ہی ہے۔"

"لیکن میرا ضمیر دھوکہ دینے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔"

"بیوقوف ہو، دُنیا میں دیانت داری سے کام نہیں چلتا۔"

"خیر، اگر نقلی فوٹو بھیجا بھی جائے تو کس کا فوٹو بھیجا جائے؟"

"کسی کا ہو، ہاں ایک صورت اور ہے، اپنی ہی لڑکی کا فوٹو کسی ایسے فوٹوگرافر سے بنواؤ جو "ٹچ" کرکے خوبصورت بنا دے۔"

"خوبصورت بنادے!"

"میرا مقصد یہ ہے کہ وہ چہرے کے اس عیب کو دور کر دے جس کی وجہ سے لڑکی بدصورت معلوم ہوتی ہے۔"

"اگر ایسا منظور کیا جائے تو خیر میں اتنے کیلئے تیار ہو سکتا ہوں لیکن میں بالکل دوسرا فوٹو بھیجوں ایسی فریب دہی تو مجھ سے ناممکن ہے۔"

"بہتر ہے یہی کرو۔"

"پھر ایسا فوٹوگرافر تو یہاں ہے نہیں۔"

"کلکتہ یا بمبئی فوٹو بھیجدو وہاں سے بنکر آجائے گی۔"

"تمہیں کسی ایسے فوٹوگرافر کا پتہ معلوم ہے؟"

"دو تین پتے یاد ہیں۔"

دوست نے تین پتے لکھوائے اور کہا "انہیں لکھ دینا کہ جس چیز سے چہرہ بدنما معلوم ہو رہا ہے، اُسے دور کر دیا جائے۔"

"یار! ایسا ہو جائے تو بڑی خوشی کی بات ہے میں بہت پریشان ہو رہا ہوں۔"

"تم نے تو اس کیلئے فضول اتنی پریشانی اُٹھائی یہ تو بالکل معمولی بات تھی۔ لوگ اکثر اسی طرح کام چلاتے ہیں۔"

"میری عادت فریب اور بددیانتی کی نہیں ہے اسی سے تو کبھی مجھے اس کا خیال نہیں آیا۔"

"دنیا میں رہ کر سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

"ہاں جب لوگ سچائی کی قدر نہیں کرتے تو مجبوراً بددیانتی ہی کرنا پڑتی ہے"

"میں نہ آتا تو تم ابھی اس ادھیڑبن میں پڑے رہتے"

"اس میں کیا شک ہے؟ مجھے تو یہ بات کبھی نہ سوجھتی"

"تو میرا آنا فضول نہیں ہوا"

"مخلص دوستوں کا آنا کبھی فضول نہیں ہوتا"

کچھ دیر کے بعد دوست چلے گئے، شکل جی نے اسی روز لڑکی کا فوٹو بمبئی بھیج دیا۔ پندرہ روز کے بعد فوٹو تیار ہو کر آگیا، شکل جی فوٹو دیکھ کر دنگ رہ گئے، ناک نقشہ سب وہی، مگر چہرہ بالکل صاف، چیچک کے داغ کہیں نام تک نہیں، آنکھیں بھی اصل کی نسبت کہیں زیادہ حسین بنادی گئی تھیں، شکل جی نے ماں اور اپنی بیوی کو وہ تصویر دکھائی، وہ تو پہچان ہی نہ سکیں اور جب شکل جی نے بتایا تو انہیں بہت تعجب ہوا۔

بیوی سرد آہ بھر کر بولی "اگر چیچک نہ نکلتی تو لڑکی سچ مچ ایسی ہی ہوتی"

شکل جی نے کہا "بے شک، لیکن بھگوان کی مرضی یہی تھی۔

اب جہاں سے فوٹو مانگا جائے گا یہی فوٹو بھیجا جائے گا"

"اس فوٹو کو دیکھ کر تو کوئی لڑکی کو ناپسند نہ کرے گا"

"اب کیا ناپسند کرے گا، اب اگر زیادہ خوبصورت نہیں معلوم ہوتی تو بدصورت بھی نہیں ہوتی"

"لیکن اگر شادی کے بعد لڑکی کو دیکھا تو کیا ہوگا؟"

"اس وقت دیکھا جائے گا، شادی ہو جانے کے بعد کوئی کیا کر سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں کر سکتا؟ دوسری شادی ہو سکتی ہے"

"لڑکی کی قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہوگا، ہم سے تو جو ہو سکتا ہے، وہی کر سکتے ہیں"

دو تین جگہ شادی کی بات چیت ہو رہی تھی، شکل جی نے وہی فوٹو بھیج دیا اور ایک جگہ نسبت بھی پختہ ہوگئی، اور شادی کا دن بھی مقرر ہوگیا۔

(۳)

شکل جی کی بیٹی کی شادی ہوگئی، انہوں نے دل کھول کر جہیز دیا، ایک مسلم موضع جس کی سالانہ آمدنی چار ہزار کے قریب تھی، ایک موٹر کار اور قریب قریب بارہ ہزار روپے کے برتن زیور کپڑے وغیرہ دیئے۔ اس طرح شکل جی نے اپنے نزدیک اس پاپ کا پورا پورا پراشچت ادا کر دیا، جو انہوں نے لڑکی کی اصلی صورت چھپا کر کیا تھا، ان کے سمدھی پنڈت بالک رام ترپاٹھی بہت خوش ہوئے، ترپاٹھی جی متوسط حیثیت کے آدمی تھے، ان کے یہاں غلے کی آڑھت کا کام ہوتا تھا، اس سے انہیں تین چار سو روپے ماہوار کی آمدنی تھی، شہر میں کچھ جائداد بھی تھی، اتنا جہیز پا کر وہ پھولے نہ سمائے، انہوں نے شکل جی کی بے انتہا تعریف کی۔

رخصتی کے وقت شکل جی ترپاٹھی جی سے ہاتھ جوڑ کر بولے "ترپاٹھی جی، بھول چوک سب سے ہوتی ہے، انسان اپنا مطلب نکالنے کیلئے کے لئے سب کچھ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، میری آپ سے یہی درخواست ہے کہ میری کسی خطا کا بدلہ میری بیٹی سے نہ لیجئے گا، یہ میری اکلوتی بیٹی ہے، اگر اس کو آپ کے یہاں کوئی تکلیف ہوئی تو مجھے بہت صدمہ ہوگا"

یہ کہتے کہتے شکل جی کی آنکھیں اشک آلود ہوگئیں۔

ترپاٹھی جی نے نہایت ہمدردی کے ساتھ کہا "آپ یہ کیا کہتے ہیں؟ آپ کی بیٹی تو اب مثل میری بیٹی کے ہوگئی، بھلا اسے میں تکلیف دے سکتا ہوں! آپ کبھی اس کا وہم بھی نہ کیجئے گا، میرا بیٹا بھی اکلوتا ہے اسلئے کوئی اور بہو تو گھر میں ہے نہیں، آپ ہی کی لڑکی گھر کی مالک ہوگی"

غرض ترپاٹھی جی بہت خوش خوش رخصت ہوئے، لیکن گھر پہنچنے پر جب دولھن کی صورت دیکھی گئی، تو ساری خوشیوں پر پانی پھر گیا۔

ترپاٹھی جی کی بیوی بہو کی صورت دیکھ کر بھاگی ہوئی ترپاٹھی جی کے پاس آئی اور بولی "سالگ کے بالو! لڑکی کے بارے میں تو بڑا دھوکہ دیا گیا"

ترپاٹھی جی نے گھبرا کر پوچھا "کیسا دھوکہ!"

"یہ تو وہ لڑکی نہیں ہے جس کی تصویر آئی تھی"

ترپاٹھی جی اور زیادہ گھبرا کر بولے "تم یہ کہہ کیا رہی ہو، ان کی ایک ہی تو لڑکی ہے، وہ نہیں تو اور کون ہے؟"

"ایک ہو یا چار، میں یہ نہیں جانتی، لیکن یہ وہ لڑکی نہیں ہے، جس کی تصویر آئی تھی"

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟"

"جب لڑکی بھی موجود ہے اور تصویر بھی کہیں نہیں گئی ہے تو معلوم کرنا کیا مشکل ہے؟"

"تو کیا اس لڑکی میں کوئی عیب ہے؟"

"عیب کو پوچھتے ہو، بڑی ہی بدصورت لڑکی ہے چیچک کے داغوں سے چہرہ بھڑ کا چھتہ معلوم ہو رہا ہے"

"رنگ تو گورا ہے نا، میں نے ہاتھ پاؤں دیکھے تھے، اس سے تو کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی تھی"

"رنگ گورا ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ اصل چیز تو شکل و شباہت ہے، وہ بھی کچھ ایسی نہیں اور اس پر چیچک کے داغ نے اور بھی چہرے کو بدنما کر دیا ہے، سالگ دیکھے گا تو کیا کہے گا؟"

ترپاٹھی جی پر سکتہ سا طاری ہوگیا، اتنے میں انہیں یکایک شکل جی کی وہ بات یاد آئی جو انہوں نے رخصتی کے وقت کہی تھی "انسان اپنا مطلب نکالنے

کیلئے سب کچھ کرگزرتا ہے۔ میری کسی خطا کا بدلہ میری بیٹی سے نہ لیجئے گا۔"

اب ترپاٹھی جی کی سمجھ میں آیا کہ اس بات کے کہنے سے شنکل جی کا کیا مطلب تھا۔

ترپاٹھی جی سر ہلاتے ہوئے بولے "جبھی شنکل جی اتنی عاجزی ظاہر کر رہے تھے۔ اب میری سمجھ میں آیا"

ترپاٹھی جی کی بیوی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، وہ آنچل سے آنسو پونچھتی ہوئی بولی "میرا اکلوتا بچہ۔ اور اس کی بیوی ایسی؟ میں نے کتنا کہا کہ لڑکی دیکھ آؤ یا کسی کو بھیجکر دکھوا لو مگر میری ایک نہ سنی گئی، اب بتاؤ میرے بچے کی زندگی برباد ہوئی یا نہیں؟"

ترپاٹھی جی رنجیدہ ہوکر بولے "تو میں کیا جانتا تھا کہ ایسے مہذب اور بڑے آدمی بھی اس طرح دھوکہ دینگے، بیچارے نے جہیز تو بہت دیا"

"ایسا جہیز کس کام کا، ہم بھی کچھ محتاج تو ہیں نہیں، ہمارے پاس بھی بھگوان کا دیا سب کچھ ہے۔ ہم امیر نہیں تو غریب بھی نہیں ہیں، ہمیں لڑکی اچھی دیتے، جہیز کم دیتے یا نہ دیتے۔ سالگ تو اس سے بات بھی نہ کریگا"

"خیر اب تو جو ہونا تھا ہوچکا، اگر سالگ اس کے ساتھ گزر نہ کرسکا تو اسکی دوسری شادی کردی جائے گی"

"یہ تو کرنا ہی پڑے گا لیکن پہلے ہی میری بات مان لیتے تو اسکی نوبت کاہیکو آتی"

"بھروسے میں مارے گئے"

"آج کل کسی پر بھروسہ کرنا بڑی نادانی ہے"

"خیر اب تو غلطی ہوگئی، آیندہ کے لئے تجربہ ہوگیا، انہوں نے جو دغابازی کی اس کا خمیازہ انہیں کی بیٹی کو بھگتنا پڑے گا ہمیں کیا ہم تو لڑکے کی دوسری شادی کردینگے۔ انہیں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ایسے پڑھے لکھے اور بڑے آدمی ہوکر ایسا ذلیل کام کر بیٹھے۔ رام رام، ذرا فوٹو تو لاؤ دیکھیں، آخر فوٹو کس کا بھیجا تھا؟"

ترپاٹھی جی کی بیوی فوٹو لے آئی، فوٹو دیکھ کر ترپاٹھی جی بولے "فوٹو تو کسی اچھی لڑکی کا ہے"

"کسی رشتے ناطے کی لڑکی کا ہوگا" بیوی بولی۔

"ہمیں کیا معلوم"

"انہیں لکھو کہ تم نے میرے ساتھ یہ کیسی دغابازی کی"

"اب یہ سب لکھنا فضول ہے"

"فضول کیوں ہے، انہیں معلوم تو ہوجائے گا کہ ان کی اس کارروائی سے ہمیں کتنا صدمہ پہنچا ہے"

"تو اس سے حاصل کیا ہوگا؟"

"کچھ حاصل ہو یا نہ ہو لکھ دینا ضروری ہے، لڑکے کی دوسری شادی کرنی ہی پڑے گی"

"تو کردی جائے گی، لکھنا لکھانا فضول ہے"

(۴)

سہاگ رات کو سالگ رام نے بیوی کی صورت دیکھی تو اس کے دل پر بجلی سی گر پڑی، وہ ایک بی اے پاس نوجوان تھا۔ اگرچہ اس کی بڑی تمنا تھی کہ اس کی شریک زندگی ایک خوبصورت لڑکی ہو، لیکن شنکل جی کے فوٹو بھیجنے پر اس نے بڑی سعادت مندی سے لڑکی کی پسند کا معاملہ پورے طور پر اپنے والدین پر چھوڑ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر فوٹو کے مطابق لڑکی ہو تو حسین نہ ہوگی تو بدصورت بھی نہ ہوگی، اس خیال کی بنا پر وہ خاموش ہوگیا۔ لیکن لڑکی کی صورت دیکھ کر اس کے رنج و غم کی انتہا نہ رہی۔ بہت دیر کے سکوت کے بعد وہ بولا "تمہارے باپ نے جو فوٹو بھیجا تھا وہ تمہارا نہیں تھا کس کا تھا؟"

سالگ رام کی بیوی 'لیلاوتی' نے سر جھکاتے ہوئے کہا "میں کیا جانوں، کس کا تھا"

"کیا تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ تمہارے باپ نے فوٹو بھیجوایا تھا؟"

لیلا نے انکار میں سر ہلا دیا۔

سالگ رام پھر چپ ہوگیا اور کچھ سوچنے لگا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور الماری سے فوٹو نکال کر لیلا کو دکھاتے ہوئے بولا "یہی فوٹو بھیجا تھا یہ کس کا فوٹو ہے"

لیلا نیچی نگاہ کئے فوٹو دیکھ کر بولی "یہ تو میرا ہی فوٹو ہے"

"تمہارا فوٹو ہے؟"

یہ کہکر سالگ رام نے لیلا کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کو اٹھایا اور اس کے خط و خال سے فوٹو کا مقابلہ کرنے لگا۔ غور سے دیکھنے کے بعد اس نے بیوی کی ٹھوڑی چھوڑ کر کہا "ہاں فوٹو تو تمہارا ہی ہے، مگر اسے بڑی ہوشیاری سے "ریٹچ" کیا گیا ہے"

لیلا سمجھ گئی کہ اس کی شکل دیکھ کر شوہر کو بہت رنج ہوا ہے۔ اپنے عیب سے کون واقف نہیں ہوتا؟ وہ بیچاری اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ بدصورت ہے۔

سالگ رام فوٹو علیحدہ رکھ کر بولا "تمہارے باپ نے یہ بہت نامناسب کارروائی کی، ان کو چاہئے تھا کہ تمہاری اصل تصویر بھیجتے"

لیلا خاموش تھی۔

سالگ رام نے پھر کہا "اتنے بڑے آدمی اور ایسا جھوٹا کام۔ رام رام"

بیچاری لیلا شرم سے گڑ سی گئی، پھر بھی اس کی زبان سے ایک بات نہ نکل سکی۔

— — — — —

"بیوی پسند آئی؟" سہاگ رات کی صبح ایک عورت نے جو رشتے میں اسکی بھاوج ہوتی تھی پوچھا۔

سالگ رام نے کہا: "تمہیں پسند آئی؟"

"مجھے تو پسند نہیں آئی، مجھے کیا کسی کو بھی پسند نہیں آئی۔"

"پھر مجھے کیسے پسند آسکتی ہے؟"

سالگ رام نے کچھ جواب نہ دیا، بھاوج کے پاس سے چپ چاپ چلا آیا۔

رفتہ رفتہ دن گذرنے لگے، لیلا یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا شوہر اس سے محبت نہیں کرتا وہ اس کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی تھی، اس کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورتوں کا بھی پورا پورا خیال رکھتی تھی، اپنی سلیقہ داری تمیز داری اور خوش اخلاقی کی وجہ سے اس نے کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا، سالگ رام اس کی سلیقہ داری اور خدمت گذاری کو دیکھکر اکثر خیال کرتا کہ اگر سیرت کی طرح اس کی صورت بھی اچھی ہوتی تو یہ ایک بے مثل عورت ہوتی۔

(۵)

ایک روز سالگ رام رات کو سونے کیلئے اپنے کمرے میں گیا تو دیکھا کہ لیلا دونوں پہلے سے لیٹی ہوئی ہے۔ سالگ رام نے اس کے پاس جاکر کہا: "کیسے پڑی ہو، طبیعت تو اچھی ہے نا؟"

لیلا نے کچھ جواب نہیں دیا، وہ اپنا منہ آنچل سے ڈھکے ہوئی تھی۔ سالگ رام نے آنچل ہٹاکر دیکھا تو معلوم ہوا لیلا رو رہی ہے، اس کے رخساروں پر آنسو ڈھلک رہے تھے، سالگ رام نے محبت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کیوں رو رہی ہو؟"

شوہر کے پوچھنے پر لیلا زور زور سے رونے لگی، لیلا کو اس طرح روتے دیکھ کر سالگ رام کو بہت تعجب ہوا اس نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آخر بات کیا ہے کچھ بتاؤ تو سہی۔"

لیلا اپنی طبیعت کو سنبھالتے ہوئے بولی: "مجھے موت آجاتی تو اچھا تھا۔"

"کچھ کہو گی بھی کہ کیا بات ہے؟"

"ساس جی اور گھر کی دوسری عورتیں ہر وقت طعنے دیتی رہتی ہیں کہ نہ جانے کہاں سے سر پڑ گئی۔ کتنی بھونڈی بھدی اور بدصورت لڑکی ہے، دوسری شادی کئے بغیر کام نہیں چل سکتا، سنتے سنتے دل پک گیا، اب نہیں سنا جاتا۔ اور کوئی بات تو کہنے کے لائق انہیں ملتی نہیں، اسلئے اسی کو دہراتی رہتی ہیں، اب صورت کو میں کیا کروں۔ بھگوان نے جیسی بنادی ویسی ہے۔ اگر اس کو درست کرنا میرے اختیار میں ہوتا اور میں نہ کرتی تو البتہ میری خطا تھی۔"

یہ کہہ کر لیلا پھر رونے لگی۔

لیلا کی خدمتگذاری اور نیک مزاجی کی وجہ سے سالگ رام کو اس سے ایک گونہ محبت ہوگئی تھی، اسلئے لیلا کو غمزدہ دیکھکر سالگ رام کو کچھ افسوس سا ہوا وہ سوچنے لگا۔ بیچاری ٹھیک ہی تو کہتی ہے اگر اس کی صورت اچھی نہیں ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے، صورت کے سوا اور تمام باتیں تو اچھی ہیں، کیا اس کی بدصورتی سے اس کی تمام خوبیوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ یہ سوچکر سالگ رام نے پھر لیلا کی طرف دیکھا، وہ ابھی تک سسک سسک کر رو رہی تھی، سالگ رام کو اس کی بے قصوری اور بے بسی پر بہت ترس آیا، اس نے کہا: "تم ناحق رنج کر رہی ہو۔ بکنے دو، ان کے بکنے سے کیا ہوتا ہے؟"

"آخر کوئی کہاں تک برداشت کرے، میری صورت اچھی نہیں ہے تو مجھے میرے میکے بھجوا دو۔"

"میکے کیوں بھجوا دوں؟"

"مجھ سے اب لوگوں کی باتیں برداشت نہیں ہوتیں۔"

"میں تو کہہ رہا ہوں کہ ان کے بکنے سے کچھ نہ ہوگا، پھر میں انکو بھی سمجھا دونگا۔"

"کس کس کو سمجھا دوگے، ایک دو ہوں تو سمجھا بھی سکو۔"

"میں سب کو سمجھا دوں گا تم دیکھو تو سہی۔"

سالگ رام نے اسی طرح کی باتوں سے لیلا کی دلدہی کردی، دوسرے روز صبح اٹھکر اس نے ماں سے کہا "کیوں ماں جی! یہ کیا بات ہے؟"

"کونسی بات؟" ماں نے پوچھا۔

"آپ سب بہو کے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہیں؟"

"کون پیچھے پڑی رہتی ہیں؟"

"آپ ہی سب!"

"یہاں تو کوئی پیچھے نہیں پڑا رہتا۔"

"اسے بدصورت اور بھونڈی وغیرہ کون کہتا رہتا ہے؟"

"اوّل تو کوئی کہتا نہیں اور اگر کوئی کہے تو اس میں جھوٹ کیا ہے۔ کیا وہ بدصورت نہیں ہے؟"

"لیکن اس سے فائدہ کیا؟ خواہ مخواہ کسی کا دل دکھانے سے کیا ملتا ہے؟ اور دوسری شادی کی بات کیوں کہی جاتی ہے؟"

"دوسری شادی تو کرنی ہی پڑے گی، اس کے کہنے میں کون سا حرج ہے؟"

"ماں نے تعجب سے کہا: "اچھا یہ بات بھی ہے، تو دوسری شادی نہیں کرے گا؟"

"کبھی نہ کروں گا، کیا ضرورت ہے دوسری شادی کی؟"

"بہو بدصورت جو ہے۔"

"کون کہتا ہے بدصورت ہے؟ ویسی عورت تو گھر بھر میں کوئی نہیں ہے۔"

ماں نے اور حیرانی کے ساتھ کہا: "واہ وا یہ تو تم بالکل نئی بات کہہ رہے ہو۔"

"خیر، نئی بات ہو یا پرانی لیکن اب کوئی اسے کسی بات کا طعنہ نہ دے،

میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا، ناحق ایک بیچاری کو پریشان کر رکھا ہے، اسکی صورت کو تو سب دیکھتے ہیں لیکن اس کے عادات و اخلاق، طور و طریق اور اس کے شعور و سلیقہ کو کوئی نہیں دیکھتا، ان خوبیوں کے اعتبار سے تو گھر کی کوئی عورت اس کے پاسنگ کے برابر بھی نہیں ہے"

ماں منہ بگاڑ کر بولی "صورت شکل نہ ہونے پر تو تیری یہ حالت ہے اگر صورت شکل والی ہوتی تو نہ جانے تیرا کیا حال ہوتا؟"

"صورت شکل کی کون سی بات ہے، جیسی بھگوان نے بنا دی ہے ویسی ہے، میں پھر کہتا ہوں کہ صورت شکل کی وجہ سے اسے ہرگز کچھ نہ کہا جائے ورنہ مجھے بہت رنج ہوگا"

"اچھا اچھا اب کوئی کچھ نہ کہے گا"

رات کو لیلا سالگ رام کے پاس آئی تو اس نے لیلا سے کہا "آج میں نے سب کو ڈانٹ دیا ہے، اب کوئی تمہیں کچھ نہ کہے گا"

لیلا نے شوہر کو محبت اور شکریہ بھری نگاہوں سے دیکھا، اس نے پوچھا۔

"کیا تم سچ مچ دوسری شادی نہ کرو گے؟"

"کیوں کرو نگا کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہئیے؟"

لیلا نے شرم سے سر جھکا کر کہا "میری بدصورتی کی وجہ سے"

سالگ رام محبت آمیز لہجے میں بولا "جس کیلئے بدصورت ہوگی اس کیلئے ہوگی، میرے لئے تو نہیں ہو، میں تمہاری صورت نہیں دیکھتا، سیرت دیکھتا ہوں، سیرت کی خوبیوں کے مقابلے میں میں تمہاری صورت کی بدنمائی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا"

لیلا شوہر کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی "اگر یہ بات ہے تو اب مجھے چاہے تمام دنیا بدصورت کہا کرے، مجھے مطلق صدمہ نہ ہوگا، تم مجھے بدصورت نہیں سمجھتے، یہی میرے لئے کافی ہے"

سالگ رام بیوی کو سینے سے لگا کر بولا "میں تمہیں صرف خوبصورت ہی نہیں بلکہ بیحد حسین و جمیل سمجھتا ہوں، اور تم پر بڑے سے بڑے حسن کو نثار کر سکتا ہوں جسے تمہارے حسن و جمال کو دیکھنا ہو وہ تمہیں میری آنکھوں سے دیکھے تو اسے معلوم ہو کہ تم کتنی حسین و جمیل ہو"

"اگر تمہارے دل میں میری اتنی قدر ہے تو آج مجھ سے زیادہ خوش قسمت اور نصیب ور دنیا میں اور کوئی نہ ہوگا"

یہ کہکر لیلا نے شوہر کے سینے میں منہ چھپا لیا۔ (مترجمہ قمرالدین رامنگری)

اعتبارِ جمال؟

از جناب وحشی

گرمئ حسنِ یار کیا کہئے
عشق ہے بے قرار کیا کہئے

جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ان کو کرتا ہوں پیار کیا کہئے

اتنی بے اعتباریوں پر بھی
مجھکو ہے اعتبار کیا کہئے

خونِ حسرت سے دل کا ہر گوشہ
بن گیا لالہ زار کیا کہئے

آرزوئے حیات میں ہے مجھے
موت کا انتظار کیا کہئے

فطرتِ سازگار پر میرا
کچھ نہیں اختیار کیا کہئے

زندگی خود بہار ہے وحشی
زندگی کی بہار کیا کہئے

فرسٹ ایئر فول!

افسانہ

از امین منظور عاؔ سعیدی کانپوری

خاص مست قلندر کیلئے

(۱)

دس سال قبل کا تذکرہ ہے، میں یونیورسٹی کے میڈیکل کالج کا اسٹوڈنٹ تھا۔ اور ہوسٹل کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اگر والدین قدامت پسند ہونے کے بجائے روشن خیال ہوں اور ہر مہینے کی دوسری تیسری تک منی آرڈر بھیجدیا کریں تو کالج کی زندگی سے زیادہ پرکیف اور دلچسپ زندگی دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں بالکل ایسا ہی خوش نصیب واقع ہوا تھا لیکن چنداں بدنصیب بھی نہ تھا۔ ہر مہینے پچاس ساٹھ روپے گھر سے آجاتے تھے اور لطف سے زندگی گذر رہی تھی۔

جس سال کا ذکر کر رہا ہوں، میں فورتھ ایئر میں تھا۔ اور فاروق احمد فرسٹ ایئر میں۔ کالجوں میں فرسٹ ایئر کے اسٹوڈنٹ نہ جانے کیوں "فرسٹ ایئر فول" (پہلے سال کے بیوقوف) کے لقب سے ملقب کئے جاتے ہیں۔ جب میں فرسٹ ایئر میں تھا تو میرا بھی یہی لقب تھا اسوقت جب کوئی مجھے فرسٹ ایئر فول کہتا تو جی چاہتا کہ اسکا منہ نوچ لوں لیکن ماحول اور صحبت کا اثر دیکھئے کہ جب میں سیکنڈ ایئر میں آیا تو خود بھی پہلے سال کے طلبا کو صرف فرسٹ ایئر فول کہنے میں خاص لطف محسوس کرنے لگا۔

سال اول کے طلبا کو صرف فرسٹ ایئر فول ہی کہنے پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ طرح طرح انہیں بنایا جاتا اور انکا مذاق اڑایا جاتا ہے اور نہ جانے کیوں ــــ اس سال کے بعض طلباء کی حرکتیں بھی ایسی ہی مضحکہ خیز اور احمقانہ ہوتی ہیں، جو لوگوں کیلئے سامان مذاق اور سرمایہ تفریح بن جاتی ہیں۔

فاروق احمد بھی بالکل اسی قماش کا اسٹوڈنٹ تھا، وہ اپنے آپ کو نہایت حسین وجمیل اور خوش پوش و خوش مذاق سمجھتا، ہر وقت بنا سنورا رہتا، روزانہ ایک نئے فیشن کے کپڑے پہنتا، اور مہینے میں تقریباً بیس روز سنیما دیکھتا، فہم و فراست اور فکر و دانش میں تو وہ اپنے کو شیکسپیئر، بائرن، اور شوپن ہار سے کم نہیں تصور کرتا تھا۔

جس وقت فاروق احمد کالج میں داخل ہوا ہم لوگوں سے الگ الگ رہتا تھا، ہم لوگوں کا خیال تھا کہ اس کی طبیعت شرمیلی واقع ہوئی ہے، اسلئے وہ ہم لوگوں سے دور دور رہتا ہے، لیکن ہمیں جلد ہی معلوم ہوگیا کہ وہ شرمیلا نہیں بلکہ مغرور ہے وہ شکل وصورت، لباس و پوشاک اور مال و دولت غرض ہر لحاظ سے اپنے کو ہم لوگوں سے ارفع و بلند سمجھتا تھا ہم لوگ میڈیکل کالج کے اسٹوڈنٹ تو تھے ہی جیسے ہی ہمیں اس کے دماغی فتور کا پتہ چلا ہم اس کے علاج کے درپے ہوگئے۔

فاروق احمد کے پھانسنے میں ہم لوگوں کو زیادہ جدوجہد نہیں کرنا پڑی، صرف ایک پارٹی کافی ثابت ہوئی، ایک دعوت کھانے کے بعد فاروق ہم لوگوں کا بے تکلف دوست بنگیا۔

(۲)

شام کے ۵ بجے تھے کالج کے کچھ طلبا فاروق کے کمرے میں جمع تھے، میں کپڑے بدل رہا تھا، فاروق نے اپنے ہاں چائے کی دعوت دی تھی، چائے کے بعد فرسٹ شو دیکھنا طے تھا، میں دانستہ پندرہ بیس منٹ دیر کر کے فاروق کے کمرے میں گیا۔

فاروق مجھے دیکھتے ہی بولا ــــ "آپ بھی بہت غنیمت ہیں کیوں صاحب آپ کے یہاں اب ۵ بجے ہیں؟ ساڑھے پانچ ہو رہے ہیں۔ ابھی تمہیں چائے پینا ہے اس کے بعد جو ہم جائینگے تو ہمیں جگہ کیا خاک ملیگی کل کی طرح آج بھی بے نیل و مرام سنیما ہال سے واپس آنا پڑے گا ــــ"

"تو آپ لوگ چلے گئے ہوتے، مجھے تو سنیما جانا ہے نہیں ــــ" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا، یہی ہمارے آئندہ ڈرامے کا دیباچہ تھا ــــ

فاروق نے چونک کر پوچھا ــــ "کیوں آپ کو جانا کیوں نہیں ہے؟ آپ تو اس فلم کو دیکھنے کیلئے بیقرار تھے نہ؟" ــــ

میں ــــ "بیقرار تو تھا، اب دل نہیں چاہتا" ــــ

"اب نہ دل چاہنے کی وجہ؟" ــــ کلیم نے پوچھا

"وجہ کیا؟ کچھ نہیں" ــــ

"آخر کچھ تو وجہ ہونی ہی چاہیئے" ــــ

میں ــــ "کہہ تو دیا کہ دل نہیں چاہتا، اسلئے آپ لوگ اپنا وقت ضائع نہ کیجئے، جائیے" ــــ

"تو آپ کو کونسی مجبوری لاحق ہوگئی ہے، جو نہیں جا سکتے؟" ــــ فاروق نے سوال کیا۔

"مجبوری تو کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن نہ معلوم کیوں دل ہی نہیں چاہتا" ــــ

"اوہو میں سمجھ گیا" ــــ انور نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا سمجھ گئے؟" ــــ

"یہی کہ تم کیوں نہیں جا رہے ہو؟" ــــ

"کیوں نہیں جا رہا ہوں؟" ــــ

"تمہاری محبوبہ نہیں جا رہی ہے" ــــ

"چپ رہو تمہیں ہر وقت مذاق ہی کی سوجھی رہتی ہے"———

"مذاق نہیں، میں تمہاری ہمدردی میں تمہارے ساتھ رہنے کیلئے تیار ہوں، اور جو کچھ کہہ رہا ہوں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں، اس کے سوا تمہارے نہ جانے کا اور کوئی سبب ہو ہی نہیں سکتا"

میں نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

"آپ کی محبوبہ کون ہیں؟"——— فاروق نے سوال کیا۔

انور بولا——— "مس مہ جمال تھرڈ ایر آرٹس"———

فاروق قدرے بیتابی کے ساتھ——— "کون مہ جمال؟"———

انور——— "وہی گوری گوری ناز آفریں، اور نازک؛ دا لڑکی جو تتلی کی طرح حسین، وخوش جمال ہے، اور آپ ہی کی طرح دن میں چار چار بار کپڑے بدلتی ہے"

"میں نے تو کبھی نہیں دیکھا"——— فاروق نے کہا———

انور——— "نہ دیکھنا ہی بہتر ہے، انہوں نے ایک روز دیکھ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات دن ہائے ہائے کر رہے ہیں، زندگی وبال ہو رہی ہے، وہ ٹھہری ہر وقت ریشم اور زری میں ملبوس رہنے والی نفاست پسند اور نازک طبع، اور آپ بالکل کھرے اور کھدر پوش، اجتماع ضدین ہو تو کیسے؟"———

میں نے برہم ہو کر کہا——— "کیا بکواس لگا رکھی ہے تم نے جی؟ اس کے سوا تمہیں کوئی بات ہی نہیں آتی؛ اپنی نہیں کہتے ذکیہ کیلئے ریل کی پٹری پر لیٹنے جا رہے تھے، اب جو وہ تمہیں مل گئی ہے تو دوسروں کی پھبتیاں اڑاتے ہو؟"———

فاروق نے پر اشتیاق لہجے میں سوال کیا——— "بھئی یہ ذکیہ کون حضرت ہیں؟"

کلیم بولا——— "وہ ایک پری جمال اور ماہ وش حسینہ ہے، جسے جمال رعنائی کا شاہکار کہنا بیجا نہ ہوگا۔ سیکنڈ ایر میں پڑھتی تھی۔ اب کالج چھوڑ کر اسی شہر میں رہتی ہے اور مسٹر انور صاحب بی اے آنرز کے دل کی ملکہ ہے"

"خوب آپ سب کے سب چھپے رستم معلوم ہوتے ہیں؟"——— فاروق نے ہنس کر کہا۔

میں نے کہا——— "آپ کیوں مایوس ہوتے ہیں؟ اب تو آپ بھی میدان میں آ گئے ہیں، آپ بھی جلد ہی کھلے رستم بن جائینگے"———

فاروق اسی طرح ہنستا رہا۔

~~~~~ (۳) ~~~~~

"سنتے ہو انور؟ معاملہ تو بہت طول پکڑ گیا"——— میں نے انور کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا———

انور کوئی کتاب پڑھ رہا تھا، چونک کر بولا——— "کیا ہوا؟"———

"پہلے تو فاروق دور ہی سے مس مہ جمال پر ڈورے ڈالا کرتا تھا، مگر اب اس نے اس سے بھی زیادہ ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کر دیئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اپنی مجنونانہ حرکتوں کے باعث کالج سے خارج کر دیا جائے"———

انور——— "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا"———

"کیوں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ تمہیں آج کا واقعہ معلوم نہیں۔ آج شام کو حضرت بوٹینکل گارڈن میں گشت لگا رہے تھے، اس دوران میں انہیں مہ جمال نظر آ گئی، مہ جمال اپنی کسی سہیلی کے ساتھ بنچ پر بیٹھی باتیں کر رہی تھی، آپ جا کر اس کے سامنے ڈٹ گئے اور لگے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے گھورنے، اور جب وہ اٹھ کر چلنے لگی تو آپ نے اس کی جانب ایک گلدستہ بڑھا کر کچھ فرمانا چاہا، مہ جمال غصے سے بیتاب ہو گئی، اور اس نے برہمی کے ساتھ کہا۔

"معلوم ہوتا ہے آپ کو تہذیب کی ہوا بھی نہیں لگی ہے، آپ کو اپنا دماغ قابو میں رکھنا چاہئے"——— یہ کہکر مہ جمال چلی گئی اور فاروق صاحب اپنا سا منہ لئے وہیں کھڑے رہ گئے"———

"کیا واقعی؟"———

"ہاں میں خود ایک درخت کی آڑ سے یہ تماشہ دیکھ رہا تھا"———

"اگر ایسا ہے تب تو ضرور اندیشہ ہے کہ وہ کسی روز کالج سے نکال دیا جائے، اور اس کی زندگی برباد ہو جائے، اسلئے ہم لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس حماقت میں مبتلا تو ضرور ہے، مگر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جو اُسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے، آخر تو وہ ہم لوگوں کا کلاس فیلو ہے"———

میں نے قدرے تامل کے ساتھ کہا——— "اچھا تو میں نے اس کی ایک صورت سوچ لی ہے، نہایت مکمل اور دلچسپ صورت"———

"وہ کون سی صورت ہے؟"———

"کسی ایک عورت اور گرلس ہوسٹل کے جمعدار کو کچھ دیکر ملا لیا جائے، پھر یہ ڈراما نہایت کامیابی کے ساتھ جاری رہے گا"———

"اس عورت اور جمعدار کو ملا کر کیا کیا جائے گا؟"———

"واہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے؟"———

"نہیں بھئی، میرے پاس تو کوئی ایسا آلہ نہیں ہے جس کے ذریعے میں تمہارے خیالات کو پڑھ لوں، اور جو کچھ تم نے سوچا ہے اس کو جان لوں"———

"اچھا سنو، صورت بالکل آسان اور مختصر ہے، عورت مہ جمال کے نام سے مسٹر فاروق کو عشقیہ خطوط لکھا کرے گی، اور جمعدار ان خطوں کو فاروق صاحب کے پاس پہونچایا کرے گا، اور وہ خطوں کے جواب دینگے، وہ جمعدار ہمیں دیدیا کریگا"

انور خوشی سے اچھل پڑا، لیکن ساتھ ہی بولا——— "کیا جمعدار اس کے لئے تیار ہو جائے گا؟"———

"اس میں اس کا نقصان ہی کیا ہے؟ البتہ دو چار روپے اسکی نذر کرنا پڑینگے"

"کوئی مضائقہ نہیں، اگر یہ اسکیم کامیاب ہو گئی تو اس میں شک نہیں
~~~~~

کہ لطف خوب آئے گا"۔۔۔

"اچھا تو ایک عورت کو میں ٹھیک کرتا ہوں اور جمعدار کو تم ٹھیک کرو"۔۔۔

~~~~~~ (۴) ~~~~~~

مائی ڈیر

قبل اس کے کہ میں کچھ لکھوں، کل کے واقعہ کے متعلق آپ سے عاجزانہ معافی چاہتی ہوں، کل میں جس کے ساتھ باغ گئی تھی، وہ میرے گارڈین کی لڑکی تھی، اس کے سامنے آپ کے ہاتھ سے گلدستہ لینا اور آپ سے ہمکلام ہونا خلاف مصلحت تھا، اگر وہ اپنی ماں سے کہہ دیتی تو ہم دونوں کیلئے مصیبت پیدا ہو جاتی، اس نے محض اسے دکھانے کی غرض سے میں آپ کے ساتھ بے رُخی سے پیش آئی، ورنہ میں تو خود آپ سے ملنے اور بات چیت کرنے کیلئے بے چین تھی، امید ہے کہ حالت کا لحاظ کر کے آپ میری اس نازیبا حرکت کو ضرور معاف فرما دیںگے۔

آپ کے ساتھیوں نے آپکو جو پارٹی دی تھی، اس کی کیفیت سُنکر اور اس کے بعد آپ کو دیکھکر میرے دل میں ایک خاص جگہ پیدا ہو گئی ہے، میں اتنی خوش نصیب کہاں جو مجھے آپ کی محبت ورفاقت نصیب ہو۔

لیکن کیا یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ مجھ پر نظر عنایت رکھیں؟۔۔۔

ایک طرح سے اجنبی ہونے کے باوجود میں نے آپکو خط لکھنے کی جسارت کی ہے، اس کیلئے خواستگار معافی ہوں ۔۔۔ اگر آپ خط کا جواب دینا چاہیں تو خط لے جانے والے ہی کے ہاتھ سے بھیجیں۔ اس کے سوا اور کوئی ذریعہ خطرے سے خالی نہیں ہے، علاوہ ازیں آپ کہیں اِدھر اُدھر مجھ سے بات چیت کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ورنہ ہم دونوں کیلئے نقصان اور بدنامی کا باعث ہوگا، میں خود مناسب موقع نکال کر آپ سے ملونگی۔ آپ کی ۔۔۔ مرجال

خط پڑھکر فاروق کی مسرت وشادمانی کی انتہا نہ رہی، اس نے جمعدار کی موجودگی کا بھی لحاظ نہ کیا، اور خط کو بے اختیار آنکھوں سے لگاتے ہوئے پوچھا ۔۔۔ "یہ خط تمہیں کس نے دیا ہے؟"۔۔۔

جمعدار ۔۔۔ "کیا انہوں نے خط پر اپنا نام نہیں لکھا ہے؟"۔۔۔

"ہاں نام تو لکھا ہے کیا جن کا نام ہے انہیں نے تمکو یہ خط دیا ہے؟"

"جی ہاں!"۔۔۔

"اچھا ذرا ٹھہرو، میں ابھی اس خط کا جواب لکھکر تمہیں دیتا ہوں"۔۔۔

یہ کہکر فاروق نے خط کا جواب لکھا اور جمعدار کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا ۔۔۔ "یہ لو جواب، انہیں کو دینا دیکھو ہوشیاری سے کوئی اور دیکھنے نہ پائے، سمجھ گئے نا؟"۔۔۔

"جی ہاں، آپ اطمینان رکھئے، میں برسوں سے یہ کام کر رہا ہوں، مجھ سے کبھی غلطی نہیں ہوتی"۔۔۔

"واقعی، تم بہت سمجھدار ہو، لو یہ تمہارا انعام ہے" فاروق نے جمعدار کے ہاتھ میں دے کر کہا ۔۔۔

جمعدار ایک فرشی سلام کر کے چلا گیا ۔۔۔

اس روز سے خط وکتابت کا باقاعدہ سلسلہ جاری ہو گیا، مس مرجال کے محبت میں ڈوبے ہوئے خط فاروق کے پاس آتے، اور فاروق پانچ پانچ اور چھ چھ صفحے میں ان کے جواب لکھتا۔ اور جواب لکھنے میں اپنے ولولۂ عشق کا پورا زور اور انشا پردازی کی پوری قابلیت صرف کر دیتا، فاروق خطوں کے ساتھ کبھی کبھی نفیس اور قیمتی تحفے بھی بھیجتا، ہم لوگ فاروق کے خط پڑھ کر مارے ہنسی کے زعفران زار اور درودیوار قہقہہ بن جاتے، اور اس کے بھیجے ہوئے تحفے کو مالِ غنیمت کے طور پر آپس میں تقسیم کر لیتے، مس مرجال کے فرضی خطوط فاروق کے آتشِ عشق کے ساتھ پنکھے کا کام کر رہے تھے، اور اس کا جنون روز بروز ترقی کرتا جا رہا تھا، ہم لوگ اپنی اسکیم کی کامیابی پر شاداں وفرحاں تھے۔

~~~~~~ (۵) ~~~~~~

"تم نے فاروق کا خط دیکھا ہے؟"۔۔۔ میں نے انور سے پوچھا۔

"نہیں، میں نے تو نہیں دیکھا، کیوں؟"۔۔۔ انور نے کہا۔

میں ۔۔۔ "فاروق نے لکھا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ اس روز سنیما میں تنہا ہونے کے باوجود آپ نے مجھ سے کوئی بات چیت نہیں کی۔ اس کے بعد آپ تانگے پر بھی اکیلی ہی جا رہی تھیں، اور آپ کے پیچھے ہی دوسرے تانگے پر میں تھا، میں نے سوچا کہ آپ کو روکوں لیکن آپ کی طرف سے اس کی ممانعت تھی، اس لئے میں دل مسوس کر رہ گیا۔ یہ ہماری عجیب بدقسمتی ہے کہ اتنے دنوں کے نامہ وپیام کے بعد ہمیں اب تک ملنے یا کم از کم جس طرح دل کھول کر خط وکتابت کر رہے ہیں اس طرح دل کھول کر بات چیت کرنے کا موقع میسر نہ آیا، میرے لئے یہ حالت ناقابل برداشت ہو رہی ہے"۔۔۔

"غریب نے ٹھیک ہی تو لکھا ہے اگر اتنے دنوں کے نامہ وپیام اور اتنے تحفے وتحائف بھیجنے کے باوجود دو باتیں کرنے کا بھی موقع نصیب نہ ہو تو صبر وضبط کرتے کرتے اس کے دل کا کچومر نہ نکل جائے تو اور کیا ہو؟"۔۔۔ یہ کہتے ہوئے انور ہنس پڑا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ فاروق احمق تو ہے ہی کہیں بے صبر ہو کر کوئی نامناسب حرکت نہ کر بیٹھے، اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اس ڈرامے کا اختتام کر دیا جائے"۔

"ہاں اب تو یہی مناسب ہے، لیکن اس کی صورت کیا ہوگی؟"۔۔۔ انور نے کہا۔

"میں نے اس کی صورت سوچ لی ہے، میں نے فاروق کے آخری خط کا جو جواب بھجوایا ہے، اس میں لکھوا دیا ہے ۔۔۔ "میرے دل کی بھی یہی حالت ہو رہی

ہے اور میں بھی آپ سے ملنے کیلئے تڑپ رہی ہوں، کیا کیا جائے ہماری مجبوری نے ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے، لیکن کچھ بھی ہو اب دل نہیں مانتا، میں پرسوں شام کو اپنی سہیلی نسیمہ کے ہاں جاؤں گی، آپ وہیں آنے کی زحمت گوارا فرمائیں، اس کا مکان اکبر روڈ ۳۱ نمبر کا ہے۔ میری سہیلی تمہارا سچا جانتی ہے اسلئے آپ وہاں آنے میں کسی طرح پس و پیش نہ کریں۔ مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ اگر آپ کو میری کچھ بھی خاطر ملحوظ ہے، تو آپ وقت مقررہ پر مجھ سے ضرور ملینگے۔"

انور بولا ـــ "فاروق تو اس خط کو پڑھ کر سر کے بل پہونچیگا مگر وہ ۳۱ نمبر والا مکان ہے کس کا؟" ـــ

"میرے ایک دوست کا" ـــ

"تو کیا تم نے ان کو بھی اس اسکیم میں شریک کر لیا ہے؟" ـــ

"ہاں، ان سے بھی میری خاصی بے تکلفی ہے"

فاروق تیسرے روز اکبر روڈ کے ۳۱ نمبر کے مکان پر پہونچا، دروازے پر ایک خادمہ اس کا انتظار کر رہی تھی، فاروق نے اس سے پوچھا ـــ

"مس نسیمہ کا مکان یہی ہے؟" ـــ

خادمہ نے کہا ـــ "ہاں، آپ کس کو تلاش کر رہے ہیں؟" ـــ

"مس مہ جمال یہاں آئی ہیں؟" ـــ

"جی ہاں، آپ کا نام؟" ـــ

"فاروق احمد" ـــ

"ہاں تو وہ دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں، اوپر تشریف لے چلئے" ـــ

خادمہ فاروق کو اوپر لے گئی، اور ایک سجے ہوئے کمرے میں بٹھا کر بولی ـــ "آپ تشریف رکھئے، میں مس مہ جمال کو اطلاع کئے دیتی ہوں۔"

آٹھ دس منٹ کے شدید انتظار کے بعد دروازے کا پردہ اٹھا اور ایک عورت کمرے میں داخل ہوئی جسے دیکھ کر فاروق حیران رہ گیا۔

۵۰ سال کا ایک بوڑھا، جارجیٹ کی ساری اور جمپر پہنے اور اپنے داڑھی مونچھ منڈے ہوئے سوکھے چہرے پر پوڈر لگائے مس مہ جمال بنا ہوا تھا، اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پیارے، تم نے بہت انتظار کرایا، میں کب سے تمہارے لئے چشم براہ بیٹھی تھی"

فاروق غصے سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے بگڑ کر کہا ـــ "تو کون چڑیل ہے؟ جو اس طرح آئی ہے مجھ سے شرارت کرنے؟" ـــ

بنی ہوئی مس مہ جمال نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ـــ "جان من، میں تمہاری وہی مس مہ جمال ہوں جس کو تم پُرشوق اور اضطراب آمیز خطوط لکھا کرتے تھے، آج یہ تم مجھ سے کیسی باتیں کر رہے ہو؟" ـــ یہ کہہ کر اس نے وہ تمام خطوط فاروق کے سامنے رکھدئے، جو فاروق نے مس مہ جمال کے نام لکھے تھے ـــ

فاروق کچھ حیرانی اور کچھ برہمی کے ساتھ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا ـــ "سچ بتاؤ تم کون ہو، اور یہ خطوط تمہیں کیسے ملے؟" ـــ

اتنے میں میں، انور، کلیم اور دوسرے احباب یکایک بغل کے کمرے سے نکل کر وہاں پہونچ گئے، اور میں نے کہا ـــ "مسٹر فاروق یہ تمہاری محبوبہ مس مہ جمال ہیں، تم ان سے کیسی باتیں کر رہے ہو؟" ـــ

ساتھ ہی تمام مکان قہقہے کے شور سے گونج اٹھا۔

بھولنے والے سے ....!

جناب ساحر قدوائی بریلوی

حال پر میرے کرم فرمائیے ـــ بندہ پرور آئیے، آ جائیے!
پھر تبسم ریزیاں فرمائیے ـــ پھر نظر سے میکدے برسائیے!
پھر لب نازک سے کچھ فرمائیے ـــ بلبل شیریں نوا بن جائیے!
پا برہنہ چپکے چپکے آئیے ـــ گدگدی کر کے مرے چھپ جائیے!
لے کے پھر انگڑائی پر انگڑائیاں ـــ پھر مری آغوش میں گر جائیے!
پھر مری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ـــ پھر اسی انداز سے شرمائیے!
پھر الٹیئے روئے رنگیں سے نقاب ـــ پھر مرے دل پر قیامت ڈھائیے!

پھر مرا دل مائل صد کیف ہے
کوئی ساحر کی غزل سنوائیے!

ایک گنہگار ڈاکٹر کی آپ بیتی

از جناب ش مظفرپوری

جوانی کی لغزشوں سے لبریز حسن و عشق کا ایک رومان پرور افسانہ!

ڈاکٹری پاس کرنے کے بعد سب سے پہلے میرا تقرر علاقہ سیتا مڑھی کے ایک دیہاتی ہسپتال میں ہوا تھا ——— آج اس واقعہ کو گذرے ہوئے دس سال ہو رہے ہیں اب بھی میں ایک دیہاتی ہسپتال کا ڈاکٹر ہوں مگر سید پور میں نہیں بلکہ نیپال کی سرحد کے ایک اُجڑے ہوئے بے رونق گاؤں میں۔ سید پور کے ہسپتال میں رہکر جن واقعات سے مجھے دوچار ہونا پڑا تھا۔ میں نے پرسوں شام تک انکو بھلا رکھا تھا بالکل اسی طرح جس طرح انسان زندگی کے معمولی واقعات کو بھلا دیتا ہے۔

ابھی اس ہسپتال میں مجھے آئے ہوئے چند ہی دن گذرے ہیں مگر انہیں چند دنوں میں پورے دس سال کے واقعات سمٹ آئے ہیں اور شاید چند دنوں کے بعد میں یہاں نہیں ہوں گا۔

پرسوں سارا دن موسلادھار بارش ہوتی رہی دیہات کیلئے برسات کا موسم جتنا دلچسپ اور کیف پرور ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے۔ آمد و رفت کے سلسلہ میں بڑی زحمت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ یہاں میں نووارد ہوں اور ابھی گاؤں والوں سے بے تکلف بھی نہیں ہوا ہوں اسلئے سارا دن خاموش اور افسردہ اپنے کمرہ میں بیٹھا رہا۔ کمپاؤنڈر اور ملازمین کیلئے بھی نیا ہوں۔ اگر شاعر ہوتا تو برسات کی کیف آفرینیوں میں ڈوب کر شراب و شباب میں ڈوبے ہوئے گرم گرم اشعار بنایا کرتا۔ مزاج تو شاعرانہ ضرور ہے مگر فن سے نابلد ہوں اب سوچا ہے کہ افسانے لکھا کرونگا۔ اس کا آغاز آج اپنی سچی کہانی سے کر رہا ہوں فن افسانہ نویسی کے اعتبار سے یہ کہانی جیسی بھی ہو مگر مجھے یقین ہے کہ چونکہ یہ میری زندگی کے صحیح واقعات ہیں اسلئے مؤثر ضرور ہونگے۔

ہاں تو پرسوں سارا دن رم جھم رم جھم پانی برستا رہا اور میں بے لطفی کی اذیتوں میں مبتلا رہا۔ مریض آتے رہتے ہیں تو ان کی تشخیص و تجویز میں وقت کسی نہ کسی طرح گذر جاتا ہے مگر امروز تو کوئی مریض بھی نہ آیا تھا۔ شام تک بارش ختم ہو گئی مگر بادل کچھ اس طرح گھر آئے تھے کہ دیکھ کر خوف معلوم ہوتا تھا۔ رات کے ساتھ ہی بوندا باندی بھی شروع ہو گئی۔ اس اندھیرے گھُپ میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ میں نے آج سویرے ہی کھانا کھا کر سونے کی تیاری شروع کر دی۔

سگرٹ کے آخری کش کے ساتھ ہی ایک آواز گونجی۔ "ڈاکٹر صاحب!" پہلے خیال ہوا کہ میرے کان بج رہے ہیں لیکن پھر آواز آئی۔ "ڈاکٹر صاحب!"

اس مرتبہ میں چونک کر بیٹھ گیا اور گوش بر آواز ہو کر سوچنے لگا کہ برسات کی اس بھیانک اور تاریک رات میں مجھ سے ملنے کون آ سکتا تھا؟

"ڈاکٹر صاحب سو گئے کیا؟ ہم ہیں گاؤں کے جیٹھ رعیت (زمیندار کی طرف سے مالگذاری وصول کرنے والا)"

یہ آواز قریب ہی برآمدہ سے آ رہی تھی۔ میں دروازہ کھول کر باہر آیا۔ دو آدمی لالٹین لئے کھڑے تھے۔ میں حیرت زدہ ہو رہا تھا۔

"آپ لوگ کون ہیں؟ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے ایک اجنبی کی طرح پوچھا۔

"ذرا تکلیف کیجئے ڈاکٹر صاحب" ان میں سے ایک قریب آتے ہوئے بولا۔

"جلدی کیجئے۔ میری نوکرانی کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے سرسام ہو گیا ہے"

دل ہی دل میں پس و پیش تو میں نے ضرور کی مگر ایک تو یہ ایک ڈاکٹر کے فرض کے منافی تھا، دوسرے یہ کہ میں نیا نیا آیا تھا اور تیسرے یہ کہ بوڑھے کا یہ کہنا کہ ہم ہیں گاؤں کے جیٹھ رعیت! ضرور کچھ اہمیت رکھتا تھا۔ میں اس کے ساتھ جانے پر رضامند ہو گیا۔

ہسپتال سے نکلتے ہی اکا دکی بوندیں پڑنے لگیں مینہ بھرا ہوا تھا اسلئے ڈر بھی رہا تھا۔ بادل پورے زور و شور کے ساتھ گرج رہا تھا۔ پندرہ منٹ تک چلتے چلتے میں جیٹھ رعیت کے مکان پر پہونچ گیا۔

جس مکان میں مریضہ لیٹی ہوئی تھی وہ بہت تنگ و تاریک تھا۔ ایک میلا کچیلا چراغ اس کے سرہانے ٹمٹما رہا تھا جس کی مضمحل و بیقرار روشنی اُسی مریضہ کی پیشانی پر پڑ رہی تھی۔ ایک پریشان خاطر دیہاتی نوجوان اس کی تیمارداری کے لئے اس کے پاس بیٹھا تھا۔ پہلی ہی نظر میں میں نے اندازہ کر لیا کہ مریضہ ایک درمیانی عمر کی عورت تھی۔ بخار کی حرارت نے اس پر سرسامی کیفیت طاری کر رکھی تھی۔ اور ہذیان بک رہی تھی۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی میں نے اسکو بکتے ہوئے سنا "میں ڈاکٹر کو کبھی معاف نہ کرونگی۔ کبھی نہیں!" اس کے ساتھ ہی جیٹھ رعیت نے لالٹین اس کے

چہرے پر اُٹھا دی۔ میرا دل دھک سے ہو گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ ایک لمحہ کیلئے دل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں۔ آواز گوش آشنا معلوم ہوئی اور اس صورت کو میں نے پہلے بھی کبھی دیکھا تھا۔ دیر تک میں اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا اور غیر ارادی طور پر میری زبان سے نکل پڑا "چم۔۔۔پا۔۔۔۔۔آ" سب کی نگاہیں میرے چہرے پر اُٹھ گئیں۔ جیٹھ رعیت نے حیرت سے پوچھا "آپ اسے پہچانتے ہیں ڈاکٹر صاحب؟"

"ہاں میں نے پہلے بھی اس کو کہیں دیکھا ہے" میں سنبھلتے ہوئے بولا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میری کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ میں خود کو اس کا معائنہ کرنے کے نااہل پا رہا تھا۔ میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا جس سے میرا عصبی نظام درہم برہم ہو گیا۔ بعد وقت میں نے اپنے دل پر قابو پا کر اس کی دیکھ بھال کی۔ اس کی حالت بہت افسوسناک اور خطرناک حد تک خراب ہو چکی تھی۔ میں نے اس کیلئے علاج تجویز کر دیا۔

ہسپتال میں دوبارہ پہونچکر مجھے خیال ہوا کہ میں واپس ہو چکا تھا۔ گزرے ہوئے واقعات کی تصویر میری آنکھوں میں گھومنے لگی۔

برسات کی ایسی ہی سرد اور تاریک رات تھی۔ جب چمپا کی درد بھری آواز نے مجھے نیند سے چونکا دیا تھا۔ وہ میرے پاؤں کو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگی۔

"ڈاکٹر بابو! ڈاکٹر بابو! مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔ وہ میرا پیچھا کر رہا ہے۔ مجھے چھپا دیجئے"

"کیا ہوا چمپا؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی ابھی میں سو رہی تھی اس نے۔۔۔۔۔ اس نے۔۔۔۔۔ چھری سے مجھ پر حملہ کیا" اس کی آواز اٹک گئی۔ وہ بے طرح ہانپ رہی تھی۔ خوف و دہشت نے اس کے جسم میں لرزہ پیدا کر رکھا تھا۔ میں نے لالٹین کی بتی تیز کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اس نے بھی سہمے ہوئے آنچل کو اُٹھا کر سر پر رکھا۔

"چمپا! خون!" ۔۔۔۔ اس کے ہاتھ کو خون میں لت پت دیکھ کر میری زبان سے چیخ نکل گئی۔

"ہاں میں چونک کر اس سے چھری چھیننے لگی۔ میرا ہاتھ کٹ گیا ہے۔ میں بھاگی بھاگی آپ کے پاس آئی ہوں ۔۔۔۔ جلدی کیجئے۔ وہ ضرور آ رہا ہوگا" یہ کہہ کر وہ میرے پاؤں سے چمٹ گئی۔

"میں کیا کروں چمپا؟ تمہیں بتاؤ"

"وہ مجھے ضرور مار ڈالے گا۔ مجھے بچائیے" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔۔۔۔ باہر بادل گرج رہا تھا اور بجلی چمک رہی تھی ۔۔۔۔ دُور ۔۔۔۔ بہت دُور ایک خوفناک گرجتی ہوئی آواز سُنائی دی۔

"وہ دیکھئے ڈاکٹر بابو۔ وہ آ رہا ہے" وہ خوف سے کانپنے لگی۔ آواز آتی بند ہو گئی۔ چمپا امید بھری نظروں سے میرے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ بیسیوں قسم کے خیالات میرے دل میں پیدا ہوئے۔ جو خیال سب سے زیادہ کمزور اور ناپاک تھا وہ بدنامی کا خوف اور سماج کا لحاظ تھا۔ خیالات اتنی سُرعت سے آئے اور گئے کہ چند ہی لمحات میں تمام باتیں میرے ذہن میں آ گئیں۔ گھبراہٹ کے مارے اتنا بھی سوچ نہ سکا کہ چمپا کی "جان" خطرے میں تھی اور ایک رات کیلئے اس کو پناہ دینے میں کوئی ہرج نہ تھا۔

"میں بالکل مجبور ہوں چمپا" میں مشکل سے یہ الفاظ اپنی زبان سے نکال سکا۔

"ڈاکٹر بابو!" یہ سُنکر چمپا ششدر و حیران رہ گئی۔ وہ اس طرح مجھے دیکھنے لگی گویا میرے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پر اسے شک تھا کہ یہ کسی اور کے الفاظ تھے۔ میں سر جھکائے رہا۔

مایوس و ناامید ہو کر ایک عجیب بیچارگی اور حسرت سے وہ بولی "آپ چپ ہو گئے ڈاکٹر بابو" یہ کہہ کر وہ کھڑی ہو گئی اور اکھڑی آواز میں گویا ہوئی "اچھا جاتی ہوں ڈاکٹر بابو"

وہ میرے کمرے سے نکل گئی اور اس کے قدم آہستہ آہستہ آم کے گھنے گھنے درختوں کی طرف اُٹھنے لگے۔ میرا دل تڑپ تڑپ کر "چمپا! چمپا!" پکار رہا تھا مگر آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ میں نے دوڑ کر اسکو پکڑ لینا چاہا۔ مگر ایک بات تھی، یقیناً وہ خود غرضی تھی جس نے مجھے ایسا کرنے سے باز رکھا، یہاں تک کہ وہ تاریکیوں میں گم ہو گئی۔ پانی زور زور سے برسنے لگا ۔۔۔۔ آہ میں نے اس کے زخمی ہاتھ پر پٹی بھی نہیں باندھ دی، اس خیال سے میرا دل ڈوب گیا۔

چمپا پھر کبھی واپس نہ آئی۔

یہاں پہونچکر میرے دماغ نے یکایک پلٹا کھایا اور دس سال پیچھے کے واقعات کو اپنے اندر سمیٹنے لگا۔

سید پور کے ہسپتال میں میرا تقرر ہوا۔ یہ میری زندگی کا وہ دور تھا جب جوانی کا خون اپنی پوری حرارت پر ہوتا ہے۔ طبیعت میں رومان ہوتا ہے اور پوری کائنات رنگین نظر آتی ہے۔

ہسپتال بڑی پُر فضا جگہ پر واقع تھا۔ اس کے چاروں طرف آم اور شیشم کے لمبے لمبے درخت ایستادہ تھے۔ کہیں کہیں بانس کے گھنے گھنے جھنڈ اپنے اندر بہار و کیف کی ایک دُنیا بسائے ہوئے تھے۔ ہسپتال سے عین پچھم میں ندی دھیمے دھیمے سُروں میں نغمہ ریزی کرتے ہوئے بہا کرتی۔ لیکن چونکہ پہلی مرتبہ ملازمت کی قید و بند میں جکڑ دیا گیا تھا۔ اسلئے طبیعت اکثر اُداس رہا کرتی۔

رفتہ رفتہ میری طبیعت ماحول سے موافقت کرنے لگی۔ گاؤں والوں سے بھی راہ و رسم بڑھتی رہی۔ اور چند مہینوں کے بعد میں ان دیہاتیوں میں گھل مل گیا۔

مریضوں کے ساتھ میں پوری توجہ سے کام لیا کرتا۔ سب لوگ میرے اطوار و خدمات سے خوش تھے۔ میرے خلاف کبھی کوئی شکایت ان لوگوں کو پیدا نہ ہوئی۔

ایک روز دن کے دس بجے جبکہ میں ایک مریض کی تشخیص میں منہمک تھا۔ ایک غریب لڑکی اپنی بوڑھی ماں کو ساتھ لئے ہسپتال میں داخل ہوئی۔ میری نگاہیں از خود اس کے حسین چہرے پر مرتکز ہو کر رہ گئیں۔ وہ جوان تھی اور خوبصورت۔ اس کے تندرست و توانا اعضا میں شباب کی سختی تھی۔ اس کی شربتی آنکھوں سے شباب کا چشمہ پھوٹ کر بہہ رہا تھا ——— مگر اس کے پرانے کپڑے بتا رہے تھے کہ وہ غریب تھی۔ آنکھیں افلاس و تنگدستی کی اذیتوں سے گھٹی ہوئی تھیں۔ چہرے پر اداسی اور مایوسی چھائی ہوئی۔ حسن سوگوار کو دیکھ کر میرا دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے لئے نہ معلوم کیوں میرے دل میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ عجیب بیکسی اور بیچارگی کے انداز میں وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں ایک مقناطیسی کشش تھی جو مجھے اپنی طرف کھینچے لئے جا رہی تھی۔

جب تمام مریض دوائیں لیکر رخصت ہو گئے تو میں اس کی طرف متوجہ ہوا وہ اپنی ماں کو بازوؤں کا سہارا دیتی ہوئی میرے پاس لائی۔ بڑھیا کمزوری سے کانپ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے اس کو؟" میں نے پوچھا۔ ———

"چار روز سے بخار ہے" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"کون ہوتی ہے تمہاری؟" ———

"ماں" ———

"تمہارا اور بھی کوئی ہے" ———

"نہیں" ———

"کیا نام ہے تمہارا؟" ———

"چمپا؟" ———

اسکے بعد میری انگلیاں بڑھیا کی نبض پر تھیں اور نگاہیں چمپا پر ——— اُف! اس وقت مجھے "چمپا" میں ایک شعریت و حلاوت کا بحر بیکراں موجزن نظر آ رہا تھا۔ میں نے دوا تجویز کرنے کے بعد ہدایتاً اس سے کہہ دیا۔ "دس روز تک برابر دوا لے جاؤ۔ ناغہ نہ ہو"

مگر کیا واقعی مجھے یہ کہنے کی ضرورت تھی؟ ہرگز نہیں صرف چار روز کی دوا بڑھیا کی صحتیابی کے لئے کافی تھی۔ چمپا چلی گئی اور میں اس کے خیال میں کھویا ہوا دیر تک بیٹھا رہا۔ مجھے اس کے حال پر بڑا ترس آ رہا تھا۔ قدرت کی ستم ظریفیاں میں برداشت کرنے کے لئے تیار تھا سوائے اس کے کہ وہ کسی حسین عورت کو درد و غم اور آلام و مصائب کے روح فرسا عذاب میں مبتلا کر دے۔

چمپا ہر روز آنے لگی۔ اور میں خود کو اس کے قریب کرنے کے لئے بے تکلف ہوتا رہا عجیب عجیب باتیں اس سے پوچھا کرتا۔ اب میری کسی کسی بات پر وہ مسکرا بھی دیا کرتی۔

نویں روز میں نے اس کو انتہائی بوسیدہ ساڑھی میں ملبوس دیکھا حسن کی توہین مجھ سے برداشت نہ ہوئی اور میں نے موقع نکال کر دس روپئے اسکے ہاتھ میں رکھ دیئے "اپنے لئے کپڑے خرید لینا"۔

دس روپئے اس کے لئے دس اشرفی سے کم نہ تھے۔ پہلے اس نے متعجب ہو کر اس ہمدردی کی تہ تک پہونچنے کی کوشش کی۔ بظاہر کوئی غرض نہ تھی اس لئے وہ انکار نہ کر سکی اور بار تشکر سے گردن جھکا کر بولی۔

"آپ بڑے دیالو ہیں ڈاکٹر بابو!"

ایک دہقانی دوشیزہ کی زبان سے اپنی یہ تعریف سنکر میں نے دل ہی دل میں فخر سا محسوس کیا اور کہا۔

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ جب بھی تمہیں دو چار روپے کی ضرورت ہو مجھ سے مانگ لیا کرو" ——— نگاہیں چار ہو گئیں۔ ہونٹوں پر آئی ہوئی مسرت کی مسکراہٹ کو وہ روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

دوسرے روز اس کا آخری دن تھا۔ میں نے باتوں ہی باتوں میں پوچھا۔

"تمہاری شادی تو ہو چکی ہو گی؟"

"ہاں" وہ کسیقدر شرما کر بولی۔

میرے دل کو نامعلوم طور پر ایک ٹھیس سی پہونچگئی۔ اس کو رخصت کرتے ہوئے میں نے کہا "کبھی کبھی آتی رہنا"

"اچھا" اس کا مختصر جواب تھا۔

چند دنوں کے بعد وہ خود بیمار ہو گئی اور اس کی ماں اس کو ہسپتال لائی۔ بیہ بتانا تو تحصیل حاصل ہے اس کا علاج کرنے میں مجھے بیحد مسرت ہوتی تھی اور میں اس کے لئے بہترین ادویات استعمال کیا کرتا۔ میں کسی ملکہ یا شہزادی کا علاج کر کے بھی اتنا فخر محسوس نہ کرتا جتنا اس غریب لڑکی کو صحتیاب کرنے میں محسوس کر رہا تھا۔

آخر وہ اچھی ہو گئی جس کے بدلہ میں اس نے مسکراتے ہوئے لبوں سے اپنی دیہاتی زبان میں شکریہ ادا کیا۔ اے کاش! میں اس کے الفاظ کو اسی شیرینی اور لطافت کے ساتھ قلمبند کر سکتا۔

اسکے بعد کبھی کبھی وہ یونہی میرے پاس آیا کرتی اور دیر تک میں اس سے ادھر ادھر کی باتیں کیا کرتا۔ وہ اکثر اس وقت پہنچتی جب میں فارغ ہوتا رفتہ رفتہ ہماری دلچسپی ایک دوسرے سے بڑھتی گئی۔ ہم دونوں میں سے کسی کو یہ محسوس نہ ہوا کہ محبت کی آگ خاموشی سے ہمارے سینوں میں سلگنے لگی تھی جس کے اظہار کی جرأت ہم میں کبھی پیدا نہ ہوئی۔ چند مرتبہ میں نے اصرار کر کے اس کو کچھ روپے بھی دیئے۔ اس سے میرا مطلب احسان جتانا نہیں بلکہ یہ

بتانا ہے کہ کس طرح ہم ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے۔

اس کی شادی قریب ہی کے ایک گاؤں میں ہوئی تھی۔ اکثر میں اس کے شوہر کے متعلق سوالات کیا کرتا جن کا جواب دینے میں وہ بہت پس و پیش کیا کرتی۔ اسکی گفتگو سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شوہر اس کو پسند نہ تھا۔

ہماری بے تکلفی یہاں تک بڑھ گئی کہ ایک روز میں نے چمپا کے گلابی چہرہ کو گہری نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "چمپا! جی چاہتا ہے کہ سارا دن اور ساری رات تم میرے پاس بیٹھکر مجھ سے باتیں کیا کرو"

"میرا بھی یہی جی چاہتا ہے ڈاکٹر بابو" وہ گردن جھکاکر حسرت آمیز انداز میں بولی۔

اس سے آگے ہم کچھ نہ بول سکے۔ پھر چمپا نے یہ خبر سنائی کہ آئندہ ماہ اس کی رخصتی ہونے والی تھی۔ نہ معلوم کیوں اس خبر سے میری روح کو تکلیف پہونچی اور میں اُداس ہو گیا۔

"سسرال جانے کے بعد بھی مجھ سے ملو گی چمپا؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ میں آپ کو کبھی نہ بھولوں گی۔ مرتے دم تک نہیں۔ آپ بڑے اچھے ہیں" وہ انتہائی معصومیت سے بولی۔

ہم دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ یکایک اس کی آنکھیں آنسوؤں میں تیرنے لگیں۔

"تم رو کیوں رہی ہو چمپا؟"

"ڈاکٹر بابو!" اس کی آواز پھوٹ گئی اور آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے اسکے رخسار گلگوں پر شبنم کی طرح ڈھلک پڑے" میں سسرال جانا نہیں چاہتی۔ گاؤں والے کہتے ہیں وہ بڑا ظالم ہے"۔

"کچھ بھی ہو مگر تمہیں جانا ہی ہو گا چمپا!" میں ایک سرد آہ کھینچکر بولا۔

"ڈاکٹر بابو!" مگر میں...... میں آپ کے چرنوں میں رہنا چاہتی ہوں"

یہ کہکر اس نے اپنا سر زانوؤں کے اندر رکھ دیا اور سسکیاں لینے لگی۔

"یہ ناممکن ہے چمپا!" میں نے محبت سے اسکے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"نہیں ڈاکٹر بابو مجھے کسی اور رنگیلے پیلے میں آپ ہی کے ساتھ رہکر آپ کی سیوا کیا کرونگی" وہ سر اُٹھا کر بولی۔

"کیسی باتیں کرتی ہو چمپا۔ جو ہونا تھا سو ہو چکا اب کچھ نہیں ہو سکتا" میں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی اور میرا جواب سُنکر وہ چُپ ہو رہی۔

اس روز اس نے بہت سے غیر متوقع سوالات کئے۔ مثلاً میں سوتا کہاں تھا۔ اکیلا سوتا تھا یا کسی کے ساتھ۔ ہسپتال کے دوسرے ملازمین کے کمرے کدھر تھے۔ میں نے اس کو سب کچھ بتا دیا۔

اُسی رات ـــــ جب سارا گاؤں ڈھیر ہو کر سو رہا تھا میں نے یکایک اپنے کمرے کے باہر کسی کے قدموں کی نرم نرم چاپ سُنی۔ میں چونکا۔ مجھے چمپا کے سوالات یاد آنے لگے۔ رفتہ رفتہ آواز قریب تر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ میرے کمرے کے اندر پہونچگئی ـــــ وہ چمپا ہی تھی۔

"چمپا؟" میں مبہوت ہو کر بولا

"ہاں" چمپا آہستہ سے بولی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہ کچھ سہمی ہوئی سی تھی۔

"اس وقت؟ ـــــ یہاں؟"

"نیند نہیں آتی تھی۔ آج من بہت اُداس ہے"

یہ کہکر وہ میرے پلنگ کے قریب بچھی ہوئی تپائی پر بیٹھ گئی۔ مجھے ایسا معلوم ہونے لگا کہ بوڑھا کمپاؤنڈر باہر کھڑا ہوا سب کچھ سُن رہا تھا۔ میں باہر نکل کر آیا اور ہر سمت نظر دوڑا کر اپنا اطمینان کر لیا۔ اور پھر آکر اندر سے کواڑ کی چٹخنی لگا دی۔

ایک عجیب کیفیت تھی جو اس وقت مجھ پر طاری تھی۔ مسرت اور گھبراہٹ کے عالم میں ـــــ سب سے پہلے میں نے چمپا سے دھیمی آواز میں بات کرنے کی تاکید کر دی۔

کافی دیر تک ہم ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ باتوں ہی باتوں میں چمپا پلنگ پر میرے پہلو میں بیٹھ گئی تھی۔ اس وقت ساری دُنیا میں صرف ہم دونوں تھے تیسرا کوئی نہیں ـــــ خدا بھی نہیں۔ بالکل غیر ارادی طور پر چمپا کی انگلی میری ران سے چھو گئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ بجلی کا تار میری رگ رگ سے پیوست ہو گیا اور سارے بدن میں اس کی لہر دوڑ گئی۔ جوانی کی ہنگامہ خیزیوں میں ہم دونوں نے ماضی اور مستقبل کو بالکل فراموش کر دیا تھا ـــــ عالم خود فراموشی میں میرے ہاتھ چمپا کی کمر میں حمائل ہو گئے۔ چمپا نے بھی نہایت آسانی سے اپنا جسم میرے سپرد کر دیا اور ہمارے ہونٹ آپس میں چمٹ گئے۔ سانس کے ہیجان سے اسکے اُبھرے ہوئے سینوں میں ایک صبر شکن مد و جزر پیدا ہو رہا تھا ـــــ آہ! محبت کی روشنی گناہ کی تاریکیوں میں جذب ہو کر رہ گئی۔ جوانی اور خلوت کی کفر خیزیوں نے ہماری پاک رُوحوں کو آلودہ کر دیا۔

شرم و احساس کے مارے قریباً دس روز تک ہم ایک دوسرے سے آنکھ نہ ملا سکے ـــــ

اسکے بعد وہ منظر میری آنکھوں میں پھرنے لگا جب چمپا اپنے مدقوق شوہر کو ہسپتال لیکر آیا کرتی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اس کو سسرال گئے بارہ تیرہ مہینے گذر چکے تھے اور اس درمیان میں اسکی بوڑھی ماں بھی مر چکی تھی۔

ان دنوں بھی ہماری خفیہ ملاقاتیں جاری تھیں۔ ہسپتال کی چھوٹی سی لیبوریٹری ہمارے گناہوں کی رازدار تھی۔ اکثر اس کے شوہر کو برآمدہ میں بٹھاکر ـــــ جب سب لوگ چلے جاتے میں چمپا کو دوا لینے کے بہانے لیبوریٹری میں بلا لیتا۔

اُف! میں ہرگز اس قابل نہیں کہ معاف کیا جاؤں میری پیشانی پر ندامت کے پسینے نکل آتے ہیں۔ ایک طرف میں گناہ میں مبتلا تھا اور دوسری طرف چپا کے شوہر کی صحت کو جان بوجھ کر بگاڑ رہا تھا۔ اس کے مرض کو بڑھا رہا تھا تاکہ وہ مر جائے اور ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ دُور ہو جائے۔

ایک روز میاں کے شوہر کو کچھ شک ہوا اور وہ ٹہلتا ہوا لیبوریٹری تک چلا آیا جس وقت اس نے اندر جھانک کر دیکھا چپا میری آغوش میں تھی بے اختیار اس کے بوڑھے شوہر کی زبان سے نکلا "چپا!"

چپا اوچھل کر مجھ سے علیحدہ ہو گئی اور بعد ازاں کانپنے لگی ——— اس کے شوہر نے اس کو کچھ نہ کہا۔ اس روز کی رات وہی بھیگی ہوئی رات تھی جب میں نے چپا کو حکم دیا تھا اور اس کے ہاتھ بوڑھے کی شہ رگ پر کانپ رہا تھا ——

اس کے بعد اب اسی قدر بتانے کی ضرورت ہے کہ چپا کبھی واپس نہ آئی اور میں نے سمجھ لیا کہ وہ جا چکی تھی۔

کل صبح میں پھر چپا کو دیکھنے گیا تھا مگر اس کا آخری وقت آ پہنچا تھا۔ آواز بند ہو گئی تھی ——— آہ! کتنی بے چارگی اور حسرت سے وہ میری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ شاید اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ وہ بولنے کی کوشش کر رہی تھی مگر بے سود۔ فرشتۂ اجل اس کی روح کو اپنی مٹھی میں دبا رہا تھا اور مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جاں کنی کی شدت سے بے چین ہو کر وہ ڈاکٹر بابو! ڈاکٹر بابو! پکار رہی تھی ——— آخر اس کی نبض ڈوب گئی اور آخری بار آنکھ بند کرتے ہوئے اس کی آنکھوں سے دو قطرے آنسو نکلے۔ قریب ہی آٹھ دس سال کی ایک لڑکی سسکیاں لے لے کر زار و قطار رو رہی تھی جیٹھ رعیت نے بتایا کہ وہ مرنے والی کی بیٹی تھی ——— کیا وہ میری ہی بیٹی تھی؟ ——— میری بیوی پریشان ہے کہ میں ان دنوں سے افسردہ اور ملول کیوں رہا ہوں۔

سجنی یاد ہیں وہ دن؟

از جناب رابطہ ہاشمی (فاضل ادب)

ہم دونوں بچپن سے ایک ساتھ پلے۔
ایک ساتھ رہے ——————
ایک ساتھ کھیلے ——————
آہ! وہ محبت بھرے معصوم دن! ———
وہ دلنواز مسکراہٹیں! ——————
بے خوف قہقہے! ——————
آہ! لیلیٰ و انبساط بھری راتیں! ———
اف! وہ مسرت و شادمانی کے ایام!
کیسا دلفریب تھا وہ عہد! ———

——————

پھر ایک دوسرے دور کا آغاز ہوا۔
طفلی شباب سے گلے مل رہی تھی۔
وہ معصومانہ دور چشم زدن میں ختم ہو گیا۔
بچپن کی محبت بھری باتوں کی یاد مٹی مٹی ———
——— دھندلی سی رہ گئی۔ ———
ہم دونوں جوان ہو گئے۔ ———

حجاب سے بڑھ کر تمہارے دامن کو پکڑ لیا۔
اور ہم رفتہ رفتہ حجاب زیادہ زور پہننے لگے۔
آزادانہ ملنا۔ وہ ملکر بیٹھنا۔ وہ آنکھ مچولی
سب ایک ایک کر کے حجاب کی نذر ہو گئیں۔
پھر بھی ہم ملتے رہے چھپ چھپ کر،
آموں کے درختوں تلے۔ ———
مہندی کے چھاؤں میں، ———
لہلہاتے کھیتوں میں، ———
ندی کے کنارے۔ ———
کہسار کے دامن میں، ———
آبشاروں کے پاس ———
"پریم کے گیت" درد بھرے نغمے ———
محبت بھری باتیں ———
وہ تمہارا بگڑنا ———
اور میرا منانا ———
جوانی کے یادگار دن! ———

اُف! کس قدر راحت رسا تھا وہ زمانہ!

——————

پھر ایک اور وقت آیا ———
زندگی کا جانگسل لمحہ ———
تکلیف دہ وقت، ———
اضطراب اور مصیبتوں کی گھڑی ———
بے چینی اور بے کلی کی ساعت ———
جدائی کا دن۔ ———
ڈبڈبائی آنکھوں سے ہم دونوں جدا ہو رہے تھے۔
ہماری آنکھیں اشکبار تھیں۔ ———
سسکیوں کی مسلسل آواز سے ———
ساکت و صامت فضا مرتعش تھی ———
آخر روتے روتے ہم دونوں ———
ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ ———
آغاز اشک ——— اشک اولیں۔

——————

انوکھا انتقام

کیا موت کے بعد بھی زندگی قائم رہتی ہے؟

دنیائے روحانیت کا ایک سو فیصدی سچا واقعہ

محض انتقام کی خاطر دشمن کی روح دشمن کے نوزائیدہ بچے کے جسم میں حلول کر گئی۔ ایک پلے سرے کا خوفناک لرزہ خیز اور وحشت انگیز افسانہ۔ نازک طبع خواتین کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ اس روح فرسا ٹریجیڈی کو عالم تنہائی میں پڑھنے کی جرأت نہ کریں

"ایڈیٹر"

خلاصہ: جان ہیگنز عامل "کالا جادو" کی حسین و جمیل لڑکی وائیولیٹ کے دامن عصمت کو تار تار کرکے لیونارڈ بیتھ کو خواب میں بھی خیال نہ تھا کہ جان ہیگنز کیسے گھناؤنے اور خوفناک طریق سے اس سے انتقام لے گا۔ لیکن .... (گذشتہ اشاعت سے آگے)

اس کے دو دن بعد بیتھ سڈنی کی بندرگاہ کو جو آسٹریلیا میں واقع ہے، روانہ ہوگیا۔ اس کی بی بی ان دنوں وہیں اپنی بہن سے ملنے گئی ہوئی تھی۔ اس کو بحری سفر کا سوچا ہوا پروگرام قطع کردینا پڑا۔ لیکن وہ مجبور تھا پیشتر اس کا خیال تھا کہ رفتہ رفتہ دنیا کی سیر کرتے ہوئے آسٹریلیا پہنچے گا لیکن ڈنکورس کے رات والے واقعہ نے ہر قسم کا شوقِ سیاحت اس کے دل سے خارج کردیا اس نے سوچا یہ کام بعد کو ہوتا رہے گا۔

جہاز میں فرانسسکو سے چلکر سمندر کے وسط میں ہونولولو کی طرف جا رہا تھا کہ بیتھ پہلی مرتبہ اپنے ذہنی اضطراب پر اس درجہ غالب آسکا کہ صحن جہاز پر آکر باقی احباب سے ملے۔ اس کے رہنے کو ایک علیحدہ کیبن مخصوص تھی اور وہ دن بھر اسی میں پڑا رہا کرتا تھا۔ جو لوگ صحن جہاز کو دھوتے یا صاف کرتے تھے اُن کی آوازیں اور کپڑوں کی سرسراہٹ اس کے کانوں میں آیا کرتی تھی، لیکن ایک دن صبح کو جب وہ باہر نکلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ تو اپنے کیبن کے بند دروازے کے باہر وہی خشک گلو گرفتہ قہقہہ کی آواز سُنائی دی جس سے اس کے کان اچھی طرح آشنا ہوچکے تھے۔ وہ کان لگا کر سننے لگا۔ بدن میں تھرتھری پیدا ہورہی تھی مگر وہ اپنے جی کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا تھا کہ شاید میرے اپنے دماغ نے اس آواز کو میرے تصور میں تازہ کیا ہے۔ لیکن آواز پھر ایک بار سُنائی دی اور اب کی مرتبہ وہ اتنی صاف تھی کہ کوئی شک وشبہ اس کے دل میں باقی نہ رہ گیا دنیا میں صرف ایک آدمی اس طرح کی آواز پیدا کرسکتا تھا اور وہ اس سے خوب واقف تھا بستر پر لیٹے ہوئے وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ ضرور جان ہیگنز میرا پیچھا کر رہا ہے۔ کس بلا کے عزم واستقلال کا یہ آدمی تھا کہ اس کے تعاقب میں جہاز پر بھی آپہنچا۔

ایک بار اس کے جی میں آئی کہ ہونولولو کی بندرگاہ میں پہنچکر میں اس جہاز سے اُتر جاؤں اور کسی دوسرے جہاز پر سوار ہوکر باقی ماندہ سفر پورا کروں۔ یہی ایک طریقہ اس مردِ منحوس سے نجات حاصل کرنے کا ہے۔ لیکن پھر اس نے حوصلہ کیا اور سوچا ایسی بھی کیا دہشت؟ یہ سب میرے اعصاب کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ جونہی کوئی قابلِ اعتراض حرکت اس شخص کی طرف سے ہوئی میں اس کو فوراً حوالہ پولیس کردونگا۔ آخر یہ کالی وردی والے کس مرض کی دوا ہیں؟

لیکن گو اس نے اپنے دل کو ڈھارس دے لی تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ سفر کے باقی ماندہ حصہ میں اکثر راتوں کو اُسے نیند نہ آتی۔ وہ سونے سے پہلے اپنی کیبن کا ایک ایک کونہ دیکھ لیا کرتا اور اندر کی طرف دوہرا قفل لگا کر سوتا تنہائی میں کبھی اس آدمی کے سامنے آنے کی کوشش نہ کرتا۔ ایک دن جب جہاز کے ڈاکٹر نے کھانے کی میز پر یونہی بغیر کسی وجہ کے اس سے پوچھا "کیا کبھی آپ نے کوئی ایسا بھی آدمی دیکھا ہے جس کی انگلیاں جھلی سے جُڑی ہوئی ہوں" تو اتنی دہشت مجھ پر طاری ہوئی کہ ہاتھ میں اُٹھا ہوا کانٹا بڑے زور سے چینی کی پلیٹ پر گر پڑا اور وہ ریزہ ریزہ ہوگئی۔

ڈاکٹر بیچارہ حیران تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ لیکن بیتھ کے اگلے سوال نے اُسے اور بھی حیران کردیا۔ کہنے لگا۔

"یہ سوال آپ نے خصوصیت کے ساتھ مجھ سے کیوں پوچھا؟ اگر خدا نے کسی آدمی کو شیطانی صورت دی ہے تو مجھ سے اس کا واسطہ؟"

اس پر نہ صرف ڈاکٹر بلکہ اور بھی جتنے آدمی کھانے کی میز پر جمع تھے بیتھ کے بڑھے ہوئے چڑچڑے مزاج کو دیکھکر حیران وششدر رہ گئے۔

بیتھ نے کھسیانا ہوکر بات کو ہنسی میں ٹالنے کی کوشش کی مگر اس کی ہنسی پھیکی اور بدمزہ تھی، معذرتی لہجہ میں کہنے لگا۔

"ڈاکٹر صاحب بات دراصل یہ ہے۔ میرے جی کو ایسی باتوں سے بڑا انکراہ ہوتا ہے۔ آپ کے ذکر چھیڑنے سے منہ کا ذائقہ خراب ہوگیا۔"

"معاف کیجئے میں نے تو محض یونہی سرسری ذکر چھیڑا تھا" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"میں نے اپنے پیشہ کے دوران میں کبھی اس طرح کا آدمی نہیں دیکھا۔ لیکن اتفاق سے اس جہاز کے باورچیوں میں ایک شخص ایسا ہی موجود ہے تاہم جانے دیجئے۔ اس کا ذکر لمبا کرنے سے کیا فائدہ؟"

اس کے بعد ہیتھ اس جگہ سے اٹھ کر اپنی کیبن میں چلا گیا لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ اس دن سے اس کی بھوک اور نیند بالکل ہی زائل ہو گئی۔

سڈنی پہنچنے سے چند روز پیشتر ایک رات جب وہ فکروں میں غلطاں اپنے بستر پر لیٹا ہوا کروٹیں لے رہا تھا اور نیند نہیں آتی تھی۔ اس کی نگاہ بند دروازہ میں لگے ہوئے شیشہ کی طرف گئی تو کیا دیکھتا ہے کسی آدمی کا چہرہ باہر کی طرف لگا ہوا قہر آلود اور کینہ توز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے!

لیونارڈ کا ماتھا ٹھنکا یہ آدمی جان ہیگنز کے سوا اور کوئی نہ ہو سکتا تھا۔ دہشت کی حالتوں میں ایک انتہا وہ بھی ہوتی ہے۔ جب انسان مایوسی کے عالم میں سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ ہر چند لیونارڈ کو اس آدمی سے خطرہ لگا رہتا تھا تاہم اس موقعہ پر اس کو خلاف توقع دیکھ کر وہ بے تابانہ اٹھا اور زور سے دروازہ کھول دیا لیکن باہر کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے حد نگاہ تک صحن جہاز کو دیکھا جگہ خالی پڑی تھی۔ پریشان و دل گرفتہ وہ دوبارہ آکر پڑ گیا لیکن رات بھر اس کو نیند نہ آسکی۔

اس کے چہرہ کا رنگ روز بروز پیلا پڑتا جا رہا تھا۔ اعصاب اتنے کشیدہ ہو گئے کہ ذرا سی غیر معمولی آہٹ پر اچھل پڑتا تھا۔ جب اس کا جہاز سڈنی کی بندرگاہ پر پہنچا تو بی بی اس کی بدلی ہوئی حالت دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئی، کہنے لگی۔

"معلوم ہوتا ہے اس سفر میں تم کو فائدہ کی بجائے الٹا نقصان پہنچا ہے۔ تم تو اپنے وجود کا محض سایہ نظر آتے ہو۔ یہاں سے تھوڑی دور دیہات میں میرا بھائی رہتا ہے چلو میں تم کو اس جگہ لے چلوں۔ وہاں کی آب و ہوا میرے خیال میں تمہارے لئے فائدہ مند ہو گی"۔

وہ لیونارڈ ہیتھ کو لے کر اپنے بھائی کے پاس چلی گئی جس نے بھیڑوں کے گلے پال رکھے تھے اور قریباً دو ہفتے لیونارڈ نے اس جگہ رہ کر گزارے۔

اس اثنا میں جان ہیگنز کا منحوس چہرہ کبھی اس کے دیکھنے میں نہ آیا۔

تیسرے ہفتہ کے شروع میں ایک بحری تار انگلستان سے اس کے نام موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ ایک اشد ضروری کام درپیش ہے جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس جگہ پہنچو۔

لیونارڈ ہیتھ کی بی بی اگرچہ ان دنوں دو جی سے تھی اور اس کی اپنی صحت کسی لمبے سفر کی متحمل نہ ہو سکتی تھی تاہم اس نے شوہر کو تنہا بھیجنا گوارہ نہ کیا۔ اور دونوں وائٹ سٹار لائن کے ایک جہاز پر سوار ہو کر عازم انگلستان ہوئے چونکہ ان ایام میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا تھا اسلئے لیونارڈ کی صحت میں رفتہ رفتہ اصلاح ہونے لگی اور ہیتھ نے یہ سوچ کر اپنے جی کو سمجھانا شروع کیا کہ جان ہیگنز کہیں پیچھے رہ گیا یا عین ممکن ہے کہ اس حد تک پریشان کرنے کے بعد وہ اپنی مرضی سے ہی پیچھا چھوڑ کر چلا گیا ہو۔

لیکن نئے جہاز پر سفر کرتے ہوئے پہلا ہفتہ بمشکل ختم ہوا تھا کہ وہی تلخ ناخوشگوار قہقہہ جو ہیگنز سے مخصوص تھا ایک روز اس کے کانوں میں پہنچا۔ لیونارڈ ہیتھ کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا صدہا شیطان اس کے بدن میں سوئیاں چبھو رہے ہیں نہ جانے ہوئے خطرہ کے انتظار نے اسکی حالت بے حد زار کر دی۔

جہاز لوناسیریز کی بندرگاہ میں پہنچ کر کوئلہ لینے کے لئے رکا تو ہیتھ اپنی بی بی کے اصرار پر اس چھوٹی سی پہاڑی سے گزر کر جو گھاٹ کے قریب واقع ہے شہر کے نظارے دیکھنے چلا۔ ایک اونچے مقام پر کھڑے ہو کر انہوں نے پالیوڈی سین جولیو کے اس بازار کو دیکھنا شروع کیا جو ماحوں کی نظر میں دنیا بھر کے شہروں کے نہایت بدنام بازاروں کا سرتاج ہے۔

جب وہ دونوں کھڑے انسانیت کی اس تل چھٹ کو دلچسپ نظروں سے دیکھ رہے تھے جو بہتے ہوئے دریا کے پانی پر گزرتی ہوئی چیزوں کی مانند ان کی نظروں کے سامنے سے نکلی جا رہی تھی تو ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ قریب ہی ایک مکان کا دروازہ کھلا اور جان ہیگنز نکل کر دہلیز میں کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہ میں کینہ اور دبا ہوا جوش تھا جس کا تصور لیونارڈ ہیتھ کو لرزہ براندام کر دیا کرتا تھا۔

اس کے گھٹنے بے اختیار خم ہونے لگے۔ بدن میں تھرتھری پیدا ہو گئی ضعف جانی کے عالم میں اس نے اپنی بی بی کے بازو کا سہارا لیا اور اس کو صحیح معنوں میں کھینچتا ہوا بازار کے موڑ کی طرف لے چلا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" بی بی نے راستہ میں اس سے پوچھا "کون تھا جسے دیکھ کر تم اس طرح چلے آئے ہو؟"

"کوئی نہیں! کوئی نہیں!" لیونارڈ نے بات ٹالنے کی غرض سے کہا۔

لیکن جب وہ دونوں بازار پلازا میں پہنچے اور ہیتھ نے فکر آمیز نظروں سے پیچھے کی طرف دیکھا تو جان ہیگنز دونوں ہاتھ بے پروائی سے جیبوں میں ڈالے سایہ کی مانند ان کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا تھا۔ کسی طرح اس سے نجات پانے کیلئے ہیتھ بی بی کو ساتھ لئے بازار کیلی روڈا کی طرف مڑا جس میں فقط بہترین دوکانیں واقع ہیں اور وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے وہاں جا پہنچا۔ نہایت پریشان ہو کر لیونارڈ ہیتھ نے ایک گاڑی کرایہ کی اور پرلمو روانہ ہو گیا۔ لیکن وہاں پہنچ کر دیکھا تو جان ہیگنز پہلے سے موجود تھا۔ میاں بی بی جلد ہی واپس آ کر ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے گئے۔ دو منٹ کے بعد کیا دیکھتے ہیں۔ ہیگنز پاس والی میز پر بیٹھا ہے۔ مختصر یہ کہ جہاز پر واپس جانے کے وقت تک ہیتھ کی حالت کسی ہسٹیریا کے مریض کی سی ہو گئی تھی خصوصاً

اس لئے کہ اُسے اپنے محسوسات بی بی سے چھپائے رکھنے کی کوشش کرنا پڑتی تھی۔

اس جگہ سے آگے جہاز کو لزبن پہنچکر ٹھہرنا تھا۔ اس عرصہ میں گو بیتھ کو قدرے سکون حاصل ہُوا لیکن اب وہ اس خیال سے اپنے دل کو تسلی دینے کے قابل نہ تھا کہ دشمن اس کے تعاقب میں نہیں ہے یا یہ کہ جو کچھ وہ دیکھتا یا سنتا ہے محض وہم کا نتیجہ ہے۔ سچ پوچھئے تو اب وہ یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ اس کے لئے اس مرد منحوس سے محفوظ رہنا یا نجات پانا عملی طور پر ناممکن ہے حتیٰ کہ وہ اگر دنیا کے زیریں حصہ میں بھی پہنچ جائے تو یہ شیطان اس کی تعاقب میں وہیں پہنچ جائے گا۔ تنگ آ کر اس کو پولیس کا خیال آیا اور اس نے سوچا کہ ایک بھرا ہُوا پستول ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیئے تا کہ جب اس شخص کی طرف سے کوئی مشکوک حرکت ہو تو یہ اس کو نشانہ بنانے سے دریغ نہ کرے سب سے زیادہ اس کے جی کو حیران کرنے والی بات یہ تھی کہ صحن جہاز پر بھی وہ اس کی توجہ سے محفوظ نہ رہ سکتا تھا۔

بیتھ کا دن روز بروز دُبلا ہوتا جا رہا تھا۔ مزاج میں چڑچڑاپن آ گیا۔ عجیب طرح کا انتشار انگیز بے خبری ہر وقت اس پر طاری رہنے لگی۔ دل باانتہائی کوشش کے باوجود شکیبائی حاصل نہ کر سکتا تھا۔ منہ ذرا سا نکل آیا۔ صد ہا بدگمانیں۔ لاتعداد اندیشے۔ بے حساب فکر ہر لحظہ اس کیلئے سوہانِ روح ثابت ہوتے تھے۔ تاہم اس نے اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا کہ لزبن پہنچکر ایک پستول ضرور خریدونگا اسجگہ پہنچنے کے بعد جب یہ لوگ بازار اور گلیوں سے گذر رہے تھے تو ایک اسلحہ فروش کی دکان دیکھکر لیونارڈ بیتھ نے بی بی کو بعض دوستوں کے ساتھ آگے نکل جانے دیا اور خود موقع پا کر تنہائی میں ایک پستول کا سودا کرنے لگا لیکن جب وہ اُسے خرید کر باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ جان ہیگنز وہیں دکان کے دروازہ کے ایک جانب کھڑا اسکی جانب دیکھ کر زور زور سے ہنس رہا ہے وہی اس کی منحوس صورت تھی وہی کینہ توز آنکھیں اور وہی جگر خراش قہقہہ کی آواز۔

چونکہ وہ ہوش میں رہ اپنی بی بی اور اپنے رفیقوں سے جا ملا۔ وہاں سے یہ دونوں بیتھ اور اس کی بی بی۔ دوسروں سے علیحدہ ہو کر ٹہلتے ہوئے ایک طرف کو چلنے لگے گر بیتھ نے کسی موقعہ پر پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہ کی۔

رستہ میں ایک موقعہ پر اس کی بی بی کہنے لگی "نہیں معلوم یہ بھک منگا سا لفنگا کون ہے جو کبھی ہنسنے اور کبھی گھورنے لگتا ہے گر میں دیکھ رہی ہوں وہ بڑی دیر سے ہمارے پیچھے لگا آتا ہے کیوں تم اس سے نہیں پوچھتے کہ وہ کون ہے اور ہمارے ساتھ کس لئے پھرتا ہے؟" مگر بیتھ نے بی بی کی بات اَن سُنی کر دی۔

(باقی آئندہ)

دیکھ لیا

اُن سے آنکھیں ملا کے دیکھ لیا
دِل بتوں سے لگا کے دیکھ لیا
راس آیا نہ سجدۂ الفت
رنج و غم کا نہیں کوئی ساتھی
اُف رے نیرنگیاں محبت کی
اُسکے جلوے ہیں سب جگہ یکساں
آپ نے کر دیا ہے محشر
دِل کا نکلا نہ مشتری کوئی
آپ کا ظرف اے چمن والو
گر پڑی عقل و ہوش پر بجلی
اُف رے چشمِ خیال کی جرأت
سیر کون و امکاں کی کر ڈالی

مفت میں گھر لٹا کے دیکھ لیا
کوہ سر پر اُٹھا کے دیکھ لیا
ہر جگہ سر جھکا کے دیکھ لیا
بارہا آزما کے دیکھ لیا
گل کو بلبل بنا کے دیکھ لیا
دیر و مسجد میں جا کے دیکھ لیا
جس طرف آنکھ اٹھا کے دیکھ لیا
رُخ ہم نے گھٹا کے دیکھ لیا
آشیانہ بنا کے دیکھ لیا
اُس نے جب مسکرا کے دیکھ لیا
اُن کو خلوت میں جا کے دیکھ لیا
جب ذرا سر جھکا کے دیکھ لیا

ارتباطِ حیات و موت شمسر
بزمِ ہستی میں آ کے دیکھ لیا

صحت
حفظان

کیا نوے فیصدی آدمی بے موت ہی مر جاتے ہیں؟

(جغرافیہ حفظ صحت)

مخفی نہ رہے کہ قوت حیات ہی دراصل وہ چیز ہے جس کی بدولت نباتات حیوانات اور انسانوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ اسی کی مدد سے خوراک کے اجزا جاندار گوشت یا نباتاتی ریشوں کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ اس کے بغیر انسان کسی صورت میں زندہ نہیں رہ سکتا جہاں تک سائنس کی تحقیقات مدد دیتی ہے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ حیاتی قوت اس خوراک کے اندر پائی جاتی ہے جو ہم کھاتے ہیں بشرطیکہ انسان نے اپنی حماقت سے قدرتی چیزوں کے اندر اسکی موجودگی کو غیر معمولی زیادہ پیس کر، پالش کر کے بے جا طور پر پکا کر یا کسی اور ذریعہ سے بالکل صاف نہ کر دیا ہو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس حیاتی قوت کو برقرار رکھنے کیلئے ہر شخص کو زندگی بخش غذا کی روزانہ ضرورت ہے۔

انسان کے اندر اس قوت کی موجودگی اور اسکی برقراری کی بہترین مثال ہم موٹر کار کی بیٹری کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں جسکو اگر مسلسل استعمال کرتے رہیں، لیکن اس کے اندر نیا مصالحہ نہ بھرا جائے تو وہ بالکل نکمی ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طریقہ پر یہ امر لازم ہے کہ ہمارے اجسام میں کوٹھڑیوں کی صورت میں جو بیٹریاں (ـــــــ، ـــــــ) موجود ہیں، ان میں ان خوراکوں کی بدولت حیاتی رو پیدا کی جائے جن کے اندر قدرت نے ان کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے جو غذا کے معاملہ پر مستند اہل الرائے سمجھے جاتے ہیں ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ ہماری روزانہ خوراک میں کسی نہ کسی قسم کی تازہ کچی اور غیر پکی ہوئی سبزیاں اور پھل شامل ہونے چاہئیں۔

اس سے آگے سوال پیدا ہو گا کہ ہم سارا سال اس قسم کی تازہ کچی سبزیاں کیونکر حاصل کر سکتے ہیں، جنکو بطور سلاد (ـــــ ـــــ S) استعمال کرنا ممکن ہو۔ اس کا علاج میں آپکو بتاتا ہوں۔ اگر آدمی تھوڑی سی کوشش کرے تو ان اوقات میں جب پتے دار سبزیاں بازار میں نہیں مل سکتیں، گھر کے صحن میں چند ایک چوبی صندوقوں کے اندر جو اوپر سے بند نہ ہوں، اس قسم کی پتے دار سبزیاں اُگا سکتا ہے جو ہر وقت تازہ بتازہ اس کے لئے کار آمد ہو سکتی ہیں۔ صرف تھوڑی سی دور اندیشی کی ضرورت ہے اگر ان صندوقوں کے اندر موقع و محل کا خیال کرتے ہوئے بیج بونے کا سلسلہ جاری رکھا جائے تو آدمی سارا سال تازہ، ملائم پتے دار سلاد استعمال کرنے کیلئے حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے یعنی پتوں کو پکنے نہ دیا جائے بلکہ وہ ملائم اور چھوٹے ہوں تو توڑ کر کھری بنائی جائے۔

جیسا کہ ہم بیان کر رہے تھے وہ حیاتی قوت جو انسانی جسم کی تیاری و برقراری کیلئے اشد ضروری ہے زیادہ تر خوراک کی چیزوں سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ خوراک کے اندر وہ قوت اس زمین کے معدنی اجزاء سے داخل ہوتی ہے جس میں خوراک کی چیزیں بوئی گئی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی زمین میں گاہ بگاہ اس قسم کی کھاد نہ ڈالی جائے جو معدنی قوت برقرار رکھنے والی ہو تو پھر کھانے کی جو چیزیں اس زمین میں بوئی جائیں گی ان کے اندر حیاتی قوت لازمی طور پر کم ہو گی۔ ایسی صورتوں میں ممکن ہے کہ گاجر مولی بند گوبھی یا چاول یا گیہوں دیکھنے میں صحیح صورت رکھتے ہوں لیکن ان کے اندر اس حیاتی قوت کی کمی ہو جس کی جسم انسانی کو اشد ضرورت ہوتی ہے۔

یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک ہی ملک کے مختلف حصوں میں مختلف قسم کی بوئی ہوئی خوراک کی چیزیں، گو دیکھنے میں ایک جیسی نظر آتی ہیں، تاہم ان کے اندر حیاتی قوت کی مقدار کم و بیش پائی جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے کاشتکاروں کو سب سے زیادہ یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زمین کی زرخیزی برقرار رکھنے کے لئے اس میں گاہ بگاہ کس قسم کی کھاد ملاتے رہنا چاہیئے، لیکن اس کا ذکر کسی آیندہ موقع پر کیا جائے گا۔ بہرحال اگر آپ اپنے گھر کے صحن میں چوبی صندوقوں کے اندر صحیح قسم کی کھاد ڈال کر تازہ سبزیاں اُگاتے رہیں، یا باغیچہ میں اپنی نگرانی سے سبزیوں کی کاشت کا انتظام کریں تو حیاتین سے بھرپور نہایت عمدہ قسم کی ترکاریاں آپ کو بکثرت مہیا ہو سکتی ہیں۔ رہ گیا یہ سوال کہ کھاد کیسی اور کب، کن حالات اور کتنی مقدار میں استعمال کی جائے، تو اس کے متعلق اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ آپ سرکاری محکمہ زراعت سے خط و کتابت کر کے ضروری معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

لیکن یہ ایک جملہ معترضہ تھا ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ صحیح قسم کی خوراک کیسی ہوتی ہے اور ہم اُسے کیونکر مہیا کر سکتے ہیں؟

اس کے متعلق صحیح طریق عمل یہ ہے کہ ایک معینہ پروگرام کے مطابق ہم اپنے لئے روزانہ خوراک کا طریقہ قائم کر لیں، اور اس بات کا خیال رکھیں کہ ہر وہ چیز جو ہمارے کھانے میں آئے وہ گوناگوں ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر وہ تمام اجزاء رکھتی ہو جو بطور غذا فائدہ بخش ہوں جن سے زندگی برقرار رہ سکے۔ صحت اور جسمانی

بقائے صحت اور درازی عمر کیلئے ہمیں کیا خوراک کھانا چاہیئے

بالیدگی ترقی کرسکے آدمی متعدی امراض سے بچا رہے اور اسکی قوتِ بالیدگی بھی برقرار رہ سکے۔ ذیل میں جو پروگرام پیش کیا جاتا ہے وہ صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو صحت کی حالت میں ہوں۔ بیماری یا کمزوری کی حالتوں میں اس کے اندر مناسب ترمیم کی جاسکتی ہے۔

جس آدمی کی صحت معمولاً اچھی ہو اس کو ہر روز مندرجہ ذیل اشیا مقررہ مقدار میں استعمال کرنی چاہئیں۔ ایسا کرتے ہوئے یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ سبھی قسم کی خوراک کی چیزیں استعمال میں لائی جائیں، یہ نہیں کہ ایک کو غیر معمولی بڑھا اور دوسرے کو گھٹا دیا جائے۔

۱۔ دودھ آدھ سیر سے لے کر ایک سیر تک

۲۔ کسی ایک قسم کا تازہ پکا ہوا موسمی پھل جسکو آگ پر رکھکر نہ پکایا گیا ہو۔

۳۔ ایک تازہ سبز پتے دار ترکاری جسے آگ پر رکھ کر نہ پکایا گیا ہو۔

۴۔ دو پتے دار سبز ترکاریاں جنہیں اگر ممکن ہو تو بھاپ پر پکایا جائے ورنہ پانی میں پکالیا جائے۔

۵۔ ایک پکی ہوئی گرہ دار سبزی یعنی ایسی جو زمین کے نیچے اُگتی ہے مثلاً آلو، ہاتھی چک وغیرہ۔

۶۔ آٹھ اونس ڈبل روٹی یا چپاتی جو چکی میں پسے ہوئے آٹے کی بنی ہوئی ہو جسے نہ چھانا جائے نہ کسی غیر معمولی عمل سے گزارنے کی کوشش کی جائے۔

۷۔ دو اونس چربیلی غذا، بالائی، مکھن، گھی یا تیل کی صورت میں۔

۸۔ چار اونس کسی قسم کی مکمل پروٹین خوراک جو آدمی کے اپنے مزاج یا مذہبی رسوم کی پابندی کے مطابق حسب ذیل چیزوں میں سے انتخاب کی جاسکتی ہے۔ دہی، پنیر، سویابین، مغزیات، انڈے، مچھلی، مرغ کا گوشت یا بکری وغیرہ کا گوشت۔

یہ جو آٹھ خوراکیں اوپر درج کی گئی ہیں، ایک دن کے استعمال کے لئے ہیں انکو حسب ضرورت اور کھانے والے کی خواہش کے مطابق دن میں دو تین مرتبہ کرکے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

کھانے کی چیزوں میں ہمیشہ اعتدال پر زور دیا گیا ہے، لیکن دو چیزیں ایسی ہیں جن کو جتنی مقدار میں جی چاہے استعمال کیجئے۔ اُن سے کسی نقصان کا احتمال نہیں بلکہ جتنا زیادہ آپ ان کو استعمال کریں گے اتنا ہی فائدہ مند ہوگا، ایک پھل، دوسرے سبز ترکاریاں۔ باقی ماندہ چیزیں ہمیشہ ان کی مقررہ مقدار کے اندر استعمال کرنی چاہئیں۔ مقدار بڑھا دینے کی صورت میں کئی اور پیچیدگیاں پیدا ہو جانے کا ڈر ہے۔

اگر کوئی شخص پروٹین حاصل کرنے کے لئے دال استعمال کرتا ہو تو اس کو کافی مقدار میں دودھ یا سبز پتے دار ترکاری استعمال کرنی چاہئے تاکہ دال میں پروٹین کی جو کمی پائی جاتی ہے وہ اس ذریعہ سے پوری ہو جائے لیکن مختصر طور پر ہم اتنا ہی کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہر ایک انسان کے لئے حیاتی قوت حاصل کرتے رہنے کی خاطر تین چیزوں کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہوتی ہے۔ دودھ۔ تازہ پھل جن کو آگ پر نہ پکایا گیا ہو اور ہری ترکاریاں۔ اگر کوئی شخص ان چیزوں کو استعمال نہیں کرتا تو اس کی صحت میں فتور ہونے کا ہر وقت احتمال ہے اگر یہ چیزیں کافی مقدار میں روزانہ استعمال کی جاتی ہوں تو صحت کا بنا رہنا یقینی ہے۔

ہم نے اس مقام پر جن خوراک کی چیزوں کو اشد ضروری بیان کیا ہے وہ ہر ایک انسانی وجود کی عام ضروریات پورا کرنے والی ہیں لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ لاکھوں بندگانِ خدا ایسے ہیں جو مفلسی، پریشانی یا دوسری وجوہات سے ان میں سے صرف چند چیزیں استعمال کرتے ہیں اس لئے ان کی صحت میں لازمی طور پر وہ کمی باقی رہ جاتی ہے جو خوراک کی کمی نے پیدا کی ہو لیکن ہمارا فرض ہے کہ لوگوں کو صحیح ہدایات دے کر سیدھی راہ پر لاتے رہیں اور اُن سے مل کر کام کرتے ہوئے کل بنی نوع انسان کو ایسے حالات میں زندگی بسر کرنے کے قابل بنادیں، جنکی بدولت ہر شخص غذا کی وہ ضروری چیزیں استعمال کرسکے جو زندگی اور صحت کو قائم رکھنے کے لئے ازبس مفید ہیں۔

اس سے آگے سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے خاص حالات ہیں جنکی بدولت زمانہ موجودہ میں انسان کی صحت بگڑتی چلی جارہی ہے۔ نیز کیا وجہ ہے کہ مہذب اور تعلیم یافتہ شہری باشندوں کے مقابلہ میں دیہات کے لوگ اور اُن سے بھی زیادہ جنگلوں میں بسنے والے وحشی لوگ مکمل صحت یافتہ نظر آتے ہیں اسکا جواب ہم مست قلندر کی آیندہ اشاعت میں دیکھئے (ایڈیٹر)

کون؟!

جناب ساحر قدربانی

یہ بار بار تصور میں آرہا ہے کون؟
دل و دماغ پہ نقشہ جما رہا ہے کون؟
اندھیری رات میں صد جلوہ ہائے رنگیں سے
سیاہ خانے کو ایمن بنا رہا ہے کون؟

سرور و کیف زا نغمے سنا سنا کے مجھے
یہ حسن و عشق کے اسباق دے رہا ہے کون؟
نظر فریب اداؤں سے بحر الفت میں
اُمید و شوق کی کشتی کو کھے رہا ہے کون؟

اندھی حسینہ!

از حضرت [illegible]

ممنون کی تازہ ترین تصنیف "منثور نغمے" کا ایک رُوح پرور نغمہ جو آپ کی رُوح میں پیوست ہو جائے گا۔

آہ!
اے حُسن کی دیوی،
کیا تجھے معلوم ہے میں تیری جانب کسقدر آزادی
اور بیباکی سے دیکھ رہا ہوں؟
کیا تو بیچاری بیخبر ہے کہ اپنے حُسن قیامت فزا نے آہ وہ ہوش چھین لیے ہیں؟
اے چاند سے زیادہ حسین
دوشیزہ!
کیا تجھے اپنے حسن کا کچھ احساس ہے؟ ——
کیا تجھے معلوم ہے کہ تیرا ہر قدم ایک موسیقی ہے ——
تیری ہر ادا میں دوشیزگی سانس لیتی ہے ——
تیرے کتابی چہرے میں انتہائی کشش ہے ....؟
آہ ——
سادگی
اور حُسن ——
کسقدر جراحت سامانیاں ہیں
تیرے حُسن میں
مگر
تو بالکل بے خبر ہے۔
تو نہیں جانتی حُسن کیا ہے؟
دنیا اور عشق کیا ہے ——
تیرا ننھا سا معصوم دل
شیشہ سے بھی زیادہ نازک دل ——
پاکیزہ جذبات سے بھرا ہوا ہے
وہ محبت کی پرچھائی سے بھی ناآشنا ہے
اے دیوی!
تو دُنیا میں رہتی ہے

لیکن
تو اپنی نظر —— ،
اپنی پاک نظر سے
اس حقیر دُنیا کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی ——
کاش ——
اے دوشیزہ
میرے بھی آنکھیں نہ ہوتیں
کاش ——
میں اس دنیا کی صورت بھی نہ دیکھ سکتا۔
تب
میں اور تو ایسی دنیا میں رہتے ——
جہاں آرام ہوتا —— دکھ نہ ہوتا
جہاں محبت ہوتی —— کدورت نہ ہوتی
جہاں احسان ہوتا —— احسان فراموشی
نہ ہوتی ——!
اے حسن کی ملکہ
کدھر جا رہی ہے ——
آ میں تجھے ایک اور راستہ پہ ڈال دوں
آ ——!
اے معصوم شباب
تجھے ایسی دنیا کا راستہ بتا دوں ..
جہاں تجھے ٹھوکر کھانے کا خوف ہو نہ زمین
پر گر پڑنے کا اندیشہ ——
تیرے ننھے سے دل میں
محبت
پاکیزہ

اور بے لوث محبت بسا دوں
جس میں کوہ طور کی سی سوزش
کوثر کی سی پاکیزگی
اور ——
عرش کی سی استقامت پوشیدہ
ہوتی ہے۔
تو ——
معصوم ہے ——
تو نہیں جانتی
کہ
محبت جنت کا راستہ ہے
محبت کرنا دیوتاؤں کا وصف ہے۔
میری دیوی ——
آ ——
اندھی دُنیا میں رہنے والی
تو اندھی نہیں ——
دنیا ——
نادان دنیا
اندھی ہے
آ
نزدیک تر آجا!
تجھے
پریم نگر کی سیر کرا دوں

ناظرین کرام خط و کتابت کے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں

دیہات کی ایک شام

از جناب ماسٹر محمد حسن صاحب لاری

بیٹھا ہوا تھا کل میں تالاب کے کنارے
پیش نظر تھے میرے دلچسپ کچھ نظارے

تھا شام کا سماں وہ چھائی ہوئی گھٹا تھی
ساون کا تھا مہینہ بھیگی ہوئی فضا تھی

رنگینی شفق کی رعنائیاں عیاں تھیں
ہر برگ ہر شجر میں گلکاریاں نہاں تھیں

سورج کی زرد کرنیں پانی پہ پڑ رہی تھیں
پانی کی شوخ لہریں آپس میں لڑ رہی تھیں

چڑیوں کے چہچہے تھے موجوں میں تھی روانی
ہر شے سے تھی ٹپکتی پُرکیف زندگانی

چھوٹی سی ایک مسجد آنسو بہا رہی تھی
مسلم کی بے حسی کا قصہ سنا رہی تھی

اسکول اک وہیں پہ ٹوٹا ہوا کھڑا تھا
سیلاب کا فسانہ سب کو سنا رہا تھا

وحشت برس رہی تھی دیوار اور در سے
کائی لگی ہوئی تھی سبزے بھی اُگ رہے تھے

کچھ نوجوان لڑکے کنبہ پکار رہے تھے
مچھلی پکڑ رہے تھے اور غل مچا رہے تھے

بھینس پہ ایک لڑکی بکری چرا رہی تھی
بیٹھے سڑک پہ بالے کیا گنگنا رہی تھی

زینے پہ گھاٹ کے کچھ بچے نہا رہے تھے
پانی میں کودتے تھے تالی بجا رہے تھے

اک سمت ایک بوڑھا سادھو بھی گا رہا تھا
حسرت بھری نظر سے بچوں کو دیکھتا تھا

مزدور بھی تھے بیٹھے کچھ کام پر سے آ کر
شاید تھا یہ ارادہ گھر جائیں گے نہا کر

سوکھے ہوئے تھے چہرے معدوم تھی جوانی
معلوم ہو رہی تھی افلاس کی نشانی

نظریں بتا رہی تھیں بے کیف زندگی ہے
فکرِ معاش ان کو تکلیف دے رہی ہے

چہرے پہ گرد تھی اور سوکھا ہوا بدن تھا
میلا سا ایک کپڑا بس اُن کے زیبِ تن تھا

تصویر سامنے تھی محکوم زندگی کی
پُر درد داستاں تھی دنیا سے بے کسی کی

غربت کا یہ نظارہ افلاس کا یہ منظر
دیکھا تو ہو گیا دل بے چین اور مضطر

یاد آ گیا ہمیں وہ گذرا ہوا زمانہ
لعل و گہر کا جب تھا ہندوستاں خزانہ

وہ بھی تھا کیا زمانہ جب ملک شادماں تھا
گہوارۂ رنگ و بو تھا آباد گلستاں تھا

اب مادرِ وطن کے بچے بلک رہے ہیں
فاقوں سے مر رہے ہیں غم سے سسک رہے ہیں

ہندوستاں! یہ حالت کیا تیری ہو رہی ہے
تقدیر ہنس رہی ہے تدبیر رو رہی ہے

اُٹھو مرے جوانو دنیا کا رخ بدل دو
تقدیر سو رہی ہے بیدار اس کو کر دو

ہندوستاں میں تاکہ پھر سے بہار آئے
کلیاں بھی مسکرائیں گلشن بھی جاگ جائے

پُراسرار تبت کے چشم دید حالات

ایک انگریز سیاح کے خودنوشت سفرنامہ سے ماخوذ جو حال ہی میں مکانِ دنیا کی بلند ترین چھت یعنی تبت سے "اتر کر آیا ہے"

چونکہ تبت کی بیس فیصدی آبادی مذہبی پیشواؤں اور مہنتوں پر مشتمل ہے اسلئے ان تمام لوگوں کو روزی کمانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اُن کی آمدنی کے ذریعے زیادہ تر حسب ذیل ہیں خاص قسم کے مذہبی ٹیکس جنہیں صرف مذہبی پیشوا ہی وصول کر سکتے ہیں۔ عبادت کرنے یا کسی آدمی کے اندر آئے ہوئے جن بھوت نکالنے کی فیس کسی مرے ہوئے شخص کی آخری رسوم ادا کرنے سے جو آمدنی حاصل ہو طلسمی تعویذوں کی فروخت اور وہ دان جو یاتری لوگ سیر و سیاحت کرتے ہوئے ان کو دے جاتے ہیں۔ لیکن یہ تمام ذرائع بھی اگر لاماؤں کے گذارہ کے لئے ناکافی ہوں۔ تو پھر یہ لوگ ایک خاص مقامی دیوتا کی ہستی ایجاد کر لیتے ہیں۔ ایسے دیوتا کو سخت جوشیلا غصہ ور ظاہر کیا جاتا ہے۔ اور لاماؤں کی طرف سے عام لوگوں میں اسی بات کی اشاعت کی جاتی ہے کہ علاقہ مذکور میں بُرے اثرات کو روکنے کیلئے اس دیوتا کو خوش کرتے رہنا ضروری ہے۔ یہ خوشنودی مزاج بعض خاص رسومات کی ادائیگی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور چونکہ لاما لوگ کہتے ہیں کہ اس قسم کی رسمیں عوام کی بہتری کے لئے ادا کی جاتی ہیں اسلئے انکی فیس لوگوں کو ہی اپنی گرہ سے دینی پڑتی ہے اور یہ بھی لاماؤں کی آمدنی کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے

لاماؤں کی آمدنی کا ایک اور ذریعہ کمسن لڑکے ہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ آٹھ سے دس سال کی عمر کے لڑکوں کو رفتہ رفتہ لاما بننے کے لئے خانقاہوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اہل تبت کا خیال ہے کہ جو لڑکا اتنا بڑا ہو جائے کہ اوسط جسامت کے پرند کو اُٹھا سکے وہ کسی لاما کا شاگرد بننے کے قابل ہو جاتا ہے۔ لاماؤں کا دستور ہے کہ جو لڑکے امیر گھرانوں سے تعلق رکھتے ہوں اُن سے تو اچھا سلوک کرتے ہیں۔ لیکن جنکا تعلق غریب گھروں سے ہوتا ہے اُن سے اکثر بدسلوکیاں کی جاتی ہیں۔ اُن کو بھیک مانگنے کیلئے بھیج دیا جاتا ہے اور جو کچھ اس طریقہ پر کما کر لاتے ہیں اُن کے گورو لاما اسے اپنا حق سمجھ کر لے لیتے ہیں۔ عقل حیران ہے۔ کہ یہ لوگ بدھ کی تعلیم کے خلاف کیوں ایسا کرتے ہیں کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ خود مہاتما بدھ جسکے یہ پیرو ہیں۔ کسی امیر یا غریب لڑکے میں فرق روا رکھتے لیکن یہ لوگ اسی طرح کرتے ہیں۔ ان کی دعائیں بھی اکثر خود غرضانہ ہوتی ہیں۔ ایسی باتوں سے مذہب ایک نقل کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور گو ہمارا خیال ہے کہ مہاتما بدھ نے کبھی یہ تعلیم نہیں دی کہ مذہبی معاملات میں اپنی ذات کو بالا و برتر رکھا جائے۔ تاہم یہ لوگ اسی طرح کرتے ہیں۔

تبت میں کھیتی باڑی بہت کم ہوتی ہے۔ لیکن جن اضلاع میں اناج کی کاشت کی جاتی ہے ان میں اگر کسی موقعہ پر خشک سالی پیدا ہو تو پھر کاشتکار لوگ چند سو لاماؤں کو اُن کی فیس ادا کر دیتے ہیں۔ اور وہ جلوس بنا کر بارش کے لئے التجائیں کرنا شروع کرتے ہیں۔ دوسری جانب انہی اضلاع میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنکو عمارات کی تعمیر کے سلسلہ میں مطلع صاف ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ بھی انہی لاماؤں کو کچھ فیس دے آتے ہیں۔ اور ان سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ دعا کریں کہ مطلع صاف رہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لاما لوگ دونوں طرف سے فیس وصول کر لیتے ہیں۔ ایک طرف وہ بارش کے لئے دعا کرتے ہیں اور دوسری جانب اس بات کی بھی خواہش کرتے ہیں کہ مطلع صاف رہے۔ اس سے دیوتاؤں کو جو پریشانی لاحق ہوتی ہوگی۔ اسکا حال محتاج بیان نہیں۔ کیونکہ کوئی بڑے سے بڑا دیوتا بھی کوئی ایسی ترکیب نہیں کر سکتا جس سے ایک ہی وقت میں بارش اور خشک سالی اکٹھی ہوں۔

ممکن ہے میرے سفرنامہ کے پڑھنے والے میرے اس بیان کو پڑھکر ہنسیں اور تبت کے رہنے والوں کو جاہل قرار دیں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ مغرب میں بھی بہت سے لوگ ٹھیک اسی طرح کرتے نظر آتے ہیں۔ گو اُن کے عمل کی صورت مختلف ہوتی ہے۔ سچا مذہب تو نوع انسان کی ہمدردی اور پریم سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسی مضحکہ انگیز باتوں سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ جو شخص کسی اچھے وعظ کو سننے کے بعد ہفتہ میں صرف پانچ منٹ کے لئے نہیں بلکہ مذہب کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے ٹھیک اور پاک بازی کی زندگی بسر کرتا ہے اسکا خدا نہ تو اسکی خوشامد کا بھوکا ہے اور نہ چاپلوسی کا۔ وہ ایسا خدا نہیں جو فقط ایک فرد واحد کی ملکیت ہو۔ اور جس کو وہ اپنے فائدہ کے لئے کسی ہمسایہ یا دشمن کے خلاف آلہ کار بنا سکے۔

کئی لاماؤں کی حالت میں دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنا خاص خدا رکھتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک خدا بھی ایک ایسی چیز ہے جس پر کوئی شخص ذاتی قبضہ جما سکتا ہے

وہ اس کا نام تک چھپا کر رکھتے اور یہی ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے سوا کوئی دوسرا اس خدا کے ساتھ نہ تبادلۂ خیالات کرسکتا ہے نہ کسی طرح کا معاہدہ کرنے کی توفیق رکھتا ہے۔

تبت کے ڈاکوؤں کو میں نے دیکھا ہے وہ کبھی نیکی حاصل کرنے کیلئے زمین پر نہیں بیٹھتے۔ فی الحقیقت وہ نیک بننے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ نہ کبھی اس خیال کو ذہن میں جگہ دیتے ہیں کہ وہ نیک ہیں۔ لیکن تعجب کا مقام ہے کہ اگر ان میں سے کوئی شخص رستہ میں بیمار پڑ جائے تو اس کے ساتھی نیک یاتریوں کی طرح اسے اس کے حال پر چھوڑ کر نہیں چلے جاتے بلکہ ضرور اس کی مدد کرتے ہیں۔

تبت کے یاتریوں کو میں نے دیکھا ہے۔ بھیڑ کی سی عادتیں رکھتے ہیں اور چونکہ وہ ڈاکوؤں اور بد آدمیوں سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس لئے بھیڑوں کی طرح اکٹھے ہو کر ہی چلتے ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ میں تبت کے پُر اسرار ویرانہ میں تن تنہا چلا جاتا تھا کہ سامنے سے پچیس یاتریوں کا ایک گروہ آتا نظر آیا۔ مجھ کو دور ہی سے دیکھ کر وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ انہوں نے مجھ کو اکیلا دیکھ کر بھوت سمجھ لیا تھا۔ وہ واقعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ لوگ میرے آگے آگے اور میں ان کے پیچھے دوڑا چلا جاتا تھا۔ پچیس طاقتور بالغ آدمی یوں میرے سامنے بھاگ کھڑے ہوئے گویا کسی دیو نے پوری پلٹن کو پچھاڑ دیا ہو۔

صرف کوئی یاتری ہی تبت کی تمام خانقاہوں کے اندرونی حالات کی دیکھ بھال کرسکتا ہے۔ بالفرض کوئی سیاح اس مطلب کے لئے سرکاری پروانہ راہداری بھی حاصل کرے تو اس کو تمام خانقاہوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی خصوصاً اُن میں جو صدر مقام سے بہت دور فاصلہ پر واقع ہیں۔ لیکن یاتریوں کی ہمیشہ آؤ بھگت کی جاتی ہے کیونکہ وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہی سے کمائی کی جاسکتی ہے اور کوئی دوکاندار اچھے گاہک کو واپس نہیں کرتا۔

صدیوں کے حالات نے لاماؤں کے اندر مذہب اور کاروبار کا عجیب اشتراک پیدا کر دیا ہے میں تو یہاں تک خیال کرتا ہوں کہ اگر کسی آنے والے زمانہ میں تبت میں مغربی پیمانہ پر صنعتی کارخانے جاری کئے گئے تو لاما لوگ ہر ایک خانقاہ کے اندر دُعا کرنے کے گھومنے والے پہیئے تعداد کثیر میں کھڑے کر دینگے اور ان کو بجلی کی مدد سے چلانا شروع کر دینگے تاکہ یاتریوں سے بہت وسیع پیمانہ پر دان کے ذریعہ آمدنی حاصل کی جاسکے۔ ان لوگوں کی عملی زندگی کا حال اس واقعہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی مذہبی کتاب زیادہ بڑی اور لمبی ہو اور اس کو جلد از جلد پڑھ کر ختم کرنا ہو تو بارہ پندرہ لامے پاس ہی پاس بیٹھ کر کتاب کا ایک ایک ورق اپنے سامنے رکھ لیتے ہیں اور ایک ہی وقت میں ان سب کو پڑھ ڈالتے ہیں۔ ہر ایک لاما اپنے اپنے ورق کا مضمون پڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کی انہیں پروا نہیں کہ مضمون ایک دوسرے سے ملتا ہے یا نہیں اور سننے والے کی سمجھ میں کچھ آتا بھی ہے یا نہیں۔

میرے اس بیان کا یہ مطلب ہے کہ چند خاص مستثنیات کے سوا اس ملک کے اندر بدھ مت صرف لفظی طور پر باقی رہ گیا ہے معنوی طور پر نہیں۔ بدھ کی تعلیم معنوی طور پر اگر کہیں پائی جا سکتی ہے تو خانقاہوں کے باہر اُن گوشہ نشین آدمیوں میں جن کا حال میں اپنے سفرنامہ کے آخر میں بیان کروں گا۔ گو اس کے باوجود کئی خانقاہوں میں بھی چند ایک پجاری کہیں کہیں ایسے نظر آجاتے ہیں جو بدھ کی تعلیم پر صحیح طور سے عمل کرتے دیکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن مزیداری یہ ہے کہ ان صادق لوگوں کو ان کے کاروباری ساتھی الٹا فراڈ مذہب کُش قرار دیتے ہیں۔



از حضرت ماہر القادری

شوخی سے میرا ہاتھ دبا کر چلے گئے
میں یہ سمجھ رہا ہوں بلا کر چلے گئے

اُن مست انکھڑیوں کا نظارا نہ پوچھئے
جیسے مجھے شراب پلا کر چلے گئے

وہ شرمگیں نگاہ، وہ اندازِ التفات
کچھ اور رسم و راہ بڑھا کر چلے گئے

یہ بھی خبر نہیں ہے کہ میرا جہانِ شوق،
آباد کر گئے کہ مٹا کر چلے گئے

وہ التفاتِ خاص مرے حالِ زار پر
ذرّے کو آفتاب بنا کر چلے گئے

چھیڑا جو میں نے قصۂ دل مسکرا دیئے
اسرارِ حسن و عشق بتا کر چلے گئے

تسکینِ خاطرِ دلِ بیتاب کیا ہوئی!
سینہ میں اور آگ لگا کر چلے گئے

ماہر وہ اُن کی شوخیٔ مستانہ ہائے ہائے!
میری غزل، مجھی کو سنا کر چلے گئے

پریم نگر کے رہنے والے پریمیوں کے

محبت بھرے خطوط

کتابی صورت میں ... جملہ حقوق محفوظ

از حضرت ماہر القادری

پانچواں خط

نظر میں بیعت، ہونٹوں پہ تبسم، گدگدی دل میں
وہ آئے پھول برسانے، مری پھولوں کی محفل میں

یہ شعر گنگنا رہی ہوں، اور تمہاری تصویر پیش نظر ہے۔ حافظہ پچھلی باتوں کے ورق ایک ایک کر کے الٹ رہا ہے، اور میرے دل و دماغ عجیب کشمکش میں مبتلا ہیں۔ تمہارے مسکراتے ہوئے ہونٹوں اور نیم باز آنکھوں کو دیکھ کر دل کہتا ہے، کہ اس حلیہ کا آدمی وعدہ شکن نہیں ہو سکتا، مگر گزرے ہوئے واقعات کی روشنی میں، عقل اس کے خلاف رائے دیتی ہے۔ عقل کہتی ہے کہ مرد وعدہ ہی اس لئے کرتا ہے کہ اسے توڑ سکے، مرد کی فطرت، تتلی سے ملتی جلتی ہے کہ ابھی گلاب کے پھول پر بیٹھی ہوئی ہے، اور ایک ترنگ جو آئی، تو بیلے کی کلیوں کے لبوں سے لب ملا دیئے۔ مرد نے رنگینی اور تفریح کا نام "محبت" رکھا ہے، اور چونکہ مسلسل تفریح سے جی اکتا جاتا ہے اس لئے مرد کی محبت کے موضوع بھی بدلتے رہتے ہیں، دل کہتا ہے کہ:-

محبت گرم گرم آنسو، محبت سرد سرد آہیں
الٰہی! ساری دنیا کو یہی آزار ہو جائے

آپ جانتے ہو میں "دل" کے ساتھ ہوں، عقل کی مصلحت اندیشیاں مجھے گمراہ نہیں کر سکتیں۔ عقل — جامد و بے حس عقل کو کیا معلوم کہ زندگی سے اگر کشمکش و اضطراب کی کیفیتیں چھین لی جائیں، تو زندگی زندگی نہ رہے۔ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں، اور اسی لئے مجھے تم سے محبت ہے۔ اس محبت میں کچھ خود غرضی بھی شامل ہے، یعنی یہی زندگی کی تمنا —!...!

دیکھو! دیکھو! میری باتوں پر تمہاری تصویر مسکرانے لگی، اس جذبہ کے ساتھ کہ عورت کو فلسفی نہیں ہونا چاہیئے۔ عورت تو رنگ و بو کی پیامبر اور مستی و عشرت کی ملکہ ہے۔! تمہاری تصویر کی تنقید سر آنکھوں پر مگر تم نے مجھے خود فلسفی بننے کے لئے مجبور کیا ہے، تم مجھ سے ہمیشہ ہر چیز کا سبب پوچھا کرتے ہو، یاد ہے کمپنی باغ کا وہ واقعہ، جب تم ایک نوجوان لڑکی کو دیکھ کر یہ شعر گنگنانے لگے تھے:-

شراب ناب کی موجیں بھی شرمائی سی جاتی ہیں
تری رفتار ساقی، پھر تری رفتار ہے ساقی

میں نے اس پر کہا تھا کہ چلئے مکان چلیں، میں سینہ میں درد سا محسوس کر رہی ہوں، میرے اتنے سے کہنے پر تم نے کتنے بہت سے سوالات کئے تھے کہ درد کیوں ہو رہا ہے؟ تمہارے چہرے پر تو کوئی اثر نظر نہیں آتا؟ اس رنگین ماحول میں اور درد —! — میں تم سے شکایت نہیں کر رہی، اور نہ اس واقعہ کا کوئی نقش میرے دل پر باقی ہے کہنا یہ ہے کہ تم ہی نے مجھے فلسفیانہ باتیں کرنا سکھائی ہیں، تمہاری تصویر کو کیا معلوم کہ میرے اور تمہارے کیا تعلقات ہیں —!

خط بہت طویل ہو گیا، کیا کروں، دل کی بات میں کسی طرح چھپا نہیں سکتی، کاش! وہ دن جلد آئے کہ تمہاری تصویر تمہارے سامنے رکھ کر کہہ دوں:-

نقل ہے کچھ اور ہی شے، اصل ہے کچھ اور چیز
آپ آخر آپ ہیں، تصویر پھر تصویر ہے

تمہاری تصویر کو سلام کرتے ہوئے رخصت ہوتی ہوں . . . .

چھٹا خط

میں حیدر آباد — سے بول رہا ہوں! سن رہی ہو! طوفانی ہوائیں چل رہی ہیں، گھٹاؤں نے اپنی تمام قوت کو زمین پر بہا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے، ریڈیو کی آواز بالکل صاف سنائی نہیں دیتی، مگر میرے دل کی آواز، ہوا کی موجوں کی محتاج نہیں، حسن و عشق کی فضا، سائنس کی دنیا سے بہت بلند ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اسے تمہارا دل سن رہا ہے —! پتھر کی ایک کنکری دریا میں ڈالتے ہیں، تو سارا دریا

سینہ چین ہو جاتا ہے، کیا میرے دل کی آواز، تمہارے دل کی دھڑکن میں اضافہ نہ کر سکے گی؟ اسی دھڑکن کا نام تو محبت کا پیام ہے، جو دل ہی کے ریڈیو اسٹیشن سے نشر کیا جاتا ہے؛ یہی دھڑکنیں اور بے تابیاں مل جل کر محبت کا افسانہ مرتب کرتی ہیں:-

کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی
سُناتا جا رہا ہے جس کو جتنا یاد ہوتا ہے

تمہارے بھیجے ہوئے رُومال وصول ہو گئے، تمہارے نازک اور صبیح ہاتھوں کو آنکھوں سے چوم کر شکریہ ادا کروں گا، کاغذ پر جو شکریہ ادا کیا جاتا ہے وہ صرف ایک رسم ہے! اور میں محبت کو رسم و تکلف سے بالاتر سمجھتا ہوں-!

تم نے کپڑے پہ گل، بُوٹے نہیں بنائے، رنگیں غزلیں لکھی ہیں-

ایسی غزلیں جو زبانوں سے دُہرائی نہیں جاتیں، آنکھوں سے پڑھی جاتی ہیں- نزاکت، صفائی، تناسب، رنگینی، جاذبیت، کس کس چیز کی داد دی جائے، تمہاری اُنگلیاں پھُول، پتی نہیں بناتیں؛ جادو کرتی ہیں — ایسا جادو جس کا کوئی اُتار نہیں —— ایک صاحب! تمہارے کاڑھے ہوئے رومال کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اس کا بنانے والا خوبصورت ہونا چاہیئے، میں مسکرا کر خاموش ہو گیا، یہی بات اگر میں تمہارے منہ پہ کہہ دیتا، تو تم کہتیں کہ مجھے بنایا جا رہا ہے، میری ہنسی اُڑائی جا رہی ہے"!---خیر-!

تم نے بڑے رُومال پہ یہ "یادگارِ محبت" کیا کہہ دیا- !تمہارے رومال، صنعت کے اعتبار سے اپنی جگہ بے مثال ہیں؛ مگر محبت' رومالوں، مفلروں، میز پوشوں اور گلدانوں سے وابستہ نہیں ہے، مجھے تمہارے بھیجے ہوئے رُومال بہت عزیز ہیں، لیکن تمہاری محبت مادی نہیں رُوحانی اور فانی نہیں سرمدی ہے- نادانوں اور ہوس پرستوں نے محبت

کو چلتی پھرتی پرچھائیوں میں اُلجھا دیا ہے،

محبت اور ہوس میں ہے فرقِ ارض و سما
یہ بھید چھپ نہ سکے کاش نوجوانوں سے

ہاں! خوب یاد آیا' تمہارا پیام' تمہاری سہیلی کو میں نے پہونچا دیا تھا. جب میں اُن کے گھر گیا ہوں، تو وہ ہارمونیم پہ غزل گا رہی تھیں' جس کا ایک شعر مجھے یاد رہ گیا ہے:-

نگاہِ شوق پہ حسرت سی چھائی جاتی ہے
اس احتیاط سے چلمن اُٹھائی جاتی ہے

مجھے دیکھ کر وہ شرما گئیں' ہارمونیم بند کر دیا' میں نے تمہارا پیام پہونچایا' اُنہوں نے کہا:-

اچھا تو آپ اپنی ..."اُن" کی سفارش لے کر
آئے ہیں ——!

میں اُن کے اس سوال پر جھینپ گیا' اس پر وہ بولیں' اتنی سی بات پہ شرما گئے' خیر! بہن کو لکھ دیجیئے کہ اب کی ساون میں متھرا چلنے کا پروگرام میں نے مرتب کر لیا ہے 'ضرور چلیں گے'! اس کے بعد وہ مجھ سے کہنے لگیں' "آپ بھی ہمارے ساتھ متھرا چلیئے گا"، میں نے جواب دیا "مجھے تو اُن دنوں شاید فرصت نہ ہو گی" اس پہ وہ بولیں" اچھا! صاحب! نہ چلیئے — ! مگر وہ بھی تو جا رہی ہیں" اتنے میں تمہاری سہیلی کے بھائی آگئے، اور یہ گفتگو اسی نقطہ پر ختم ہو گئی - اب خدا کے لئے اپنی سہیلی کے یہاں مجھے کبھی نہ بھیجنا! نہ جانے! تم نے اُن سے کیا کیا کہہ دیا ہے، جب ہی تو وہ مجھ سے اسقدر بے تکلف ہو کر باتیں کرتی ہیں!

میں ہولی کی تعطیلات میں آنے کا قصد رکھتا ہوں ... کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں؟

ساتواں خط

دل کی دھڑکنیں سلام عرض کر رہی ہیں — !آپ کا افسانہ "کہکشاں" میں نے پڑھا - آپ کے طرزِ نگارش کی تو میں پہلے سے ہی قائل ہوں، مگر اس افسانہ کو پڑھ کر تو میری عقیدت میں اور اضافہ ہو گیا - ایک بات پُوچھوں، اگر آپ ٹھیک ٹھیک بتا دیں؟ یہ "نفیسہ" کون ہے؟ اور اس افسانہ کے پلاٹ کا ماخذ کیا ہے؟ آپ جواب میں شاید لکھیں گے کہ یہ فرضی نام ہے' اور افسانوں کے خاکے تو افسانہ نگاروں کے گھڑے ہوئے ہوتے ہیں! اس سے مجھے اتفاق ہے، لیکن آپکے افسانہ کے بہت سے ٹکڑے، واقعیت کے آئینہ دار ہیں؛ نفیسہ سے جب رشید نے پہلی مرتبہ ہاتھ ملایا ہے - اور نفیسہ کی اُس وقت جو حالت ہوئی ہے

اُس کا نقشہ مشاہدہ کے بغیر اتنا واقعیت کے مطابق نہیں کھینچا جا سکتا۔
بہر حال مجھے خوشی ہوئی کہ آپکو کوئی "افسانہ نگار بنا رہا ہے" میں صرف اتنا یاد دلانا چاہتی ہوں کہ آپنے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میں اپنے افسانوں کے مجموعہ کو تمہارے نام ڈیڈیکیٹ کروں گا"-! یاد ہے وہ پیمان —! لیکن اب اس "انتساب" میں میرے لئے کوئی دلچسپی نہیں ہے' دوسروں کی مسہریوں کے گجروں سے، میں اپنے لئے سیج تیار کرنا نہیں چاہتی-! اچھا ہوا کہ آپ کے افسانوں نے میری آنکھوں سے غفلت کے پردے اُٹھا دیئے؛ بُرا نہ مانیئے گا، چوٹ لگتی ہے تو آہ کی جاتی ہے دُنیا کا دستور اور سنسار کی ریت ہے۔

آٹھواں خط

تمہارے رُخسار کے تل کی قسم! میں نے تمہارے خط کا فوراً جواب دیدیا تھا، خط کا لکھ کر لیٹر بکس میں ڈالنا میرے اختیار میں ہے، خط کا پہنچانا میرے اختیار سے باہر ہے! ذرا سوچو تو سہی کہ خطا کس کی ہے، اور تم کس پر خفا ہو رہی ہو ——!

عجیب اتفاق ہے کہ ادھر میرا بھیجا ہوا خط تم کو نہیں ملا، اور ادھر تمہارا روانہ کیا ہوا خط، جو مجھے وصول ہو چکا ہے، نہ جانے کہاں گم ہو گیا! کئی دن سے تمہارا خط تلاش کر رہا ہوں، مگر خط نہ ملنا تھا نہ ملا ——!

انسان کی کوشش رائگاں نہیں جاتی، کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے، اس تلاش کے سلسلہ میں "دیوانِ غالب" کو الٹ پلٹ کر دیکھا، تو ایک شعر پر "بہت خوب" لکھا ہوا تھا، اور اُس کے نیچے تمہارے دستخط تھے، وہ شعر یہ ہے:-

نیند اُسکی ہے، دماغ اُسکا ہے، راتیں اُس کی ہیں
جس کے بازو پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

کل سے یہ شعر دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے، تمہارے حُسنِ انتخاب کی داد دیتا ہوں اور مسکراتا ہوں!

کاش! تاریخ اپنے کو دُہرا سکتی ——!

اچھا! تو اب تمہاری خفگی دُور ہو گئی، اس خط کے جواب میں مسکراہٹیں بھیجنا پڑیں گی۔

(باقی آئندہ)

ظرافت

از جناب سید مہدی علی صاحب بستوی

شاعر "انسانی نفسیات" کا ماہر ہوتا ہے اور ایک مصلح ہونے کی حیثیت سے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اصلاح کا کام کرتا ہے اگر ایک شاعر محض "لفظ آرائیوں" سے کام لیتا ہے اور صرف حُسن و عشق کی بارگاہ تک پہنچکر رہ جاتا ہے تو وہ حقیقی معنوں میں شاعر نہیں ہے شعراً کا ایک طبقہ "ظرافت" کو شاعری کا جزو نہیں سمجھتا۔ حالانکہ انسان کی بہت سی قوتیں ظرافت ہی کے نشتر سے کند ہو کر رہ جاتی ہیں جس طرح دال کے لئے نمک ضروری ہے انسانی زندگی کی نشو و ارتقا کے لئے ظرافت بھی ضروری ہے۔

سنجیدگی کے ساتھ جو ظرافت گفتگو یا تحریر و تقریر میں پیش کیجاتی ہے وہ خشک وعظ و پند سے زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوتی ہے

اُردو زبان میں مزاح نگاری اور سنجیدہ ظرافت کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے اکبر الہ آبادی کا ظریفانہ کلام اُردو زبان کے لئے ایک امتیازی نشان ہے اس سے پہلے کے شعراء میں ظرافت بہت کم ہے اور جو ہے اسے ہم ظرافت نہیں کہہ سکتے۔

ظرافت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ سننے والا بے تکلفی کی خلش محسوس کرے بلکہ کیف و لذت میں ڈوب جائے اور اس نشتر کو جو اسی کے لئے استعمال کیا گیا ہے ہنسی خوشی برداشت کر لے۔

نثر کی ظرافت نظم کی ظرافت سے زیادہ خوشگوار اور دیرپا نہیں ہوتی اس لئے ایسے شعراً جو انسانی جذبات کی نفسیات کا مطالعہ کر چکے ہیں اور ظرافت کو مسخروں اور بھانڈوں کے حصّے کی چیز سمجھ کر ہاتھ نہیں لگاتے اگر وہ متوجہ ہو جائیں تو اُردو شاعری میں کثرت سے ایسے نشتر کی افراط ہو جائے گی جن سے ہم ضرورت کے وقت کام لے سکیں گے اور جہاں سنجیدگی شرمائے گی وہاں ظرافت آگے بڑھ کر سہارا دیگی۔

ملک کے مشہور شاعر اقبال کا ظریفانہ کلام ان لوگوں کیلئے جو فلسفیانہ رموز و اسرار نہیں سمجھتے آبِ حیات کا کام دیتا ہے۔

میرے ایک بیمار دوست کی صحت صرف اس لئے لوٹ آئی کہ وہ ظرافت کے بڑے دلدادہ ہیں اور جہاں بھی کسی ظریف شاعر کا کلام دیکھ پاتے ہیں گھنٹوں مسرور رہتے ہیں۔

اُردو زبان کی اشاعت و ترقی کے لئے بھی ظرافت کا رواج ضروری ہے تاکہ کم لکھے پڑھے لوگ دلچسپی سے جی بہلاؤ کے طور پر اُردو زبان سے دلچسپی لینے لگیں مجھے اُمید ہے کہ میری اس تحریر پر ملک کے صاحب رائے غور کریں گے۔

"مست قلندر" ہمیشہ اپنے ناظرین کے لئے ظرافت کی لذیذ غذا مہیا کرتا رہتا ہے اس لئے کہ اس کے ایڈیٹر صاحب ایک ڈاکٹر ہیں جو ڈاکٹر کسی حال میں بھی اپنے مریضوں سے غافل نہیں رہتا۔ میں ان کا شکر گذار رہونگا۔

سائنس کی دنیا

آسمان سے کودنے والے جانباز

جملہ حقوق محفوظ

"کیٹرپلر" دنیا کا ایک عجیب و غریب کلب ہے، اگرچہ یہ کلب کہلاتا ہے لیکن اس میں کلب کی طرح نہ کوئی تقریب منائی جاتی ہے اور نہ اس کی رکنیت کیلئے کوئی فیس مقرر ہے، نہ اس کا کوئی دستور العمل ہے نہ کوئی خاص دفتر، یہ مختلف ممالک کے تقریباً ستر ہزار ان مردوں اور عورتوں کا ایک حلقہ ہے، جو اپنی جان بچانے کیلئے ہوائی جہاز سے کود کر پیراشوٹ یعنی ہوائی چھتری کے سہارے بخیریت زمین تک پہونچنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔

کلب کے نام کو قائم رکھنے کیلئے اس کے ممبروں کو ایک طلائی تمغہ دیا جاتا ہے جس کے ایک جانب کوشہ کار کیٹرپلر کی تصویر ہوتی ہے، کوشہ کار ایک معمولی قسم کا کیڑا ہوتا ہے، جو عموماً درختوں پر پایا جاتا ہے، اسکی یہ خصوصیت ہے کہ جب درخت سے گرتا ہے، تو فوراً ہی مکڑی کی طرح اپنے منہ سے ایک تار نکالتا ہوا اس کے سہارے زمین پر آجاتا ہے، اور اس طرح بہت بلندی سے گرنے کے باوجود بھی اپنی جان بچا لیتا ہے۔

لفٹننٹ ہیرس اور رنڈال نے جو امریکہ کے باشندے تھے، اس کیڑے کے نام پر یہ کلب قائم کیا تھا، آجکل اس کلب کا اہتمام ارونگ ائیر شوٹ کمپنی امریکہ کے ماتحت ہے اس کلب کے ممبر وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کو جہاز ٹکرانے، مشین بگڑنے، ہوا میں کہر یا برف کی کثرت یا کسی ایسے ہی حادثے سے دوچار ہونے کے باعث جان بچانے کیلئے ہوائی جہاز سے کود کر پیراشوٹ کا استعمال کرنا پڑتا ہے، جو شخص اپنی مشق و مہارت کے اظہار و نمود کے لئے یا پہلے سے فیصلہ کرکے کودتا ہے، وہ اس کلب کی رکنیت کا مستحق نہیں قرار پاتا۔ چنانچہ پیراشوٹ کا موجد مسٹر لیلی ارونگ خود سو بار سے زیادہ ہوائی جہاز سے کود چکا ہے مگر وہ آج تک کلب کا ممبر قرار نہ پا سکا۔ اسلئے کہ وہ ہمیشہ پہلے سے طے کرکے کودا کیا ہے، اسے اپنی جان بچانے کیلئے کبھی کودنے کی نوبت نہیں آئی۔

پیراشوٹ کیا ہے؟ اسکی کیفیت بھی قابل ملاحظہ ہے۔

پیراشوٹ ایک بہت بڑی چھتری ہوتی ہے، جو ہوا کو اس طرح روک سکتی ہے کہ انسان اس میں لٹکا ہوا آہستہ آہستہ زمین پر اتر آتا ہے۔ اس کے ساز میں متعدد فیتے ہوتے ہیں، جن میں سے ایک فیتہ سینے پر اور دو فیتے دونوں کندھوں پر کس دیئے جاتے ہیں، یہ چھتری تہ کی ہوئی گدڑی کی طرح چوتڑوں پر رکھی رہتی ہے، ہوا باز اپنا بسٹ ہٹا کر چھتری سے بنے ہوئے گدے پر بیٹھ جاتا ہے۔

اس ہوائی چھتری کا کپڑا بہترین قسم کے ریشم کا ہوتا ہے، جس میں جلدی شکن نہیں پڑتی، کھلنے پر ان چھتریوں کا دور ۲۲ فٹ سے ۲۸ فٹ تک ہوتا ہے اس چھتری میں اعلیٰ درجے کے ریشم کی ۲۴ ڈوریں ہوتی ہیں یہ چھتریاں چار سو پونڈ سے بھی کچھ زیادہ بوجھ سنبھال سکتی ہیں، اور چھتری کا وزن تقریباً ۱۸ پونڈ ہوتا ہے۔

پیراشوٹ میں بائیں جانب ایک چھلا لٹکا رہتا ہے جس کے کھینچتے ہی پہلے ایک چھوٹی سی تہ کی چھتری کھلتی ہے۔ اس کے بعد ایک کمانی کے ذریعہ جو اس میں لگی ہوتی ہے، پیراشوٹ خود بخود کھل جاتا ہے، پیراشوٹ کے پورے طور پر کھل جانے کے بعد ہوا باز اس میں لٹک جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ زمین پر اتر آتا ہے، پیراشوٹ کی رفتار فی سیکنڈ ۱۶ فٹ سے ۲۰ فٹ تک ہوتی ہے، رفتار کا یہ اختلاف ہوا باز کے وزن چھتری کے سائز اور ہوا کے دباؤ سے تعلق رکھتا ہے۔

عام طور پر چھتری کے استعمال کیلئے کم از کم ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی ضروری سمجھی جاتی ہے، مگر بعض مواقع پر اس سے کم بلندی پر بھی اس کا استعمال کیا گیا ہے، اگر چھتری دیر میں کھلے اور ہوا باز زیادہ بلندی پر نہ ہو تو اسے زمین پر پہونچ کر چوٹ لگنے کا خوف رہتا ہے، پیراشوٹ کے ذریعہ بآسانی زمین پر اترنے کیلئے ڈھائی سو فٹ کی بلندی محفوظ خیال کی جاتی ہے، اور یوں تو ہوا باز پچیس ہزار فٹ کی بلندی سے بھی کودے ہیں اور زندہ و سلامت زمین پر پہنچے ہیں۔

جنگ عظیم کے آخری ایام میں جرمنوں نے پیراشوٹ سے بہت کام لیا تھا، آجکل جہاز رانوں کیلئے یہ ہوائی چھتری بہت ضروری خیال کی جاتی ہے۔

۱۹۲۳ء میں امریکن ہوا بازوں نے ایک قسم کا پیراشوٹ تیار کیا، جو ڈیڑھ ہزار بار کی آزمائش کے بعد برابر مفید و کارآمد ثابت ہوا اسلئے آجکل علی العموم اسی قسم کا پیراشوٹ استعمال کیا جا رہا ہے اول اول پیراشوٹ کا استعمال ۱۲ اکتوبر ۱۷۹۷ء کو جیکوس گارنرین نے کیا تھا، وہ دو ہزار دو سو فیٹ بلند غبارے سے کود کر بخیریت زمین تک پہونچ گیا تھا۔

ہوائی جہاز سے کودنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک ہوائی جہاز کے تختے سے کودتے ہیں، دوسرے جہاز کے کسی بھی حصے سے، پہلی صورت میں ہواباز کو کودنے کی ضرورت نہیں ہوتی، جہاز ران جہاز سے نکل کر بازو کے تختے پر ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جہاں کسی چیز سے چھتری کے اُلجھنے کا اندیشہ نہیں رہتا، وہ کھڑا ہو کر چھتری کا چھلہ کھینچ لیتا ہے، جس سے خودبخود کھل کر وہ ہوا میں پہونچ جاتی ہے۔ لیکن ناگہانی حادثات کی حالت میں تختے تک اسکا موقع کہاں ملتا ہے، ایسے مواقع پر ہواباز کو دوسری صورت سے کام لینا پڑتا ہے، یعنی وہ جہاں بیٹھا ہوتا ہے، وہیں سے اُٹھ کر کود پڑتا ہے، اُسے چھلہ کھینچنے کی ضرورت نہیں پڑتی، کودنے کے جھٹکے سے پیراشوٹ خودبخود کھل جاتا ہے۔ اور اگر وہ کسی وجہ سے کودتے وقت نہیں کھلتا تو ہوا میں لڑھکتے ہوئے کبھی نہ کبھی زور کا جھٹکہ لگتا ہے، جس سے چھلہ نکل جاتا، اور پیراشوٹ کھل جاتا ہے۔

اگر پیراشوٹ اِدھر اُدھر ہلنے لگتا ہے، تو ہواباز اسے فوراً سنبھالتا ہے اس کے لئے چھتری جس طرف جھکی ہو اسکے مخالف سمت کی ڈور کو پوری قوت سے کھینچنا پڑتا ہے، اور جب اس طرف چھتری جھکتی ہے۔ تو اُسے چھوڑ کر فوراً دوسری جانب کی ڈور کھینچنی پڑتی ہے۔ اگر زمین پر پہونچ کر کسی مکان یا درخت یا کسی اور بلند چیز سے ٹکرانے کا اندیشہ ہوتا ہے، تو ہواباز ڈوروں کو بیچ کی طرف کھینچ کر چھتری کا رُخ بدل دیتا ہے، لیکن زمین سے زیادہ قریب ہونے کی حالت میں ایسا کرنے سے چھتری کی رفتار بڑھ جانے کے باعث ہواباز کے زمین سے ٹکرانے کا خطرہ رہتا ہے۔

زمین پر اُترتے وقت چھتری کی رفتار ۱۶ فٹ فی منٹ ہو تو ہواباز کو اتنا دھکا لگے گا جتنا چار فٹ کی بلندی سے کودنے پر، اگر رفتار بیس فٹ فی منٹ ہوئی تو ۹ فٹ کی بلندی سے کودنے کا سا دھکا لگے گا، دھکے سے محفوظ رہنے کے لئے ہواباز سر کے اوپر کی ڈوروں کو پکڑ کر لٹک جاتا ہے، اور پاؤں کو کولہے سے کچھ نیچے تک سکوڑ لیتا ہے۔ اور اعضا کو اس طرح ڈھیلا کر دیتا ہے گویا کسی چبوترے سے کود رہا ہے، زمین پر اُترنے سے پہلے ہواباز ڈوروں میں لٹک کر اپنے بدن کو اوپر اُٹھا لیتا ہے، تاکہ زمین سے ٹکرا نہ جائے۔

ہواباز کو پانی میں اُترنا پڑتا ہے۔ تو وہ پانی تک پہونچنے سے کچھ پہلے ہی پیروں کے فیتوں کو کھول دیتا ہے، اور جب بارہ فٹ کے قریب پانی رہ جاتا ہے، تو سینے کے فیتے کو بھی اسے کھول دینا پڑتا ہے، اور جب پانی ۴ — ۵ فٹ رہ جاتا ہے تو وہ ڈور کو چھوڑ کر پانی میں کود پڑتا ہے۔

ہوائی جہاز سے کودنے والوں کے واقعات و کوائف پڑھ کر اُن کی غیر معمولی جرأت و دلیری پر حیرت ہوتی ہے، کودنے میں کرنل چارلس لنڈبرگ کو جو امریکہ کا باشندہ ہے سب سے زیادہ خصوصیت و امتیاز حاصل ہے، وہ ۱۹۲۵ء میں چند ہوابازوں کیساتھ قلابازی کھا کر حملہ کرنے کی مشق کر رہا تھا۔ کہ لفٹننٹ میکلسٹر کا جہاز اسکے جہاز سے ٹکرا گیا، دونوں جہاز پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ایک دوسرے سے اُلجھ گئے۔ اور لگے چکر کھانے لنڈبرگ پہلے کودا۔ اسے خوف تھا کہ اس کا پیراشوٹ لڑتے ہوئے جہازوں سے اُلجھ نہ جائے۔ اسلئے وہ چھلہ کھینچے بغیر ہی بہت دور تک گرتا رہا جب اسنے اپنی چھتری کھولی تو دیکھا کہ میکلسٹر بھی اس کے سر کے اوپر چلا آرہا ہے لیکن دونوں ایک دوسرے سے بچتے ہوئے بعافیت زمین تک پہونچ گئے۔

اسکے بعد ۱۶ ستمبر ۱۹۲۶ء کو لنڈبرگ پھر ایک حادثے میں مبتلا ہوا وہ ہوائی ڈاک سروس کے سلسلے میں ایک شہر کے اوپر پہونچا جو کُہر سے ڈھکا ہوا تھا، لنڈبرگ ہوائی اسٹیشن تلاش کرنے لگا، مگر اہل شہر کے پٹرول کے بڑے شعلے جلانے پر بھی اسے اسٹیشن نظر نہ آسکا کچھ دیر تک تو وہ کُہر سے خالی جگہ کی تلاش میں چکر لگاتا رہا، مگر جب اس کا پٹرول ختم ہونے کے قریب پہنچا تو وہ کُہر سے پانچ ہزار فٹ بلندی پر چلا گیا اور جب پٹرول بالکل ختم ہو گیا، اور مشین بند ہو گئی تو اُس نے پیراشوٹ کا چھلہ کھینچا اور جہاز سے کود پڑا۔ ٹنکی میں کچھ تیل بچ رہا تھا، جو جہاز کے اُٹھنے بیٹھنے سے انجن تک پہونچ گیا اور وہ بھی لنڈبرگ کے پیچھے ہولیا، لنڈبرگ بہت گھبرایا کہ ہوائی جہاز سے اُسکی چھتری اُلجھ نہ جائے۔ اسلئے اُس نے فوراً ڈور کھینچ کر پیراشوٹ کا رُخ بدل دیا، اور سلامتی کیساتھ ایک کھیت میں اُتر پڑا۔

۴ نومبر ۱۹۲۶ء کی شب میں لنڈبرگ کو تیسرا ہوائی حادثہ پیش آیا وہ برف باری اور کُہر کے طوفان میں مبتلا ہو گیا، اُسنے اپنا پتہ دینے کیلئے ۶ سو فٹ کی بلندی سے ایک جلتی ہوئی مشعل پھینکی، مگر وہ مجوزہ مقام تک نہ پہونچ سکی، بالآخر جب لنڈبرگ نے دیکھا کہ پٹرول ختم ہوا چاہتا ہے تو وہ دفعتہً تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر چلا گیا، اور تیل ختم ہوتے ہی انجن بند کر کے وہاں سے کود پڑا اُترتے ہوئے اس نے ماچس جلا کر نیچے دیکھا لیکن گہری تاریکی میں اسے کوئی چیز نظر نہ آئی، اس دفعہ لنڈبرگ ٹیلیفون کے تار پر اُترا، مگر چونکہ وہ ہوابازی کے لباس میں تھا، اسلئے تار اُسے کچھ نقصان نہ پہونچا سکا،

میجر جیمس ڈولٹل ایک مشہور ہواباز ہے، اسنے ۱۹۳۲ء میں ۲۹۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوائی جہاز چلا کر جہاز کے تمام پچھلے ریکارڈوں کو توڑ دیا تھا۔ اُسے بھی دو بار ہوائی جہاز سے کود کر پیراشوٹ کا استعمال کرنا پڑا، وہ پہلی بار دھوئیں میں کودا تھا۔ اور دوسری بار اُسے ہوابازی کا ریکارڈ توڑتے وقت

بقیہ ص ۴۹ پر دیکھو

ہنسو اور موٹے ہو جاؤ

دو آدمی ایک ہی میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے ان میں سے ایک اسکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا اور دوسرا انگلینڈ کا باشندہ تھا۔
انگلینڈ کے باشندے نے سکاٹ لینڈ کے باشندے سے دریافت کیا سکاٹ لینڈ کے رہنے والے اور بیوقوف میں کیا فرق ہے۔
اسکاٹ لینڈ کے باشندے نے جواب دیا۔ "صرف میز کی چوڑائی"

~~~~~~~~~~

ڈاکٹر (مریض سے) آج تمہاری حالت کیسی ہے؟
مریض۔ سانس بہت رُک رُک کر آتا ہے۔
ڈاکٹر۔ کوئی فکر نہیں اس کو ابھی بند کر دوں گا۔

~~~~~~~~~~

حکیم (نوکر سے) دیکھو دروازہ کون کھٹکھٹا رہا ہے۔
نوکر۔ کوئی مریض ہوگا۔
حکیم۔ جاؤ معلوم کرو کہ مریض نیا ہے یا پُرانا۔
نوکر۔ یقیناً نیا ہوگا۔ کیونکہ پُرانا مریض تو ہمارے یہاں کبھی واپس نہیں آیا۔

~~~~~~~~~~

مالک مکان۔ جناب مکان تو خالی ہے لیکن آپ کا شریف ہونا ضروری ہے۔
کرایہ دار۔ یہ آپ کو اُس دن معلوم ہو جائیگا جب کرایہ لینے آئینگے۔

~~~~~~~~~~

انسپکٹر (مدرسے کے طلبا سے) کیا تم نے دودھ دینے والے جانور دیکھے ہیں؟
لڑکا۔ جی ہاں۔
انسپکٹر۔ کسی ایک کا نام بتاؤ؟
لڑکا۔ نتھو حلوائی۔

~~~~~~~~~~

ماسٹر صاحب۔ سائنس کی نئی نئی باتیں بتا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے ایک لڑکے سے پوچھا۔
سعید کیا تم بتا سکتے ہو کہ پچاس برس پہلے کونسی عجیب چیز نہیں تھی؟
سعید۔ میں!

~~~~~~~~~~

ایک شخص۔ کیا تمہارے پہلے مالک نے تمہیں نوکری کی کوئی سند دی ہے؟
امیدوار۔ ہے تو سہی لیکن بیکار ہے۔
وہی شخص۔ کیوں؟
امیدوار۔ اس میں لکھا ہے کہ یہ شخص اُن خاص آدمیوں میں سے ایک ہے جن کو میں نے نکال باہر کیا ہے۔

~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~

بزمِ شعرائے مست قلندر

دورِ جدید کی شاعری کے چند اچھوتے نمونے

نظم

[illegible]

اک آگ سی خیال و ذہن میں لگا کے تم
کیا کر گئے نظر سے نظر کو ملا کے تم

پامال کر بھی دو نگہِ التفات سے
اپنا سمجھ کے تم مجھے اپنا بنا کے تم

میں کارگاہِ عشق میں بے ننگ و نام ہوں
کیا لو گے مجھ غریب سے اُلفت نبھا کے تم

قوسِ قزح بھی موسمِ باراں میں چاہیئے
باہیں گلے میں ڈالدو پھر مسکرا کے تم

صہبا اثر ہے بادہ مرلی کائنات شوق
ہاں دو قدم چلو تو سہی لڑکھڑا کے تم

پھر بہر التماس اُٹھی ہے نگاہِ شوق
ترچھی نظر سے دیکھ لو پھر مسکرا کے تم

پھر چاندنی شباب پہ آئی ہوئی سی ہے
پھر ہو سکے تو ڈال نگاہیں بچا کے تم

چہرہ اداس اور نگاہیں جھکی جھکی
یہ آ رہے ہو خاک میں کس کو ملا کے تم

پھر اذنِ عام دیجئے ہر بادہ نوش کو
مٹی کا میری پھر کوئی ساغر بنا کے تم

غزل

[illegible]

گلشن میں کس نے رنگ بھرا ہے بہار کا
نقشہ کِھنچا ہے کلی کلی میں اُس گلعذار کا

احساں یہ مجھ پہ ہے مرے غفلت شعار کا
آنکھیں جو لے رہی ہیں مزا انتظار کا

اُڑ کر ہوا لئے شوق میں پہونچا کہاں کہاں
اللہ رے حوصلہ مرے مشتِ غبار کا

قسمت سے مل گئی ہے جو اُس گل کی خاکِ پا
ہے عرش پر دماغ نسیمِ بہار کا

مجبور کیجئے نہ مجھے عرضِ حال پر
جس حال میں ہوں شکر ہے پروردگار کا

دُنیا سمجھ رہی ہے جسے برقِ آسماں
ٹکڑا ہے اک وہ میرے دلِ بیقرار کا

گریاں ہے مثلِ شمع سرِ قبر وہ حسیں
چمکا ہے اب نصیب کسی خاکسار کا

اُن کی نگاہِ شوخ نے بجلی بنا دیا
اچھا کیا علاج دلِ بیقرار کا

حیرت فزا نہ کیوں ہو مرے دل کی آب و تاب
اس آئنے میں عکس ہے رخسارِ یار کا

وہ بن سنور کے نکلے ہیں گلشن کی سیر کو
اے حشر آج حُسن ہے دونا بہار کا

غزل

[illegible]

نازاں کو ہے مجھ پر تری رحمت پہ یقیں ہے
مستوں کو الٰہی غمِ دُنیا ہے نہ دیں ہے

رُتبہ ترے رندیں سے بلند اسکا کہیں ہے
جس کی کہ درِ یار پہ لے اشیخ جبیں ہے

یہ شیخ و برہمن کی ہے اک وہم پرستی
وہ ساکنِ بُت خانہ نہ وہ کعبہ نشیں ہے

یہ عالمِ دنیا ہو کہ وہ عالمِ عقبیٰ
عاشق کو ترے چین یہاں ہے نہ وہیں ہے

کس طرح نہ آئے ہمیں تعریفِ ولایت
جنت ہے کہاں بُت ترے کوچے کی زمیں ہے

غزل

[illegible]

جان کے یہ بت ہیں دشمن مہرباں کوئی نہیں
دین و ایماں کے ہیں رہزن پاسباں کوئی نہیں

شیخ! تیری بزم والوں سے ہیں واقف خوب ہم
دردِ دل دردِ جگر کا رازداں کوئی نہیں

کیا کرے کس سے گلہ کرے فریاد بلبل باغ میں
ظلم گلچیں کر رہا ہے باغباں کوئی نہیں

کون ہے جس کو نہیں تو نے کیا ہے پائمال
خوش، تری رفتار سے لے آسماں کوئی نہیں

[illegible]

مرا نالہ جو میرے جذبِ دل کا ساز بن جائے
مری ہر آرزو پھر آپ کی آواز بن جائے

جو لب تک آہ آ کر جانِ شرحِ راز بن جائے
مرے افسانہ کا انجام پھر آغاز بن جائے

الٰہی کچھ سکونِ دل کی صورت بن نہیں پڑتی
اجل ہی کاش فرقت میں مری دمساز بن جائے

دمِ آخر جو وہ رنگیں نوا آجائے بالیں پر
تو ہر تارِ نفس اک زندگی کا ساز بن جائے

جب ان کے روا ہو آئے بزم تو حشر الٰہی
نگہ نشتر ادا خنجر تبسم ناز بن جائے

الٰہی فصلِ گل میں ضبطِ غم کی آبرو رکھ لے
مری دیوانگی بھی اک طلسمِ راز بن جائے

تڑپتی بجلیاں بجائیں سب کھلتے ہوئے غنچے
تبسم بھی مرے قاتل کا اک اعجاز بن جائے

دلِ حشر آفریں کی حسرتوں کا یہ تقاضا ہے
کہ برقِ حسنِ جاناں پردہ سوزِ راز بن جائے

وہی دار و رسن تیار پھر ہر تماشہ ہو
سراپا صورتِ منصور ہر جانباز بن جائے

وہ یہ کہئے کہ چھپ ہیں ورنہ جب رخ سے نقاب الٹیں
قیامت کا نمونہ انکی بزمِ ناز بن جائے

اگر سو بار اسکے روئے روشن سے نقاب اٹھے
تو ہر ہر بار آئینہ دلِ ممتاز بن جائے

از حضرت ممتاز [illegible]

نظر میں ہوش والوں کی یہی وہ نقشِ کامل ہے
کہ جو انساں کی صورت میں عالم کے مقابل ہے

سنبھل اے دل کہ تو حسنِ کامل کے مقابل ہے
کہ جس کا حسن کامل ہی دلیلِ حسنِ کامل ہے

اسی شمعِ محبت سے منور دل کی منزل ہے
کہ جسکے نور سے روشن حقیقت کی بھی محفل ہے

محبت میں اگر صدق و صفا کا رنگ شامل ہے
تو بے ہوش اسکا بیہوشی میں بھی ہشیار کامل ہے

جو کورانہ چلے راہِ محبت میں وہ غافل ہے
کہ ہے آغازِ عشق آساں مگر انجام مشکل ہے

وہ کیا بتلائے رازِ عشق خود ہی جو کہ جاہل ہے
کہ لفظِ عشق آساں ہے مگر تفسیر مشکل ہے

محبت وہ شعاعِ حسنِ کل ہے جسکی تنویریں
محیطِ روح ہیں ایسی کہ جیسے جسم میں دل ہے

محبت پھول ہے نایاب گلزارِ حقیقت کا
مشامِ روح کو جس سے کہ لطفِ خاص حاصل ہے

محبت ہی ہے وہ جو باعثِ تخلیقِ عالم ہے
محبت ہی سے لطفِ زندگانی ہم کو حاصل ہے

محبت ہی ہے وہ جو آگ پانی میں لگاتی ہے
محبت ہی شرر کو گل بنا دینے میں کامل ہے

کسیکو خود نما جس نے بنایا حسن کا اپنے
محبت ہی ہے وہ یہ وصف جسکی خو میں شامل ہے

فضا کو جس طرح سے ابرِ باراں صاف کرتا ہے
یونہی آئینۂ دل کو جلا الفت سے حاصل ہے

نہاں پردہ بہ پردہ دل میں لیلائے محبت ہے
مرے سینے میں دل ہے یا کسی محمل میں محمل ہے

ادھر جذبِ محبت ہے ادھر ہے شوق کا جذبہ
غضب کی یہ کشاکش ہے کہ دل سے دل مقابل ہے

رخِ روشن سے اسکے میرے دل کو ہے وہی نسبت
جو نسبت مہرِ تاباں سے مہِ انور کو حاصل ہے

گلے پر تیغ دل میں عشق لب پر ہو ثنا تیری
رہِ الفت کے سالک کی یہی تدبیرِ منزل ہے

کلیسا بھی حرم بھی دیر بھی ہے آستاں تیرا
پرستارو یہی ہشیار کوئی کوئی غافل ہے

تلاطم خواہشوں کا اور بحرِ عشق طوفانی
بھنور میں کشتیِ دل ہے عدم آباد ساحل ہے

بلایا بے تکلف اسنے اپنی بزم میں مجھ کو
نہ جانے کس لئے پھر پردۂ خود دار حائل ہے

کروں رازِ حقیقت کو میں اب آشکارا کیوں
کہا اسنے سنا میں نے فقط اک رازداں دل ہے

از حضرت [illegible]

شیطان کا پجاری [illegible]

مستی و قلندری

حاجی لغلول صاحب کے قلم سے

یوروپ موجودہ دور میں تہذیب و اخلاق کا سب سے بڑا علمبردار ہے، اور ہم ہندوستانی بھی مغربی تہذیب و اخلاق کے والا و شیدا ہیں، جو کچھ وہاں ہو رہا ہے اس کی ہندوستان میں پیروی کی جارہی ہے۔ آزادیٔ نسواں، مردوں اور عورتوں کی مخلوط تعلیم، جلسوں اور سوسائٹیوں میں مردوں اور عورتوں کا خلا ملا، تھئیٹر، سینما، گھر گھر ریڈیو اور فونوگراف، عریانیت، برتھ کنٹرول، غرض وہ کون سی چیز ہے جو یوروپ میں رائج ہے اور ہندوستان میں اس کی پیروی نہیں ہو رہی ہے، لیکن مغربی تہذیب و اخلاق کا ایک تازہ ترین شاہکار ملاحظہ فرمائیے اور اپنے جذبۂ تقلید و پیروی پر دل کھول کر داد دیجئے۔

حال ہی میں مجلس اسقاطِ حمل کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں یہ دلچسپ انکشاف کیا گیا ہے کہ فرانس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ حمل سالانہ گرائے جاتے ہیں، جن میں چالیس فی صدی قانون کی زد میں آتے ہیں۔

مجلس اسقاطِ حمل نے فحش اور عیاشی کے بے پناہ سیلاب کو روکنے کیلئے طے کیا ہے کہ ایسے تمام اشتہارات بند کر دئے جائیں جن میں مانع حمل گولیوں اور اس قسم کی دوسری مخربِ اخلاق و انسانیت چیزوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔

اس مجلس کے فیصلے کے مطابق اس حالت میں حمل گرایا جا سکتا ہے جب کسی عورت کی صحت خطرے میں ہو، اگر مالی مجبوریوں سے کوئی ایسا کرنا چاہے تو اسے مقامی حکومت سے اجازت لینی ضروری ہوگی۔

یہ تو فرانس کا حال تھا۔ اب مدر انڈیا کی مصنفہ مس میو صاحبہ کے میکے امریکہ کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے، وہاں کی درسگاہوں میں نوجوانوں کو اخلاق آموز اور معرکہ آرا اسباق پڑھائے جاتے ہیں۔

~~~~~~~~~~

امریکہ کے ایک کالج کے طلبا سے حال ہی میں یہ دلچسپ سوال کیا گیا کہ اگر تمہیں ایک غیر آباد جزیرے میں چھوڑ دیا جائے تو تم اپنی زندگی کو دلچسپ اور خوشگوار بنانے کے لئے کس ماہ پیکر اور ناز آفریں حسینہ کو اپنے ساتھ رکھنا پسند کروگے؟ اس سوال کا نوے فیصدی نوجوانوں نے صرف ایک جواب دیا، دانُنا کی ایک حسین و نازنین اور شوخ و بیباک ایکٹرس ہے۔ نوے فیصدی طلبا نے اس سینمائی حسینہ کا نام بتایا۔

چند لفظوں میں لیڈی لیمار صاحبہ کی داستانِ زندگی بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

یہ تو معلوم ہو ہی چکا کہ خاکِ پاک وائنا آپ کا وطنِ مالوف ہے۔ آپ ہالی وڈ کے درخشاں ترین استاروں میں سے ہیں، امریکہ کے بڑے بڑے دولتمندوں نے آپ سے شادی کی آرزو ظاہر کی مگر آپ نے کسی کو لائق التفاف نہ سمجھا، آپ کی نظرِ انتخاب ایک معمولی آدمی پر پڑی جس کا نام مارکی ہے۔

اوّل اوّل لیڈی لیمار کی ملاقات مارکی سے ایک کلب میں ہوئی، لیڈی لیمار نے مارکی کو گھر آنے کی دعوت دی مگر اس نے انکار کر دیا۔ لیمار نے پھر بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس سے وقت لے کر خود اس کے گھر پر پہنچی اور بالآخر اپنے شکار کو اپنے دامِ محبت میں پھنسا ہی لیا، اب دونوں بیوی شوہر کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔

ایسی عورت پر امریکہ کے نوے فی صدی طلبا مر رہے ہیں، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سینما کا نوجوان طلبا پر کیا اثر پڑتا ہے، ہندوستانی طلبا بھی امریکن نوجوانوں سے سینما کے کچھ کم دلدادہ نہیں ہیں اور ان کے دماغ میں بھی فلمی پریوں کے عشق کے کافی جراثیم پائے جاتے ہیں۔

~~~~~~~~~~

اطالیہ کے مختارِ مطلق اعلیٰ حضرت مسولینی بھی کچھ کم عاشق مزاج اور عیاش طبع نہیں ہیں، آپ یوں تو دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو خاطر میں نہیں لاتے اور ہر وقت خم ٹھونکے لڑنے کیلئے تیار رہتے ہیں لیکن جہاں کسی حسینہ کو دیکھا اس کی تیغِ ابرو اور تیرِ نظر کے سامنے فوراً شمشیر و سپر ڈال دیتے ہیں۔

آج کل آپ ایک رقاصہ اور فلم ایکٹرس کی مفارقت میں ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھر رہے ہیں، اس ایکٹرس کا نام اینا میراندرے ہے، وہ شمالی اطالیہ میں پیدا ہوئی، اور معمولی تعلیم کے بعد جلد ہی کسی دفتر میں ٹائپسٹ کی حیثیت سے ملازم ہوگئی، ایک دفعہ اس نے میلان اکاڈمی کے کسی ڈرامے میں حصہ لیا، جس میں اسے اس قدر کامیابی ہوئی کہ اس نے سمجھ لیا کہ وہ ایک ٹائپسٹ کی بجائے ایکٹرس زیادہ بہتر ہو سکتی ہے، چنانچہ اس نے فلموں میں حصہ لینا شروع کیا، اور اپنے حسن و جمال اور بہترین اداکاریوں کی وجہ سے بہت جلد مقبول و مشہور ہوگئی، رفتہ رفتہ اس کی شہرت و قبولیت اطالیہ سے گزر کر ہالی وڈ پہنچی، اور وہ ہالی وڈ بلالی گئی، مسولینی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسے بہت صدمہ ہوا وہ اب تک اس حسینۂ لعلیں کو یاد کر کے ٹھنڈی آہیں بھرتا ہے۔

~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~

مجارسٹ کے ایک نوجوان کی مستی وقلندری ملاحظہ کیجئے، یہ نوجوان ایک حسینہ پہ مرتا ہے جو مجارسٹ کے ایک ہسپتال میں نرس ہے، یہ اس لئے بار بار زہر کھاتا ہے کہ ہسپتال میں داخل کیا جائے اور اس طرح اپنی محبوبہ کی تیمارداری کے لطف اُٹھائے، چنانچہ وہ اب تک پچیس بار زہر کھا چکا ہے۔

ہمارے غزل گو شعرا روز زہر کھاتے رہتے ہیں لیکن کبھی اُنہوں نے زہر کی صورت نہیں دیکھی، مجارسٹ کے نوجوان نے البتہ ان نام نہاد عشاق کی نمائندگی کا کافی سے زیادہ حق ادا کیا ہے، لیکن آپ کو اس جانبازی کا مزہ آجائے اگر ایک بھی ہسپتال کے ڈاکٹروں کو معشوقانہ ناز و غمزے کی سوجھ جائے اور وہ آپ کے علاج و معالجہ [illegible] غفلت و بے اعتنائی برت دیں، اور اگر آپ پر اس طرح عشق کے دورے پڑتے رہے تو عجب نہیں جو ایک روز کوئی ایسی ہی صورت پیش آئے۔

~~~~~~~~~~

یورپین عورتیں حسن و جمال کی افزائش کیلئے جو جو طریقے عمل میں لاتی رہتی ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ عجیب اور دلچسپ طریقہ وہ ہے جو ایک فرانسیسی حسینہ نے اختیار کر رکھا ہے، اس کا خیال ہے کہ بوسہ دینے سے رخسار کے خون کی روانی بڑھ جاتی ہے، اور اس سے رخسار پر شادابی آجاتی ہے، چنانچہ اس حسینہ نے دو نوجوان لڑکیوں کو نوکر رکھ لیا ہے جن کی ڈیوٹی حسینہ کے بوسے لینا ہے، یہ دونوں لڑکیاں صبح سے شام تک حسینہ کے بوسے لیتی رہتی ہیں، جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار یومیہ تک پہنچ جاتی ہے۔

~~~~~~~~~~

ہندوستانی امراء و رؤسا کی مستی و قلندری تو طشت از بام ہے، وہ اپنے محلوں میں جتنی عورتیں چاہتے ہیں رکھتے ہیں، نہ کوئی ملکی قانون اس میں حارج ہو سکتا ہے نہ کوئی مذہبی اور اخلاقی ضابطہ اُنہیں اس سے باز رکھ سکتا ہے لیکن عورتوں کے متعلق کوئی ایسی مثال سننے میں نہیں آتی کہ اس کے ایک سے زیادہ شوہر ہوں مگر جنوبی افریقہ کے وحشیوں کی ملکہ نے یہ مثال بھی مہیا کر دی اور ثابت کر دیا کہ مردوں کی طرح عورتوں کو موقع ملے تو وہ بھی رنگ رلیاں منانے میں مردوں سے پیچھے نہیں رہ سکتیں۔

چنانچہ ایک سیاح کا بیان ہے کہ ——— جب میں جنوبی افریقہ کے وحشیوں میں گیا تو میں نے وہاں کی ایک ملکہ کو دیکھا کہ اس کے اسّی کے قریب شوہر تھے، ملکہ کی عمر تقریباً چالیس پچالیس سال تھی لیکن اس کے تمام شوہر نوعمر تھے، ان شوہروں کو باقاعدہ پہرے میں رکھا جاتا ہے، وہ نہ کسی عورت سے بات کر سکتے ہیں اور نہ کسی قسم کے تعلقات پیدا کر سکتے ہیں۔

~~~~~~~~~~

آج کل برتھ کنٹرول کا چرچا عام ہے، اس موضوع پہ کتابیں شائع ہو رہی ہیں، مقالات سپرد قلم کئے جا رہے ہیں لیکچر دیئے جا رہے ہیں، مانع حمل دواؤں اور آلات کے اشتہارات شائع ہو رہے ہیں لیکن ایک سائنسدان کا خیال ہے کہ عورتوں نے جو طرز زندگی اختیار کر رکھا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورتوں کی صلاحیت تولید کم ہو جائے گی اور عورتیں بہت کم بچے جن سکیں گی، سائنسدان مذکور کے خیالات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

زمانہ سابقہ کے مقابلہ میں آج کل عورتوں کو بہت کم اولاد پیدا ہو رہی ہے اور ان میں بانجھ پن کا مرض ترقی کر رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی دلچسپی روز بروز مردانہ مشاغل کی طرف بڑھ رہی ہے اور یہی چیز عورتوں کی نسوانیت کے زوال کا باعث ہے اگر عورتوں کے مرد بننے کا شوق اسی طرح برقرار رہا تو عجب نہیں کہ ایک ایسا زمانہ آئے جب عورتوں میں توالد و تناسل کی مطلق صلاحیت باقی نہ رہے۔

کیا اچھا ہو کہ اس سائنسدان کی پیشگوئی جلد از جلد پوری ہو جائے اور اس دور کے عیش پرست اور نفس نواز مردوں اور عورتوں کو برتھ کنٹرول کے بیسیوں قسم کے مذموم و نامذموم، جائز و ناجائز اور کامیاب و ناکامیاب جھگڑوں سے نجات مل جائے۔

~~~~~~~~~~

حسن فروشی کا بیوپار کرنے والی دنیا میں کیسی کیسی مقدس ہستیاں ہیں، اس کا اندازہ حال ہی کے اس واقعہ سے لگا لیجئے کہ ہنگری کے ایک پادری نما بزرگ نوجوانوں کو خدا تک پہنچانے کی بجائے ایسی لڑکیوں کے پاس پہنچا دیتے تھے جو قدرت کی حسن کاری کا بہترین شاہکار ہیں۔ اس مقدس خدمت کیلئے اُنہوں نے ایک پونڈ فیس مقرر کر رکھی تھی، چنانچہ یہ حضرت سالہا سال تک اس مقدس پیشہ کو چلاتے رہے، خدا کا کرنا کیا ہوا کہ کسی بگڑے دل نوجوان نے ان کی سپلائی کردہ ایک لڑکی کو قتل کر دیا، بس پھر کیا تھا اچھا خاصہ ہنگامہ برپا ہو گیا، اور اس وقت یہ عقدہ کھلا کہ دنیا میں کیسے کیسے پیر فرتوت موجود ہیں۔

~~~~~~~~~~

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمایئے :-

فرانس کے ایک بہت بڑے نواب پر پچھلے دنوں اس جرم پہ مقدمہ چلا تھا کہ ان حضرت نے پیرس میں ایک نہایت ہی شاندار ہوٹل قائم کر رکھا تھا، اس ہوٹل کا یہ دستور تھا کہ جہاں ٹھہرنے والے مسافروں کو کھانے پینے کا سامان دیا جاتا تھا وہاں ایک عدد نہایت خوبصورت لڑکی بھی سپلائی کی جاتی تھی، اور یہ کمبخت لڑکیاں ایسی بے باک ہوتی تھیں کہ مسافروں کا ناک میں دم کر دیتی تھیں۔

اتفاق سے ویلز کا کوئی بوڑھا اس ہوٹل میں آکر ٹھہرا، وہ غریب یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کھانے پینے کے سامان کے ساتھ ایک عدد لڑکی بھی موجود ہے جو خواہ مخواہ گلے پڑی جاتی ہے، بڈھے نے فوراً پولیس میں اطلاع دی، ہوٹل کی تلاشی ہوئی
~~~~~~~~~~

تو دو سو سے زاید لڑکیاں ہوٹل کے اسٹاک سے برآمد ہوئیں۔

فرانس کی حکومت کو نواب صاحب کے ساتھ نہ جانے کون سی دشمنی تھی، جو عصمت فروشی کے متعلق ایک ہوٹل قائم کرنے پر نواب صاحب پر مقدمہ چلا دیا، مسولینی اعظم کی حکومت تو علانیہ حسن و عصمت کا وسیع پیمانے پر کاروبار کرتی ہے۔ چنانچہ اخباری بیان ہے کہ آج کل حکومت اطالیہ نہایت فخر کے ساتھ عورتیں سپلائی کر کے اپنی امتیازانہ شان کا مظاہرہ کر رہی ہے، اطالیہ کو اس بات کا فخر ہے کہ وہ عوام کے شہوانی جذبات فرد کرنے میں دنیا کی تمام حکومتوں سے آگے ہے۔

حکومت اطالیہ کی اس حسن فروشی اور عورتوں کی دلالی کا اندازہ اس سے فرما لیجئے کہ اطالیہ کے ایجنٹ اطالیہ کی سرزمین سے نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو انتخاب کر رہے ہیں، اور ان کو حبش روانہ کیا جا رہا ہے تاکہ یہ حبش جا کر ان اطالوی فوجوں کا جوش شہوانی فرد کر سکیں جو حبش میں متعین ہیں۔

حکومت اطالیہ کا محکمہ "شہوانیات" ہر ہفتہ ایک ہزار خوبصورت لڑکیوں کا چالان حبش روانہ کر دیتا ہے، چنانچہ اس وقت تک ہزاروں حسین و جمیل اطالوی لڑکیاں حبش پہنچ چکی ہیں جو آزادانہ اطالویوں کے پہلو گرماتی پھرتی ہیں۔ اطالیہ کی خوبصورت لڑکیوں کی سپلائی کا یہ دھندا کیوں کرنا پڑا۔

اس کی بھی سرگزشت سن لیجئے، اطالوی باشندے جو حبش میں مقیم ہیں وہ عورتوں کے اس قدر عادی ہیں کہ عورتوں کے بغیر ایک ہفتہ بھی ان کا گذارہ مشکل ہے، چنانچہ ابتدا میں تو یہ حبش کی بہو بیٹی پر ہاتھ صاف کرتے رہے لیکن جب حبشیوں نے مار مار کر ان کا بھرکس نکال دیا تو انہوں نے حکومت اطالیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ دوسرے راشن کی طرح عورتوں کا راشن بھی ان کیلئے سپلائی کرے، جب اطالیہ نے ان کے اس "معقول" مطالبہ پر غور نہ کیا تو فوجوں نے بغاوت برپا کر دی، آخر حکومت اطالیہ کو محکمہ "شہوانیات" کھولنا پڑا جس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ حبش کی اطالوی فوجوں کے شہوانی جذبات کے فرد کرنے کا سامان کرے، معلوم ہوا ہے کہ آجکل مسولینی سے لے کر چھوٹے سے چھوٹا افسر تک لڑکیوں کی سپلائی کے مقدس کام میں لگا ہوا ہے لڑکیاں ملک کے کونے کونے سے حاصل کی جا رہی ہیں ان کا ڈاکٹری معائنہ کیا جا رہا ہے، ان کو شہوانیات کی ٹریننگ دی جا رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ کس طرح ایک لڑکی کو مرد کے شہوانی جذبات فرو کرنے چاہئیں۔

مسولینی کی زیر سرپرستی جب نوجوان لڑکیوں کی تعلیم مکمل ہو جاتی ہے، تو انہیں اطالوی فوجیوں کے لئے حبش روانہ کر دیا جاتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳۹ سائنس کی دنیا) بمقام رابرٹ سن پیراشوٹ کا استعمال کیا۔ لفٹننٹ گلبین کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے اسے ایک دفعہ ایران کے ایک باغی علاقے پر ہوائی جہاز کے ذریعے بمباری کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس کے ساتھی نے چھ ہزار فٹ کی بلندی سے صرف چھ بم گرائے تھے، کہ جہاز کے دائیں بازو کا اگلا حصہ جہاز کے پچھلے حصہ سے الجھ گیا اور جہاز چکر کھانے لگا۔ جب زور سے دھکا لگنے کے باعث گلبین پیچھے کی جانب جا گرا تو اسے حادثے کی خبر ہوئی چنانچہ وہ فوراً پیراشوٹ لیکر کود پڑا۔ اور زمین پر اتر آیا۔ یہ تمام اولوالعزم اور بہادر جہاز ران کیٹر پلر کلب کے طلائی تمغے پا چکے ہیں۔



پُر کیف ہے کس درجہ محبت کا فسانا
آنکھیں تھیں تری یا کہ چھلکتے ہوئے ساغر
اس ڈر سے کہیں بھید محبت کا نہ کھل جائے
وہ چاندنی راتوں کے محبت بھرے لمحے
گستاخ ہواؤں پہ تری خشم نگاہی
دیکھو کوئی آتا ہے خدا کے لئے ٹھہرو
وہ لمحۂ رخصت وہ تری نیچی نگاہیں
کس لطف سے راحت سے مسرت سے ہے گذرا

ہے ولولہ انگیز جوانی کا زمانا
وہ خرمنِ دل پر مرے بجلی کا گرانا
وہ نامۂ پُر شوق کو دستی میں چھپانا
وہ بیخودیٔ شوق وہ ہنسنا وہ ہنسانا
بکھری ہوئی زلفوں کو وہ جھنجلا کے ہٹانا
آواز سے رُخ پہ ترا آنگلی کو اُٹھانا
گالوں پہ ڈھلکتے ہوئے آنسو کو چھپانا
آغوش محبت میں محبت کا زمانا

ہے نقش دلِ زار پہ اُلفت کی کہانی
آتا ہے فدا یاد محبت کا زمانا

(خاص)

مست قلندر کے اقوال

موتیوں اور جواہرات سے زیادہ قیمتی مضمون

جو اپنے کام سے جی چراتا ہے یا زندگی کی معمولی ذمہ داریوں کا لحاظ نہیں کرتا اس کے نزدیک اس کا یہ فعل ایک معمولی بات ہو سکتی ہے، لیکن ایک نہ ایک دن اس کے سامنے فرد حساب پیش کی جائے گی، جب بڑی ذمہ داریاں اور مسئلے سر پر آ پڑیں گے، تو یہی بے پروائیاں جن کو ہم آج معمولی اور حقیر جانتے ہیں، باعث ناکامی ثابت ہوں گی۔

جو شخص دنیا میں بڑی بڑی مہمیں سر کرتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو خود ترقی کا زینہ بنا کر اوپر پہنچتا ہے۔ اور چھوٹی سے چھوٹی چیز دل کو بھی خوش اعتقادی اور استقلال سے سرانجام دیتا ہے، ٹھیک سوچو گے تو ٹھیک کرو گے، جب تم چھوٹی چیزوں کو اچھی طرح کرنے لگو گے تو بڑی بڑی چیزیں خود بخود اچھی اور ٹھیک ہونے لگیں گی۔

خوش خلقی سے تعلقات وسیع ہوتے ہیں، اور محبت بڑھتی ہے بدخلقی سے عداوت پھیلتی ہے پس دوست بنانے کی کوشش کرو دشمن نہ بناؤ، سختی کا جواب نرمی سے دینا اور بدسلوکی کرنیوالے سے نیک سلوک کرنا انسان کے فرائض میں سے ہے، انتقامی جذبات کو فرو کرنے کی کوشش کرتے رہو، اگر دوسروں سے بدلہ لینا چھوڑ دو گے تو اپنے دوست بڑھاؤ گے، اگر بدلہ لیتے رہو گے تو دشمن بڑھاتے ہوگے

جو شخص اپنی ضروریات زندگی کے مطابق ضروری سامان خورد و پوش وغیرہ کے میسر آنے کے باوجود قناعت و استغنا سے کام نہیں لیتا بلکہ حرص و ہوس کے دامن کو روز بروز دراز ہی کرتا جاتا ہے تاکہ دنیا صرف اس کے ارد گرد جمع ہو کر رہ جائے تو وہ خدا شناسی اور خدا پرستی دونوں سے محروم ہے۔

حرص کا میدان ناپیدا کنار ہے، اسلئے انسان اس میں کب تک سرگرداں پھر سکتا ہے انجام کار کہیں نہ کہیں اسے ہمت ہار کر بیٹھ ہی رہنا پڑے گا، اسی لئے مقتضائے عقل یہ ہے کہ حرص و ہوس کے بجائے صبر و قناعت سے کام لیا جائے، کیونکہ حرص و ہوس سے تو ہم منزل مقصود پر پہنچ ہی نہیں سکتے، لیکن صبر و قناعت کی راہ پر چل کر ہم بآسانی اطمینان و مسرت کی زندگی گذار سکتے ہیں۔

خوب یاد رکھو، حریص انسان اس قابل نہیں کہ اُس پر بھروسہ کیا جائے اس لئے کہ اسکی رگ رگ میں ہر وقت بدنیتی رہتی ہے۔

دنیا میں اس شخص کی پیشانی بلند رہتی ہے جو صبر پسند اور قانع ہوتا ہے، لالچی آدمی کا سر ہمیشہ ہر چوکھٹ پر اور ہر شخص کے قدموں پر جھکا رہتا ہے، عقلمند آدمی وہ ہے جو سونے چاندی کے ٹکڑوں کیلئے اپنی بے بہا عزت کو برباد کرتا نہ پھرے، یہ کہاں کی دانائی ہے کہ پیاس بجھانے کے لئے دریا کا پانی موجود ہو اور برف کی تلاش میں العطش العطش پکارتے پھرا جائے،

لالچی آدمی کو ہر شخص اپنے سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور بے غرض آدمی کے پاس لوگ از خود جانے کے متمنی رہتے ہیں، جو شخص حرص سے پاک ہو جاتا ہے وہ آقا اور غلام، دولتمند اور مفلس سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے

جو لوگ قسمت کی شکایت کرتے ہیں، جو لوگ دُنیا کی تکلیفوں سے پیچھے چلاتے رہتے ہیں، جو لوگ ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں، جو لوگ محنت و جفاکشی سے جی چراتے ہیں، اور استقلال اور ہمت دکھانے سے گھبراتے ہیں وہ تمام لوگ بزدل ہیں، نامرد ہیں، صبر و تحمل کی پاکیزہ عادت ان کو چھو کر نہیں گئی وہ کامیابی اور ترقی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ اُن کا مقصد کبھی پورا نہیں ہو سکتا، بخلاف اس کے جو انسان چاروں طرف سے مشکلات میں گھرے رہتے ہیں، جنکو قسمت کی گردشیں پامال کئے جاتی ہیں، جو تکلیفوں اور مصیبتوں کے طوفان میں غرقاب رہتے ہیں جن کو ہر طرف ناامیدی ہی ناامیدی نظر آتی ہے مگر محنت اور جفاکشی سے منہ نہیں موڑتے وہ دُنیا میں ایکدن کامیاب ہو کر رہتے ہیں، ان کو قسمت کبھی دھوکہ نہیں دے سکتی، وہ اپنے مقصد میں ناکام نہیں رہتے، بلکہ کامیابی اُنکے دروازے پر ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے، زمانے کی گردش اُن کا مقابلہ ضرور کرتی ہے، مگر وہ ہر بار زمانہ کو شکست دیتے ہیں، ہر مصیبت کے بعد انکی قوت از سر نو زندہ ہو جاتی ہے، ہر تکلیف کے بعد اُنکے جسموں میں نئی روح پیدا ہوتی رہتی ہے

کس قدر شرم اور غیرت کا مقام ہے کہ تمہارا حریف تم سے بازی لے جائے اور تم اس کام کی مشکلات سے ڈرتے رہو اور پاؤں سمیٹ کر ایک گوشہ میں بیٹھے رہو، اور خیال کرتے رہو کہ ابھی کامیابی کا موقع نہیں ہے، جب وقت آئیگا تو کامیابی خود بخود حاصل ہو جائے گی،

یاد رکھو! یہ فلسفہ ان لوگوں کا ہے جو کاہل وجود ہیں، جو محنت سے جی چراتے ہیں جو بزدل ہیں جو نامرد اور ڈرپوک ہیں، تم اس فلسفہ پر اعتقاد نہ رکھو، تم کو وہم و خیال کی باتوں پر قناعت نہیں کرنا چاہئے، فقط

نغماتِ رنگیں

از جناب شمس مظفری

بالم آؤ بھی اپنے دیس

پریتم
بہار آئی ہے اور
اپنے ساتھ رنگ و بُو کی ایک دُنیا لائی ہے
پھولوں کے جوبن نکھرے ہوئے ہیں
کلیوں پر جوانی چھائی ہوئی ہے
ہوا کے نرم نرم
نہایت تیز جھونکوں سے
درختوں کی
ہری ہری ڈالیاں
مست و مدہوش ہو کر
جھوم رہی ہیں
بلبل کے محبت بھرے نغمے سن کر
پھول مسکرا رہے ہیں
پپیہے کی پی کہاں
اور کوئل کی درد بھری کوک
فضا میں گونج رہی ہے
ساری کائنات
مسرت و انبساط سے ہمکنار ہے
میرے دل میں تمہاری یاد
چٹکیاں لے رہی ہے
آنکھیں تم کو ڈھونڈ رہی ہیں
تمہارے بغیر بہار بھی
میرے لئے خزاں سے کم نہیں۔
آؤ پریتم!
میرے روٹھے ہوئے پریتم!
مان بھی جاؤ
اب میں تمہیں کبھی نہ چھیڑوں گی
کبھی نہ ستاؤں گی
مجھے معاف کر دو
آؤ ـــ ضرور آؤ
پھر اسی شفاف چشمہ کے کنارے
صنوبر کے سائے تلے
ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھ کر
ہم دونوں
پریم کے میٹھے میٹھے گیت گائیں
ہماری روحیں
شرابِ محبت کے نشہ میں ڈوب کر
سرِ چشمہ کی تھرکتی ہوئی لہروں پر
رقص کریں گی
اور ایک دوسرے کو پیار کریں گی
بالم! آؤ بھی اپنے دیس۔

~~~~~~

ایک مستِ شباب سے

اے شباب کی دیوی:
نکہت و حلاوت کا سرچشمہ!
آ ـــ تجھے اپنی وسعت میں سمیٹنے کیلئے
میری آغوش وا ہے۔
مینائے حُسن میں شراب جوانی تڑپ رہی ہے
جامِ بلوریں سے مئے شباب چھلک رہی ہے
چشمِ لالہ گوں میں
مئے سہ آتشہ کی لہریں تھرک رہی ہیں
یا دخترِ انگور کے
پسینے جیسے شباب کی آتشیں بوندیں تھرا رہی ہیں
ذرا میری طرف دیکھ!
میری آنکھوں کو دیکھ!
کتنی پُر التجا اور پُر شوق ہیں یہ!
جذبات مچل رہے ہیں
ولولے بیدار ہیں
احساسات اُبھر رہے ہیں
خواہشات کروٹیں بدل رہی ہیں
جوانی تڑپ رہی ہے
اے شباب کی دیوی!
نکہت و حلاوت کی سرچشمہ! ـــ آ!
تجھے اپنی وسعت میں سمیٹ لینے کے لئے
میری آغوش وا ہے
تیری پھڑکتی ہوئی رگوں میں
شباب ـــ
حشر بداماں شباب ـــ
کا تازہ اور گرم خون کھول رہا ہے
اور میں ضبط و شکیب کی قوت کھو بیٹھا ہوں
جیسے تنفس میں ارتعاش پیدا ہے
تیرے احمریں لبوں کی تہ میں
پھولوں کا رس نچوڑ کر بھر دیا گیا ہے
جنکے ایک لمس کی لذت شیرینی کے عوض
میں اپنی تمام زندگی کو سمیٹ کر
نذر کر سکتا ہوں
اپنے رنگین و سحر پاش
تبسم کی لطافتوں میں
مجھے غرق کر دے اے دلربا!
دیکھ! ـــ او کافرِ شباب غرور نہ کر
آ! ـــ اے نکہت و حلاوت کی سرچشمہ
حسن کی ملکہ،
شباب کی دیوی!
تجھے اپنی وسعت میں سمیٹ لینے کیلئے
میری آغوش وا ہے۔
چلی بھی آ۔
بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ
میں تڑپا کروں اور
تو میری خلش کو تسکین نہ دے
کتنی بیدرد ہے تو
آ! ـــ اے بلقیس کی سادگی
قلوپطرہ کی جوانی
جان آف آرک کی معصومیت
ماتاہری کی شوخی
آ ـــ اور
میرے دل کی گہرائیوں میں اُتر جا
اپنے جلوۂ بے حجاب سے
مجھے مست و مدہوش بنا جا
میری رُوح میں سما جا
اور میرے تخیلات پر
شعریت و موسیقی بنکر چھا جا
وہ دیکھ!
تیری راہ میں
صبح بہار کے نوشگفتہ گلاب کے پھول
بچھے ہوئے ہیں
پریاں گیت گائیں گی
حُوریں قدمبوسی کے لئے منتظر ہیں
آ! اے شباب کی دیوی
حُسن کی ملکہ
نکہت و حلاوت کی سرچشمہ
تجھے اپنی وسعت میں سمیٹ لینے کیلئے
میری آغوش وا ہے۔

~~~~~~

اقرار گناہ

چاندنی رات تھی
موسم بہار اپنے انتہائی شباب پر تھا
تیرے مکان سے متصل باغ میں
جو ہماری باہم ملاقاتوں کا مرکز تھا
رنگت رنگ کے خوشنما پھول کھلے ہوئے تھے
چاند کی ضیائے سیمیں سے
پھولوں کی دلکشی دو چند ہو رہی تھی
بہار کی دیوی
پھولوں کے جھرمٹ میں
مست و مخمور
رقص کناں تھی
رات کی سبک رفتار ہوا
پھولوں سے خوشبو چرا کر
خاموشی سے بھاگی جا رہی تھی
تو مجسمہ حسن و رعنائی بنکر آئی
ہم نے باتیں کیں
عشق و محبت کی
پیار و معصومیت کی
مگر ہم دونوں
اس پرسکون خلوت کو برداشت کر سکے
شراب جوانی سے لبریز
تیری کالی کالی آنکھیں
مجھے دعوت معصومیت دیتی ہوئی معلوم ہوئیں
میں نے خود کو روکا
مگر ——— آہ!
مجھے اعتراف ہے
میں اقرار کرتا ہوں کہ
تیرا نرم اور لوچدار جسم
میری باہوں کے حصار میں تھا
اور تیری باہیں میری گردن میں
میرے کانپتے ہوئے
تشنہ کام ہونٹ
تیرے رنگین اور گرم
لبوں میں پیوست ہو گئے
اور اس طرح
ہم دونوں
گنہگار محبت ہو گئے
اس آتشیں لمس کی
سحر انگیز لذت و حلاوت کو
میرے ہونٹ اب تک محسوس کرتے ہیں
میں نے اپنے دل پر
تیرے کلیجے کی دھڑکن محسوس کی اور
میرا ضمیر بے اختیار ہو کر چلا اٹھا
"ارے اے پاگل! ہوشیار ———"
اور بس!

حرامزادی کی سرگزشت

یعنی ایک شریف بدمعاش کی عیاریاں

انتیسویں ۲۹ قسط

اُس کی گناہوں سے لبریز زندگی کے سرتاپا دلچسپ عجیب و غریب اور عبرتناک واقعات اسی کی زبانی سنیئے

اردو میں اپنی قسم کا پہلا اور سو فیصدی سچا افسانہ

نئے پڑھنے والے یہاں سے شروع کریں۔ جفری سپنسر انگلستان کا مشہور بدمعاش اس وقت جیل میں ہے اس کو پادری فسن کے قتل کی پاداش میں پھانسی کا حکم مل چکا ہے صرف چند دن کی میعاد باقی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ مرنے سے قبل اپنے حالات زندگی دنیا والوں کے لئے چھوڑ جائے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ میرے والد نے مجھے جس اسکول میں بھیجا وہاں کے انچارج پادری فسن کی صحبت بد اور میرے چلن حد سے زیادہ خراب ہو گئے جس کے نتیجہ کے طور پر میں نہ صرف بورڈنگ ہاؤس اور اسکول سے نکالدیا گیا بلکہ پرنسپل نے میری آوارگی کا کچا چٹھا میرے والد کو لکھ بھیجا چونکہ گھر میں بھی میرے لئے کوئی ٹھکانا نہ تھا اس لئے میں نے جہازی نوکری اختیار کرلی۔ بوئنا ایرس شہر میں ایک پری جمال لڑکی ڈوروتھی کی جان بچانے کے صلہ میں اس کا باپ شین جو پ سلسلہ ملازمت مجھے اپنی اسٹیٹ میں لے گیا مگر وہاں میری شیطانی سیرت رنگ لائی اور ایک رات ڈوروتھی کے دامن عصمت کو تار تار کر کے میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور ولنگٹن پہنچکر ایک تھیٹریکل کمپنی میں ملازم ہو گیا جو چند دن بعد سڈنی جا رہی تھی۔ سڈنی میں پہلی مرتبہ اس ملکۂ حسن سے میری ملاقات ہوئی جس کا نام کلیرس تھا کلیرس عورت نہیں آسمانی حور تھی، وفا کی پتلی تھی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی تیر عشق دونوں کے دل میں ترازو ہو گیا۔ کلیرس کی شادی کو اگرچہ ۲ سال ہو چکے تھے مگر اس کا شوہر فلٹر نامرد شرابی اور خود نما انسان تھا۔ اس نے کلیرس کے ساتھ شوہروں کا سا سلوک یا اظہار محبت کبھی نہ کیا کلیرس کو پاکر مجھے گویا کھوئی ہوئی دولت مل گئی۔ میں نے کوشش کر کے اپنی کمپنی میں بطور رقاصہ اس کو ملازم کرا دیا چونکہ کمپنی دوسرے شہر جا رہی تھی۔ اس لئے وہ برائے نام شوہر سے اجازت لے کر میرے ساتھ چلی آئی۔ اور اگلے چند مہینے ہم نے بڑی مسرت سے بسر کئے مگر حمل گر جانے کے باعث کلیرس جانبر نہ ہو سکی۔ اور چند دن بیمار رہ کر اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ کلیرس کی ناگہانی موت کا صدمہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا اور عین ممکن تھا کہ میں پاگل ہو جاتا۔ مگر خوبی تقدیر سے انہی دنوں ایک عجیب و غریب شخص جیمس سے میری ملاقات ہو گئی جو ہاتھ کی صفائی سے جوا کے بہانہ دوسروں کی جیبیں خالی کرانے کے فن میں مشاق تھا۔ اس نے مجھے شریک کار بنا کر میرا غم غلط کر دیا۔ ایک مرتبہ ہمارے سفر کے دوران میں جبکہ جیمس کنڈی میں میرا منتظر تھا۔ ایک حسین و جمیل عورت ایڈنا سے میری ملاقات ہوئی جو گھر سے فرار ہو کر تن تنہا سفر کر رہی تھی۔ میں نے محبت کا رنگ دے کر اپنے فریب کا جال اس پر پھینکا تو وہ جھٹ پھنس گئی۔ اور اپنی خوشی سے میرے ساتھ رہنے کو آمادہ ہو گئی جیمس ایڈنا اور میں پیرس چلے گئے اور وہاں کے سب سے بڑے قمار خانہ میں ایک ہی رات میں دو لاکھ ڈالر ہم نے جیت لئے۔ اس کے بعد مانٹی کارلو کے قریب جزائر میں پہنچے اور لاٹری کے دامن میں ایک کوٹھی کرائے پر لے کر رہنے لگے۔ شادی شدہ ایڈنا کی بدولت اچھے اچھے گھرانوں سے ہمارا میل جول ہو گیا۔ اور دعوتوں کے بہانے جوا بھی چلنے لگا۔ لاٹری کی سب سے بڑی شہرت یافتہ مشہور خاتون میڈم ژاپران کی ایڈنا کے ہاتھ سے اتفاقیہ موت اور سنسنی خیز واقعہ ہر تیس وان برل کے بیش قیمت الماس کے سیٹ کی چوری کا تھا۔ اول الذکر کی لاش کو ہم نے اس خوبی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچایا کہ پولیس کو کبھی بھی اصل مجرم کا پتہ نہ لگ سکا اور مؤخر الذکر کو چوری کا مال خریدنے والے جوہری پیری شیرٹن کے ہاتھ فروخت کر کے میں نے معقول رقم حاصل کرلی تھی۔ ریویرا اور لاٹری کے قیام میں ہم میں سے ہر ایک نے کم و بیش ستر ہزار پونڈ کی زرین فصل کاٹی تھی اسلئے روپے پیسے کی تنگی کسی کو نہ تھی جیمس آسٹریا چلا گیا اور میں اور ایڈنا جینوا کو روانہ ہو گئے مگر کچھ عرصہ سے ایڈنا کو بد خوابی کی شکایت رہنے لگی تھی اور میں رات رات بھر گھر سے غائب رہ کر داد عیش و نشاط دیا کرتا تھا۔ ایک دن گھر آیا تو ایڈنا کو اسباب سفر باندھے ہوئے بالکل تیار پایا۔ وہ میرے طرز زندگی سے دل برداشتہ و بیزار ہو کر میکے جا رہی تھی میں نے اسے ریل پر سوار کرا دیا۔ ایڈنا کا آخری خط مجھے پیرس میں ملا جو جینوا ہو کر آیا تھا۔ وہ شادی کی خواہشمند تھی۔ بشرطیکہ میں اپنی موجودہ طرز زندگی کو خیر باد کہہ کر شریفوں کی طرح رہنے لگوں۔ مگر یہ بات میرے بس کی نہ رہی تھی اس لئے خاموش ہو رہا۔ پیرس آنے سے قبل میں چند یوم کے لئے چوری کے زیورات کی فروختگی کیلئے برسلز گیا تھا۔ وہاں پیری شیرٹن سے ملا اور ۲۵ ہزار پونڈ پر معاملہ طے ہوا۔ اس نے ۱۶ لاکھ ۲۵ ہزار فرانک کے مالیتی نوٹ میرے حوالے کر دیئے میں نے اپنا ایک کرایہ کا مکان پیرس میں نام بدل کر

بھی نہایت جلد کرا دیا۔ جو اتفاق سے وہاں آیا ہوا تھا۔ پیرس پہنچ کر میں نے اپنا زر نقد تین مختلف بنکوں میں جمع کرا دیا اور تلاش حسن میں وہاں کے گلی کوچوں کی خاک چھاننے لگا۔ چونکہ میرا حسنِ انتخاب پہلے کی نسبت بہت بلند ہو گیا تھا (ورنہ پیرس میں عورتوں کی کمی نہ تھی) اس لئے خاص چیز کی تلاش میں مجھے کئی دن لگ گئے۔ مگر آخر کار وہ گوہر نایاب رشک حور جینی واٹلے کی شکل میں مجھے دستیاب ہو گیا اور جینی کے ساتھ بڑے مزے سے زندگی کٹنے لگی۔ ہر دن ہمارے لئے یوم عید ہوتا تھا اور ہر شب شب برات۔ یہاں تک کہ ایک دن تماشہ گاہ کے درجہ خاص میں میں نے جینی کو ایک غیر مرد کی ہمراہی میں دیکھا اور جوش رقابت کی آگ میرے تن بدن میں لگ گئی۔ اختتام تماشہ پر میں نے ایک ٹیکسی کے ذریعہ ان کا ہوٹل تک تعاقب کیا۔ اس وقت میں سخت نشہ کی حالت میں تھا۔ ہوٹل میں دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ جینی کا نیا عاشق کونٹ ریمنڈ ڈی کساس نام کا کوئی امیر زادہ ہے۔ میں نشہ کی حالت میں بلا تکلف اُن کے کمرے میں گھس گیا۔ اور جینی کو گھر چلنے کیلئے کہا۔ لیکن کونٹ نے بڑی ملائمت سے جواب دیا۔ صاحب! آپ کو مغالطہ ہوا۔ یہ تو میری منگیتر ہے۔ میں نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا تمہاری منگیتر؟ یہ عورت جسے تم اپنی منگیتر بیان کرتے ہو۔ میری جھوٹی رکابی میں بچی ہوئی ہڈی ہے۔ اتنا سنکر کونٹ نے جوش غضب میں دو مکّے میرے منہ پر اس زور سے مارے کہ میں دھڑام سے فرش زمین پر گر پڑا۔ دو ماہ کے عرصہ میں ۵ ہزار پونڈ سے زیادہ جینی پر ضائع کر کے میں نے جو ثمر حاصل کیا وہ رقیب روسیاہ کے دو مکّے اور ہوٹل سے میرا نکالا جانا تھا۔ گھر پہنچ کر میں نے طے کیا کہ اس طرح کی عورت ڈھونڈنے کی بجائے آئندہ کوئی سستی آسامی تلاش کروں کیونکہ جب کرایہ ہی ادا کرنا ہے تو کفایت کیوں نہ کی جائے۔ اس کے بعد میں نے سوسائٹی کے لوگوں سے میل جول بڑھانے کی خاطر میں ناٹک دیکھنے جاتا۔ گھوڑ دوڑ میں حصہ لیتا اور اس طرح پیرس کی سوسائٹی میں کافی مشہور ہو گیا۔ مگر جہاں کہیں جاتا میری نگاہ لیڈیوں کے زیورات پر اکثر لگی رہتی یہاں تک کہ ایک رات کسی جلسہ رقص میں میڈم لادرنیو سے ملنے کا اتفاق ہوا جس کے زیورات نہایت ہی قیمتی اور نایاب تھے۔ علاوہ ازیں اس رات اس نے ایک مبوترے موتیوں کی مالا پہن رکھی تھی جس کی قیمت کا صحیح اندازہ شاید کوئی ماہر فن جوہری ہی کر سکتا۔ میرا دل اس مالا کو اڑانے کیلئے بیتاب ہو گیا۔ میڈم لادرنیو کھاتی کھیلی تھی۔ جب میں نے اس کے ساتھ ناچنے کی درخواست کی تو وہ فوراً رضامند ہو گئی۔ ہم نے مل کر جلسہ رقص میں تین مرتبہ ناچ کیا اور تینوں مرتبہ اس نے بعض ایسی حرکات کیں جن سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مجھ پر بے طرح عاشق ہو گئی ہے۔ میرا اس کے گھر آنا جانا ہو گیا اور ہوتے ہوتے اتنی بے تکلفی بڑھی کہ اس کی محبت میں در گنج محبت کے قفل مجھ پر کھل گئے۔ آخر وہ موقعہ بھی آ گیا جس کی مجھ کو تلاش تھی۔ اس روز اس نے ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ اور مجھ کو پیش از وقت آنے کی تاکید کی تھی چنانچہ میں دو گھنٹہ پہلے پہنچ گیا۔ وہ مجھے اپنی جلوہ گاہ خاص میں لے گئی کمرہ کی دیوار میں اس نے چھوٹی سی آہنی تجوری لگوا رکھی تھی میری موجودگی میں اس نے کھولا۔ زیورات کے ڈبیوں سے کچھ نئے زیورات نکالے اور وہ موتیوں کی مالا مع دیگر زیورات کے وہیں رکھدی پھر کنجیوں کو سرسری طور پر میز پر ڈال دینے کے بعد اور کاموں میں مشغول ہو گئی میں بظاہر اخبار دیکھ رہا تھا۔ اس کی آڑ میں کمال صفائی سے میڈم لادرنیو کی آنکھ بچا کر میں نے کنجیوں کا گچھا اپنی طرف سرکا لیا اور تجوری کی کنجی چپکے سے باہر نکال کر جوں کا توں رکھ دیا۔ لیکن اسوقت جبکہ میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں اور نتیجے کے امکانات پر مسرور تھا ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے میرے دل کو بھاری صدمہ پہنچا کیونکہ اس موقع پر داروغہ نے آکر اطلاع دی کہ کونٹ ریمنڈ ڈی کساس اور میڈم واٹلے تشریف فرما ہوئے۔ کونٹ ریمنڈ ڈی کساس اور میڈم واٹلے سے میری ملاقات ہوئی مگر رسمی طور پر ہم نے ایک دوسرے کو سلام کیا۔ اُدھر کونٹ مجھ سے کشیدہ تھا ادھر جینی واٹلے کو اس کے ساتھ دیکھ کر میرے سینہ پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ کھانا بڑی دیر میں ختم ہوا۔ اس دوران میں ایک مسن صورت آدمی جس کے سر کے بال سفید اور چھوٹی چھوٹی نکیلی داڑھی تھی۔ میرے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ آخر ایک گھنٹے کے بعد مجھ کو وہ موقع نصیب ہوا جس کا میں سر شام ہی سے منتظر تھا۔ میں بے پروائی سے ٹہلتا ہوا ہال کی طرف جا نکلا۔ پھر جب دیکھا کہ آس پاس کوئی متنفس نہیں ہے تو بعجلت چلتا ہوا میڈم لادرنیو کے خلوتخانہ کے دروازہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اندر جا کر تجوری کو کھولنا چند لمحوں کا کام تھا۔ موتیوں کی مالا جس کی خاطر میں نے یہ دردِ سر خریدا تھا۔ سب سے پہلے میرے جیب میں پہنچی۔ اس کے بعد کوئی آدھی درجن کے قریب مختلف چیزیں لیں باقی کے زیورات جوں کے توں رکھ کر میں نے تجوری کو تالا لگا دیا اور جلدی جلدی چل کر دروازہ کے پاس پہنچا۔ اور اُسے کھولا۔ مگر یہ کیا میں دیکھتا ہوں میرے اللہ! ایک آدمی تیز چلتا میری سمت کو آ رہا تھا اور وہ کونٹ ڈی کساس تھا۔ پہلے تو مجھے شک گذرا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہو گا۔ اور اب پکڑ کر حوالہ پولیس کر دیگا۔ میں فوراً چھپ گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سیدھا تجوری کی طرف گیا اور اسکا قفل کھولنے کی تیاری کرنے لگا۔ عین اس وقت جبکہ کونٹ ریمنڈ ڈی کساس (جو کہ دراصل پیشہ ور چور تھا) کے ایک ہاتھ میں ڈبہ اور دوسرے میں زیورات تھے۔ ایک کرخت آواز سنائی دی خبردار ہاتھ کھڑے کر دو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔ اور کمرے میں ایکدم روشنی ہو گئی۔ وہ آواز اسی سپید مو شریف صورت مسن آدمی کی تھی۔ جو کھانے کے دوران میں مجھ سے باتیں کرتا رہا تھا۔ اتنے میں اور لوگ بھی جمع ہو گئے۔ ریمنڈ کو گرفتار کر لیا گیا۔ لاتھورر نے باواز بلند کہا۔ صاحبو! آپ تشریف لے جائیں میں کونٹ اور جینی واٹلے سے تنہائی میں بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ دیگر مہمانوں کے ساتھ رخصت ہونے سے پیشتر میں نے جینی کے قریب جا کر دبی آواز میں اس سے کہا۔ "اب تم نے دیکھ لیا کہ مجھ کو چھوڑ کر اس مردار کے پاس جانے سے کیا حاصل ہوا۔ کاش تم اتنی بے وفا ثابت نہ ہوتیں"۔ وہاں سے

رخصت ہو کر میں ہوٹل پہنچا مگر پھر خیال ہوا کہ چیکوں کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے اگر اسی وقت اشاآن بیرونن کے پاس جاؤں اور اسے دیکر اونے پونے دام کھرے کر لوں تو کوئی فکر باقی نہ رہے گی۔ میں نے ٹیکسی کرایہ پر لی اور اسے دوکان سے کافی دور پرے ہی چھوڑ دیا اور پیدل چل کر وہاں پہنچا اس کے تھوڑی دیر بعد جب میں دوکان سے رخصت ہوا تو دو لاکھ فرانک مالیت کے نوٹ میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں پڑے تھے۔ مگر ہوٹل پہنچکر ایک نیا اچنبھا دیکھنے میں آیا۔ نشست گاہ کا دروازہ کھلا اور بجلی لیمپ روشن تھا۔ ایک آدمی مجھے اندر آتا دیکھ کر کرسی سے اٹھا۔ میری آنکھیں اس سے چار ہوئیں۔ نظروں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہوٹل کی عمارت میرے سمیت تحت الثریٰ میں گری جاتی ہے۔ یہ آدمی موسیو لافوردر تھا۔ وہ میری آمد پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ "کہ موسیو لادینو کے مکان پر جو افسوسناک واقعہ پیش آیا اسکے بارے میں کچھ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں" میں نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے بیٹھنے کو کہا اور خود سوڈا ملی ہوئی وسکی کا گلاس غٹاغٹ چڑھا گیا۔ میں اپنی پریشانی کو چہرہ کی سنجیدگی میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ موسیو لافوردر نے مجھ سے کئی سوالات پوچھے جن سے ظاہر ہوا کہ مجھے بھی وہ کونٹ ڈی کساس اور چین والے کا ساتھی سمجھتا ہے۔ کیونکہ رخصت ہونے سے قبل میں چین والے کے پاس گیا تھا اور میری روانگی کے بعد جب اسکی جامہ تلاشی لی گئی تو موتیوں کی مالا برآمد نہ ہوئی تھی۔ اسوجہ سے پولیس مجھ پر شک کرنے میں حق بجانب تھی تو کیا پولیس کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ میں اشاآن بیرونن کے مکان پر گیا تھا؟ عین ممکن ہے کہ پولیس پہلے سے ہی اس آدمی کو جانتی ہو کہ وہ چوری کا مال خریدا کرتا ہے۔ میرے خدا اگر موتیوں کی مالا اُس سے برآمد ہو گئی ہو تو۔ موسیو لافوردر کے رخصت ہونے پر میں نے تمام رات انہی وسوسوں میں نہایت بے چینی سے بسر کی کبھی خیال ہوتا تھا کہ میں راتوں رات کہیں فرار ہو جاؤں۔ لیکن پھر یہ سوچکر کہ فرار کی کوشش میرے خلاف بدترین شبہات پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہو گی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ نتیجہ خواہ کچھ ہو مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ میں اپنے مقام کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں۔ اگلے دن چین والے نقاب پہن کر مجھ سے ملاقات کرنے آئی۔ اسکی حرکات و سکنات اسکا لب و لہجہ اور انداز تکلم مجھ سے اُس کی نفرت و بیزاری کے مظہر تھے۔ دوران بات چیت میں ایک مرتبہ ایسا معلوم ہوا کہ اگر بس چلے تو وہ میری جان لینے سے بھی دریغ نہ کرے گی۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ میری مخبری سے موسیو لافوردر نے اس کے عاشق کو گرفتار کیا تھا۔ میں یہیں تک سوچنے پایا تھا کہ ظالم نے پستول نکال کر مجھ پر فائر کر دیا۔ کئی دن تک زندگی اور موت کے درمیان لٹکتے رہنے کے بعد میں اس قابل سمجھا گیا کہ موسیو لافوردر کے سوالات کا جواب دے سکوں۔ بیگم میں نے قاتلہ کا نام صرف اس وعدہ پر بتایا کہ اس کے خلاف کسی قسم کی قانونی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ چین والے کا نام سُنکر موسیو لافوردر کے منہ سے کلمہ حیرت نکل گیا۔ کیونکہ اسے دوسرے جرم کی پاداش میں پیرس کی پولیس ملک بدر کر کے واپس امریکہ بھیج چکی تھی اور اب وہ اس کی دسترس سے باہر تھی۔ میری خوش قسمتی سے موسیو اور میڈم لادینو بخیال ہمدردی مجھے اپنے دیہاتی کوٹھی اور [illegible] میں لے گئے۔ میڈم لادینو کے دل میں میری محبت ذرہ برابر بھی کم نہ ہوئی تھی۔ میڈم لادینو کی صحبت میں کچھ دن میں نے کمال عیش و آرام کے ساتھ کٹے۔ یہانتک کہ جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ اور موسیو لادینو کو بھی رجمنٹ سے بلاوا آگیا۔ ان دنوں ملکی خدمت کا جذبہ زوروں پر تھا۔ میں نے اسی خیال کے زیر اثر اپنا نام بھی بھرتی کرا لیا۔ لگاتار دونوں ہفتوں۔ بلکہ مہینوں مجھ کو فوجی قواعد کی کڑی آزمائش سے گذرنا پڑا اور اس کے بعد میدان جنگ میں بھیجا گیا۔ میدان جنگ میں میں نے جو کارہائے نمایاں کئے تھے ان کی بدولت مجھے اعلیٰ فوجی درجہ دیا گیا۔ مگر ماں کے انتقال کی خبر سُنکر میں بالکل ہی دل برداشتہ ہو گیا۔ اس لئے چند یوم کی رخصت لیکر میڈم لادینو کے یہاں اور پھر چلا گیا۔ وہاں چند دن تو بڑے لطف سے کٹے۔ مگر روانگی سے ایک دن قبل خلاف اُمید اس کا شوہر واپس آگیا۔ اور ظالم نے ہمیں خلوت میں محو اختلاط دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا ہمارے تعلقات ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گئے۔ سنڈہرسٹ کے مقام پر بم پھینکنے کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں دوبارہ میدان جنگ میں بھیجا گیا لیکن کچھ دنوں بعد لیپانک ہال بے طرح زخمی ہو کر عالم بے ہوشی میں ہسپتال بھیجا گیا۔ ہسپتال میں کئی دن تک بیمار رہنے کے بعد جب میرے ہوش ٹھکانے ہوئے تو میں نے کیا دیکھا؟ جو کچھ دیکھا اس کا پہلے پہل آنکھوں کو یقین نہ آیا۔ لیکن دوبارہ آنکھیں مل کر دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی جمیمن میری طرح میدان جنگ سے زخمی ہو کر میرے سامنے بستر مرگ پر پڑا تھا۔ اور ایڈنا راہبہ کا لباس زیب تن کئے بطور نرس اس کی تیمارداری کر رہی تھی۔ جمیمن ایک مرد شہید کی طرح جاں بحق ہو گیا۔ اور میں پھانسی کے تختہ پر لٹکائے جانے کے لئے بچ رہا۔ ایڈنا سے میری ملاقات ہوئی وہ میری سچی پجارن تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں آئندہ نیکی کی زندگی اختیار کرونگا۔ بشرطیکہ تم اپنی زندگی کے بقیہ ایام میرے ساتھ گزارو مگر اس نے یہ کہتے ہوئے معذوری ظاہر کی کہ اب میرا وجود قوم کی امانت ہے اسلئے کہ میں راہبہ کی زندگی اختیار کر چکی ہوں۔

گذشتہ اشاعت سے آگے

انتیسواں باب (۲۹)

اس سے اگلے سال کا بیشتر حصہ میں نے پہلے نیٹلے اور بعدازاں آل ہنک کے ہسپتالوں میں گذارا۔ حتیٰ کہ آخرکار اکتوبر سنہ ۱۹۱۸ء میں جب مجھکو ہسپتال سے رخصت کیا گیا۔ تو میں ہر لحاظ سے تندرست و توانا تھا۔ کسی حیرت انگیز عمل جراحی کی مدد سے میرے پیٹ کے زخم سی دیئے جا چکے تھے۔ اور میرے شانہ میں بھی کچھ اس طرح کا جوڑ لگا دیا

تھا کہ اب مجھکو اپنا بایاں بازو استعمال کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی تھی۔ اسکے باوجود یہ امر واقعہ ہے کہ اب میں ایک سپاہی کی حیثیت سے فوج میں کام کرنے کے قابل نہ رہا تھا چند ماہ کے عرصہ قلیل تک میں آلڈرشاٹ کے مقام پر بعض ہلکے فرائض سرانجام دیتا رہا جسکے بعد ڈاکٹروں کی ایک کمیٹی نے بغور میرا جسمانی معاینہ کرنے پر اس بات کی سفارش کر دی کہ مجھے کمزوری صحت کی بنا پر فوج سے رخصت کر دیا جائے۔

اس طرح ۱۹۱۸ء کے موسم گرما میں میں پھر سے کارہ کہ اس قابل ہو گیا کہ اپنے منشا اور خیال کے مطابق آزاد زندگی بسر کروں۔ بات ظاہراً تعجب انگیز معلوم ہوگی لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ شروع شروع میں میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں؟ حالانکہ فوجی خدمات کی سرانجام دہی کے زمانہ میں میں سوچا کرتا تھا کہ اُدھر سے فارغ ہونے کے بعد میرے پاس کرنے کو بیشمار کام ہونگے۔ تاہم عملی طور پر میں نے حالات زمانہ کو بالکل ہی بدلا ہوا پایا۔ جنگ نے چار سال کے عرصہ قلیل میں ہی دنیا کے [illegible] انقلابات پیدا کر دیئے تھے۔ اور ان کے پیش نظر میرے لئے بھی اپنے خیالات و رجحانات میں ترمیم کرنے کی ضرورت تھی۔ [illegible] کچھ عرصہ میں نے کوہستان سکاٹ لینڈ میں بسر کیا۔ جہاں میں ایک فارغ البال دیہاتی امیر کی زندگی گذارا کرتا تھا لیکن اس قسم کی پرسکون زندگی مجھ ایسے آدمی کے لئے جسکی زندگی کا بیشتر حصہ پرجوش ہنگامہ آرائی میں گذرا ہو کوئی خاص دلچسپی نہ رکھتی تھی۔ جلد ہی طبیعت اکتا گئی اور میں نے دوبارہ لندن جا کر فیشن ایبل حصہ میں ایک مکان کرایہ پر لے لیا اور ایک سمجھدار نوکر کی خدمات حاصل کر کے رہنے لگا۔ اپنے سابقہ تجربات کی بنا پر میرے لئے کسی کلب کی ممبری حاصل کرنا کچھ بھی مشکل ثابت نہ ہوا اور میں تھوڑے عرصہ میں ہی ایک باحیثیت مرد شریف کی مانند رہنے لگا میرے متعلقین کی سفارش میری شہرت پھیلانے میں بہت کارگر ہوئی اور کچھ ان کی وساطت سے کچھ اس کلب کے ذریعہ سے جسکا میں ممبر بنا تھا میرا حلقہ احباب جلد ہی وسیع ہو گیا۔ جتنا روپیہ میرے پاس تھا وہ سب میں نے فائدہ بخش کاموں میں لگا دیا تھا۔ اس سے جو آمدنی ہوتی وہ والد کے چھوڑے ہوئے گذارہ کے ساتھ ملکر میرے لئے پانچ چھ ہزار پونڈ سالانہ مہیا کر دیا کرتی تھی اور یہ ہر لحاظ سے کافی تھی۔

یہ تمام باتیں یعنی روپے پیسے کی فراغت دوستوں اور آشناؤں کی کثرت فارغ البالی اور آزادی میری عمر کے بیشتر نوجوانوں کی تسکین کا ذریعہ ثابت ہو سکتی تھی۔ لیکن قدرت نے میرے مزاج میں کوئی انوکھا خمیر شامل کیا تھا۔ میں ان نوجوانوں سے بالکل مختلف اور علیحدہ تھا۔ جو کچھ عرصہ عیش و عشرت کی بے فکر زندگی بسر کر کے انجام کار شادی کر لیتے اور اعلیٰ سوسائٹی کے ایک فرد کی حیثیت میں آرام کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ دولت یا ثروت کی میرے پاس کمی نہ تھی نہ میں ان چیزوں کا متمنی تھا۔ البتہ جوش و ہنگامہ کی زندگی مجھ کو خاص طور پر مرغوب تھی۔ اور میں اسکے بغیر نہ رہ سکتا تھا خصوصاً اس طرح کی ہنگامہ خیز زندگی۔ جو بمقدار کثیر میں ناجائز طور پر دولت کمانے کا پہلو اپنے ساتھ لئے ہو۔ کچھ عرصہ تک ایڈنا کے حسرت آلود چہرہ کی یاد اور اُس کے اُن درد ناک الفاظ کی گونج نے جو ہر وقت مجھکو سنائی دیتے رہتے تھے مجھے راہ راست پر ڈالے رکھا۔ لیکن جب جنگ عظیم کا خاتمہ ہو گیا اور صلح کے بعد دنیا پھر ایک بار عام حالات کی طرف آنے لگی، تو میں نے بھی کئی ایک ہنگامہ خیز کاموں کی ترکیبیں سوچنی اور ان پر عمل کرنے کے ذریعوں پر غور کرنا شروع کر دیا اس طرح کے کاموں کے سلسلہ میں میرا واسطہ اکثر نوجوان عورتوں کے ساتھ پڑتا تھا اور یہ بات گو میرے حسن پرست مذاق کے عین مطابق تھی تاہم گاہ بگاہ میرے حق میں خرابیاں پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ثابت ہوتی تھی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ باشندگان انگلستان اہل یورپ کے مقابلہ میں عورت ذات کی عزت و حرمت کے متعلق جداگانہ خیالات رکھتے ہیں بلکہ ایک دو موقعوں پر میں مقدمات طلاق کی الجھن میں پھنستے پھنستے بچا۔ ورنہ ایسی تشہیر ہوتی کہ کہیں منہ دکھانے کے لائق نہ رہتا اسکے باوجود یہ امر واقعہ ہے کہ چند ماہ کے عرصہ میں کسی شخص کے دل میں کسی طرح کا شک و شبہ پیدا کئے بغیر میں اس قابل ہو گیا کہ معقول رقم کے متفرق زیورات ادھر اُدھر سے اُڑا کر انکی بنا پر کافی رقم پیدا کر سکوں۔

میرا طریقہ کار عام طور پر یکساں لیکن زیادہ تر حالات پر منحصر ہوتا تھا عام دستور یہ تھا کہ میں کسی عشوہ طراز حسینہ سے ناجائز تعلقات پیدا کرتا۔ ہماری ملاقاتیں چوری چھپے ہونے لگتیں۔ رفتہ رفتہ میں اس عورت کے عادات و حرکات سے واقف ہوتا۔ اور انجام کار اسی کے زیوروں پر ہاتھ صاف کرتا۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے میں اس بات کا خاص خیال رکھتا تھا کہ جو چیز مجھکو اُڑانی ہے وہ ایسے طریقہ پر اور ایسے وقت میں اُڑائی جائے کہ شبہ کا بوجھ کسی دوسرے ہی آدمی پر پڑے۔ کئی مواقع اسی طرح کے بھی پیش آتے کہ عورت کی اپنی بے پروائی میری ہی کامیابی کا ذریعہ بن جاتی۔ اس طرح کے موقعوں پر مجھے یہ دیکھنے کا بھی اتفاق ہوتا کہ عورتیں اپنے زیورات کے معاملہ میں کس قدر غفلت اور بے پروائی سے کام لیتی ہیں۔

جو کچھ میں نے ان ایام میں کیا۔ کوئی ماہر فن چور لازمی طور پر اس کو بے حقیقت و حقیر سمجھے گا۔ میں خود اپنے کارناموں کی عظمت کا قائل نہیں ہوں لیکن اتنا پھر بھی کہہ سکتا ہوں کہ اس چند ماہ کے عرصہ میں کہ میں نے یہ طریق کار جاری رکھا۔ زیادہ نہیں تو پندرہ بیس ہزار کے زیورات میرے ہاتھ آ گئے۔

جنکو میں نے ایک بنک کی تجوری کرایہ پر لیکر بحفاظت اسکے اندر رکھ دیا۔ میرے یہ کارنامے زیادہ تر جہازات میں ہوا کرتے تھے۔ جہاں بعض دعوتی جلسوں کے سلسلہ میں جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ لندن میں مجھے اس قسم کے موقعے بہت کم ملتے تھے اس سلسلہ میں ایک نہایت معقول رقم مجھے اُن زیورات سے حاصل ہوئی۔ جو میں نے ایک دولتمند حسینہ سے اُڑائے تھے جسکی شادی ایک مالدار دلال کے ساتھ ہو چکی تھی۔

لیکن رفتہ رفتہ میں اس طریق زندگی سے اُکتا نے لگا میری پہل کامیابی اور سابقہ فتوحات کی یاد میری حرص کو بڑھانے کا ذریعہ بنی۔ اسی عرصہ میں ہوتے ہوتے ایڈنا کی التجائیں میرے ذہن سے بالکل ہی خارج ہو گئی تھیں اور میں بہت کم اسکی باتوں کا خیال کرتا تھا۔ اب جو میں سوچتا ہوں تو بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ قدرت کو اس میں بھی کچھ بہتری ہی مطلوب تھی کہ وہ میری التجاؤں کے باوجود رہبانیت کی زندگی چھوڑ کر میرے پاس آنے پر رضامند نہ ہوئی گو اسکے ساتھ یہ بھی ممکن ہے ...... لیکن اب ان باتوں پر غور کرنا بعد از وقت ہوگا کہ میں نے کیا کیا یا کیا کرنا چاہیئے تھا۔ قدرت کو جس طرح منظور تھا اسی طرح ہو گیا اس میں میرے یا کسی دوسرے کے بس کی کوئی بات نہیں

آخر کار میں وہ سارا مال لیکر ایک دن مارسیلز میں پیری شرمون کے پاس گیا جسکی نسبت اس سرگذشت کے پڑھنے والوں کو یاد ہوگا کہ اُس نے بیشتر موقعوں پر ایسی چیزیں خرید کر میری امداد کی تھی۔ اس نے سارے مال کے پانچ ہزار پونڈ مجھکو دئے۔ دوران گفتگو میں اس نے میری ملاقات پر اظہار مسرت کیا۔ اور اس بات کی مبارکباد دی کہ میں جنگ کی آگ سے صحیح سلامت نکل آیا۔ خاتمہ پر میں نے اُسے بتایا کہ میں عنقریب اس کاروبار کو چھوڑنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ لیکن ایک دوست کی حیثیت میں اس نے مجھکو اپنے دو ہم جلیسوں کے پتے اور دئے جن میں سے ایک مارسیلز ہی میں رہتا تھا اور دوسرا اینٹورپ میں۔ اور جنکی نسبت اسکو پورا یقین تھا کہ وہ میرے ہر ایک معاملہ کو پوشیدہ رکھ سکیں گے۔ ادھر سے فارغ ہو کر میں نے سوچا کہ فی الحال انگلستان نہ جانا چاہیئے۔ تاکہ جن عورتوں سے میرا واسطہ پڑ چکا تھا اُن سے از سر نو ملاقات نہ ہو اور وہ رفتہ رفتہ مجھکو بھول جائیں۔ اُن میں سے دو نے میرے نام بڑی پُرجوش چٹھیاں لکھیں جو مختلف مقامات پر ہوتی ہوئی مجھکو موصول ہو گئیں۔ میں نے اُن کا جواب تو دے دیا لیکن کوئی ایسی بات نہ لکھی جو میرے مستقبل کے ارادوں پر روشنی ڈالنے والی ہوتی۔ خاتمہ پر میں نے اُن کو تحریر کیا کہ میں دو ایک سال کے لئے سیاحت کرنے جا رہا ہوں۔

دو تین ماہ کا عرصہ میں نے ریویرا میں گذارا۔ اسکے بعد مجھکو کوئی خاص کام درپیش نہ تھا یوں ہی پھرتا پھراتا مزے کی زندگی بسر کرتا رہا اور اسکے بعد ممالک متحدہ امریکہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ جہاز پر سوار ہونے کی غرض سے میں جب مارسیلز پہنچا تو انہی دنوں ایک امریکن مرد و عورت کے خلاف عدالت سیشن میں مقدمہ چل رہا تھا جس سے لوگ غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ مرد و عورت پیشہ ور بکر و دھوکے باز ہیں۔ انہوں نے کئی فرضی تجویزیں پیش کر کے لوگوں کو بیشمار روپیہ اُن پر لگانے پر آمادہ کیا اور سب کا سب آپ ہضم کر گئے تھے۔ میں بھی پھرتا پھراتا عدالت جا پہنچا اور اسجگہ پہلی مرتبہ ملزم عورت حسینہ لیسن کی صورت دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

بادی النظر میں یقین نہ آتا تھا کہ وہ جرائم پیشہ ہوگی۔ وہ ایک دبلی پتلی کامنی سی عورت تھی بڑی بڑی نیلگوں آنکھیں اور اُسکا حسن پہاڑ کی چوٹی پر پڑی ہوئی برف کی مانند پاک تھا جسم میں شباب کی لطافت اور آنکھوں کو مسحور کرنیوالی رعنائی تھی۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران میں بار ہا میں نے دیکھا کہ اس ظاہرا البڑ نازنین کے خوشنما باریک ہونٹوں پر نفرت کا بل پڑ جاتا اور وہ انداز حقارت سے اپنے ساتھی مرد کی طرف دیکھنے لگتی جسکی حالت اس سے بالکل ہی مختلف تھی۔ دونوں کے انداز کا تفاوت دیکھ کر عام لوگ عورت کو سراسر بے خطا سمجھنے لگے تھے لیکن مجھ ایسے مرد جہاں دیدہ کیلئے یہ معلوم کرنا ذرا بھی مشکل نہ ہوا کہ بظاہر بھولی اور پاکباز ہوتے ہوئے یہ سنولائی ہوئی رنگت کی انیس یا بیس سال کی کمسن حسینہ اتنی پاکباز نہیں ہو سکتی۔ جتنا لوگوں کا خیال ہے۔ جب تک مرد کے خلاف کاروائی ہوتی رہی عورت نے اس میں کوئی دلچسپی نہ لی لیکن جب اسکا اپنا وکیل صفائی کی تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا اور اُس نے اُسکی کمسنی اور ناتجربہ کاری کا حوالہ دیتے ہوئے اُسکی بیگناہی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ تو اُس مست ناز کے ہونٹ بھی کانپنے لگ گئے اور بجلی کی طرح چمکتی آنکھوں میں آنسوؤں کی بوندیں پیدا ہو گئیں۔ مگر جو میں نے دیکھا کہ اُس کا ایک ایک عضو۔ ایک ایک حرکت اور انداز کی ہر ایک تفصیل اس کے فرومایہ اصل اور روباہ خصال ہونے پر دلالت کرتی تھی۔ اُسکی مکر آمیز تیز رفتار آنکھیں ایک پل کے لئے سکون پذیر نہ ہوتی تھیں۔ اور اسکے چہرہ پر دہشت کے آثار عظیم ہویدا تھے۔ مرد کو اس طریقہ پر اپنے خلاف شبہات پیدا کرتے دیکھ کر اس نازنین کو جو نفرت اور حقارت اس سے ہونے لگی تھی۔ میں اسکو پیش آمدہ حالات میں قابل معافی تصور کرنے لگا۔

جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ وکیل صفائی کے خیالات بھی اُن کے مجرم یا بے گناہ ہونے کے سوال کے متعلق میرے خیالات سے ملتے جلتے تھے۔ کیونکہ اس نے اپنی تمام تر کوشش اس عورت کے بچاؤ پر صرف کر دی تھی۔ اور جیسا کہ ملک فرانس کا دستور ہے ایسا کرتے ہوئے اس نے ممبران جیوری کے جذبات کو اُکسانے اور اُن کے سینوں میں درد اور رحم کا

احساس پیدا کرنے کا طریقہ اختیار کیا جس وقت وہ تقریر کر رہا تھا تو وہ زاہد فریب حسینہ ساتھ ساتھ روتی چلی جاتی تھی اور ایک تماشائی کی حیثیت میں میں یہ دیکھے بغیر نہ رہ سکا کہ عورت کا یہ افسوں جیوری کی بنچوں پر بیٹھے ہوئے مردان شجاع کے سینوں میں جوش کا کتنا طوفان عظیم پیدا کرنے لگا ہے۔ ایک کو میں نے خصوصیت کے ساتھ دیکھا کہ اسکے اپنے آنسو بہنے لگے تھے۔ اس حالت کو دیکھ کر میرے لئے اس نتیجہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کہ مرد کو خواہ کتنی ہی سزا ہو جائے عورت یقینی طور پر بریت حاصل کرلے گی اور میرا یہ اندازہ جلد ہی صحیح ثابت ہوا۔ مرد کی جو اس کا ماموں کہلاتا تھا (گو خدا کو ہی بہتر معلوم ہے کہ دونو کے تعلقات باہمی کیا تھے) چار سال قید سخت کی سزا ہوئی لیکن عورت کو بری کر دیا گیا!

دفعۃً ایک خیال میرے دل میں پیدا ہوا فیصلہ سننے کے بعد میں کمرہ عدالت سے باہر نکل کر اس انتظار میں کھڑا ہو گیا کہ وہ بھی باہر آجائے تو میں اس سے ملوں۔ گو میں سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ میری باتوں سے متاثر ہوگی یا اسکے برعکس مجھ سے نفرت کرنے لگے گی۔ بڑی دیر تک وہ باہر نہ نکلی لیکن انجام کار میں نے اسے دیکھا عدالت کی سیڑھیوں سے اتر کر ایک لمحہ کیلئے کھڑی ادھر اُدھر دیکھتی رہی گویا سوچ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا اور کدھر جانا چاہیئے بہت سے تماشائی جو اس طرح کے موقعوں پہ عورت کی ذات سے دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ اس کے آس پاس منڈلاتے پھر رہے تھے۔ مگر کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ آگے بڑھ کر کوئی بات اس سے کہتا۔ میں کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ کس طریقہ پر اس سے آغاز گفتگو کروں کہ اتنے میں ایک مرد نے اس سے کوئی اوچھا مذاق کیا۔ اور بعض عورتوں نے جو اس کے پاس کھڑی تھیں "چھی! چھی!" کی آوازیں نکالنی شروع کیں۔ اس سے وہ موقع مجھے مل گیا جسکی تلاش تھی ایک کرایہ کی ٹیکسی طلب کر کے میں نے اپنے ہاتھ سے اُسکی کھڑکی کھولی اور اس آہو نگاہ حسینہ سے اس کے اندر بیٹھنے کی درخواست کی۔ آپ میری حیرت کا اندازہ کر سکتے ہیں جب وہ بغیر کسی تامل کے اُس میں سوار ہو گئی۔ میں بھی اندر جا کر اُسکے پہلو میں بیٹھ گیا اور شوفر کو اپنے ہوٹل کا پتہ دے کر اس طرف لے چلنے کو کہا

تھوڑی ہی خاموشی کے بعد وہ خود ہی کہنے لگی "کیا آپ محکمہ پولیس کے آدمی ہیں۔ آخر آپ کہاں مجھکو لیجانا چاہتے ہیں؟" یہ الفاظ اس نے شکستہ فرانسیسی زبان میں کہے تھے۔ مجھے اُن کو سن کر بے اختیار ہنسی آگئی۔ انگریزی میں میں نے جواب دیا۔

"میں پولیس کا آدمی نہیں ہوں اور محض اسی خیال سے آپ کو ساتھ لایا ہوں کہ مجھے علیحدگی میں کچھ باتیں آپ سے کرنی تھیں۔ چونکہ میں نے دیکھا خلقت کا ہجوم آپ کو ستانے پر آمادہ تھا اسلئے میں نے ٹیکسی کرایہ کر لی"!

اسکی موٹی سیاہ آنکھیں چھلکتے ہوئے پیمانہ سے ملتی جلتی حیرت سے چوڑی ہو گئیں طنز آمیز لہجہ میں کہنے لگی۔

"آدمی تو بڑے حوصلہ مند نظر آتے ہو" اسکا لہجہ خالص امریکن اور آواز میں ہلکی سی گلوگرفتگی پائی جاتی تھی جو مجھے غیر معمولی دلکش معلوم ہوئی "کم از کم اتنا تو بتا دو کہ تم کس بارہ میں مجھ سے گفتگو کیا چاہتے ہو؟"

"ذرا ہوٹل پہنچنے تک انتظار کرو پھر میں سب حال بیان کر دونگا"۔

"اوہو تو کیا آپ مجھکو ہوٹل لئے جاتے ہیں؟" وہ کسی طرح کا اضطراب ظاہر کئے بغیر کہنے لگی "معاملہ لحظہ بلحظہ دلچسپ ہوتا جا رہا ہے لیکن کیا میں دریافت کر سکتی ہوں کہ آپ کسی قیدی سدھار سوسائٹی یا انجمن اصلاح بدکاراں کے ممبر ہیں۔ یا کیا؟......"

"یہ بات نہیں"۔

"تو پھر کیا آپ مجھ سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"یہ بھی نہیں"۔

"تو آخر آپ کون بلا ہیں؟ اور مجھے کس مطلب کے لئے ہوٹل لئے جاتے ہیں؟"

مجھے اسکا حیرت انگیز سکون دیکھ کر بڑا تعجب ہوا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اسکی ہر ادا تعجب خیز تھی چھریرے بدن کی نازک اندام حسینہ جسکے بالوں کی رنگت سنہری اور گلے میں خوشنما کاٹ کا نیا سوٹ تھا اس کی ہر بات میں تہذیب و شائستگی کی جھلک پائی جاتی تھی خد و خال چھوٹے لیکن ہموار مگر سب سے زیادہ پُرکشش اسکی پُرہوس آنکھیں تھیں۔ اس طرح کی مست سیاہ آنکھیں جنکے اندر چشم غزال کی نمکین نرمی پائی جاتی تھی۔

"دراصل میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ اسکو منظور کریں" آخر کار میں نے اسکو بتایا۔

وہ تھوڑی دیر شک آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر تیز لہجہ میں بولی "آپ موٹر رکوائیں میں آگے نہ جاؤں گی۔ میرا ارادہ یہیں اتر جانے کا ہے"۔

"خدا کے لئے بدگمانی نہ کیجیئے" میں نے اسکو نرم لہجہ میں سمجھایا "میں خدانخواستہ آپکا دشمن نہیں ہوں اور نہ کسی طرح کا گزند پہنچانا چاہتا ہوں۔ آخر میری بات سن لینے میں کیا ہرج ہے اگر سب کچھ سن لینے کے بعد آپ میری ہمخیال نہ بن سکیں تو میری طرف سے کسی قسم کا اعتراض نہ ہوگا اس کے بعد آپ خوشی سے رخصت ہو سکتی ہیں"۔

"لیکن ابھی مجھکو اتنا بھی تو معلوم نہیں کہ آپ کون ہیں" اس پر میں نے اپنا چھپا ہوا کارڈ نکال کر اُسے دیا اُس نے باواز بلند اسکو پڑھا "کپتان جعفری پنسر" "مگر اس سے کونسی نئی بات مجھکو معلوم ہو سکتی ہے؟"

"سنئے میں آپکو بتاتا ہوں سا ایک زمانہ میں میں فوج میں کام کرتا تھا

لیکن بعد ازاں زخمی ہونے کی وجہ سے علیحدہ ہو گیا۔ فی الحال میں کوئی کام نہیں کرتا۔ میری زندگی آرام و فراغت سے بسر ہوتی ہے اور میں جدھر جی چاہے چلا جاتا ہوں۔"

"میں سمجھی" اس نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا: "آپ ایک مرد فارغ البال ہیں"

"جس طرح آپ کا جی چاہے کہہ لیجئے" میں نے کہا۔

اتنے میں موٹر ہوٹل کے دروازہ کے پاس پہنچ کر کھڑی ہو گئی تھی، ہم دونوں اُترے۔ دروازہ میں قدم رکھتے وقت اس نے تھوڑی سی ہچکچاہٹ کی لیکن اس کے بعد بلا تامل چلتی میرے ساتھ نچلی منزل کے بڑے کمرہ میں چلی گئی۔ میں نے ایک خالی کونہ تلاش کر کے اُسے اپنے بالمقابل بٹھا لیا اور ایک ملازم کو قہوہ لانے کا حکم دیا۔ وہ جب لا کر رکھ گیا تو اس کے رخصت ہو جانے کے بعد میں نے میز کے اُوپر سے جھک کر دبی آواز میں اُس سے کہا۔

"جو کچھ میں بیان کیا چاہتا ہوں۔ وہ اس قابل نہیں کہ کوئی دوسرا سن لے۔ اسلئے اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میرے نجی کمرے میں تشریف لے چلئے۔ وہاں ہم دو کے سوا اور کوئی موجود نہ ہوگا۔"

"نہیں!" اس نے فیصلہ کن لہجہ جواب دیا: "آپ جو کہنا چاہتے ہیں اسی جگہ کہہ ڈالئے میں آپ کے کمرہ میں نہ جاؤنگی۔"

"بہت اچھا جس طرح آپ کی مرضی۔ لیکن اس صورت میں ہم کو دبی آواز سے گفتگو کرنی پڑیگی۔"

"یہ تو بڑا پُر اسرار معاملہ ہے۔" وہ کہنے لگی: "تاہم بیان کیجئے میں کچھ بھی تو سکوں کہ بات کیا ہے۔"

"سب سے پہلے میں ایک یا دو سوالات پوچھا چاہتا ہوں۔"

"جن کا جواب دینا یا نہ دینا میرے اپنے فیصلہ پر منحصر ہے۔"

"میں بہرحال آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔ مگر سُنئے۔ وہ آدمی جس پر آپ کے ساتھ مقدمہ چلایا گیا اور جو سزایاب ہُوا ہے۔ کیا درحقیقت آپکا ماموں تھا؟"

وہ گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی پھر تند لہجہ میں بولی:

"تھا تو! مگر تمہیں اس سے کیا؟ اور میری اپنی آرزو یہ ہے کہ نہ ہوتا۔ اتنا بزدل آدمی کبھی میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔"

"تمہارے جواب نے میرے خیالات کی تصدیق کر دی۔" میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا: "اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس شراکت کی سرکردگی تمہارے ہی ذمہ تھی۔"

وہ کرسی سے اُٹھنے کی کوشش کرنے لگی اور ساتھ ہی شکی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"آخر تم کون ہو اور تمہیں اس طرح کے سوالات پوچھنے کا کیا حق حاصل ہے؟"

"خدا کے لئے ہر قسم کی دہشت دل سے نکال دو۔" میں نے اس کو تسلی دی۔ "میں کوئی افسر پولیس نہیں ہوں کہ اس طریقہ پر تمہارا راز معلوم کرنے کی کوشش کروں۔ سچ پوچھتی ہو تو میرا اپنا کاروبار وہی ہے جو تم لوگ کیا کرتے تھے۔"

بڑی دیر تک وہ گہری متجسس نظروں سے میرے منہ کو تکتی رہی۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ اس کی بدگمانی دور ہوئی اور وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"آہ یہ بات ہے کیا؟ کیا میں جان سکتی ہوں کہ تم کون سی تجارت کیا کرتے ہو؟"

"جس کام میں نفع ہو۔" میں نے جواب دیا "جعلسازی، چوری، تاش کے کھیل میں دوسروں کو ٹھگنا وغیرہ۔"

پھر ایک بار اس کی آنکھوں میں شک کے آثار پیدا ہو گئے۔ کہنے لگی۔

"ابھی تم کہہ رہے تھے کہ میں حال ہی میں فوج سے علیحدہ ہوا ہوں کیا اب جتلانا چاہتے ہو کہ یہ سب کھیل تم نے چند ماہ کے اندر سیکھ لئے ہیں؟"

"یہ بات نہیں۔ میں نے فوج میں شامل ہونے سے بیشتر دو تین سال کافی نفع کمایا تھا۔ اس کے بعد حالات کی مجبوری سے فوج میں داخل ہونا پڑا۔"

"اچھا پھر؟"

"پھر اب تم بتاؤ۔ اس ماموں کے سوا اور بھی کوئی تمہارا حصہ دار تھا؟"

"لیکن میں نے اب تک یہ تو نہیں مانا کہ میں خود اس قسم کا کام کرتی تھی۔ کیا اپنے آپ تم نے سمجھ لیا؟"

"اچھا میں اپنے سوال کو دوسرے لفظوں میں پوچھتا ہوں۔ کیا تمہارے ماموں کا کوئی حصہ دار تھا؟"

"نہیں!"

"بہت اچھا۔ لیکن بفرض محال تم بھی اس کی شریک کار ہوتیں۔ تو کس طرح عمل کرتیں؟"

"یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر میں نے آج تک غور نہیں کیا۔ کیونکہ اسکی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔"

"چلئے یہ بھی میں نے مان لیا۔" اس کے بعد پھر ایک بار اس کی طرف جھک کر میں نے دبی آواز میں کہا: "اب سنئے میری یہ تجویز ہے کہ آئندہ کے لئے ہم دونوں حصہ دار بن کر کام کریں۔"

اب پھر اس نے گہرے تجسس سے میرے منہ کو دیکھنا شروع کیا لیکن جب میں نے بھی بڑے استقلال کے ساتھ اس کی نگاہ کا جواب دیا تو انجام کار اسکو آنکھیں جھکا لینی پڑیں اور میں نے دیکھا وہ حالت فکر میں اپنی نازک سپید انگلی سے میز پوش پر فرضی تصویریں بنانے لگی۔ تھوڑی دیر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد دفعتاً گردن اُٹھا کر بولی۔

"میرے پاس یہ معلوم کرنے کا کونسا ذریعہ ہے کہ جو کچھ تم نے اس وقت

تک بیان کیا، بالکل صحیح ہے ؟"

"میں نے اس اعتراض کا پہلے ہی خیال کر لیا تھا" کیا تم بیری شرٹین نام کے ایک آدمی سے واقف ہو؟"

"واقف! میں اس طرح اس کو جانتی ہوں گویا میرا قریبی رشتہ دار ہو۔ پاپا شرٹین! وہ کیا مجھ سے بھولا ہے؟"

"بس تو ہوگیا۔ اس کے ساتھ میری ایک زمانہ کی معاملت ہے اور وہ مجھ کو پوری طرح جانتا ہے۔ اس سے پوچھ لینا۔ اگر وہ میرے بیان کی تصدیق کر دے پھر تو تمہارا اطمینان ہو جائے گا۔"

"میرا اطمینان ہوگیا" وہ کہنے لگی "تم یقیناً اس آدمی سے واقف نہ ہوتے اگر تمہارا تعلق ہماری جماعت کے ساتھ نہ ہوتا" پھر وہ مسکراتے ہوئے بولی "اب سارا بھید ظاہر ہو چکا اب میں بھی ہر ایک بات سیدھی اور صاف کیا چاہتی ہوں۔ اگر میری تمہاری شراکت ہو تو جواب دو مجھے کیا ملے گا؟"

"ہر کام میں ہم دونوں کا نصفا نصف ہوگا"

"یہ تو میری امید سے بھی زیادہ ہے۔ وہ بڈھا...... میرا ماموں ہر کام مجھ سے کراتا اور نفع کا مالک آپ بنا کرتا تھا۔ میرے لئے اس نے صرف تھوڑا سا جیب خرچ مقرر کر رکھا تھا۔ گو میں یہ بات اس کے حق میں کہنا چاہتی ہوں کہ اس نے کبھی مجھ کو پوشش کے معاملہ میں تنگی نہیں دی۔"

"کیا ماموں کا ذکر کرتی ہو؟"

"ہاں اُسی بڈھے حیوان کا۔ اگر وہ میرے کہنے پر چلتا تو آج ہم دونوں کیلئے اس مشکل کا سامنا نہ ہوتا۔ بڑے فائدہ کا سودا تھا۔ لیکن خدا اس کو غارت کرے۔ اپنی کم عقلی سے اس کو بگاڑ بیٹھا۔"

"میں نے عدالت میں اسے دیکھا ہے۔ بہت سہما ہوا نظر آتا تھا۔"

"سہما ہوا! تم اس کے عادات سے واقف نہیں ہو۔ بہرحال میں دست بدعا ہوں کہ پھر اس کی منحوس صورت دیکھنی نصیب نہ ہو۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے والدین کہاں رہتے ہیں؟"

"اگلے جہاں میں! ورنہ میں اس دنیا میں یوں ماری ماری نہ پھرتی۔ میں ابھی چھوٹی ہی تھی کہ دونوں چل بسے۔ ماموں پہلے دن سے اس پیشے کا ماہر تھا۔ اسی نے مجھ کو بھی تربیت دی۔ گو میرا خیال ہے کہ میں چھوٹی عمر میں ہی کسی زیادہ تعلیم کی محتاج نہ تھی۔"

"تمہارا کوئی بھائی یا بہن اور بھی ہے؟"

"نہ کوئی بھائی۔ نہ بہن۔ نہ اس مردود ماموں کے سوا کوئی اور رشتہ دار... کم از کم جہاں تک مجھ کو علم ہے۔"

"اچھا تو میری تجویز کے بارہ میں کیا فیصلہ کرتی ہو؟"

اس نے جواب دینے سے پہلے پھر ایک بار میری طرف دیکھ لینا ضروری سمجھا اس کے بعد بولی۔

"میں تیار ہوں" میں نے ہاتھ آگے نکال کر اس کا ہاتھ اس میں لے لیا۔ اور وہ تقریر جاری رکھ کر کہنے لگی "اب چونکہ ابتدائی باتیں ہو چکیں اسلئے اگر چاہتے ہو تو میں تمہارے کمرہ میں چلنے کو تیار ہوں۔ اس جگہ کئی آدمی آ جا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کوئی سن لے۔"

میں اُسے ساتھ لے کر بالائی منزل پر اپنے کمرہ میں گیا۔ جہاں میرا نوکر میرے سامان کی جھاڑ پونچھ کرتا پھر رہا تھا۔ میں نے فوراً اُسے رخصت کر دیا تاہم وہ فکرمند لہجہ میں بولی۔

"اگر تم میرے ساتھ مل کر کوئی کام کیا چاہتے ہو تو پھر ایسے آدمیوں کو پاس رکھنے کی حاجت نہیں۔ میں ان سے بہت گھبراتی ہوں۔"

"میں نے پہلے ہی اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ لنڈن چلا جائے۔ میں نے ایک مکان وہاں کرایہ لے رکھا ہے وہ اس کی دیکھ بھال کریگا۔ فی الحال میرا ارادہ امریکہ جانے کا تھا۔"

"میں خود بھی وہیں جاؤں گی۔"

اس کے بعد قریباً ایک گھنٹہ ہم میں بے تکلفانہ باتیں ہوتی رہیں۔ اس نے اپنے حالات بیان کئے۔ میں نے اپنے کارنامے سنائے۔ اور اس طرح بے تکلفی پیدا کر کے ہم نے اشتراک کی شرطیں بھی طے کیں۔ وہ ہر ایک معاملہ کو مکمل صورت میں منظم کرنا چاہتی تھی۔ اور مجھے جلدی ہی معلوم ہوگیا کہ گو دیکھنے میں بھولی۔ لیکن درحقیقت بڑی سیانی اور تجربہ کار عورت ہے۔ آخری فیصلہ یہ ہوا کہ ہماری روانگی تک وہ اسی ہوٹل میں قیام کرے۔ چنانچہ اُسی وقت وہ اپنا سامان لینے چلی گئی۔ لیکن رخصت ہونے سے پیشتر وہ اپنی خوشنما پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہنے لگی۔

"اچھا یہ تو بتاؤ ہمارے تعلقات باہمی کیا ہونگے؟ کیا یہ امید رکھتے ہو کہ جس طرح مرد و عورت کے اشتراک میں عموماً ہوا کرتا ہے۔ میں بھی ویسے ہی تعلقات رکھنا منظور کروں گی؟"

میں اس کا اشارہ سمجھ تو گیا تاہم میں نے انجان بنکر پوچھا "یعنی کیا؟"

"تم تو اس طرح بھولے بنتے ہو گویا ابھی ماں کا دودھ پیتے ہو" وہ حقارت آمیز لہجہ میں بولی "تم نے سمجھ لیا ہے کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔ پھر بات کو زیادہ کھلوانے کا کیا فائدہ؟"

مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ بہرحال میں نے کہا۔

"یہ تو تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہمیں آپس میں کسی نہ کسی قسم کا رشتہ قائم کرنا پڑے گا۔ مگر اس کی نوعیت کا فیصلہ میں تمہیں پر چھوڑتا ہوں۔"

سفید پانی کی بیمار عورتیں

جو عورتیں سفید پانی کی بیماری میں مبتلا ہیں یعنی وقت بے وقت زردی مائل یا سفید رطوبت اُن کے خفیہ جسم سے نکلتی رہتی ہے وہ اپنی بھری بھری جوانی کو چند روز میں خاک کر دیتی ہیں کیونکہ سفید پانی کی بیماری سے غفلت برتنا اور اس کا علاج نہ کرنا بے حد خطرناک ہوتا ہے۔ یہی سفید رطوبت دراصل جوانی اور شباب کا جوہر ہوتا ہے جو رفتہ رفتہ بدن سے خارج ہو جاتا ہے اور عورت کو بیکار کر دیتا ہے۔ اس بیماری کے شروع میں عورت کے تمام بدن میں بے کلی اور پنڈلیوں۔ کمر۔ ناف کے نیچے میٹھا میٹھا درد ہوتا ہے۔ پھر سر چکرانے لگتا ہے۔ کام کی زیادتی یا چلنے پھرنے سے بے حد تکان اور کمزوری محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس کے بعد ماہواری ایام میں کچھ ایسی گڑبڑ پڑتی ہے۔ جو بعض اوقات عورت کی صحت کا بالکل ہی خاتمہ کر ڈالتی ہے۔ بس ایسی حالت میں اس سفید بیماری (یعنی سیلان رحم) سے عورت کو غفلت ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

سفید پانی کو روکنے کی ترکیب اگر کوئی عورت سیلان رحم کی مریض ہے۔ اور اس کے خفیہ جسم سے سفید پانی یا رطوبت نکلتی رہتی ہے تو اس کو روکنے اور اس کا علاج کرنے کی سب سے آسان۔ اور سب سے سستی ترکیب یہ ہے کہ وہ ایک شیشی دوا "**روک**" استعمال کرے یہ دوا تقریباً بارہ سال سے تجربہ میں آرہی ہے اور سیلان رحم کی بیماری کو تیسرے دن ختم کر دیتی ہے ہزارہا عورتوں نے اس دوا کے ذریعہ اس بیماری سے نجات حاصل کی ہے۔ دوا شروع کرنے کے تیسرے دن ہی مریضہ بول اٹھتی ہے کہ دوا روک نے کتنی جلدی اسے صحت کا یقین دلایا۔ کیونکہ استعمال شروع کرنے کے تیسرے روز سفید رطوبت کا خارج ہونا بند ہو جاتا ہے۔ اور پھر پوری شیشی ختم ہونے تک مرض کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ بس جن عورتوں کو سفید پانی کی بیماری ہو انہیں چاہیے کہ اپنی جوانی کی حفاظت کریں اور **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۲۸ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر دوا روک کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا کر استعمال کریں۔ سفید رطوبت سے نجات مل جائے گی ایک شیشی دوا روک کی قیمت صرف تین روپے ہے اور سات آنے محصول پارسل لگتا ہے۔

عورت کا سینہ

بچوں کو زیادہ دودھ پلانے سے یا اور کسی بیماری یا بے احتیاطی سے بعض اوقات عورت کا سینہ (یعنی پستان) بہت نرم اور ڈھیلے پڑ کر نیچے کو ڈھلک جاتے ہیں۔ اور اس طرح عورت کی ظاہری جوانی ختم ہو جاتی ہے عورت کے ظاہری حسن کے لئے اس کے سینہ کو بھی جوان ہونا ضروری ہے اگر نرم اور نیچے کو ڈھلکے ہوئے پستان پر مشہور دوا "**برسٹین**" کا استعمال کیا جائے تو یہ ثمر شباب (یعنی پستان) پھر از سر نو گول اور سخت ہو جاتے ہیں اور عورت پھر نوجوان لڑکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگر گود میں بچہ ہو اور وہ دودھ پیتا ہو تب بھی کوئی ہرج نہیں۔ دوا نقصان نہیں کرتی۔ اس زمانہ میں بھی دوا "برسٹین" استعمال ہو سکتی ہے۔ پستان کو دوبارہ سخت اور گول کرنے کے لئے یہ دوا سالہا سال سے مشہور ہے۔ ایک شیشی کی قیمت چار روپے پندرہ آنے (محصول ڈاک سات آنے) منگانے کا پتہ:-

لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۲۸ دہلی

اولاد مت ہونے دو

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ بچوں کی کثرت سے مرد پریشان ہو جاتا ہے یا عورت کی تندرستی زیادہ بچے پیدا کرنے سے خراب ہو جاتی ہے تو ایسی حالت میں عورت کو چاہیے کہ کچھ عرصہ کے لئے اولاد کا پیدا کرنا بند کر دے تاکہ اس کی تندرستی پھر ٹھیک ہو جائے اس کی ترکیب یہ ہے کہ ایک شیشی دوا "**رومیل**" منگا کر عورت اپنے پاس رکھ لے اور خاص وقت سے پہلے اس دوا کی ایک خوراک کھا لے حمل نہ ٹھہر سکے گا۔ چنانچہ جب تک یہ عمل رہے گا عورت کو حمل نہیں ٹھہر سکتا۔ اور جب اس دوا کا استعمال ترک کر دے گی حمل ٹھہر جانا ممکن ہے۔ اس دوا سے عورت کی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا ایک شیشی میں اسی مرتبہ استعمال کے لائق دوا ہوتی ہے اس کی قیمت چار روپے آٹھ آنے ہے اور محصول ڈاک گیارہ آنے لگتا ہے

لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۲۸ دہلی

کو خط لکھ کر بذریعہ وی پی منگا لیجیے۔

"اگر یہ بات ہے تو میرا فیصلہ سُن لو" اس نے فوراً جواب دیا "ہم بہن بھائی بن کر رہیں گے"

غرض اسی طرح بھائی اور بہن کی حیثیت میں ہم امریکہ گئے۔ میری اپنی خواہش تھی کہ اس سے زیادہ قریبی رشتہ قائم ہوتا لیکن میں نے جلدی ہی معلوم کر لیا کہ وہ اُن عورتوں میں سے نہیں ہے جو کسی میل و محبت کے بغیر ذرا سی تحریک پر مردوں کے سامنے زیر ہو جاتی ہیں۔ اس کو راہ راست پر لانے کیلئے لمبے انتظار و استقلال کی ضرورت تھی۔ جہاز پر سفر کرتے ہوئے میں نے پھر ایک بار تاش کا پرانا کھیل شروع کر دیا۔ اور رستہ میں یا اتنا کمایا جس سے اخراجات ادا کر کے معقول بچت ہو گئی۔ ہم نے آپس میں فیصلہ کر لیا تھا کہ نیویارک نہ ٹھہریں گے کیونکہ وہاں اس کے احباب و شناسا بکثرت تھے۔ میری اپنی خواہش بھی اس شہر میں رہنے کی نہ تھی جہاں ہر لحظہ بعض ایسے ملاقاتیوں کے سامنے آجانے کا خطرہ تھا۔ جن سے پیشتر اس زمانہ میں ملاقات ہوئی تھی جب ایڈنا میرے ساتھ تھی۔ بس باہم مشورہ کے بعد ہم نے واشنگٹن کو ہی اپنا صدر مقام بنانا پسند کیا۔

سب سے پہلا کام جو ہم نے تجویز کیا وہ ایک پرائیویٹ قمار خانہ تھا وہ اپنے حسن سحر افروز اور نقرئی آواز کی مدد سے لوگوں کو دام تزویر میں پھنسا کر لے آتی اور میں ان کے پر نوچ لیتا۔ کچھ عرصہ ہم نے خوب کمائی کی۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ پولیس کو ہمارے خلاف شبہات ہو گئے۔ اور وہ تحقیقات کی غرض سے ایکدن آ نکلی۔ ہم نے ان لوگوں کا اطمینان تو کرا دیا۔ اور اپنے آپ کو معزز شہری ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا مطلب صریحاً یہ تھا کہ ہمیں کم از کم کچھ عرصہ کیلئے اس کاروبار کو بند کر دینا پڑیگا۔ اس موقعہ پر جینیٹ نے ایک ایسی تجویز پیش کی جسے سنکر میرے ہوش اُڑ گئے۔

شروع میں تو میں نے برملا انکار کیا۔ لیکن انجام کار اس کے زور دینے پر رضامند ہو جانا پڑا۔ ہم نے شہر سنسناٹی کے قریب ایک چھوٹا سا ہوٹل خرید لیا جس پر ایک لاکھ ڈالر صرف ہو گئے کیونکہ جگہ ہر دل عزیز تھی اور اس کے مالک کو معقول منافع ہوتا تھا۔ ہوٹل کا کاروبار مول لینے کے بعد جتنے بھی پرانے ملازم تھے ان سب کو جواب دے دیا گیا۔ اور جینیٹ نے اپنے انتخاب سے کچھ اور نئے ملازم اُن کی جگہ رکھے۔ میں نہیں جانتا وہ انہیں کہاں سے ڈھونڈ کر لائی۔ لیکن اس کے انتظامات دیکھ کر مجھ کو بے حد حیرت ہوئی۔ اس کے عادات و اطوار کو دیکھتے ہوئے میں کم از کم اتنا کہہ سکتا تھا۔ کہ وہ نفع کمانے کی غرض سے اور خواہ کچھ کرے۔ لیکن اس کیلئے کبھی آمادہ نہ ہوگی کہ اسکی نگرانی اور سرپرستی میں کوئی بدمعاشی کا اڈا قائم ہو کیونکہ مرد عورت کے درمیان ناجائز تعلقات کی اس نے ہر موقعہ پر مخالفت کی تھی۔ میں نے اسی دوران میں کئی مرتبہ پیش دستیاں کیں۔ لیکن ہر موقعہ پر اس کی طرف سے اس قسم کا برتاؤ ہوا کہ انجام کار مجھ کو اس نتیجے پر پہنچ جانا پڑا کہ وہ کبھی میرے قابو نہ آئیگی۔ ان حالات میں یہ بات کتنی حیرت انگیز تھی کہ وہ خود اپنی تحریک سے اپنے ہی زیر نگرانی ایک اس قسم کا ہوٹل چلانا چاہتی تھی جو فقط نام کا ہوٹل ہو لیکن کسی نہایت گندے اور ذلیل قحبہ خانے کا کام دے۔

چونکہ ہمارے مول لینے سے پیشتر ہوٹل کا کاروبار خاطر خواہ چل رہا تھا۔ اس لئے ہماری ملکیت قائم ہونے کے بعد بھی اس کا جائز کاروبار بدستور رہا۔ لیکن ہم نے درپردہ جو تجارت شروع کی تھی اس سے عظیم الشان منافع ہونے لگا۔ انتظام کا بیشتر حصہ جینیٹ ہی کے ذمہ تھا اور چونکہ وہ دیکھنے میں سلامت نفس، حلم و حیا کی تصویر اور ہر لحاظ سے پاکدامن تھی۔ اسلئے کسی کو بھولے سے بھی اس کے خلاف کسی طرح کا شبہ نہ ہو سکتا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ درپردہ کاروبار ہمیشہ مخفی رہا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ظاہرداری کیلئے مسافر بھی اس میں مقیم ہوتے رہے۔ قریباً ایک سال یہ کام خاطر خواہ چلتا گیا۔ اور جو روپیہ ہم نے اس پر لگایا تھا اس نے خوب ہی نفع دیا۔ حتیٰ کہ ہوٹل کی معمولی آمدنی کے علاوہ جس کا حساب علیحدہ رکھا جاتا تھا۔ ہم نے اس کی ناجائز کمائی سے ایک سال کے عرصہ میں کم و بیش ڈھائی لاکھ ڈالر جمع کر لئے۔

لیکن دھوکا دہی کا کام ہمیشہ وقتی اور عارضی ہوا کرتا ہے۔ غیر ممکن تھا کہ عدم ملک اور پولیس غیر معین عرصہ تک اندرونی حالات سے بے خبر رہتی۔ یہ بھی سچ پوچھو تو جینیٹ کی ہوشیاری، خوش مذاقی، اور حسن طبیعت کا نتیجہ تھا کہ ابتک کسی کو ہمارے خلاف انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملا۔ لیکن آخر کار وہ وقت آگیا جب سنسناٹی کے ایک یا دو اخباروں نے ہوٹل پر چوٹیں کرنی شروع کیں۔ پولیس ہمارے معاملات میں غیر معمولی دلچسپی لینے لگی۔ ان حالات میں میں نے جینیٹ کو سمجھایا کہ اب یہاں سے کوچ کرنا ہی واجب ہے۔

"واہ اچھے بہادر ہو!" وہ جواب میں کہنے لگی "ابھی تین چار سال تو گذر لینے دو۔ دس لاکھ کما لیں گے تو پھر کوئی اور کام سوچ لیا جائے گا"

"کیا تم نہیں دیکھتی ہو کہ پولیس ہاتھ دھو کر پیچھے پڑی ہے اور وہ وقت دور نہیں جب وہ ثبوت فراہم کر کے ہم دونوں کو گرفتار کرے گی"

"یہی تمہارا تجربہ اور دوراندیشی ہے!" وہ حقارت کے لہجہ میں بولی "اگر پولیس کچھ شک کرنے لگی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم کام بند کر دیں بہترین صورت یہ ہوگی کہ چند وردی پوش سپاہیوں کو تنخواہ دار بنا لیا جائے اور وہ موقع بے موقع ہماری حمایت کرتے رہیں۔ نہیں جعفری ابھی اس کام کو بند کرنے کا وقت نہیں آیا"

اس نے دور کھڑے ہی بوسہ دینے کا اشارہ کیا اور کوئی چیز گنگناتی کمرہ سے رخصت ہو گئی۔ (باقی آئندہ)

نوٹ: حرامزادے کی سرگزشت کی اب صرف ۳، ۴ قسطیں باقی رہ گئی ہیں۔

جملہ حقوق محفوظ

محسوسات

میں پاگل نہیں ہوں!

ماسٹر صاحب

اگلے زمانہ کے استاد روحانی زندگی کے بھی معلم ہوا کرتے تھے مگر ماسٹر صاحب آپ نے میری روح کو جاہل رکھا اور آپ کے طریقہ تعلیم نے میری ہمت، میری عقل، میری قوت احساس سب کو مردہ بنا دیا۔ اس کے تنہا ذمہ دار آپ ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ میں نے جب کبھی ملک اور وطن پر اپنے خیالات کی آزادی کا اعلان کیا تو آپ نے میری زبان بند کر دی۔

ماسٹر صاحب آپ ہی نے مجھ پر فیشن کا جادو پھونکا۔ ڈھیلی پتلون کے دلدادہ آپ ہی تھے۔ آپ ہی کی روش میں نے سیکھی۔ کہتے ہیں کہ شاگرد استاد کی زندگی کا نمونہ ہوتا ہے۔ ایک وقت تھا جب میں دیہات کی سادہ زندگی سے نکل کر شہر کی رنگینیوں میں داخل ہوا تھا۔ محض اس خیال سے کہ تعلیم حاصل کروں گا لیکن یہاں سوائے "بننے سنورنے" کے اور کوئی دوسرا کام میرے سامنے نہیں پیش کیا گیا۔ ہاں کبھی کبھی مجھے میرے بعض دوستوں نے شعر کہنے کی ترغیب دلائی تاکہ میں لفظوں کے پردہ میں خوبصورت چہرہ کو اپنی شاعری کا موضوع بناؤں۔

ماسٹر صاحب! آپ کی زندگی کا قیمتی حصہ زیادہ تر بے ہودہ بچوں کی صحبت میں گزرا ہے جو اپنا زیادہ سے زیادہ وقت "کریم پاوڈر" اور خوشبو ملنے کے مشغلوں میں ضائع کرتے ہیں اور آپ کو اپنا آئیڈیل سمجھ کر تقلید کرتے ہیں گویا آپ کا وجود ان کے لئے زیادہ ضروری اور مقدم ہے۔ آپ بھی کبھی اسی دور سے گذر چکے ہیں۔ پھر آپ اس کے خلاف کیسے آواز بلند کر سکتے تھے۔ لیکن پروفیسر صاحب میں دیہاتی تھا۔ میرے سینہ میں شہر کی رنگینیوں سے بچا ہوا دیہاتی دل اب بھی اسی تیزی کے ساتھ دھڑک رہا ہے جس طرح وہ دیہات کی کھلی فضا میں دھڑکا کرتا تھا۔

ماسٹر صاحب! مجھے ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جو زندگی اور موت کے فرق کو دودھ اور پانی کی طرح سمجھا دے۔ آپ شاید ایسا نہیں کر سکتے ـــــ کیوں؟ آپ میری تعلیمی کشتی کے ناخدا ہیں۔ اب بھی میری کشتی سلامتی کا منہ دیکھ سکتی ہے اگر آپ کا دست کرم اسے سنبھال لے۔ میں بچ جاؤں گا تو ممکن ہے کہ دوسروں کو بھی بچا سکوں یا میں اتنی ہمت پیدا کر دوں کہ ان کو بچنے کا احساس ہو جائے۔

طوائف

میں اسی لئے تو ننگ خاندان اور باعث بربادی مذہب سمجھا جا رہا ہوں کہ ایک طوائف سے سچی محبت کرتا ہوں اور ان مذہبی ٹھیکیداروں سے خوف نہیں کھاتا جو خدا اور اس کے رسول کو بیچتے پھرتے ہیں اور خود خدا کے احکام کی پابندی نہیں کرتے۔

کوئی ان انسان نما درندوں سے پوچھے کہ رات کی تاریکیوں میں چھپ چھپ کر جلوۂ لب بام کیلئے جو اور اپنی ناپاک خواہشات کیلئے کسی دوشیزہ کا "خون عصمت" حلال سمجھ کر یہ کیا تہذیب ہے۔

میں تو یہ کہوں گا۔ علانیہ گناہ کرنا ریاکاری سے کہیں بہتر ہے۔ انسان اور خدا کو دھوکا کیوں دیا جائے۔ مذہب کے ایجنٹ تو چاہتے ہیں کہ گناہ کئے جائیں لیکن چھپ چھپ کر۔ ان کی لمبی داڑھیاں تو اسی لئے ہیں کہ ان کی آڑ میں شکار کا مزہ حاصل کیا جائے۔

اگر ملا کو یہ اختیار ہے کہ کسی طوائف کے گھر جا کر اس کی حسین عصمت برباد کرے اور اس کو اتنا تباہ کر دے کہ وہ پھر اس کی کوئی اصلاح بھی نہ کر سکے تو کیا یہ ملا اور اس کی تہذیب کا قصور نہیں ہے کہ جس نے ایک معصوم ہستی کو جو اپنی عصمت صرف پیٹ پالنے کی غرض سے دوسروں کے سپرد کر کے پچھتا رہی ہے تباہ و برباد کیا؟

طوائف کا یہی قصور ہے نا کہ اس نے بغیر کسی کے مشورہ کے گھر سے باہر قدم رکھا اور اس ناپاک چوکھٹ کے اندر داخل ہوئی جہاں دوشیزگی خریدی جاتی ہے۔ اگر وہ مذہبی رہنماؤں کی عزت کر سکتی اور ان کے من مندر میں اپنی عصمت کی بھینٹ چڑھا سکتی تو غالباً اتنا ضرور ہو جاتا کہ وہ آج انہیں فریب کاریوں میں جکڑی رہتی اور بجائے طوائف بننے کے ایک مکار "پجارن" بن جاتی۔ اس طرح گو وہ بیبیوں کی نگاہ میں ایک پکی پجارن تو بن جاتی لیکن اس کا ضمیر خود کچے دھاگے کی طرح کمزور ہوتا۔

اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ایک خوبصورت وجود کا سدھار ہو جائے تو بتاؤ اس خوبصورت کھلونے کے ساتھ کھیلنا ہی کیوں پسند کرتے ہو اپنے گھر کی زینت بڑھانے کیلئے سماج کے طاق پر لا کر کیوں نہیں رکھتے۔ آخر تم ہی تو اس

کے قلعۂ عصمت کے منہدم کرنے والے ہو۔

کیا تمہارا یہی فرض ہے کہ ایک کمزور عورت کے دل پر قابو پاکر اس کو ذلیل کردو اور پھر وقتی لطف کے بعد ہمیشہ کیلئے اسے ناپاک کردو۔

سڑکوں پر، بازاروں میں، اسٹیشنوں پر، پبلک شو میں جہاں دیکھو تم ہی ہو جو بہنے گستوں پر نظر ڈالتے ہو۔ خوبصورت باریک ململ کا کرتہ محض اسی لئے پہنتے ہو کہ اس میں سے حسین ریشمی ازار بند جھلکے اور تم کسی حسین دوشیزہ کو فریب دے سکو۔

تم "گناہ" بھی کرتے ہو اور "دھوکا" بھی دیتے ہو اور میں صرف ایک "گناہ" کرتا ہوں۔

شاعر

گستاخی معاف۔ معشوقوں کی کمر ڈھونڈنے والو! کو میں شاعر نہیں، ہندوستان کے اپاہجوں اور بیکاروں کا دلال سمجھتا ہوں۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں کہ ہمارے شعراء عشق کے سوز و گداز بیان کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے لیکن قوم کی کھوئی ہوئی عظمت حسن و عشق کے سوز و گداز بیان کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ میرے شاعر دوست حسن غارت گر کے گیت تو گا چکا اب ذرا آگے بڑھ اور کوئی ایسا گیت گا جو قوم کی سوئی ہوئی قوتوں کو جگا دے اگر تو ایسا نہیں کر سکتا تو جا معشوق کی زلف گرہ گیر سلجھا۔

احساس انسان کی زندگی کا وہ جوہر ہے جس سے وہ آبرو دار سمجھا جاتا ہے اور احساس ہی ایک مردہ قوم کو زندگی کی "قوت" بخشتا ہے لیکن کس قدر افسوس ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں چھپے ہوئے چھوٹے بڑے شاعر احساسات کی دولت سے محروم ہیں۔ دو چار جن کے پاس یہ دولت ہے اس طرح عشوہ و ناز کی محفلوں میں سرگرم نشاط ہیں کہ انہیں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ صبح و شام کب ہوتی ہے۔

قوم سو رہی ہے۔ فرقہ داری کے خونخوار درندے مذہب کے نام پر ملک اور وطن کی قوتوں کو شکار کرتے جا رہے ہیں۔ فرقہ وارانہ لڑائیوں نے انسانی خون کی قیمت اتنی گھٹا دی ہے کہ اس کی عزت ہی باقی نہیں رہ گئی ہے۔

یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور ہے لیکن ہمارے شعراء خاموش محفل ناز میں بیٹھے ہوئے غیر فطری معشوق کے اشارہ چشم و ابرو پہ دن میں سو بار جی رہے اور مر رہے ہیں۔

سنا تھا کہ شاعر آزاد فطرت ہوتا ہے لیکن معاف کر! اے میرے شاعر دوست تو سب سے زیادہ غلام فطرت اور محکوم ذہنیت نظر آ رہا ہے۔ کیا ملک پر اس سے زیادہ تباہی آئیگی، کیا وطن اس سے زیادہ برباد ہوگا، کیا مذہب و ملت کی اس سے زیادہ رسوائی ہوگی؟ اللہ! اے محفل رنگ و بو کے سردار شاعر۔ اللہ! دیکھو ساری دنیا اپنے اپنے مفید مشغلوں میں سانس لے رہی ہے لیکن تو ابھی تک انہیں غیر مفید عشوہ و ناز، کمر و دہن اور زلف و عارض کی رنگینیوں میں کھویا ہوا ہے۔

لیڈر فرقہ پرستی کے بازار کا سوداگر بن گیا ہے، مُلّا کفر و اسلام کے جھگڑوں میں پھنس کر رہ گیا ہے، پادری آسمان کی باتوں سے آگے بڑھنے کیلئے تیار نہیں، پنڈت گھنٹے کی آواز کے سوا کچھ اور سننا ہی نہیں چاہتا۔ تاریخ نگار "شیواجی" اور "اورنگ زیب" سے دست و گریبان ہو رہے ہیں اور ہندوستان کے "ادیب" اردو ہندی کی آگ لگانے بجھانے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

میرے محترم شاعر کیا تجھ پر ملک کا کوئی فرض نہیں ہے۔ پھر تو کب جاگیگا الا کب

سائنس کے کرشمے

ہم کبھی بڈھے نہ ہوں؟

کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے؟

چند روز ہوئے مشہور ڈاکٹر سر ولیم اوسلر نے کہا تھا کہ چالیس برس کے بعد زندگی رہنے کے قابل نہیں رہ جاتی، زندگی کے خوش آیند ایام اس عمر کے پہلے ہی ختم ہو جاتے ہیں، مگر ٹامس اے ایڈیسن کا قول بالکل اس کے برعکس ہے، انہوں نے ۷۶ برس کی عمر میں بھی پبلک طور پر تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ خدا کے فضل سے میں ابھی ایک نوجوان آدمی ہوں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ کوئی شخص کیوں ۳۰، ۴۰ برس ہی کی عمر میں بوڑھا نظر آنے لگتا ہے، اور کوئی ساٹھ ستر برس کی عمر تک کیوں جوان بنا رہتا ہے، ایک شخص تھوڑی ہی عمر میں جوانی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، کمر جھک جاتی ہے، گال پچک جاتے ہیں، آنکھیں دھنس جاتی ہیں، چہرہ شکن آلود دکھائی دینے لگتا ہے، اور اس کے برعکس دوسرے شخص کا چہرہ ساٹھ برس کے بعد چمکتا رہتا ہے۔ اس کے رخساروں پر سُرخی جھلکتی رہتی ہے، آنکھ، کان، دانت، کمر سب بہتر حالت میں ہوتے ہیں۔ مختلف انسانوں کے درمیان ان اختلاف حالات کے کچھ نہ کچھ اسباب و وجوہ ضرور ہوتے ہیں۔

سائنس کا کرشمہ

انسان کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور وہ بیمار ہو جاتا ہے تو اسے صحت و تندرستی کی فکر قدرتی طور پر لاحق ہو جاتی ہے، وہ اپنے معالج سے ایسی گولی یا مکسچر چاہتا ہے جس کے استعمال سے فوراً جادو کا سا اثر ہو اور وہ چارپائی چھوڑ کر کھڑا ہو جائے اور کامل طور سے تندرست اور صحتیاب نظر آنے لگے۔ جو عورتیں بہت موٹی یا بھونڈی بھدی ہو جاتی ہیں، وہ ایسی دوا کی تلاش میں رہتی ہیں جس سے ان کی فربہی زائل ہو جائے اور وہ آسانی سے ادھر اُدھر چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں اور حسین و نازنین نظر آنے لگیں۔

اسی طرح لوگوں میں ایک اور جذبہ بھی کارفرما ہو گیا ہے، بہت سے لوگ اس خبط خیال میں مبتلا نظر آنے لگے ہیں کہ کچھ خاص قسم کے جراحی کے عمل سے بڑھاپے کو زائل کر کے از سر نو شباب کو واپس لایا جا سکتا ہے۔ ان جدید تمناؤں اور آرزوؤں کے مرکز بدنصف، سٹینیک، اور سر ودجوکو کے بعض تجربات ہیں۔

ڈاکٹر سٹینیک نے سب سے پہلے سنہ ۱۹۲۰ء میں بوڑھے کو جوان بنانے کا اصول دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اہل سائنس اور ماہرین طب ہی نہیں بلکہ دوسرے طبقے کے لوگ بھی اس جدید نظریہ سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہے۔ ڈاکٹر سٹینیک نے اس جدید طریقۂ علاج کا تجربہ تین اشخاص پر کیا۔ ان میں سے ایک شخص چالیس سال کا تھا اور اسی عمر میں بڑھاپے کی کمزوری محسوس کرنے لگا تھا، دوسرے کی عمر ۶۶ سال کی اور تیسرے کی ۷۱ سال کی تھی۔ یہ تینوں تجربات نہایت کامیاب رہے، اور یہ تینوں کے تینوں جو شباب رفتہ ہو چکے تھے، از سر نو جوان ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی جلد کی رنگت بھی نکھر آئی اور ان کی قوت اشتہا میں بھی اضافہ ہو گیا۔ یہ سب شباب کے یقینی علائم و اثرات تھے، جن کی موجودگی ہی کسی کو اس سوال کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ یہ از سر نو حاصل شدہ شباب باقی کتنے دنوں رہے گا؟

ڈاکٹر سٹینیک کا نظریہ

ڈاکٹر سٹینیک کے طریقۂ تجدید شباب کی مختصر کیفیت بھی ملاحظہ فرما لیجئے! انہوں نے اس امر پر غور و فکر کرنا شروع کیا کہ آیا وہ کیا اسباب و وجوہ ہیں جو ایک جوان کو شباب رفتہ بنا دیتے ہیں، بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ موت اور بڑھاپے کا سبب زندگی کی قوت و صلاحیت کا زوال و فقدان ہے، جب جسم میں ضعیفی کے آثار پیدا ہونے لگتے ہیں تو انسان کی گلٹیوں سے ہی اس کا پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ جوانی کا زوال اور بڑھاپے کی آمد کی رفتار کیا ہوگی، گلٹیاں بڑھاپے کا سبب نہیں ہیں، مگر اسکو وہ یقیناً بتا دیتی ہیں کہ بڑھاپا کب اور کیسے شروع ہوتا ہے، جب گلٹیاں کمزور اور بیکار ہو جاتی ہیں، تو جسم میں مختلف قسم کے تغیر ہونے لگتے ہیں۔

انسان کو بڑھاپے سے محفوظ رکھنے کیلئے اس کے پوشیدہ عضو کی گلٹیاں بہت امداد دیتی ہیں، ان گلٹیوں پر انسان کی قوت کا جس قدر دارومدار ہے اس کا اندازہ ایک ڈاکٹر کے قول سے ہو سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر انسان کے مخفی عضو کی گلٹیاں کمزور اور بیکار ہو چکی ہوں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے جسم کی تمام گلٹیوں کی قوت زوال پذیر ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر سٹینیک نے دیکھا کہ انسان کے مخفی عضو کی گلٹیاں دو طرح کے کام کرتی ہیں ان کے ذریعہ اندر اور باہر دونوں جانب تحریک ہوتی ہے، بیرونی تحریک سے زندگی پیدا ہوتی ہے اور اندرونی تحریک سے جسم کو قوت بہم پہونچتی ہے۔

ڈاکٹر سٹینیک کے عمل جراحی سے پوشیدہ عضو کی گلٹیوں کی بیرونی طاقت کم ہو جاتی ہے اور اندرونی طاقت بڑھ جاتی ہے، ضرورت کے مطابق ایک طرف کی گلٹی کا بھی آپریشن ہوتا ہے اور دونوں طرف کی گلٹیوں کا بھی، دونوں طرف کی گلٹیوں کے اپریشن کے بعد انسان کی صلاحیت تولید زائل ہو جاتی ہے بہرکیف گلٹیوں کے

آپریشن سے گلٹیوں کی پوری قوت انسان کی صرف اندرونی طاقت کے ترقی دینے کے لئے مبذول ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر لوروونوف کا تجربہ

ڈاکٹر سٹینیک کے قبل ڈاکٹر بورونوف نے بھی ۱۹۱۰ء میں اعادۂ شباب اور تجدید قوت پر ایک اور عنوان سے غور کیا تھا۔ ان کا اصول تھا کہ انسان کے جسم میں دو طرح کے اعصاب ہوتے ہیں ایک معمولی اور دوسرے خاص قسم کے، معمولی قسم کے اعصاب تیزی سے بڑھتے جاتے ہیں اور خاص قسم کے اعصاب کو گھیر لیتے ہیں، اس طرح انسان کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر بورونوف نے اس طرح انسان کی قوت کے زوال کو روکنے کیلئے جانوروں خصوصاً بندروں کی گلٹیوں کے عرق نکال کر انسان کو اس کا انجکشن دینا شروع کیا، ان کا یہ تجربہ کامیاب ہوا اور اس سے ہزاروں آدمیوں نے فائدہ اُٹھایا بندروں کی مانگ اتنی بڑھ گئی کہ جنگلوں میں بندر باقی نہیں رہے، بہت سے بندر افریقہ سے منگائے گئے، اور فرانس اور اٹلی کی سرحد کے پاس ایک مقام پر بندر خانہ قائم کیا گیا۔

مصنوعی شباب کو استقلال نہیں

ڈاکٹر بورونوف کا طریقۂ علاج درست، ڈاکٹر سٹینیک کا طریقۂ اعادۂ شباب صحیح لیکن ان طریقوں سے حاصل کی ہوئی جوانی محض عارضی ہوتی ہے اس کو دوام و قیام حاصل نہیں ہوتا، اور ان طریقوں سے گذرے ہوئے شباب کو واپس لانے کی کوشش کرنے والے بالآخر ایشیائی شاعر کی یہ رباعی دہرانے پر مجبور ہو جاتے ہیں ؎

دُنیا عجب سرائے فانی دیکھی ¦ ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا ¦ جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

پچاس ساٹھ سال سے جسم کے اندر جو تباہ کن زہر جمع ہوتا رہتا ہے وہ ڈاکٹر سٹینیک کے عمل جراحی سے زائل نہیں ہو سکتا، رگوں اور پٹھوں میں جو مادے جمع ہو جاتے ہیں وہ بھی خارج نہیں کئے جاسکتے، جن لوگوں کو کم عمری ہی میں بڑھاپا لاحق ہو جاتا ہے، ان کے رگوں اور پٹھوں میں یہ فاسد مادے ضرور موجود ہوتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ انسان کے جسم میں بندر کی گلٹی لگا دینے سے قوت طاقت میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن یہ طاقت چند روزہ ہوتی ہے۔ نئی گلٹیوں کی قوت ختم کر زائل ہو جاتی ہے تو عمل جراحی کی ساری کرشمہ آرائیاں بھی اس کے ساتھ معدوم و مفقود ہو جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے تو ڈاکٹر بورونوف کا طریقۂ علاج زیادہ تسلی بخش اور قابل اطمینان ہے۔

میں نے اوپر اس امر کی جانب اشارہ کیا تھا کہ انسان کی زندگی اور قوت کے زوال پذیر ہونے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے، اب میں کسی قدر تفصیل کیساتھ اس مسئلہ پر غور کروں گا کہ ایک شخص کیوں قبل از وقت ضعیفی کا شکار ہو جاتا ہے اور دوسرا شخص کیوں کافی عرصہ تک جوانی کے لطف و سرور حاصل کرنے کے قابل بنا رہتا ہے، جسم یا اس کے کسی حصے کی قوت کے زوال پذیر ہونے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ یا تو اسے مناسب غذا اور آکسیجن نہیں ملتی یا اس میں جمع شدہ فاسد مادے کو بروقت خارج نہیں کر دیا جاتا۔ بالفاظ دیگر جب کسی عضو کے ارد گرد کی حالت اس کے موافق باقی نہیں رہتی تو اس میں مرض پیدا ہوتا ہے۔

وٹامنز (حیاتین)

یہ ظاہر ہے کہ جو وٹامن جسم کی عام صحت کی نشوونما اور بقا و ترقی میں مفید و معاون ہوتے ہیں وہ گلٹیوں کو بھی تقویت پہنچائیں گے کیونکہ گلٹیاں بھی جسم ہی کا جزو ہیں، جس طرح آنکھ ناک کان بال اور جلد کو خون کی شریانوں کے ذریعہ غذا اور طاقت ملتی رہتی ہے اسی طرح گلٹیوں کو بھی ملتی ہے۔ علاوہ ازیں گلٹیوں کو اپنا عمل صحیح طور پر پورا کرنے کے لئے وٹامن اور دھوپ کی بھی ضرورت ہوتی ہے، تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ وٹامن ڈی کی کمی سے تمام گلٹیوں کی قوت عملیہ زائل ہو جاتی ہے جس جانور پر یہ تجربہ کیا گیا تھا۔ اس کے جسم میں جب دھوپ اور کاڈلیور آئل کے ذریعہ وٹامن داخل کیا گیا تو اس کی گلٹیوں کی طاقت جو زائل ہوتی جا رہی تھی، از سر نو بحال ہو گئی۔

وٹامن بی کا اثر بھی گلٹیوں پر پڑتا ہے۔ اگر کسی شخص کو کچھ دنوں تک ایسی غذا دی جائے جس میں وٹامن بی کا کامل فقدان ہو یا برائے نام موجود ہو تو اس کی گلٹیوں میں ضعف اور مرض کا پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ (باقی آئندہ)

ہم بڈھے کیوں ہوتے ہیں؟

ہماری عمر جوں جوں زیادہ ہوتی جاتی ہے رگوں اور شریانوں میں ایک قسم کا فضلہ جمع ہوتا جاتا ہے اور جیسے جیسے اس فضلہ کی مقدار میں زیادتی ہوتی جاتی ہے، ہم میں سستی اور ضعف بڑھتا جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ فضلہ ہمارے جسم میں جمع نہ ہونے پائے اور اس کا مادہ خارج ہوتا رہے۔ دو ترکیبیں ایسی ہیں جن سے یہ بات حاصل ہو جاتی ہے، اوّل خوراک اور دوسرے ورزش خوراک کیلئے جہانتک ممکن ہو سبزیات اور ایسے میوے کھائیں جن میں ترشی ہو، تاکہ فضلے ہمارے جسم سے خارج ہو جائیں، ورزش نہ کرنے سے جسم کے تمام اعضاء و عضلات میں ایک خاص قسم کا ضعف پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کمزور اور نرم اور پھر رفتہ رفتہ بالکل نکمے ہو جاتے ہیں، چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بڑھاپا شروع ہوتے ہی جھریاں پڑ جاتی ہیں اور سارا جسم سکڑ جاتا ہے۔

ہندوستانی سنیاسیوں کے جگر پارے

لاکھ لاکھ کی قیمت کا ایک ایک نسخہ

اکسیر زکام کہنہ - شورہ قلمی - دانہ الائچی بجا الیہو تینوں چیزیں ہم وزن لے کر کوٹ چھان لیں - ادہ تین ماشہ بیوقت سونے کے دال کے وقت زلال کے ساتھ پھانک لیں۔ (حکیم اکبر حسین)

آشوب چشم میرا تجربہ ہے کہ شیرازہ خماد پیر کی انگوٹھوں کے ناخنوں پر کرنے سے آشوب چشم دور ہو جاتا ہے - افیون ۲ سرخ - بلد تھوتھا ۴ سرخ ہلدی ۱ ماشہ پھانی لودھ ۱ ماشہ مردار سنگ ۱ ماشہ پھٹکری ۱ ماشہ اور مرچ سیاہ ۲ عدد پوٹلی بنا کر کوکنار کے پانی میں تر کر کے آنکھ کو سینکنے سے ہی یہ شکایت جاتی رہتی ہے۔

داد اور کھجلی - [illegible] ماشہ کنول گٹا [illegible] پانی کر کے لگانے کو مقام ماؤف میں ۔۔۔ ہاں کو ملاتے تھا ادخال اور جب بعض یا ۔۔۔ ایک دواجو مجھے ہر حوالہ کے مقام پر ایک سنیاسی نے بتایا تھا - گاؤں کے کھاکر سے مراد تخم پنواڑ اور دیونگ سے ہلدی مراد ہے - اس نسخہ کو میں نے بہت سے تجربہ کیا - بہت مفید پایا۔ (مولوی قبول شاہ وارثی)

اکسیر درد گردہ - ریوند چینی ۱ تولہ - نوشادر ۶ ماشہ - شورہ قلمی ماشہ - باریک کر کے محفوظ رکھیں

فوائد - درد گردہ - احتباس بول کے لئے مفید ہے -

ترکیب استعمال - ۴ رتی ہمراہ آب گرم اور درد گردہ کے لئے شربت بزوری ۴ تولہ کے ہمراہ استعمال کریں (دولت محمد)

اکسیر ثانی - تج ریشا ۱ پاؤ - کتھ سرخ ۱۰ تولہ - الیلا ۱ تولہ - سب کو ملا کر کھالیں۔

فوائد - بواسیر امانت جگر مقوی باہ دافع جریان دافع آتشک غرضیکہ حسب مناسب بدرقہ سے استعمال ہو سکتا ہے۔ خوراک ۱ تولہ سوتے وقت یہ نسخہ مجھے خاندان طب سے بابت چلا آتا ہے - اور علاوہ ازیں بیش ہے -

اکسیر مانع حمل - مائی ہری ۲ ماشہ - تم با پیرد ۳ ماشہ - عنبر ۳ ماشہ - گوچی ۳ ماشہ - موتی ۲ ماشہ - ۔۔۔ کا پھل ۳ ماشہ سب کی گولیاں برابر نخود تیار کریں - ایک گولی صبح شام ہمراہ آب تازہ سات روز تک استعمال کریں تمام عمر حمل نہ ہو گا - یہ نسخہ دائم المرض خواتین کے حمل کے لئے ایک نادر چیز ہے - بلکہ میرا آزمایا ہوا ہے اور ثابت شدہ ہے۔

[illegible]

رئیس امروہوی

دور بہت ہی دور - یہاں سے - ملک ہے اک مشہور
امن و سکوں آباد وہاں ہے - پیر و جواں دلشاد وہاں ہیں
مکر و ریا سے دور ٭ ملک ہے اک مشہور

ملک ہے وہ جنت کا نمونہ | عیش وہاں ہے گونہ گونہ
ساز سے ہم آہنگ زیادہ | پھولوں سے خوش رنگ زیادہ
عیش سے ہے معمور ٭ ملک ہے اک مشہور

عشق وہاں پر تخت نشیں ہے | حسن کا جادو رنگیں ہے
خار وہاں کے غیرت گلشن | شام وہاں کی صبح سے روشن
وہ ہے محبت پور ٭ ملک ہے اک مشہور

راتوں کی نیند حرام کرنیوالے ناول

کیا آپ کی لائبریری میں ایڈیٹر مست قلندر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ دلگداز ناول موجود ہیں۔ اگر نہیں تو ان کو اپنی اوّلین فرصت میں منگوا کر رکھئے ان کے مطالعہ سے نہ صرف آپکے تجربہ اور معلومات میں وسعت ہوگی بلکہ آپ عبرت بھی حاصل کرینگے

شیطان کا پجاری

کالا جادو کے ایک عامل کی داستانِ گناہ جو حسین و جمیل عورتوں کو مسخر کرکے اُن سے حظِ نفس حاصل کیا کرتا تھا۔ قیمت چار آنے ۴ر

عجائبات حسیر ِ (۸ر)

چند حسینوں کے خطوط (۸ر)

بیسویں صدی کا پریم شاستر

ایک حسین و جمیل جوڑے کی سچی محبت کا رومان پرور خطوطی افسانہ۔ عاشق و معشوق کے شہد سے زیادہ میٹھے الفاظ میں لکھے ہوئے محبت بھرے خطوط کو اس ترکیب سے یکجا کیا گیا ہے کہ ایک دلکش اور دلگداز افسانہ بن کر رہ گیا ہے۔ آپ اسے ایک بار پڑھینگے تو بار بار پڑھنے کو جی چاہے گا۔

قیمت صرف ۸ر

بیوہ کے خطوط (باتصویر)

واعظاں کیں جلوہ بر محراب منبر می کنند — چوں بخلوت می روند آں کار دیگری کنند۔ اس شعر کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کیلئے بیوہ کے خطوط کا مطالعہ کیجئے۔ اس میں تلک دھاری اور سماج کے کرتا دھرتا پنڈتوں کی پرائیویٹ لائف کو کمال دیدہ دلیری کے ساتھ بے نقاب کیا گیا ہے۔ قیمت صرف چھ آنے ۶ر

افسانۂ لندن (۸ر)

گناہ کی لذتیں

وہ پڑھی لکھی ہے۔ اپنے نفع نقصان کو خوب سمجھتی تھی۔ اس کا باپ کلکتہ میں ایک کامیاب وکیل تھا۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود اس نے طوائف کا پیشہ کیوں اختیار کیا؟ یہ جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کیجئے۔

قیمت صرف آٹھ آنے (۸ر)

طوائف کی سرگذشت

اونچے گھرانے کی ایک حسین و معصوم لڑکی کی داستانِ زندگی کون اسے بازارِ حسن میں لے گیا؟ کیسے کیسے بگلا بھگت لوگوں سے اُسے واسطہ پڑا؟ مذہب کے نام نہاد ٹھیکہ داروں مہنتوں اور قوم کی رہنمائی کا دم بھرنے والے پیروں کو ان کے اصلی روپ میں دیکھئے قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ

مینیجر مست قلندر لاہور

فلمی معلومات

آپ سوال کیجئے — ہم جواب دیں گے

س ۔ فلم " دیوداس " کی مشہور ایکٹرس راجکماری آجکل کہاں ہے ؟

ج ۔ افسوس کہ ہم اس کا پتہ نہیں دے سکتے کیونکہ وہ شادی کر چکی ہے اور مسرت سے ایام بسر کر رہی ہے ۔ اس کا خاوند کلکتہ کا باشندہ ہے اور اس کا نام موتی لال کھیتان ہے ۔

س ۔ دیوکارانی ۔ شانتا آپٹے ۔ کانن دیوی اور سلوچنا کی اداکارانہ قابلیت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟

ج ۔ عمدہ اداکاری تو شعور پر منحصر ہے ۔ کانن دیوی نے " ودیاپتی " میں جو ایکٹنگ کی ہے ۔ اُسے عرصہ دراز تک مات نہیں کیا جا سکتا ۔ دیوکا نے " اچھوت کنیا " میں خوب جوہر دکھائے ۔ سلوچنا تو بہت دفعہ خراج تحسین حاصل کر چکی ہے ۔ ایک زمانہ میں کوئی اس پر سبقت نہیں لے جا سکتا تھا لیکن اب زمانہ کے ہاتھوں نے اُسے مات دے دی ۔ شانتا آپٹے پردۂ سیمیں پر نہیں البتہ اس کے باہر خوب اداکاری دکھاتی ہے ۔ ہم نے اس کا ایکٹنگ پردۂ سیمیں پر عرصہ سے نہیں دیکھا اور خدا جانے اس کا جلوہ پھر کب دیکھیں گے ؟

س ۔ بدھوا ڈوانی کس ذات سے ہے ؟

ج ۔ وہ سندھ کا باشندہ ہے اور ذات کا ہندو ۔

س ۔ پریم ادیب ۔ رام شکل ۔ اور بھتے راج میں کس کا ایکٹنگ بہترین ہے ؟

ج ۔ ہمارے خیال سے رام شکل اگرچہ اسے فلم اسٹیج پر آئے تھوڑا ہی زمانہ گذرا ۔ بہترین ایکٹر ہے ۔

س ۔ میں نے سُنا ہے کہ مایا بینر جی کی شادی ہو چکی اور اُس کا خاوند ساگر موویٹون میں ایکٹر ہے ۔ اس کا نام کیا ہے ؟

ج ۔ ہاں وہ شادی کر چکی ہے ۔ اس کے خاوند کا نام یوسف ہے ۔

س ۔ " پریزیڈنٹ " اور " دشمن " میں سے بہتر پکچر کونسی ہے ؟

ج ۔ ہم تو دشمن کو بہتر سمجھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں کیا آپ ایسا نہیں سمجھتے ؟

س ۔ درگا کھوٹے کی موجودہ سرگرمیاں کیا ہیں ؟

ج ۔ حال ہی میں اس نے رنجیت کمپنی کی فلم " ادھوری کہانی " میں کام کیا ہے ۔

س ۔ رنجیت فلم کمپنی کے غوری اور دکشت کا کیا حال ہے ؟

ج ۔ یہ دونوں کچھ عرصہ سے رخصت پر تھے ۔ مگر اب انہوں نے پھر کام شروع کر دیا ہے ۔ غالباً وہ " طوفان میل کی واپسی " میں ——— وہی نظر فریب فضا پیدا کریں گے ۔

"پکار" پر ایک نظر

فلم ساز ——— منروا موویٹون ۔ گیت ۔ مکالمے ۔ کمال امروہوی ۔ ڈائرکشن ۔ مسٹر سہراب مودی ۔ میوزک ڈائرکٹر ۔ میر صاحب ۔

اداکاران : ——— سہراب مودی ۔ چندر موہن ۔ نسیم ۔ شیلا ۔ سردار اختر ۔ صادق علی ۔

یہ سہراب مودی کی پکچروں میں بہترین ہے ۔ اس سے بڑی آمدنی ہوگی ۔ خصوصاً شمالی ہند میں ۔ کیونکہ لاہور کے ریجنٹ تھیٹر میں بڑے زور شور سے چل رہی ہے ۔ اگر اسے کاٹ چھانٹ کر نصف کر دیا جائے اور اس میں سے ٹیکنک نکال دی جائے تو دوسرے ممالک میں بھی دکھانے کے لئے موزوں ہو جائے ۔

سٹوری یہ ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کو عدل گستری سے جو محبت تھی اس کا نقشہ اس فلم میں دکھایا گیا ہے کہ کوئی فریادی ایک زنجیر کھینچکر جس سے محل کے اندر گھنٹیاں بجنے لگتی تھیں ۔ انصاف حاصل کرتا تھا ۔ سٹوری کے شروع میں دو راجپوت نوجوانوں کنور (شیلا) اور منگل سنگھ (صادق علی) کے درمیان محبت پیدا ہوگئی جس میں دونوں کے خاندانوں نے رخنہ ڈال دیا ۔ منگل سنگھ نے اپنی معشوقہ کے باپ اور بھائی کو لڑائی میں ہلاک کر ڈالا اور فرار ہو گیا ۔ اس کے باپ سنگرام سنگھ (سہراب مودی) نے جو شہنشاہ جہانگیر کا معتمد جنرل تھا ۔ فرض پر سے بیٹے کی محبت قربان کر کے اُسے گرفتار کر لیا اور اس طرح راجپوتی روایات انصاف کو قائم رکھا ۔ قاتل کو پھانسی دی گئی ۔

سٹوری میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ملکہ نور جہاں نے جو جہانگیر کی چہیتی بیوی تھی ایک دھوبی کو ہلاک کیا ۔ جہانگیر نے نہایت خوبصورتی اور حسن تدبیر سے انصاف کیا اور نور جہاں کی جان بھی بچا دی ۔

مست قلندر

MAST QALANDAR



19

Single

مست قلندر کے عریاں نمبر کی عالمگیر مقبولیت

مینیجر مست قلندر لاہور

دلچسپ معمے کے ڈیڑھ سو روپیہ نقد انعامات حاصل کرنیوالوں کے نام صفحہ ۵۰ پر ملاحظہ کیجئے

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۸۵

ہندو ہے ایک آنکھ مسلمان دوسری

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۸۵

جلد ۲۲

خوش باش دمے کہ زندگانی این است

نمبر ۲

بعضے بہ تماشائے خط و خال خوش اند
اینہا ہمہ اسباب پریشانیہا ست

بعضے بہ تمنائے زر و مال خوش اند
خوشحال کسانیکہ بہر حال خوش اند

رسالہ مست قلندر لاہور

نومبر ۱۹۳۹ء

اردو میں اپنی قسم کا واحد باتصویر کثیر الاشاعت ماہوار رسالہ

اُن زندہ دل انسانوں کیلئے جنہوں نے زندگی کا منتہائے مقصود تلاش کیا ہے ہمیشہ خوش رہنے اور دوسروں کو خوش کرتے ہیں جو خدا کی حقیر ترین مخلوق کو بھی محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو اپنے قول یا فعل سے کسی کی دل آزاری نہیں کرتے جن کا مذہب ہے خدا کے ہر ایک بندے سے بلا امتیاز رنگ و قومیت محبت کرنا۔

قیمت فی پرچہ چار آنے

ایڈیٹر ڈاکٹر پرتھی سنگھ

سالانہ چندہ تین روپے

[illegible]

فہرست مضامین!

مست قلندر لاہور کا عام پرچہ ستّر صفحات کا ہونے کے باوجود سالانہ چندہ صرف تین روپے ہے یعنی ہندوستان بھر کے اُردو رسائل کے چندہ سے کم اِس پر لطف یہ کہ اس قلیل ترین چندہ میں ۴ خاص نمبروں کی قیمت بھی شامل ہے

مست قلندر کی مصدقہ اشاعت ہندوستان کے تمام اُردو رسائل سے زیادہ ہے ہر ماہ کم از کم چار لاکھ زندہ دل حضرات اس کیلئے چشم براہ رہتے ہیں۔ اس لئے اشتہار دے کر فائدہ کثیر حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

پانچ سوالوں کا ایک ہی جواب

نومبر ۱۹۳۹ء

(۱)
ہندوستان بھر کے
اردو رسالوں سے سستا
کون سا رسالہ ہے
؟

(۲)
سب سے زیادہ ٹھوس اور
کارآمد مضامین ہر ماہ کون سا
رسالہ شائع کرتا ہے۔
؟

(۳)
وہ کونسا رسالہ ہے جس کی قیمت اسکی لاگت سے
بھی بہت کم ہوتی ہے یعنی جو ہر ماہ دیتا ہے
(الف) سرورق پر سہ رنگا بلاک (ب)
فوٹو بلاکس کی متعدد مگر منتخب تصاویر (ج) بڑے سائز کے ۸۸ صفحات کا
ٹھوس میٹر اور اس سب کچھ کے باوجود بکتا ہے
صرف چار آنے ہیں
؟

(۴)
وہ کونسا رسالہ ہے جسے ہندو
اور مسلمان یکساں ذوق و شوق اور
دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔
؟

(۵)
دنیا جہان کی دلچسپیوں مزاحیہ
کارٹونوں بہترین افسانوں اور تڑپا دینے والے
ترانوں کا حامل کونسا رسالہ ہوتا ہے
؟

رسالہ مست قلندر لاہور

یقین نہ ہو تو اس پرچہ کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے

ایک ہندوستانی فقیر کے کمالات

(مضمون صفحہ ۶ پر دیکھئے)



مست قلندر لاہور

جلد (۲۲) بابت نومبر ۱۹۳۹ء نمبر (۲)

تصویر کو دیکھ کر!

از حضرت ماہر القادری

یہ نگاہِ حشر ساماں، یہ جوانی کی پھبن
ڈر رہا ہوں وقت سے پہلے قیامت آ نہ جائے

تیرے ہونٹوں کے تبسم نے اُسے دوہرا دیا
وہ فسانہ جو کہا جائے، مگر سمجھا نہ جائے

تو نے کیوں تقویٰ شکن زلفوں کو برہم کر دیا
میکدوں پر پھر کہیں ساون کی بدلی چھا نہ جائے

میری للچائی نگاہوں کو پریشاں دیکھ کر
مجھ کو یہ ڈر ہے تری تصویر بھی شرما نہ جائے

دل کی خواہش ہے کہ ساری عمر دیکھے جائیے
عقل کہتی ہے تری تصویر کو دیکھا نہ جائے

تو ہی فرما دے کہ پھر مجبورِ انساں کیا کرے؟
زندگانی میں اگر جذبات سے کھیلا نہ جائے

بحرِ ہستی میں ہیں دھوکے کی چٹانیں زیرِ آب
تیری امیدوں کی کشتی بھی کہیں ٹکرا نہ جائے

میری آہِ گرم سے موجِ ہوا ہے بےقرار
تیرے فوٹو کی جبیں پر بھی پسینہ آ نہ جائے

مجھ کو آتا ہے ترس تیری جوانی دیکھ کر
تو بھی اِس منزل میں میری طرح ٹھوکر کھا نہ جائے

(قلمی)

ایک ہندوستانی فقیر کے کمالات

کچھ دوست بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ کئی طرح کی باتیں زیر بحث آئیں لیکن انجام کار گفتگو کا رُخ اس سوال کی طرف پھر گیا کہ یہ جو لوگوں میں عام خیال پھیلا ہوا ہے۔ کہ ہندوستان میں کئی صاحب کمال فقیر پائے جاتے ہیں۔ کس حد تک درست ہے؟

"میں تو اسے محض بکواس خیال کرتا ہوں" نوجوان جونز نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہندوستانیوں کی جہالت اور اُن کے وہمی مزاج کا نتیجہ ہے کہ وہ ڈھونگی بازہ فقیروں کے چکر میں آ کر اُن کے معجزات کے قائل ہو جاتے ہیں ورنہ سچ پوچھو تو ایسا ایک آدمی بھی نہیں جس میں فوق الفطرت طاقت پائی جاتی ہو۔ میں یہ بھی نہیں مانتا کہ اُن میں جادو کی طاقت حقیقتاً موجود ہے۔ میں انہیں دھوکے باز اور سحر ساز خیال کرتا ہوں"

اس پر بڈھا ڈاکٹر فراؤڈ۔ جس کی عمر کے ۶۱ سال کا بیشتر حصہ ہندوستان میں بسر ہوا تھا اپنی کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"جونز یہ محض تمہارا خیال ہے ورنہ ہندوستان میں کئی طرح کے فقیر پائے جاتے ہیں۔ بیشک یہ صحیح ہے کہ اُن میں سے اکثر دھوکے باز ہیں لیکن کچھ ایسے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو اپنے اندر غیر معمولی طاقتیں رکھتے ہیں۔ بعض کا دعویٰ ہے کہ یہ طاقتیں ان میں نسلاً بعد نسل قائم چلی جاتی ہیں۔ مجھے اپنی زندگی میں ایسے کئی شخصوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے ان کی خفیہ طاقت کے کرشمے دیکھے ہیں وہ ایسے ایسے کام کر کے دکھاتے ہیں کہ زمانہ موجودہ کے سائنس دان بھی حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔ بڑے بڑے مسلّم جادوگر یہ نہیں سمجھ سکے کہ ان کی طاقت کا اصلی راز کیا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب آپ بزرگ ہیں میں آپ کے الفاظ کی تردید کرنا معیوب سمجھتا ہوں۔ جونز نے اپنے کلب کے ساتھیوں کو آنکھ کا اشارہ کر کے جلدی سے کہا لیکن معاف کیجئے۔ میں اس شنید کو ہرگز قابل یقین نہیں سمجھ سکتا ہاں کوئی ایسا باکمال فقیر آپ کی نظروں میں موجود ہو اور وہ کوئی اس طرح کا کام کر کے دکھائے جسے عام لوگ نہ کر سکتے ہوں تو البتہ میں قائل ہو جاؤں گا لیکن اس کے بغیر کبھی نہیں۔"

"یہ بالکل درست ہے" ایجرٹن نے اپنے پرانے دوست جونز کی تائید کرتے ہوئے کہا "اسکے علاوہ ڈاکٹر صاحب ایک مثل مشہور ہے کہ جب تک آنکھیں نہ دیکھ لیں دماغ قائل نہیں ہو سکتا۔"

ڈاکٹر فراؤڈ کے دل کو ان اعتراضات سے سخت رنج پہنچا اور تاسف کے آثار اسکی پیشانی پر فوراً پیدا ہو گئے۔ لیکن جلد ہی سنبھل کر اس نے آہستہ سے کہا "قصور تم لوگوں کا نہیں۔ زمانہ موجودہ کی تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہر شخص بڑوں بوڑھوں کی بات کو ہیچ سمجھ کر جھٹ نظر انداز کر دیتا ہے تاہم کوئی بات نہیں میں تم دونوں کو قائل کر کے چھوڑوں گا۔ بہت دن گذرے میں شہر کے بازار سے گذر رہا تھا میرے ایک ہندوستانی دوست نے ایک فقیر مجھکو دکھایا جسکی نسبت مشہور ہے کہ اپنے اندر غیر معمولی پوشیدہ طاقتیں رکھتا ہے۔ میں اپنے اس دوست سے پتہ لے کر اُس فقیر کو تمہارے سامنے لانے کی کوشش کروں گا اور مجھکو یقین ہے کہ اس کے کمالات دیکھ کر تم کو ضروری طور پر قائل ہونا پڑے گا۔"

اسکے قریباً چند دن بعد کا واقعہ ہے۔ ایک روز جبکہ ڈاکٹر فراؤڈ شفاخانہ کی طرف جاتے ہوئے شہر کے بازار سے گذر رہا تھا۔ وہی فقیر اسکو مل گیا جسکی خوبیوں کا حال اسکے ہندوستانی دوست نے بیان کیا تھا۔ ڈاکٹر فراؤڈ کے لئے وہ بالکل اجنبی تھا لیکن صرف پانچ منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے تحقیق کر لیا کہ یہ شخص ضرور اپنے اندر کوئی خاص خوبی رکھتا ہے اور اس کا کام دیکھ کر جونز اور اسکے ساتھی ایجرٹن دونوں کو اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ صاحب کمال فقیر سرزمین ہند سے بالکل ناپید نہیں ہو گئے۔ گفتگو کے دوران میں ڈاکٹر نے فقیر کو اپنے دونوں دوستوں کی بدگمانی کا قصہ سنایا اور کہہ سن کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اس شام کو ساڑھے چھ بجے کے قریب کلب گھر تک آنے کی تکلیف گوارا کرے۔

شام کے وقت جب کلب گھر کے ممبر ٹینس کھیل کر فارغ ہو چکے اور چائے نوشی کیلئے ہری ہری گھاس پر کرسیاں بچھائے بیٹھے تھے۔ ساڑھے چھ کے عمل پر ڈاکٹر وہاں آ نکلا۔ اسکے چند ہی منٹ بعد کلب کا چوکیدار ایک دھیمڑ عمر کے برہمن کو ساتھ لئے اندر آیا اور براہ راست ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"حضور یہ آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"بہت اچھا ہم مل لیں گے" ڈاکٹر فراؤڈ نے ہنستے ہوئے کہا "تم اسے چھوڑ کر جا سکتے ہو۔" جو کیدار رخصت ہو گیا تو ڈاکٹر نے جمع شدہ ممبران کلب سے مخاطب ہو کر کہا۔ "صاحبو یہی وہ فقیر ہے جس کا حال میں نے تم سے بیان کیا تھا عنقریب یہ کوئی ایسا کام کر کے تم کو دکھائیگا کہ جو بدگمانی تم میں سے بعض کے دلوں میں قائم ہے رفع ہو جائے گی۔"

حاضرین میں ایک عام حرکت پیدا ہوئی اور ہر شخص یہ دیکھنے کیلئے مڑا کہ جونز بیٹھا ہے یا نہیں عین اسی موقع پر وہ بھی اپنے دوست ایجرٹن کو ساتھ لئے ٹہلتا ٹہلتا وہاں آ نکلا۔

جونہی ڈاکٹر کی نظر اس پر پڑی اُس نے کہا لو صاحب آج تمہارا اطمینان کرائے دیتے ہیں جس طرح کے فقیر کی تم کو تلاش تھی وہ آج آ گیا۔ اُمید ہے آئندہ کیلئے تمہارے دل میں یہ شک باقی نہ رہیگا کہ ہندوستان کے صاحب کمال فقیر بالکل ہی نابود ہو چکے ہیں۔"

"اوہو اگر آپ نے واقعی ایسا انتظام کر دیا ہے تو میں پیشگی آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں" جونز نے ہنستے ہوئے کہا "ذرا فقیر صاحب سے کہئے وہ کوئی تماشہ کر کے دکھائیں۔"

ڈاکٹر فراؤڈ کا اشارہ پاتے ہی فقیر آگے بڑھا اور ڈاکٹر نے اس سے ہندوستانی زبان میں باتیں کیں۔ گفتگو کے خاتمہ پر حاضرین کی طرف مڑا۔ پہلے آفتاب کو دیکھا اس کے بعد اپنی سیاہ چمکدار آنکھوں سے اُن میں سے ہر ایک کی صورت کا جائزہ لیا۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر گو نہ اطمینان ہوا کہ حاضرین کے مقابلہ میں یہ شخص مطمئن نظر آتا تھا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی خفیہ طاقتوں پر کامل اعتماد رکھتا ہے۔

اسکی شکل و صورت درجہ اوسط کے ہندوستانی فقیروں سے مختلف تھی۔ نہ انکی طرح اسکا بدن سوکھا ہوا نہ جسم پر راکھ ملی ہوئی تھی نہ اسکے اعضاء میں سے کوئی خمیدہ نظر آتا تھا۔ اسکے برعکس وہ ایک طاقتور تنومند صحتمند آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ایک اور عجیب بات جو اسکی ذات میں پائی جاتی تھی وہ اسکی غیر معمولی صفائی تھی۔ چہرہ پر بھی سیاہ داڑھی تھی۔ گلے میں ڈھیلا گیروا لباس لیکن اسکے اندر سے اسکا گٹھا ہوا بدن صاف دکھائی دیتا تھا۔ شکل و صورت اور لباس کے اعتبار سے فقیر ہوتے ہوئے بھی یہ آدمی عبادت گذار طبقہ سے بہت زیادہ جنگجو فرقہ سے تعلق رکھنے والا معلوم ہوتا تھا۔

اس نے اپنے کندھوں پر ایک بلس رکھا ہوا تھا جس میں دو ٹوکرے بند تھے اس نے ان کو اتار کر فرش زمین پر ایک طرف رکھ دیا۔ ایسا کرتے ہوئے اسکی آنکھوں میں خوش مزاجی کی دلکش چمک پائی جاتی تھی بعد ازاں اس کی نگاہ جونز کے چہرہ کی طرف گئی اس نے نہایت خوش اخلاق اشارہ کر کے اسکو آگے بلایا۔

آخر الذکر نے ہنسنے کی کوشش کی لیکن صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے سینہ میں عجب طرح کا اضطراب رکھتا ہے۔ بہرحال دکھاوے کے طور پر اس نے بے پروائی سے کہا "خیر اب دیکھنا چاہیے فقیر صاحب کیا کرامات دکھاتے ہیں"۔ لیکن گو اس کا لہجہ سرسری سا تھا مگر اسکے انداز سے پایا جاتا تھا کہ وہ اس فقیر کی ہیبت و سطوت ابھی سے محسوس کرنے لگا ہے۔

جونز کو حاضرین کی آگے بڑھتا دیکھ کر فقیر چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ چنانچہ اب اس نے یکایک زمین کی طرف جھک کر ایک لکیر اپنی انگلی سے فرش زمین پر کھینچ دی اسکے بعد وہ الٹے قدم پیچھے ہٹ گیا اور جونز کو اپنی طرف آگے آنے کا اشارہ کیا۔ آخر الذکر بڑے اطمینان کے ساتھ قدم اٹھاتا آگے بڑھا لیکن جس وقت وہ اس لکیر کے پاس پہنچا جو فقیر نے زمین پر کھینچی تھی تو اس کا ایک پاؤں جس کو اس نے لکیر کے اس پار رکھنے کو اٹھایا تھا۔ ہوا میں اٹھے کا اٹھا رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کوئی نادیدہ طاقت اسے آگے بڑھنے سے روکے ہوئے ہے۔ جونز کو اس سے بے حد تعجب ہوا لیکن معاملہ کو سرسری سمجھ کر نظر انداز کرتے ہوئے اس نے وہ پیر لکیر کے اسی پار نیچے رکھ دیا اور دوسرا پیر اٹھا کر آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن نتیجہ پھر بھی وہی نکلا۔ خدا جانے اس لکیر میں کونسی طاقت چھپی تھی جو اسکو ایک قدم بھی آگے بڑھنے نہ دیتی تھی۔

اسی اثنا میں فقیر ایک جانب بازو لپیٹے کھڑا جونز کی بے سود کوششوں کو دیکھ دیکھ کر مسکرا تا اور بھی جتنے آدمی جمع تھے وہ سب یہ بات دیکھ کر کہ جونز انتہائی کوشش کے باوجود لکیر کے اس پار قدم رکھنے سے لاچار ہے حیرت زدہ ہو رہے تھے۔

ونفٹن بھی کی پشت پر کت سی معلوم ہوئی۔ چنانچہ باقیوں کو ایک طرف ہٹاتا نوجوان ہربرٹ آگے بڑھا حاضرین نے دیکھا کہ وہ بھی تیز چلتا لکیر کے پاس جا پہنچا لیکن اسکے بعد جب وہ اسکو عبور کرنا چاہتا تھا اسی طرح ٹھٹھک کر پیچھے ہٹ گیا گویا جونز کی مانند وہ بھی اسکو پار کرنے کے ناقابل تھا۔ اب دونوں دوستوں کی حالت عجیب تھی۔ ان کے چہروں کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی اور وہ سخت گھبرائے ہوئے نظر آتے تھے۔

"کتنے تعجب کی بات ہے" ان میں سے ایک نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لکیر میں کوئی جادو بھرا ہے"۔ دوسرے کے منہ سے بے اختیار نکلا

"دیکھنا! دیکھنا! کیا ہو رہا ہے" حاضرین میں سے ایک کی آواز سنائی دی۔

اور یہ امر واقعہ ہے کہ اب ایک نہایت عجیب حیرت انگیز واقعہ ظہور میں آنے لگا تھا یعنی وہ لکیر جس کو پار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اب رفتہ رفتہ پیچھے کو ہٹنے لگی اور دونوں نوجوان فرط حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسکی طرف دیکھنے لگے۔ جب وہ ان کے پاؤں کی انگلیوں کے قریب پہنچ گئی تو وہ مجبوراً پیچھے ہٹنے لگے جس سے معلوم ہوتا تھا کوئی طاقت ان کو بڑے زور کے ساتھ پیچھے کو دھکیل رہی تھی

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی انکی پریشانی کا خاتمہ نہ ہوا تھا کیونکہ اب ایک نیا عجیب اضافہ ظہور میں آیا یعنی جو لکیر اب تک سیدھی تھی خم کھا کر ان کے پیچھے کو ہٹنے لگی اور دیکھتے دیکھتے اس نے ان دونوں کے گرد دائرہ کی صورت اختیار کر لی۔ جونز اور ہربرٹ دونوں نے جلدی سے لکیر کی حد سے باہر نکل جانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ کئی بار انہوں نے اس سے باہر نکلنے کے لئے قدم اٹھایا لیکن ہر مرتبہ ان کو مجبوراً پیچھے ہٹ جانا پڑا اور اسکے ساتھ ہی ساتھ وہ بھاری تھکان اور کسی قدر دہشت بھی محسوس کرنے لگے۔

اور اب مزیداری دیکھئے کہ لکیر کے دائرہ نے اب رفتہ رفتہ تنگ ہونا شروع کر دیا۔ جوں جوں یہ حلقہ تنگ ہوتا جاتا۔ توں توں وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ چمٹتے جاتے اور اس محدود دائرہ کے اندر گھٹتے ہوئے مقام میں کھڑے رہنے کی کوشش کرتے تھے انتہا یہ ہے کہ وہ دونوں پشت در پشت کھڑے ہونے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن جب لکیر کا دائرہ اور بھی تنگ ہونے لگا تو دونو انگریز نوجوانوں کو سخت دہشت ہوئی۔ ان کے منہ سے بے اختیاری میں طرح طرح کی آوازیں نکلنی شروع ہو گئیں اور ان پر کچھ اس طرح کا اضطراب طاری ہو گیا کہ دیکھنے والے انکی حالت کو رحم انگیز تصور کرنے لگے آخر کار عین اس وقت جب وہ دونوں بدنصیب سیدھے کھڑے رہنے کے قابل نہ رہے تھے فقیر کے کچھ کہنے کے بغیر ہی سحر ٹوٹ گیا لکیر کا اثر زائل ہو گیا اور دونوں کسی نادیدہ طاقت سے دھکا کھا کر اس طرح سامنے کو گرے کہ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل آ پڑے اب جو دیکھا تو وہ لکیر بھی غائب ہو گئی تھی فقیر متبسم کناں دونوں مغلوب و شکست یاب نوجوانوں کی طرف بڑھا۔

وہ نظارہ کتنا عجیب و عبرتناک تھا کہ دو نوجوان انگریز جو ذرا سی دیر پہلے فقیر کا مضحکہ اڑا رہے تھے اب اس کے سامنے بے بسی کے عالم میں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل زمین پر گرے ہوئے نظر آتے تھے۔ حاضرین کی دہشت اب زائل ہو گئی تھی وہ اسقدر زور و شور کے ساتھ ہنسنے لگے کہ ان کے منہ سے چیخ کی سی آواز نکل نکل جاتی تھی۔

رفتہ رفتہ دونوں دوست اپنی دہشت پر غالب آئے اور گو اس لکیر کو متحرک ہوتا اور انجام کا نظروں سے چھپتا دیکھ کر ان کو گھبراہٹ لاحق ہو گیا تھا مگر وہ اپنے تجربات کے متعلق کوئی تفصیل بیان نہ کر سکتے تھے اپنی شرمندگی چھپانے کیلئے وہ جلدی سے اس جگہ سے رخصت ہو گئے اور اسکے بعد فقیر بھی کسی جگہ کو چلا گیا۔

تقریباً ایک ہفتہ جونز یا ہربرٹ کی صورت کلب گھر میں دکھائی نہ دی اور جب آخر کار وہ پھر وہاں آنے لگے تو ان کے رویہ میں عظیم تبدیلی ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر فراڈ کے روبرو انہوں نے سب کے سامنے تسلیم کیا کہ بیشک فقیر میں کوئی نہ کوئی کرامت ضرور تھی اور اس کا غیر معمولی فعل کو کسی دھوکے یا فریب پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

ممکن ہے کچھ لوگ اس داستان کو فرضی یا مصنوعی خیال کریں۔ لیکن اسکا گواہ ایک نہایت [illegible] ہی یہ بتا سکتا ہے کہ اس عجیب حیرت انگیز واقعہ کی تہہ میں کونسا راز پوشیدہ تھا۔ فقط۔

گناہ کی رات

اسے اپنی گذشتہ زندگی میں کوئی جاذبیت نظر نہیں آتی تھی، معلوم نہیں کتنی اسکی زندگی میں سیکڑوں طوفانی راتیں آئیں اور چلی گئیں لیکن وہ رات!

اس رات سے اس کی دنیا ہی بدل گئی، وہ کھویا کھویا سا رہنے لگا اس کے چہرہ پر ایک اداسی سی چھائی رہتی تھی، اس کا دل اور دماغ اسکے قابو میں نہ تھا، اس کی صورت سے دیوانگی برستی تھی، اور وہ بر سوں کا بیمار معلوم ہوتا تھا۔

وہ ہمیشہ سے تو ایسا نہ تھا، اس سے قبل وہ ایک نہایت ہنس مکھ اور سنجیدہ انسان تھا، اس کی عمر بھی کوئی تیس سال کے لگ بھگ ہو گی، وہ شہر کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا، کوئی دو سال ہوئے کہ اسکے والد تھوڑی سی جائداد چھوڑ کر مرے تھے، چند کرایہ کی دوکانیں تھیں اور دو تین مکان، اس کے علاوہ انہوں نے تھوڑا سا روپیہ بنک میں چھوڑا تھا، اسی روپیہ سے اس نے ایک کپڑے کی دوکان کھولی تھی، جس سے اسے خاصی آمدنی ہو جاتی تھی، اور وہ فارغ البالی کی زندگی بسر کرتا تھا۔

وہ کچھ ایسا زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا، بچپن میں اس نے ایک اسلامی مدرسہ میں مذہبی تعلیم پائی تھی جس سے اس پر مذہبیت کا گہرا رنگ چڑھ گیا تھا، وہ نماز اور روزہ کا پابند تھا اور ہر نیک کام میں حصہ لیتا رہتا تھا۔

یہی چوک کے نکڑ پر اس کی دوکان تھی، چوک شہر کا تجارتی مرکز تھا، اس کی ایمانداری اور خوش مزاجی کی وجہ سے اسکی دوکان پر کافی بھیڑ لگی رہتی تھی، اور وہ صبح کے آٹھ بجے سے رات کے دس بجے تک مصروف رہتا تھا، اس درمیان میں وہ دوکان کو صرف اس وقت تک چھوڑتا تھا جبکہ اسے قریب کی مسجد میں نماز کے لئے جانا ہوتا تھا۔

مسجد قریب ہی ایک گلی میں تھی اور اسی گلی میں اسے جانا پڑتا تھا یہ وہ گلی تھی جہاں پر عصمت فروش عورتیں عصمت جیسی نایاب شے کو چاندی کے چند سکوں کے عوض فروخت کیا کرتی تھیں، اور جہاں پر دن رات اسی قسم کے کھیل کھیلے جاتے تھے، یہ عورتیں سوسائٹی کے اس ذلیل ترین طبقہ سے تعلق رکھتی تھیں جسے عرف عام میں "طوائف" کہا جاتا ہے!

شام کے وقت اس گلی میں غیر معمولی چہل پہل ہوتی تھی، سجے ہوئے بالاخانوں پر جو کہ بجلی کے قمقموں کی روشنی سے جگمگاتے ہوتے تھے، بیٹھ کر یہ عورتیں بازار سے گزرنے والوں کو "دعوت عمل" دیا کرتی تھیں انہیں میں سے ایک سراج بھی تھا۔

سراج جس وقت اس گلی میں سے گزرتا تھا تو یہ گناہ کی بولتی ہوئی تصویریں" اسے ہر طرح سے مخاطب کرنے کی کوشش کیا کرتی تھیں، انہیں میں سے ایک طوائف غیر معمولی طور پر شوخ تھی، اس کا نام چندرا تھا، وہ سراج کو ہر ممکن طریقے سے مخاطب کرنا چاہتی تھی، اس کی آواز اور نغمے کسی اور کیلئے جاذب ہوں تو ہوں لیکن سراج کے لئے نہ تھے۔

سڑک پر چلتے وقت اس کی نظریں ہمیشہ نیچی ہی رہتی تھیں وہ غیر عورتوں کی طرف دیکھنا اور ان کی آواز تک سننا گناہ سمجھتا تھا، اگر ممکن ہوتا تو وہ ہرگز اس پاپ کی گلی سے نہ گزرتا اور اس طرح سے ان لوگوں کے گندے اور غلیظ الفاظ کبھی اس کے کانوں تک نہ پہنچتے، اسے اس طبقہ سے انتہائی نفرت تھی، اور ان کی آوازیں سنکر اس کے تن بدن میں آگ سی لگ جایا کرتی تھی، وہ اس پیشہ کی ہر عورت کو ایک ہی نظر سے دیکھتا تھا، نفرت اور حقارت!

آج رمضان کی ۳۰ تاریخ تھی، بازاروں میں کافی چہل پہل تھی، خریداروں کے غول کے غول ایک دوکان سے دوسری اور دوسری سے تیسری کے چکر لگا رہے تھے، کوئی کپڑوں کی دوکان پر بیٹھا نظر آ رہا تھا تو کوئی جوتوں کی، کوئی مٹھائی خرید رہا تھا تو کوئی سوئیاں، کوئی درزی کو صلواتیں سنا رہا تھا تو کوئی چمار کو گالیاں دے رہا تھا، غرضیکہ ہر شخص اپنی اپنی دھن میں مست تھا، سراج بھی آج بہت زیادہ مصروف تھا کیونکہ روز سے اس کی مصروفیت کا یہی عالم تھا، اور اسے سر اٹھانے تک کی مہلت نہ تھی۔

مسجد سے مغرب کی اذان کی آواز آئی اور سراج نے روزہ افطار کیا، مسجد میں جا کر مغرب کی نماز کے ساتھ ہی دوگانہ شکر بھی ادا کیا۔

شہر میں گولے چھوٹنے لگے، لوگ فرط مسرت سے ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے اور عید کی مبارک باد دے رہے تھے، آج سراج بہت خوش تھا، مسرت کی لہر اس کے بدن میں دوڑ رہی تھی، آخر وہ بھی تو انسان تھا،

۹ بجے سراج نے دوکان بند کی اور عشا کی نماز پڑھنے کیلئے مسجد کی طرف روانہ ہوا۔

آج رات اس گلی میں اور دنوں سے زیادہ چہل پہل اور رونق تھی، عاشق مزاج لوگ اُجلے کپڑے پہنے اور مانگ نکالے ہوئے سڑک پر ٹہل ٹہل کر نظارۂ جمال کر رہے تھے، آنے والے دن کی خوشی میں طوائفوں نے نہ صرف اپنے بناؤ سنگار میں خاص تکلف سے کام لیا تھا بلکہ بالاخانوں کو بھی خوب آراستہ کیا تھا۔

سراج حسب عادت نظریں نیچی کئے جا رہا تھا، غیر اختیاری طور پر وہ دن بھر کی آمدنی کا حساب لگانے لگا، پھر اسے خیال ہوا کہ کل عید کے سلسلے میں اسے اپنی بیوی کی متعدد خواہشات پوری کرنا ہیں۔

وہ اپنے خیالات کی رو میں ابھی یہیں تک پہنچا تھا کہ اسے ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اس کے خیالات کا سلسلہ بری طرح منقطع ہو گیا، اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بے باک جوانی اس کا ہاتھ تھامے ہوئے ہے، یہ جنیدرا تھی، اس کی آنکھوں میں شرارت تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ سراج کے آنکھ اٹھانے پر اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسکی طرف دیکھا، اور مسکرا دی، سراج کو اب معلوم ہوا کہ دو زہر میں بجھے ہوئے تیر اس کے دل و جگر کو چھیدتے ہوئے پار نکل گئے، اس نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

”صرف دو روپیہ، تمہاری خاطر،“ اس نے سراج کا چہرہ تھوڑی سے پکڑ کر اپنی طرف کرتے ہوئے کہا، اسے اب معلوم ہوا کہ چند جلتے ہوئے شعلے اسکے چہرہ پر لپٹ گئے، اسنے گھبرا کر اپنا ہاتھ چھڑایا اور تیزی سے نکل جانا چاہا، اس کے کانوں میں ایک پُر کیف قہقہہ کی آواز آئی، اسے اسکی کوئی پروا نہ تھی، وہ اپنے ایمان کو کسی قیمت پر فروخت کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اس کی رفتار اور تیز ہو گئی، اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس جگہ کی ہر چیز اس پر ہنس رہی ہو اور اس کا مضحکہ اڑا رہی ہو، اس کا دل اس پر ملامت کر رہا تھا، حالانکہ وہ بالکل بے قصور تھا۔

آخرکار اس نے مسجد کے دروازہ پر جا کر دم لیا، وہ اس وقت بُری طرح ہانپ رہا تھا، اس کی پیشانی پر سے پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے، اسکا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

وہ تھوڑی دیر مسجد کے دروازہ پر اپنا سانس درست کرنے کے لئے ٹھیرا، جیب سے رومال نکال کر چہرہ پر سے پسینہ پونچھا، اور مسجد میں جا کر وضو کرنے لگا، وہ اس وقت مسجد کے اندر بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا لیکن اسکے خیالات اور ہی کہیں تھے، خیالات کی رو میں جہاں اس نے تین کی بجائے دس کلیاں کیں وہاں وہ منہ تک دھونا بھول گیا۔

وضو کر کے وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا، اگرچہ وہ اس وقت معبودِ حقیقی کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا لیکن اس کے خیالات اس کے سامنے وہی گلی کا منظر پیش کر رہے تھے، وہ نماز کے دوران میں کسی قسم کا خیال لانا گناہ سمجھتا تھا، لیکن وہ مجبور تھا، آخرکار خیالات کے ہجوم سے پریشان ہو کر اس نے نیت توڑ دی، اور مسجد سے باہر نکل گیا۔

وہ کہاں کہاں گیا اور کس کس جگہ مارا پھرا اس کا اسے مطلق ہوش نہ تھا، اس کے دل میں رہ رہ کر وہی خیالات آ رہے تھے، اسے اسکا ہاتھ اپنی کلائی پر محسوس ہوتا تھا اور اس کی انگلیاں اپنے رخساروں سے مس ہوتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں، اس نے سوچا، وہ کون تھی، اس کا نام کیا تھا، اس نے ایسا کیوں کیا، دو روپیہ سے اس کا کیا مطلب تھا، اور میری خاطر اسے کیوں منظور تھی، آخر وہ چاہتی کیا تھی۔

یونہی اسے اپنی بیوی کا خیال آیا اور پھر نہ معلوم کیوں وہ اس بات کی کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح اسے خیالات کے اس ہجوم سے نجات مل جائے، لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس کی حالت اس مجبور انسان کی سی تھی جو چوری کرنے پر مجبور ہو اور جب وہ مالِ غنیمت لے کر بھاگے تو سامنے صامت پیڑ بھی اس کا تعاقب کرتے ہوئے نظر آئیں۔

وہ سوچتا تھا کہ اس نے اسکے ساتھ ظلم کیا۔ اسے اس کا ہاتھ اس بے دردی سے نہ جھٹکنا چاہیئے تھا، کہیں اس کی کلائی میں جھٹکا نہ آ گیا ہو، آخر وہ بھی انسان تھی، اس سے حیوانوں کا سا سلوک کسی طرح جائز نہ تھا، اسے اسکی بات تو سننا چاہیئے تھی اور اس سے مہربانی سے پیش آنا چاہیئے تھا۔

گھنٹہ گھر نے ۱۲ بجائے، وہ ایک دم چونک پڑا، اس نے دیکھا کہ وہ ایک زینے کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہے، اسے اپنی حالت کا احساس ہونے لگا، اس کے دل نے اسے ملامت کی، وہ جانے کے لئے مڑا، اتنے میں کسی نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا، اسے ایسا معلوم ہوا کہ وہ سیڑھیاں چڑھ رہا ہے، اس کے کانوں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی، اور اسکے بعد زنجیر لگنے کی۔

ایک جھٹکا سا لگا، اور دوسرے لمحہ اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک نرم اور گدیلے بستر پر بیٹھا ہوا ہے، وہ بالکل ہوش میں نہ تھا، لیکن اس کی قوت متخیلہ اسے ہر بات کے سمجھنے میں مدد دے رہی تھی، اس کی نظروں کے سامنے سایے سے گردش کرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے، اس نے دیکھا کہ ایک عورت آئینہ کے سامنے کھڑی ہوئی اپنے بال درست کر رہی تھی، یہ جنیدرا تھی۔

اس نے اپنے لباس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور اٹھلاتی ہوئی اسکے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔

”کیسے آنا ہوا سرکار“ اس نے اپنا جوڑا سنبھالتے ہوئے پوچھا، اور جواب کی منتظر رہی، جواب نہ ملنے پر وہ اس کے پاس ہی پلنگ پر بیٹھ گئی، اپنے بازو اسکی گردن میں حمائل کر کے اپنے ہونٹ اسکے ہونٹوں میں پیوست کر دیئے۔

اسکے سوئے ہوئے جذبات نے کروٹ لی، لیکن وہ بدستور اسی طرح بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر بعد اسے اپنا ہاتھ کسی گداز اور اُبھری ہوئی شے سے مس ہوتا ہوا معلوم ہوا، اسے کسی کے دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی تھی . . . . .

دبی ہوئی چنگاریاں شعلے بن بن کر بھڑکنے لگیں، گناہ کے دیوتا نے اپنا پہلا تیر چھوڑا . . . .

اس کا دل اسے ملامت کر رہا تھا، اس نے نگاہیں نیچی کر لیں، لیکن فوراً ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے، اسے اپنے آپ سے شرم آنے لگی، کیونکہ وہ . . . .

"کچھ روپیہ پیسہ ہے" اس سے سوال کیا گیا۔

"ہاں، ہیں، جیب میں" اس نے اپنے مخاطب کو دیکھتے ہوئے کہا، لیکن اس کی نظریں فوراً ہی نیچی ہو گئیں، کیونکہ وہ بھی . . . .

تھوڑی دیر بعد شربت کا گلاس اس کے منہ کو لگا دیا گیا، جو باوجود تلخی کے اسے پینا پڑا، اس کے بعد دوسرا، پھر تیسرا، وہ بالکل مدہوش ہو گیا، اسے کسی کے بازو اپنی گردن میں حمائل ہوتے محسوس ہوئے اور . . . . . .

"ہے کچھ اور اس کے علاوہ" اس نے اس کی جیب سے نوٹ نکالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، جو کچھ ہے یہی ہے" اس نے کوشش کر کے جواب دیا۔

"یہ انگوٹھی اور گھڑی . . ." اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جواب ملنے پر اسے بتایا گیا کہ اگر وہ اسے اپنی انگوٹھی اور گھڑی نہ دے گا تو اسے اس کے کپڑوں تک سے محروم رکھا جائے گا۔

اتنا سخت حکم سن کر اس کا دل کانپ گیا، اور اس نے فوراً انگوٹھی اور گھڑی اس کے حوالے کر دی۔

"ہم لوگ ایسا کرنے پر مجبور ہیں، سیٹھ جی!" اس نے اسکے کپڑے دیتے ہوئے کہا، "آپ ہی جیسے لوگوں سے ہمیں روزی ملتی ہے، پیٹ سب کچھ کراتا ہے، اگر ایسا نہ کریں تو بھوکوں مرنا پڑے"!

"یہ آپ کی محبت نہ تھی" اس نے کپڑے پہنتے ہوئے کہا "جو ہمیں آپکے یہاں کھینچ لائی، یہ صرف آپ کی دولت کی محبت تھی، ہم لوگ محبت کے بھوکے نہیں، بلکہ دولت کے بھوکے ہیں، اور اس طرح سے دولت کمانے پر مجبور ہیں"۔

وہ کپڑے پہن کر دروازہ کی طرف بڑھا، اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"پھر آیئے گا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا، وہ خاموشی سے نیچے اُترنے لگا۔

"ملتے" اس نے زینہ سے اترتے ہوئے سنا۔

جس وقت وہ نیچے اترا تو قریب کی مسجد میں مؤذن کی صدا بلند ہوئی جس نے چاروں طرف اسکے بزرگ ہونے کا اعلان کیا۔ اسکی اب بھی وہی حالت ہے، وہ کھویا سا رہتا ہے، اس کا دل کسی چیز میں نہیں لگتا، معلوم نہیں کیوں؟

(از محمد حسن زبیری)

یادِ ایامِ عشرتِ فانی

از جناب رئیس احمد صاحب طور رزاقی

وہ دن، وہ زمانہ یاد بھی ہے، جب ہم تم مل کر گاتے تھے
جب قمری کوکو کرتی تھی، بلبل کے ترانے سنتے تھے
معصوم دلوں پہ مدہوشی، سرشاری چھائی رہتی تھی
جاڑوں کی ٹھنڈی راتوں میں جب تیز ہوائیں چلتی تھیں
ساون کی نشیلی راتوں میں جب رم جھم رم جھم ہوتی تھی
جب سبزہ روندا جاتا تھا، جب کلیاں توڑی جاتی تھیں
اور سنبل اپنے بال چمن میں کھول کے جب لہراتی تھی،
جب رات کو قصے کہتے تھے، اور دیر میں سویا کرتے تھے
جب آنکھ مچولی ہوتی تھی، میں چھپ کے زور سے ہنستا تھا،
معلوم نہ تھے یوں عیش کے دن نادانی میں کٹ جائیں گے

جب راز کی باتیں ہوتی تھیں، جب چوپے مفر بہاتے تھے
جب کوئل کی آوازوں میں ہم اپنے راگ ملاتے تھے
جب محفل میں اک بات سنا کر لاکھوں بات بناتے تھے
جب ہاتھ میں ہاتھ دبا کر ہم اپنے دلوں کو گرماتے تھے
ہم باغ میں ٹہلا کرتے تھے، اور کلیاں توڑ کے لاتے تھے
جب بادل گھر کر آتے تھے، ہم سیر چمن کو جاتے تھے
ہم اپنی زبانوں کی قینچی سے اسکے بال اڑاتے تھے
جب صبح کے ٹھنڈے جھونکے آکر بستر پر سو جاتے تھے
پھر نظریں جب مل جاتی تھیں، گھبراتے تھے، شرماتے تھے
اور وہ دن وہ کانٹے کھائینگے، جو منٹوں میں کٹ جاتے تھے

وہ اگلی صدائیں کانوں میں اب رہ رہ کر گونجا کرتی ہیں
اور یاس بھری نظریں چھپ چھپ کر تم کو ڈھونڈھا کرتی ہیں

پیرس کی ایک قیامت بدوش حسینہ کے ہتھکنڈے

آئی سی ایس کے دو امیدواروں کی درگت

ہندی کے مشہور ناول نویس اور نامور افسانہ نگار "ڈاکٹر دھنی رام پریم" کے ایک دلکش اور رنگین فسانے کا ترجمہ

یعقوب اور حبیب دونوں دیرینہ دوست تھے، ایک ہی شہر کے رہنے والے تھے، ایک ہی کالج سے بی اے پاس ہوئے تھے، اور ایک ہی جہاز سے ولایت جا رہے تھے دونوں کی فطرت بھی بڑی حد تک یکساں تھی، سیر سپاٹے میلے تماشے سینما تھیٹر اور گپ شپ میں زیادہ تر وقت گزارنا پسند کرتے تھے۔ دونوں پڑھنے لکھنے سے بھاگتے تھے، امتحان سے ایک مہینہ پہلے البتہ دونوں پر پڑھنے کا بھوت سوار ہوتا پھر تو پھر کتابیں ہوتیں یا وہ کسی اور چیز سے وابستہ ہی نہ تھے، نہ اس کی خبر کہ رات کب ختم ہوتی ہے۔ نہ اس کا پتہ کہ دن کب نکلتا ہے، وہ اس طرح امتحان میں کامیاب ہو جاتے، امتحان کی کامیابی میں ان کی خوش مزاجی زندہ دلی اور کبھی کبھی پروفیسروں کی چائے کی دعوت بھی ممد و معاون ہوتی۔ وہ جب تک اسکول میں تھے حساب میں ان کا کوئی پانسہ سیدھا نہ پڑتا تھا، میٹرک سے پہلے تو کسی طرح کام چل گیا، لیکن میٹرک میں گاڑی ایکدم رک گئی۔ اور ایسی رکی کہ چار برس بعد تب دونوں نے سرکنے کا نام لیا۔ کالج میں یہ مصیبت باقی نہ رہی، وہ جس روز میٹرک پاس ہوئے دونوں نے ایک گہرا گڑھا کھودا اور اس میں اپنی حساب کی کتابوں اور کاپیوں کو دفن کر دیا۔ اور اس قبر پر ایک روز یاروں دوستوں کی دعوت بھی کی۔

دونوں غیر شادی شدہ تھے ان کا کہنا تھا کہ وہ شادی کو نہیں مانتے، وہ شادی کی بندشوں میں جکڑ کر اپنی زندگی کو مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ لیکن در اصل بات یہ تھی کہ انہیں ہندوستانی لڑکیاں پسند ہی نہ تھیں، وہ دونوں اس وقت کا انتظار کر رہے تھے جب وہ ولایت پہنچیں اور یورپین مسوں سے کورٹ شپ کرنے کے بعد شادی کریں، ان کے لئے اس وقت کا آنا ناممکن بھی نہ تھا، دونوں کے باپ مالدار تھے۔ بی اے پاس کرتے ہی دونوں قسمت آزمائی کرنے نہایت کروفر سے یورپ روانہ ہو گئے،

(۲)

جہاز پر سوار ہونے سے قبل انگریزی کے قاعدے سے کھانا کھانا سیکھ لیا تھا، سوٹ بھی بمبئی کے ایک انگریز ٹیلر ماسٹر سے سلوائے تھے تاکہ ان کے جنٹلمین ہونے میں کوئی کسر نہ رہ جائے، کچھ کتابوں کا مطالعہ کر کے انگریزی سوسائٹی کی تہذیب کے اصول بھی انہوں نے معلوم کر لئے تھے، اگرچہ ان پر عمل کرنے میں انہیں دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

کچھ دوستوں نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ اٹالین لائن کے جہاز سے جائیں۔ لیکن انہیں یہ مشورہ پسند نہ آیا، اٹالین جہاز سے جانے میں انگریزیت کی بو کہاں سے آتی۔ اس لئے دونوں نے پی اینڈ او کے جہاز کے ٹکٹ لئے۔

جہاز کے سفر کا دوسرا دن تھا اب تک تو ساری باتیں ٹھیک ٹھیک ہوتی جا رہی تھیں۔ کھانے کے وقت بات چیت میں اور کھیلوں میں دونوں انگریزی تہذیب سے بھی آگے بڑھ گئے تھے۔ مگر اس روز رات کو انہیں پتہ چلا کہ وہ ایک بات سیکھنا بھول گئے، اس روز شب میں رقص ہو رہا تھا، اور جہاز کے تقریباً تمام مسافر رقص میں حصہ لے رہے تھے، لیکن حبیب اور یعقوب دونوں کو ناچنا نہ آتا تھا۔ کچھ دیر تک تو ناچ دیکھتے رہے، مگر آخر ان سے برداشت نہ ہو سکا کہ اور سب تو ناچیں اور وہ کھڑے منہ دیکھا کریں۔ اس لئے دونوں سموکنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے، اور سگریٹ جلا کر اس پر اپنا غصہ اتارنے لگے۔

"سب کچھ پڑھنے اور سیکھنے کے بعد بھی اتنی بات باقی رہ گئی"۔ حبیب اپنے منہ سے سگریٹ کے دھوئیں کو بل دیتا ہوا بولا، "میاں، تم نے بھی تو اس کا کچھ خیال نہ کیا۔ ویسے تو بڑی ڈینگ مارا کرتے تھے کہ ساری انگلش "ایٹی کیٹ" (تہذیب) کو چاٹ گئے ہیں؟"۔ یعقوب نے سگریٹ کی نوک سے راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"چائے تو سب چیزیں تھیں لیکن یہ بالکل مضم ہی ہوگئیں۔ تم نے بھی تو حماقت کی کہ کبھی اس کا ذکر تک نہ کیا ورنہ دو ہفتے پہلے پہنچکر بمبئی میں اس کی تھوڑی تعلیم حاصل کر لیتے۔"

"مجھے اس کا خیال تو آیا تھا مگر تمہارا ساتھ تھا اس لئے اسکی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔"

"ہاں کیا خبر تھی کہ جہاز ہی پر اس کی ضرورت پیش آجائے گی، لوگ نہ جانے کیا خیال کرتے ہوں گے۔"

"یہی کہ ہم غیر مہذب کالے ہیں کل دیکھنا سب ہمیں دیکھ دیکھ کر ہنسیں گے۔"

"اماں ہنسنے ہی تک کی بات ہوتی تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ کوئی ہماری طرف نگاہ بھی نہ اٹھائے گا اور کسی نے دیکھا بھی تو حقارت سے دیکھے گا۔"

"اور سب سے زیادہ افسوس تو اس کا ہے کہ جہاز کی کوئی لڑکی ہم سے آنکھ ملانا بھی پسند نہ کرے گی۔ دو ہفتے بھنگیوں کی طرح سب سے الگ رہ کر گذارنا پڑیں گے۔"

یعقوب نے جیسے ہی اپنا فقرہ ختم کیا کہ کمرے کے ایک دروازے سے آواز آئی "ہلو!"

دونوں نے حیران ہوکر دیکھا دروازے پر ایک حسین دوشیزہ کھڑی تھی دونوں نے سگریٹ جلدی سے ٹرے میں رکھدیئے، اور جھک کر کہا "ہلو!"

دوشیزہ قریب آگئی، اس نے پوچھا "آپ ناچ میں حصہ نہ لیں گے؟"

"نہیں۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"کیا ناچ پسند نہیں ہے؟"

"نہیں یہ بات تو نہیں ہے لیکن ....." یعقوب نے جواب دیا۔

"لیکن یہ ناچنا جانتا نہیں۔" حبیب نے فقرہ پورا کیا، یعقوب اسے گھور کر دیکھنے لگا۔

"تو پھر آپ ہی چلئے ناچنے" — وہ بولی۔

"میں ......"

"یہ بھی ناچنا نہیں جانتا" — یعقوب نے جملہ پورا کیا۔

"ناچنا نہیں جانتے تو سیکھنا شروع کر دیجئے۔"

"لیکن سکھائے گا کون؟" حبیب نے پوچھا۔

"میں" — بولی۔

"آپ" — یعقوب نے پوچھا۔

"ہاں" —

"یہ آپ کی بڑی عنایت ہے مگر آپ کو تکلیف دینا ...."

"اس میں تکلیف کی کون سی بات ہے؟" یہ کہہ کر اس نے یعقوب کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ابھی" — یعقوب نے پوچھا۔

"جہاز کا سفر ختم ہوتے ہوتے آپ لوگ مشاق ہو جائیں گے، اور پھر شاید ہم لوگ کسی بال روم میں ایک ساتھ ناچ سکیں۔" وہ ہنسکر بولی۔

اسکے ساتھ ہی حسینہ ایک دو تین چار کہہ کر قدم اٹھانے لگی اور یعقوب بھی اسی طرح قدم اٹھانے لگا،

"آج کل فاکس ٹراٹ کا زیادہ رواج ہے، پہلے وہی سیکھنا چاہیئے۔"

یعقوب حسینہ سے ناچ سیکھ رہا تھا اور حبیب ایک طرف خاموش کھڑا دیکھ رہا تھا، کچھ دیر یعقوب کو سکھا دینے کے بعد حسینہ بولی، "آپ تھک گئے ہوں گے اب ان کو (حبیب کو) سیکھنے دیجئے۔"

حبیب ایک طرف مسکرا کھڑا تھا، وہ خوش ہو کر آگے بڑھا اتنے میں یعقوب بولا "آپ اس کی فکر نہ کریں وہ تو دیکھ کر ہی سب کچھ سیکھ لیتا ہے۔ کوردماغ تو میں ہوں جو سب کچھ سیکھ کر بھی تھوڑی ہی دیر میں بھول جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے حسینہ کا ہاتھ پکڑا اور دونوں پھر ناچنے لگے۔

حبیب اور بھی جل گیا مگر چپ چاپ کھڑا رہا، اسے اور کڑھانے کیلئے یعقوب نے کہا۔ "حبیب یہ خاتون تھک گئی ہوں گی، تم ذرا اسٹورڈ سے جاکر کہہ دو کہ تھوڑی سی کافی اور بسکٹ لے آئے۔"

حبیب نے کچھ بامعنی نظروں سے یعقوب کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گیا اس کے جاتے ہی یعقوب نے ناچنا بند کر دیا، اور دو کرسیاں ادھر کھینچ لایا جن پر دونوں بیٹھ گئے۔

"اگر ناگوار نہ ہو تو آپ کی تعریف ..." یعقوب نے پوچھا۔

"میرا نام کالیسٹ ہے۔"

"تو کیا آپ فرنچ ہیں؟"

"ہاں۔"

"پیرس جا رہی ہیں؟"

"ہاں وہیں رہتی ہوں۔"

"ادھر کہاں تشریف لے گئی تھیں؟"

"فرنچ انڈوچائنا کی سیر کرنے گئی تھی۔"

"میری بڑی خوش نصیبی ہے جو آپ سے ملاقات ہوگئی" —

"آپ ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں؟"

"ہاں میں ہندوستان سے آرہا ہوں، انگلینڈ آئی سی ایس کیلئے جا رہا ہوں۔"

"کتنے دنوں تک وہاں رہینگے؟"

Dilchasp Muamma

No. 6

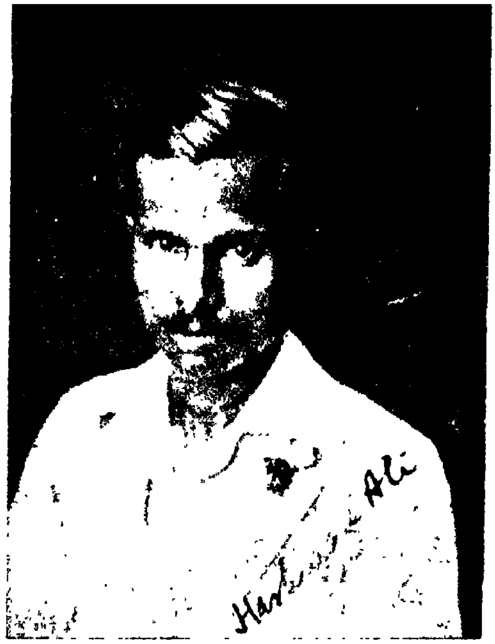
Our First Prize Winner

MR. HASHMAT ALI

OF

LUCKNOW

Got the First Prize.





رسالہ مست قلندر

کی مصدقہ اشاعت ہندوستان کے تمام اردو رسائل
سے زیادہ ہے اور ہر ماہ کم سے کم چار لاکھ زندہ دل حضرات
اس کیلئے چشم براہ رہتے ہیں۔ آپ کا اشتہار سال بھر
کیلئے مفت چھپے گا اگر یہ ثابت کر دیں کہ اردو کا کوئی
دوسرا میگزین مست قلندر سے زیادہ یا برابر یا اس کی
اشاعت کے نصف کے برابر چھپتا ہے۔
اشتہارات کے نرخ نہایت کم ہیں ضرور
اشتہار دیکر فائدہ کثیر حاصل کریں

آر بی آنند ایڈورٹائزنگ ایجنٹ

Lovely maidens on the war path

True Confessions of Indian Girls

Girls Experiences that are:—

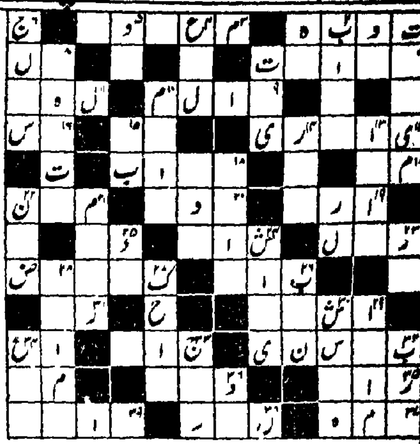
1. **Stirring, sensational, highly provoking thrillers.**
2. **Tingling, glowing, gripping, romances.**
3. **Harrowing, blood curdling poignant tragedies; in bright brisk, and beautiful style, with a strong romantic appeal, sweet, delightful, delicious.**

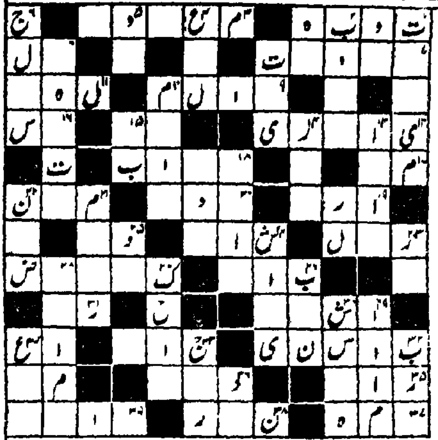
PRICE -/8/-

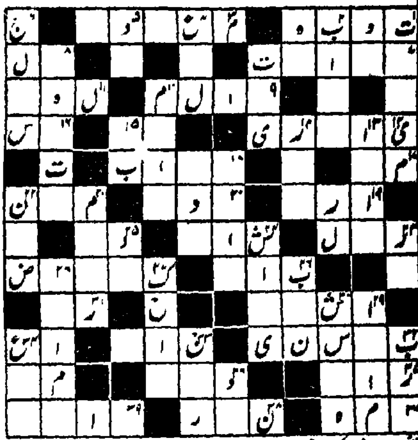
Sold at all Wheeler's Bookstalls or Direct from:

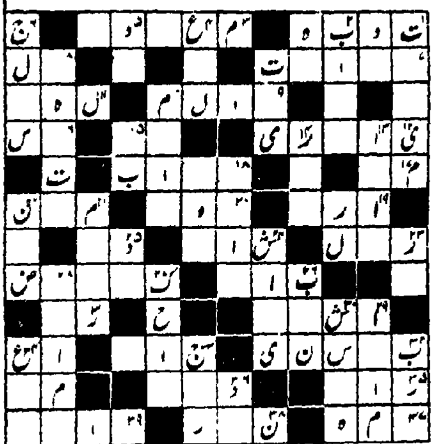
Manager 'MAST QALANDAR' Lahore

فیس ادا شدہ کوپن نمبر۱ — **دلچسپ معمہ نمبر (۹)** — فیس ادا شدہ کوپن نمبر۲









فیس ادا شدہ کوپن نمبر۳ — (سلسلہ شرکت معمہ ہذا مجھے تمام شرائط منظور ہیں) — اضافی کوپن نمبر

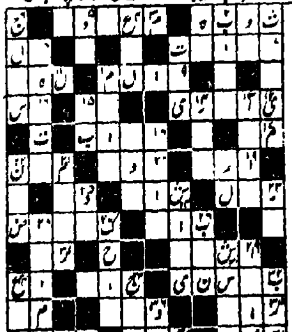
نام ---------- رسید نمبر پوسٹل آرڈر / منی آرڈر ---------- ٹکٹ مالیتی ----------

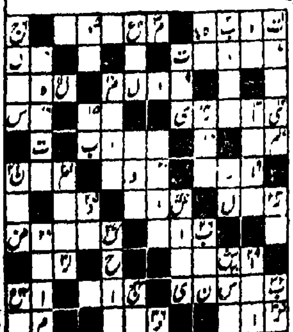
پتہ ---------- نمبر سلسلہ ---------- تاریخ ----------

ہدایت خاص تمام حل ہمارے مطبوعہ کوپن پر بھیجے جائیں۔ سادہ کاغذ پر بھیجے ہوئے حل مقابلہ میں شریک نہیں کئے جائے خواہ ایک حل بھیجیں یا چار مگر ان چاروں کوپن کو یکجائی بھیجنا لازمی ہے۔ **اڈیٹر دلچسپ معمہ**

مندرجہ ذیل نقشوں پر اپنے بھیجے ہوئے حلوں کی نقلیں اپنے پاس رکھ سکتے ہیں







"دو تین برس"

"دو تین برس میں تو آپ کا بہت خرچ ہو جائیگا آپ بہت دولتمند معلوم ہوتے ہیں"۔
یعقوب جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ حبیب واپس آگیا۔

"بڑی دیر لگا دی" یعقوب حبیب کو دیکھتے ہی بولا۔

"پرسر (جہاز کا خزانچی) نے مجھے بلا لیا تھا تمہیں بھی اس نے فوراً بلایا ہے"

"مجھے پرسر نے بلایا ہے؟ یعقوب نے کچھ پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہاں بہت ضروری کام ہے"

"کل ملوں گا"

"بے تار سے تمہارے گھر سے کوئی خبر آئی ہے"۔

"بے تار سے خبر! یعقوب نے گھبرا کر پوچھا۔

"تب تو تم ابھی جا کر مل آؤ" کالیٹ بولی۔

یعقوب جی نہ چاہتے ہوئے بھی جانے پر مجبور ہو گیا حبیب اس کی خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں اسٹوارڈ نے کافی اور بسکٹ لا کر سامنے رکھ دیئے۔

"میں آپکے بارے میں کچھ جان سکتا ہوں" بسکٹ کھاتے ہوئے حبیب نے پوچھا۔

"میرا نام کالیٹ ہے میں اپنا فن رقص دکھانے جاپان گئی تھی وہیں سے آرہی ہوں"

"میرا نام حبیب ہے، ہندوستانی ہوں ابھی آپ پاس ہوں آئی سی ایس کیلئے انگلینڈ جا رہا ہوں"

"تو آپ امیر آدمی ہیں"

حبیب کے جواب دینے سے پہلے ہی یعقوب غصہ میں بھرا ہوا آپہونچا لیکن کالیٹ کو دیکھ کر سنبھل گیا۔

"گھر پر سب خیریت ہے؟" کالیٹ نے پوچھا۔

"ہاں آپ کی عنایت سے سب خیریت ہے" یعقوب نے انداز بدل کر کہا۔

"اچھا اب میں جاتی ہوں کل پھر ملوں گی، گڈ نائٹ!" یہ کہکر کالیٹ روانہ ہوئی۔

گڈ نائٹ کہہ کر دونوں نے اسے رخصت کیا، جوں ہی اس نے پشت پھیری یعقوب نے بگڑ کر کہا "مجھ سے جھوٹی بات کہتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی، نہ تار نہ بے تار تم نے مجھے ناحق پرسر کے پاس بھیج دیا"

"تو کیا آپ رات بھر ناچتے رہتے اور میں کھڑا دیکھتا اور آپ کیلئے کافی اور بسکٹ لاتا رہتا؟" کیا اور کوئی ناچ سیکھنا نہیں چاہتا۔

"تم اس سے ناچ کیا سیکھو گے خاک وہ تمہیں خاطر میں بھی لاتی ہے؟"

"خاطر میں نہیں لاتی تو کیا یونہی؟" مجھے اپنی ساری داستان سنا گئی ہے۔"

"تمہیں ساری داستان سنا گئی ہے، اچھا بتاؤ تو وہ کہاں سے آرہی ہے؟"

"جاپان سے"

"جاپان سے! اور اسی پر حضرت کہتے ہیں کہ وہ انہیں اپنی ساری داستان سنا گئی ہے ارے حضرت وہ انڈوچائنا سے آرہی ہے"

"سراسر غلط، تمہیں الو سمجھ کر اس نے چکما دیا ہوگا"

"اچھا دیکھا"

اچھا دیکھنا"

(۳)

جبرالٹر دیکھنے کی غرض سے جہاز ہی کے ذریعے انگلستان جانا طے کیا تھا، دوسرے دن جہاز مارسیلز پہونچنے والا تھا، حبیب اور یعقوب ڈیک کرسیوں پر بیٹھے سمندر کی سیر کر رہے تھے، حبیب بولا "یعقوب جبرالٹر ہی ہو کر جانے کا ارادہ ہے نہ؟"

"کیا تمہارا کچھ اور ارادہ ہے کیا؟"

"میرا سمندر کا سفر کرتے کرتے جی اکتا گیا ہے تم جبرالٹر ہو کر چلے جاؤ"

تو کیا تم مارسیلز ہی اتر جاؤ گے؟"

"ہاں"

تو پھر دونوں ساتھ ہی چلیں گے"۔

"ساتھ ہی چلیں گے!"

"ہاں مجھے پیرس میں کچھ ضروری کام ہے، میں وہاں ٹھہر جاؤں گا اور تم سیدھے لندن چلے جانا"

میں سیدھا لندن چلا جاؤں گا۔ گویا پیرس میں مجھے کوئی کام ہی نہیں ہے"

"تمہیں کیا کام ہے؟"

"مجھے؟ مجھے اپنے چچا سے ملنا ہے" حبیب نے کچھ سوچ کر کہا۔

"پیرس میں تمہارے چچا، تم نے پہلے تو کبھی ان کا ذکر نہیں کیا تھا"

وہ مجھے ابھی یاد آئے ہیں"

"اچھی طرح یاد کر لو، وہ کہیں چچا کے بجائے چچی نہ ہوں"

اس بات پر دونوں دست بگریباں ہو جاتے مگر اتنے میں وہاں کالیٹ آپہونچی اور دونوں اس کی جانب متوجہ ہو گئے"

(۴)

جس وقت گاڑی داغلیوں کے اسٹیشن پر جا کر کھڑی ہوئی کئی قلی پلیٹ فارم پر چلانے لگے — پاغی، پاغی،

حبیب اور یعقوب دونوں بہت حیران ہوئے کہ یہ پاغی کون بلا ہے۔ ان کو حیران دیکھ کر کالیٹ بولی "کیا بات ہے؟"

"یہ پاغی کیا چیز ہے؟" حبیب نے پوچھا۔

فرنچ میں پیرس کو پاغی کہہ کر پکارتے ہیں!"

"تب تو ہمیں پیرس میں بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑیگا" یعقوب نے کہا۔

"میں تو موجود ہی ہوں" یہ کہہ کر کالیٹ مسکرا دی۔

اسٹیشن کے باہر نکلنے کے بعد کالیٹ نے انہیں اپنے پتے کا کارڈ دیا اور چلی گئی، اور یہ دونوں اسٹیشن کے پاس ہی ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔

شام کو یعقوب اور حبیب پیرس کی سڑکوں پہ گشت لگا رہے تھے، یکایک حبیب بولا "یعقوب تم سیر کرو میں تو ہوٹل واپس جا رہا ہوں"۔

"کیوں؟"

"میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے"۔

"میں بھی چلوں، دل تو سین کے کنارے سیر کرنے کو چاہتا تھا"۔

"نہیں تمہیں ہوٹل چلنے کی ضرورت نہیں تم جا کر سیر کرو۔ میں تنہا ٹرام سے واپس چلا جاؤں گا"۔

کچھ روز پہلے اگر ایسا اتفاق ہوتا تو یعقوب حبیب کو کبھی اکیلا نہ چھوڑتا، نہ حبیب ہی تنہا واپس آنا منظور کرتا۔ مگر اس وقت دونوں ایک دوسرے سے بچنا چاہتے تھے۔ حبیب ٹرام پر بیٹھ گیا، یعقوب کچھ دیر تک ٹہلتا رہا جب اسے یقین ہو گیا کہ حبیب کی ٹرام ہوٹل کے پاس پہنچ گئی ہوگی تو وہ کالیٹ کے بتائے ہوئے پتے پر ایک بس پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا، اور آدھ گھنٹے میں مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔ کالیٹ کا مکان ایسی سڑک پر تھا جس کے ایک سرے پر بس کھڑی ہوتی تھی، اور دوسرے پر ٹرام۔ یعقوب بس والے سرے سے گلی میں داخل ہوا تھا، اور مکانوں کا نمبر پڑھ کر کالیٹ کا مکان تلاش کر رہا تھا جیسے ہی اس نے سامنے کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہے کہ کالیٹ کا ڈرائنگ روم شیشے کی کھڑکی سے نظر آ رہا ہے، اور کھڑکی کے پاس ہی ایک کوچ پر کالیٹ کے ساتھ حبیب بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھتے ہی یعقوب کا خون کھول اٹھا، مگر وہ خاموشی کے ساتھ ایک طرف کھڑا ہو کر ان کی باتیں سننے لگا۔

"سچ کہتا ہوں کالیٹ میں تم سے جان سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں" حبیب نے کہا۔

"تو کیا تم میرے لئے سب کچھ کرنے پر تیار ہو؟" کالیٹ بولی۔

"ہاں سب کچھ"

"میں بھی تمہیں بہت پیار کرتی ہوں حبیب"

"سچ کہتی ہو؟"

"بالکل سچ، بچپن ہی سے میری یہ آرزو رہی ہے کہ میں ہندوستان جا کر رہوں"

"ایک دن تمہاری یہ آرزو پوری ہو کر رہے گی کالیٹ" یہ کہہ کر وہ کالیٹ کے شانے کی طرف جھکا، کالیٹ نے بڑی ہوشیاری سے گلے کا پرانا ہار سامنے کر دیا، حبیب نے اسے دیکھا۔

"یہ ہار تو پرانا ہو گیا ہے تمہارے گلے میں اچھا نہیں معلوم ہوتا" حبیب نے کہا۔

"نیا کہاں سے لاؤں"

"حبیب کے پاس سے"۔

"تمہارا یہ مطلب ہے کہ تم ایک نیا ہار لا دینے کو تیار رہو" کالیٹ خوش ہو کر بولی۔

"ہاں میں تمہارے لئے موتیوں کا ایک نیا ہار لا دوں گا، اور ہار ہی پہ کیا موقوف ہے کالیٹ میں تمہارے لئے دنیا کی ہر چیز لانے کو تیار ہوں"

"نہیں حبیب میں تمہیں تکلیف دینا نہیں چاہتی مگر تمہاری خاطر لے لونگی"

یعقوب جہاں کھڑا تھا وہاں سے ہٹ کر دوسرے مکان کے پاس کھڑا ہو گیا، وہ اندر ہی اندر کڑھ رہا تھا کہ حبیب نے دھوکا دیکر پہلے ہی اپنا کام بنا لیا، وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور اس سے حبیب سیٹی بجاتا ہوا نکلا، اور بغیر ادھر ادھر دیکھے ایک طرف چلا گیا، اس کے جاتے ہی یعقوب نے کالیٹ کے دروازے کی گھنٹی کا بٹن دبایا، کالیٹ نے دروازہ کھولا اور یعقوب کو دیکھتے ہی خوش ہو کر بولی — "یعقوب میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی راہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں دکھ گئیں"۔

یعقوب نے ہاتھ ملایا اور بغیر کچھ کہے کالیٹ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔

"جہاز سے اترے آج دوسرا ہی روز ہے مگر تمہاری جدائی میں ایسا معلوم ہوتا ہے مہینوں گذر گئے" کالیٹ بولی۔

"تم جھوٹ کہہ رہی ہو کالیٹ"

"جھوٹ!!"

"ہاں ابھی تو حبیب . . ."

"اچھا اب میں سمجھی، تم نے ان باتوں پر یقین کر لیا؟ میں تو اسے بنا رہی تھی"

"کیا واقعی"

"کیا تمہیں یقین نہیں آتا؟" کالیٹ نے خاص ادا کے ساتھ کہا۔

"تم کہتی ہو تو کیسے یقین نہ کروں —" یعقوب نے شکست تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے کس قدر محبت کرتی ہوں یہ تو میں تمہیں جہاز ہی پر بتا چکی ہوں"

کالیٹ یعقوب کی طرف اپنا سر جھکاتے ہوئے بولی۔

یعقوب نے اس کا ہار دیکھا اور توڑ کر کوچ پر پھینک دیا۔

"یہ کیا کیا؟" کالیٹ بولی۔

"یہ ہار تمہارے گلے میں زیب نہیں دیتا میں تمہیں دوسرا ہار لا دوں گا"

یعقوب کے یہ کہتے ہی کالیٹ نے حبیب کے گلے میں اپنے دونوں بازو حمائل کر دیئے۔

(۵)

ہوٹل جاتے وقت یعقوب نے موتیوں کا ایک ہار اور چاکلیٹ کا ایک ڈبہ خریدا، دونوں کو لے کر وہ ہوٹل پہنچا، حبیب کمرے میں تھا، یعقوب نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ہائے ہائے کی آواز آنے لگی۔ یعقوب دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو دیکھا حبیب چارپائی پر پڑا کراہ رہا ہے۔

"کیا ابھی تک درد گیا نہیں؟" — حبیب نے پوچھا۔

"درد جائے کیسا اور زیادہ ہو گیا" یہ کہہ کر حبیب اور زور زور سے کراہنے لگا۔

"کہیں باہر ٹہل آتے تو اچھا ہو جاتا۔"

"ٹہل کیسے آتا، کروٹ تو بدلی ہی نہیں جاتی۔"

"تو کار لیکر کالیٹ کے ہاں چلے جاتے، وہاں پہونچتے ہی درد کافور ہو جاتا۔"

"تم مذاق کر رہے ہو یعقوب اور میری جان پر بن رہی ہے۔"

یہ کہہ کر حبیب نے پھر سر اٹھایا اور پوچھا۔

"تم کہاں کہاں کی سیر کر آئے؟"

"کہاں کہاں کیا صرف ستین کے کنارے پھر رہا تھا۔"

"وہاں ایسی کیا بات تھی جو اتنی دیر لگی؟ - یہ کہتے کہتے۔ حبیب اٹھ کر بیٹھ گیا۔

یعقوب یہ دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا — "کراہنا کیوں بند ہو گیا، کیا کالیٹ کا نام سنتے ہی درد ہوا ہو گیا۔"

حبیب پھر ہائے ہائے کرنے لگا، اور یعقوب مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا اور چاکلیٹ کے ڈبے پر لکھا — "پیاری کالیٹ کو — پیار اور نیک تمناؤں کے ساتھ۔"

وہ جلدی میں اپنا نام لکھنا بھول گیا، پھر اس نے موتی کے ہار کو بحفاظت تمام اپنی میز کے خانہ میں رکھا، اور قفل لگا دیا۔ ان سب کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ غسل خانے میں چلا گیا، اس کے بعد حبیب اپنے کمرے میں آیا، دیکھا تو یعقوب وہاں موجود نہیں تھا، میز پر نظر پڑی چاکلیٹ کا ڈبہ رکھا ہوا تھا اٹھا کر پڑھا، اسکے منہ سے بیساختہ نکل گیا - میں ہار تو لایا مگر چاکلیٹ کا ڈبہ لانا بھول گیا۔

اس نے ڈبے کو الٹ پلٹ کر دیکھا، پھر دل میں کہا — "بازار جا کر کون وقت ضائع کرے، اس پر یعقوب اپنا نام لکھنا بھول گیا ہے، اسی کو لے چلوں تو کیا حرج ہے؟" اس نے ڈبہ اٹھایا اور اپنے تکیہ کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا، غسل کے بعد یعقوب واپس آیا، بال سنوارے، رات کا سوٹ پہنا، چہرے پر وینشنگ کریم لگائی، ہار کو سنبھال کر جیب میں رکھا، اس کے بعد اسے ڈبے کا خیال آیا، مگر وہ غائب تھا، اسکے ہوش اڑ گئے، کہیں حبیب کی حرکت تو نہیں ہے۔ یا ہوٹل کی میڈ نے تو مذاق نہیں کیا ہے، وہ مذاق کر سکتی تھی کیونکہ حبیب اور یعقوب نے آتے ہی اسکے ساتھ مذاق کیا تھا، اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی میڈ نہ دکھائی دی، وہ حبیب کے کمرے میں گیا۔ حبیب چارپائی پر پڑا تھا اسے دیکھتے ہی کراہنے لگا۔

"تم نے میری ایک چیز دیکھی ہے؟" یعقوب نے پوچھا۔

حبیب اس طرح کراہ رہا تھا جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔

یعقوب نے پھر کہا — "بتاؤ تم میرا چاکلیٹ کا ڈبہ لائے ہو؟"

"چاکلیٹ، کیا میرے لئے لائے تھے؟ آہ آہ" — حبیب کراہنے لگا۔

"جہنم میں جائے تمہاری آہ آہ اور تم۔ مجھے پھر بازار جانا پڑا۔"

یعقوب بغیر کچھ سنے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی حبیب نے جلدی سے کپڑے پہنے اور موتی کا ہار اور چاکلیٹ کا ڈبہ لے کر کالیٹ کے ہاں پہونچ گیا۔

(۶)

کالیٹ موتیوں کی قیمتی مالا پہن کر پھولی نہ سمائی اس نے چاکلیٹ کے ڈبے کو ایک طرف رکھدیا، اور آگ کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگے۔

"تم مجھ سے واقعی اسقدر محبت کرتے ہو حبیب؟" کالیٹ نے پوچھا۔

"یہ ہار میری محبت کا حقیر سا ثبوت ہے۔ جب تم میری ہو جاؤگی تو میرے باپ کی ساری دولت و جائداد تمہاری ملک ہو جائے گی۔"

"میں وہ دن دیکھنے کے لئے تڑپ رہی ہوں۔"

"تو جلد ہی ہماری شادی ہو جانی چاہئیے۔"

"میں اپنے والد کو رضامند کر کے جلد ہی تمہیں اطلاع دوں گی۔"

اس گفتگو سے خوش ہو کر حبیب وہاں سے رخصت ہوا اس کے بعد کالیٹ ڈرائنگ روم میں واپس ہی گئی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی اس نے دروازہ کھولا۔ یعقوب باہر کھڑا تھا۔

"تم آ گئے، میں تمہارا انتظار ہی کر رہی تھی۔" کالیٹ بولی۔

"ایک خاص سبب سے دو گھنٹے کی دیر ہو گئی میں تمہارے پاس آنے کیلئے بیچین تھا۔" یہ کہہ کر یعقوب کالیٹ کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم کی طرف چلا۔

"یہ تو چاکلیٹ کا ڈبہ ہے، اور یہ ....." یعقوب نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کالیٹ سے کہا اور اس کے ہاتھ میں چاکلیٹ کا ڈبہ دیدیا، پھر جیب سے ہار نکالا اور کالیٹ کے گلے میں پہناتے ہوئے بولا — یہ ہے تمہارا ہار، آئینے میں دیکھو اب تم کالیٹ، — یعقوب کی کالیٹ معلوم ہوتی ہو، یا نہیں۔

کالیٹ اٹھ کر الماری کے شیشے کے سامنے کھڑی ہو گئی، یعقوب بھی اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا "بتاؤ میں ٹھیک کہہ رہا تھا یا نہیں!" یعقوب نے پوچھا۔

"واہ کتنا حسین ہار ہے" کالیٹ نے اسکی بات پر توجہ کئے بغیر کہا۔

"اب تم مجھے یہ الزام نہیں دے سکتیں کہ میں کیوں تم سے اسقدر محبت کرتا ہوں۔"

"اس کی کیا قیمت ہے یعقوب!"

"اوہنہ قیمت کیا ہے کچھ بھی نہیں صرف ڈھائی ہزار روپے کا ہے جو تمہارے

لئے کچھ بھی نہیں، میں باپ کی ساری دولت وجائداد تمہارے ادنیٰ اشارے پر قربان کر دینے کو تیار ہوں۔"

"تم مجھ سے اسقدر محبت کرتے ہو یعقوب!"

"تم اس کو خود سمجھ سکتی ہو کالیٹ، میں تو بڑی بیتابی سے اس وقت کا انتظار کر رہا ہوں جب ہم دونوں ایک ہو جائینگے۔"

"میں خود اس کے لئے بیتاب ہوں، مگر صرف والد کا خیال ہے۔"

"محبت میں باپ ماں کیا کسی کو دخل دینے کا حق نہیں، کالیٹ، اگر میرا باپ تم سے شادی کرنے کو منع کرے تو میں اس کا نام تک نہ لوں!"

"میں انہیں جلد ہی رضامند کر کے تمہیں لکھوں گی۔"

یعقوب نے کالیٹ کو اپنی طرف کھینچ لیا وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بولی —

"میں تمہیں ایک چیز دینا تو بھول ہی گئی۔"

"کیا چیز!—"

"تمہاری چاکلیٹ تو دیکھی جائے۔"

یہ کہہ کر کالیٹ نے میز پر سے چاکلیٹ کا ڈبہ اٹھایا، اور یعقوب کے ہاتھ میں دیکر کہا —"اسے کھولو۔"

یعقوب نے ڈبہ لیا اور اس کی تحریر دیکھ کر چونک پڑا۔ یہ وہی ڈبہ تھا جسے وہ خرید کر لایا تھا اور اسکے کمرے سے گم ہو گیا تھا وہ اسے دیکھتے ہی آگ بگولا ہو کر بولا۔

"اب میں سمجھا کہ یہ سب کس کی شرارت ہے میں اسے ابھی جا کر بتا دوں گا کہ میرا نام یعقوب ہے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے اٹھا اور کالیٹ سے کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔

(۷)

اس روز سے دونوں دوست ایک دوسرے کے حریف اور دشمن ہو گئے، یعقوب نے اپنے پہلے کمرے کو چھوڑ کر دوسری منزل پر ایک کمرہ لے لیا۔ دونوں میں بول چال صاحب سلامت سب کچھ بند ہو گئی، چند روز کے بعد دونوں کے نام کالیٹ کے اس مضمون کے خطوط آئے۔

"پیارے!

میں نے والد صاحب سے شادی کے متعلق گفتگو کی مگر وہ کسی طرح رضامند نہیں ہوتے، اور میں تم سے اسقدر محبت کرتی ہوں کہ تمہارے بغیر رہ نہیں سکتی، ایسی حالت میں ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے، میں اور تم دونوں یہاں سے فرار ہو جائیں اور چپکے سے آپس میں شادی کر لیں تم آج ٹھیک پانچ بجے (ایک منٹ کی بھی دیر نہ ہو) شام کو فاگاساں اسٹیشن پہ آجانا، باقی باتیں ملاقات ہونے پر۔ پیارے۔ تمہاری کالیٹ"

اس وقت تین بجے تھے، دونوں تیار ہو کر بیک وقت ہوٹل سے نکلے، ایک ہی ٹرام پر سوار ہوئے اور آپس میں کچھ بات چیت کئے بغیر اتر کر اسٹیشن کے باہر کھڑے تھے، جب پانچ بجنے میں ایک منٹ باقی رہا تو دونوں دوڑ کر پلیٹ فارم پر پہنچے، وہاں دیکھا کہ کالیٹ ایک نوجوان کے ساتھ ریل میں بیٹھی ہے، انکی پوشاکوں سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ان کی شادی ہوئی ہے، جیسے ہی دونوں اس کی طرف بڑھے گاڑی کھل گئی، کالیٹ نے گاڑی سے ایک کارڈ پھینکا، اور ہنسکر ہاتھ ہلانے لگی، گاڑی کے چلے جانے کے بعد دونوں کو کارڈ کا خیال آیا۔ وہ پلیٹ فارم پر پڑا تھا دونوں ایک ساتھ اٹھانے کے لئے دوڑے، دونوں ساتھ ہی جھکے، اور دونوں نے ساتھ ہی اس پر ہاتھ مارا، اس میں کالیٹ کے قلم سے کچھ لکھا ہوا تھا، چھین جھپٹ چھوڑ کر دونوں نے اسے پڑھا۔

"بیوقوفو، تم سمجھتے تھے کہ میں تم سے شادی کروں گی، میں تو لوٹنے کے لئے تمہیں فریب دے رہی تھی۔"

دونوں کچھ دیر اسی حالت میں رہے، پھر ایک ہی ساتھ کارڈ کو چھوڑا اور ساتھ ہی اوپر سر اٹھایا، دونوں کی نگاہیں ایک ہوئیں، واقعی وہ ایسے احمق بنے کہ دولت کے ساتھ محبت بھی ہاتھ سے گئی، دونوں کی زبان سے کچھ نہ نکل سکا، وہ آپس میں ہاتھ ملا کر مسکرا پڑے۔

سامنے ایک گاڑی کھڑی تھی، حبیب نے ایک قلی سے پوچھا "یہ گاڑی کہاں جا رہی ہے؟"

"لندن جانے والے جہاز کے مسافروں کو لیکر کیلے کو"۔ اس نے جواب دیا۔

"یہ چھوٹے گی کب؟" یعقوب نے پوچھا۔

"دو منٹ اور باقی ہیں"۔

ٹکٹ لینے کا بھی وقت نہ تھا اس لئے ہوٹل کو سامان لندن بھیجنے کے لئے فون کر کے بغیر ٹکٹ ہی دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں گاڑی روانہ ہو گئی، گاڑی روانہ ہوتے وقت حبیب اور یعقوب دونوں کی زبان سے نکل گیا —— "پیرس الوداع"

ایک دیہاتن کی صبحِ غم

مست قلندر کے لئے خاص طور پر

تیرگیٔ شب کا قصہ پاک ہونے ہی کو تھا ۔ صبحِ صادق کا گریباں چاک ہونے ہی کو تھا
ڈوبتے جاتے تھے تارے بھاگتی جاتی تھی رات ۔ اکتسابِ نور کرتی جا رہی تھی کائنات
بچھ رہا تھا فرشِ رنگیں چرخِ نیلی فام پر ۔ دھیرے دھیرے آ رہا تھا شاہِ مشرق بام پر
آشیانوں میں طیورِ خوش نوا تھے نغمہ زن ۔ کھیت سے جنگل کو لوٹے جا رہے تھے کچھ ہرن
نغمہ ہائے سحر آگیں کا فضا میں شور تھا ۔ ایک کمسن پیڑ کے نیچے کھڑا اک مور تھا
بھینی بھینی جنگلی پھولوں کی خوشبو کا اثر ۔ ہر طرف چھایا ہوا تھا کائناتِ دہر پر
اس تماشاگاہِ فطرت کی بہارِ دلنشیں ۔ دیکھتے ہی مست و بےخود ہو گیا قلبِ حزیں
ہو چکی تھی صبح اب وہ بھی اس کا عام تھا ۔ چپہ چپہ، ذرہ ذرہ زیبِ گلفام تھا
تھا اسی پر کیف منظر میں جگر محوِ خرام ۔ ناگہاں کانوں میں اک آواز آئی "ہائے رام"
آئی تھی جس سمت سے آواز میں پہنچا وہاں ۔ اور دیکھا کیا آغوشِ سحر میں یہ سماں
مفلسی و حادثاتِ آسمانی کا شکار ۔ فرطِ غم سے رو رہی تھی ایک لڑکی زار زار
متصل بچپن سے تھی جس کی جوانی کی بہار ۔ جسم پر تھی ایک ساری اور وہ بھی تار تار
سر پہ تھے چھائے ہوئے بادل غم و آلام کے ۔ ہر قدم آگے بڑھاتی تھی کلیجہ تھام کے
یاس کی تصویر تھی، ناچار تھی، مجبور تھی ۔ حسنِ غارت گر کی قوت سے مگر بھرپور تھی
ڈرتے ڈرتے میں نے پوچھا اے اسیرِ درد و غم ۔ کچھ بتا سکتی ہے کیا ہے باعثِ رنج و الم
کس لئے روتی ہے کیوں کرتی ہے آہ و زاریاں ۔ پڑ گئی ہیں کیوں تری آنکھوں میں خونی دھاریاں

ایک بیوہ کا سہارا ہوں ضعیف و ناتواں ۔ ٹوٹ کر سب پر گرا ہے رنج و غم کا آسماں
لٹ گئی ہے باپ کے مرتے ہی گھر کی کائنات ۔ رہ گئی ہوں ایک میں سرمایۂ لذتِ حیات
"پوت" کی خاطر زمینداروں کی پیہم سختیاں ۔ گھر پہ آتے ہیں پیادے روز لے کر لاٹھیاں
قہر آمادہ ہے ہم پر لوٹنے کے واسطے ۔ عصمتِ بیچارگی کو لوٹنے کے واسطے
نفسی نفسی کا ہے عالم سب ہیں اپنے داؤں میں ۔ کوئی مونس ہے ہمارا اور نہ ہمدم گاؤں میں
باڑھ بھی آئی ہوئی کھیتوں میں دانے سڑ گئے ۔ ایک گھر میں تھی "اربر" اس پہ اولے پڑ گئے
"ڈیڑھ منڈہ ایکھ" بھی بوئی گئی تھی لیکے سال ۔ کچھ بچی اس میں سے اور کچھ ہو گئی "نذرِ سیال"
جو بچی تھی اسکول والوں کی فرعونی نگاہ ۔ اس طرح سے کھا گئی کہ ہو گئی پونجی تباہ
ہم غریبوں کو کہاں ہمت کہ ان سے کچھ کہیں ۔ اک کہیں تو دو سنیں عزت گنوائیں غم سہیں
سردیوں میں گاڑی والوں کا کھلے میدان میں ۔ ہفتے ہفتے بھر پڑے رہنا اسیرستان میں
کانٹے والوں کے مظالم یعنی گھاٹے تول نت ۔ ان کو آتا ہی نہیں ہے سیدھے منہ سے بولنا
وزن دو کا درج ان کرنا تو وہ جب سیکھ لیں ۔ "بیٹھو جی جب تول" سونے کی ہماری دیکھ لیں
ایک ہی غم ہو تو کوئی تکلیف اس کی کرے ۔ اور نہ دشمن ایک ہو تو کوئی اس سے بھی لڑے
ظلم کی تاریکیوں کا پردہ جہاں اقبال ہو ۔ اس زمیں پر سانس لینا کیوں نہ پھر جنجال ہو
بھائی بھائی سے جہاں آمادۂ پیکار ہو ۔ بات باتوں میں نکلتی جس جگہ تلوار ہو
"صبح" کے جلوے جہاں رکھتے ہوں کیفیت "شام" سے ۔ کیسے رہ سکتا ہے کوئی اس جگہ آرام سے
اے جگر اے شاعرِ رنگیں نوا جادو بیاں ۔ جانے دو اس واسطے جا سن نہ میری داستاں
جا رہی ہوں اب یہاں کچھ کام کرنے کے لئے ۔ ہو سکے تو "صبحِ غم" کی شام کرنے کے لئے

ایک کالج گرل کا مکتوب پروفیسر کے نام

چند حسینوں کے خطوط سے ماخوذ

پیارے پروفیسر دیال!

آپ تو بڑے باوفا ثابت ہوئے! آپ ہم لوگوں سے کبھی خواہش و تحریک پر یاد کو بھی اپنے دل و دماغ سے فراموش کر بیٹھے مدت پر سطریں لکھ بھیجی ہوتیں تو کون سے ... شاید آپ نے اسکی ضرورت ہی نہ سمجھی ہو! اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی میری بیتابی اور بے چینی کی آپ کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ کیوں ہونے لگی! آپ ٹھہرے مرد ہیں نا! اور مرد کے پہلو میں دل بھی تو مرد ہی کا ہونا چاہیئے۔ اس لئے آپ کے کسی کے رنج و قلق اور اضطراب و بے چینی کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر ایک لمحہ کے لئے بھی کسی جوان عمر دوشیزہ کے دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر اسے سمجھنے کی تکلیف گوارا کرتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا۔ کہ قدرت نے عورت کا دل آبگینے سے بھی زیادہ نازک بنایا ہے۔

اُف! وہ لمحہ — وہ لمحہ کتنا کیف آگیں اور مسرت انگیز تھا مگر ساتھ ہی کتنا ہولناک! اسکی یاد بھی سارے جسم کو لرزہ براندام کر دیتی ہے نظروں کے سامنے ایک بجلی سی کوند جاتی ہے۔ اُف! وہ ساعت اتنی ہولناک ہوگی۔ مجھے اس کا وہم بھی نہ تھا۔ آپ نے مجھ پر نہ جانے کیسا سحر کر دیا ہے۔ تسخیر قلب کا نہ جانے کونسا عمل کر دیا ہے، بڑے خود غرض ہیں آپ! نہیں نہیں! میں غلط کہہ رہی ہوں۔ ابتدا تو میری ہی طرف سے ہوئی ہے۔ میں نہ پیشقدمی کرتی اور نہ آج میرے دل کو اسقدر دُکھ اور اذیت کا سامنا کرنا پڑتا — دل میں کسک ہو رہی ہے۔ آہ! کیسی کسک! رہ رہ کر کلیجہ مسوسے ڈالتی ہے، آج میں خود اپنے سے بہت دُور جا رہی ہوں، کیا یہی پریم ہے؟ یہی عشق ہے، اسی کا نام پریم و محبت ہے۔ مجھے بتاؤ۔ بتاؤ۔ اگر یہی پریم اور پیار و محبت ہے، تو میں اپنے دل کے پورے خلوص و صداقت سے کہتی ہوں — کہ پرماتما کسی کو کسی کی محبت کا آزار نہ دے۔

اُف! وہ کتنا مدہوش کن — کتنا نشہ خیز ... ملاپ کی ...

وہ .... بھگوان نہ کرے۔ آپ بڑے عیار ہیں، میرے ساتھ فریب کیا ہے لوٹ لیا۔ برباد کر دیا۔ برباد ہو گئی میں۔ تباہ ہو گیا میرا دل تلاش جستجو کرتی ہوں مگر نہیں پاتی۔ لوٹ لو۔ لوٹ لو مجھ کو۔ میرے دل کو۔ مگر تمہارا عکس، تمہارا نقش و رنگ میری آنکھوں کی پتلیوں میں اب تک اسی طرح محفوظ ہے۔ اُسے اپنے جسم کے ہر حصے سے نکال پھینکنا چاہتی ہوں۔ مگر وہ نکلے کیوں! میں جھنجھلا اُٹھتی ہوں۔ بیتاب ہو جاتی ہوں۔ آنکھیں بند کر لیتی ہوں۔ پھر بھی وہ دلکش سراپا وہ معصوم چہرہ۔ اور وہ سب کچھ آہ! میں کتنی مجبور و بے بس ہوں۔ کتنی قابل رحم ہوں۔ مگر تم! آہ! تم کس قدر بے حس بے پروا اور سرد مہر واقع ہوئے ہو!

بس اب زیادہ شکایت نہ کروں گی۔ مگر ہاں مجھ معصوم، بے گناہ پر۔ ایک بچپن کی بیوہ پر، ایسا سحر کرنا۔ آپ کے لئے مناسب تھا۔ اگر مجھے پریم کی آگ میں جلانا ہی تھا۔ تو جلا کر ایک دم راکھ کر دیا ہوتا۔ مگر گھلا گھلا کر مارنا، ایک مستقل درد و تپش میں مبتلا کر دینا، اُف! کیسی عبرتناک سزا دے رہے ہو تم! میرے پروفیسر کسی سے پریم کرنے کا یہی صلہ ملتا ہے مجھے قطعی معلوم نہ تھا۔ مگر اب میں محتاط ہو گئی ہوں۔ اب زندگی میں ایسی غلطی بھول کر بھی نہ کروں گی جو ہو گیا، وہی زندگی بھر کے لئے کافی ہے۔ اپنا خمیازہ بھگت چکی اور بھگت رہی ہوں۔

مگر ہائے رے حُسن و شباب کا نشہ! پروفیسر! تمہارے حسن اور تمہارے شباب کی رعنائیوں اور زیبائیوں ہی پر تو میں والہانہ اور بے تابانہ نثار ہوئی تھی، سچ کہتی ہوں۔ اسی روز سے میرے دل میں یہ خواہش شدت اختیار کر گئی ہے۔ کہ کاش میں تمہاری ہو جاؤں، اور تم میرے ہو جاؤ۔ بس میرے دل میں اسکے سوا کوئی آرزو اور تمنا نہیں، میں تم سے اور کسی چیز کی خواہش نہیں کرتی اور نہ آئندہ کروں گی۔ اگر تمہیں پس و پیش ہو، تامل ہو اور تم مجھے اپنا نہ بنا سکو تو صاف صاف کہہ دو۔ میں تمہاری دلفریب صورت کو مرکز نظر بنائے ہوئے تمہارے نام کی سمرن کرتی ہوئی اس جہان رنگ و بو سے گذر جاؤں مگر ہوش رہے نسوانی دل کی آہ جو لسکے! جہان قلب کی دردناک آواز ہے۔ بڑی دلسوز اور دلگداز ہوتی ہے۔ پرماتما نہ کرے اُس آہ سے تمہیں کسی قسم کی اذیت ہو۔

میں دیوانہ و مجنوں سی ہوئی جا رہی ہوں۔ کیوں؟ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ فرض کرو جواب ہو بھی تو کن الفاظ میں جواب دوں، تمہاری یاد کیف عیش رفتہ کا نشہ۔ ہونٹوں کی شیرینی کا تخیل مجھے برباد کر رہا ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۹ پر دیکھو

میری آنکھوں سے دیکھو

از جناب آغا محمد [illegible] صاحب [illegible]

میں امتحان دینے جا رہا تھا اور لڑکیاں اسکول جا رہی تھیں ایک صاحب بغل میں کتاب دبائے گاڑی کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ ان کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ نام نہیں بتاؤں گا خفا ہو جائیں گے۔ کسی زمانہ میں وہ میرے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا وہ یہ کیوں مشہور کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کسی اسکول یا کالج کے طالب علم ہیں۔ کیا حقیقت کی وہ کتاب جسے پڑھ کر بیوی اور بیٹی کا فرق معلوم کیا جاتا ہے دنیا کے سامنے نہیں ہے۔ وہ لڑکی جس کے لئے وہ روزانہ سڑک کی پیمائش کیا کرتے ہیں اور اسکے گھر والوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کالج میں پڑھ رہے ہیں پڑھی لکھی ہے۔ اسے حقیقت کی کتاب پڑھنی چاہئیے اور حسن فریب سے بچنا چاہئیے۔ میں اس لڑکی کو جانتا ہوں۔ شہر کے ایک شریف خاندان سے متعلق ہے ——— شریف لڑکی۔ جس نے مانا کہ تمہیں ..... محبت ہے اور وہ بھی تمہارے لئے اپنی جان قربان کر سکتا ہے۔ لیکن یہ دانی کا خوبصورت دھوکا ہے۔ وہ تمہاری محبت کا حسین شیشہ اپنی کالجی تعلیم کا فریب دیکر خریدنا چاہتا ہے۔ کیا دولت، ثروت لیاقت اور اعلےٰ تعلیم سے ہی محبت خریدی جا سکتی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس رنگین جال کے حسین پھندوں سے بچو۔

یہ حضرت جو تمہاری محبت کے گیت گا کر اپنی امارت، دولت اور اعلیٰ تعلیم کا ڈھول پیٹتے ہیں در اصل نہ صاحب دولت ہیں نہ صاحب ثروت اور تعلیم تو خیر سے اتنی بھی نہیں ہے کہ وہ "تعلیم یافتہ" کے مفہوم کو سمجھ سکیں۔

——— مغرور انسان اپنے دل پر ہاتھ رکھکر بتا کیا ایک خوبصورت وجود کو جینے کا کوئی حق نہیں۔ کیا اسے یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ دنیا کی رنگینیوں سے لطف اٹھائے۔ پھر اس پر فریب کے ڈورے ڈالنا کیا معنی۔

——— میں محبت کا باغی نہیں ہوں۔ محبت کرنے والوں سے دشمنی نہیں رکھتا لیکن اس فریب کا سخت مخالف ہوں جو محبت کے پردے میں مرد عورتوں کو دیتے ہیں۔ میں ان کا بدترین دشمن ہوں جو اپنے خوبصورت جھوٹ سے عورت کی معصومیت کو مجروح کر دیتے ہیں۔

——— میرے دوست تم کتنے بیہودہ تاروں کے پیچھے سے محبت نہیں کرتی جس کا تم اس کو یقین دلا چکے ہو۔ اچھا ایک دن تم پھٹے کپڑے پہن کر اسکے سامنے جاؤ۔ دیکھو وہ تم سے ویسی ہی محبت کرتی ہے یا کچھ بدلی سی نظر آتی ہے۔ اگر سچی محبت ہے تو ضرور کرو کیونکہ یہ تو خدا تک پہونچنے کا ایک زینہ ہے۔

ایک پروفیسر صاحب ہیں۔ نوجوان۔ قدرے خوبصورت۔ گول گول آنکھیں یعنی

آغاز سبزہ ہے مگر استاد بنے ہیں

جب کالج میں آتے ہیں کلاس میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی رات کی دولہن عروسی خوشبو میں نہائی ہوئی آ گئی ہے۔ کیا پڑھاتے ہیں نہیں بتاؤں گا۔ یہی ہمارے بچوں کی زندگی کی گاڑی کے ڈرائیور ہیں جن کو یہ بھی نہیں معلوم کہ گاڑی چلتی کیسے ہے؟

جملہ حقوق محفوظ

(بقیہ ص ۱) **ایک کالج گرل کا مکتوب** (محرر پریتم! ہاں جی کھول کر کہہ لینے دو پریتم! کس قدر تباہ کر دیا مجھ کو، مگر اب کیا! اب تو میں وہی چاہتی ہوں۔ جس کے بغیر زندگی بے کیف اور اداس سی معلوم ہوتی ہے۔ میرے صفحۂ قلب پر تمہاری ہی تصویر منعکس نظر آتی ہے اس کے سوا میں اور کچھ نہیں دیکھتی" اب میرے دل میں مزید کچھ لکھنے کی خواہش نہیں۔ آنکھیں تمہارے دید کیلئے بیتاب ہیں۔ میں اپنے آپ میں نہیں ہوں۔ اور ہاں سن رکھو! جواب میں مطلق تاخیر نہ ہو۔ ذرا میری حالت کا بھی لحاظ کرو۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو برآمد ہونیوالے نتائج و عواقب کی ساری ذمہ داری آپکے سر ہو گی۔ اچھا رخصت ہوتی ہوں۔ آپکی نہیں۔ تمہاری **شیلا**

فہرست آئین مست قلندر لاہور

(۱) مست قلندر ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے اور دو تین بار پرتوں کا مقابلہ کر کے ڈاک میں ڈالا جاتا ہے۔ اس لئے اگر کسی صاحب کے پاس ۱ تاریخ تک پرچہ نہ پہنچے تو اسکی شکایت مقامی ڈاکخانہ میں کی جائے اور ہمیں بھی لکھا جائے پرچہ نہ ملنے کی شکایت ۱۵ تاریخ تک آ جانا چاہئیے اسکے بعد تین آنہ کے ٹکٹ لفافہ میں آنے چاہئیں (۲) مست قلندر کا مقصد ظرافت روحانیت اور عام دلچسپی کے مضامین کی اشاعت کرنا ہے ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے ذاتیات پر بحث ہو یا سیاسی پہلو لئے ہوئے ہوں درج رسالہ نہیں ہو سکتے۔ (۳) لائق اور قابل مضمون نگاروں کو معقول معاوضے دیئے جاتے ہیں ہندی۔ گجراتی۔ مرہٹی بنگالی اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے والوں کی خاص ضرورت ہے (۴) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک آنے چاہئیں۔ (۵) مست قلندر کے متعلق جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام ڈاکٹر پریتمی سنگھ صاحب ایڈیٹر مالک رسالہ مذکور ہونی چاہئیے (۶) مست قلندر کی توسیع اشاعت میں حصہ لینے والے خاص طور پر شکریہ کے مستحق سمجھے جائیں گے (۷) رسالہ کا سالانہ چندہ تین روپے (تے) ممالک غیر سے ۸ شلنگ اور انعامی اشیاء ہمراہ لینے والوں

اے عورت تو بے حد مطلب پرست ہے

تڑپا دینے والا
سو فیصدی سچا افسانہ

ایک عاشق نامراد کی دردناک آپ بیتی!

مست قلندر کے مایۂ ناز فسانہ نویس حضرت فروغ لکھنوی کے قلم سے

اتوار کا دن تھا۔ احباب خصوصی میرے مکان پر تشریف فرما تھے۔ جب تاش کھیلنے سے طبیعت سیر ہوئی تو سیرِ دریا کی سوجھی۔ اندرونہ شہر کی گرمی شامل حال تھی۔ یعنی انگریزی مہینے کی آخری تاریخیں تھیں۔ [illegible] قیمتی چیز کی فرمائش کے لیے بیگم صاحبہ کا اصرار جبریہ تھا۔ [illegible] ضروریات کے لیے نوکر موجود تھا۔ [illegible] گلے میں اور [illegible] کی ڈبیا جیب میں ڈال کر بٹن لگاتے ہوئے ہم معہ احباب روانہ ہوا۔ کشتی کرایہ پر لی گئی۔ اور دریا کی فرحت افزا ہوا کا لطف اٹھانے لگے۔ ابھی تھوڑی ہی دور پہنچے ہونگے کہ دریا میں بہتے ہوئے ایک ٹین کے بکس نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کی۔ ملاح کو ہدایت کی گئی اور تھوڑی سی کاوش کے بعد وہ بکس میرے ہاتھوں میں محفوظ تھا۔ اس میں MILLAT کا معمولی قفل پڑا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ تجسس فطرت انسانی ہے۔ اب اس قفل کو کیونکر کھولیں، یہ ایک سوال تھا جس کے سمجھنے پر ہم سب کا دماغ منہمک تھا۔ [illegible] خیال آیا کہ ان کی [illegible] چند ملکے قفل کی بھی کنجیاں ہیں اُن کی جیب میں موجود ہیں۔ چنانچہ ان کنجیوں کی امداد سے قفل مقصود کو حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ایک دو تین [illegible] آخر چوتھی کنجی کامیاب ہوئی مگر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب معلوم ہوا کہ نہ تو اس میں کرنسی نوٹ ہیں اور نہ کسی قسم کے زیورات بلکہ ہماری توقعات کے قطعی برخلاف [illegible] کی تہ میں لپٹی ہوئی سفید کاغذ کی ایک کاپی ہے [illegible] عنوان میں

افسانہ حزیں

لکھا ہوا تھا۔ دوسرا ورق الٹنے پر مندرجہ ذیل عبارت تھی۔

"اے خوش قسمت انسان اگر تیری باطنی آنکھیں [illegible] یعنی تو زیور علم و عقل سے مزین ہے تو میرے اس افسانہ کو ردی اوراق کا [illegible] سمجھنے کی [illegible] نہ کر کیونکہ تو نہیں جانتا ہے کہ میں نے کس قدر جگر سوزی اور کتنی اشکباری کے بعد اس افسانہ کو مکمل کیا ہے۔ میری موجودہ ہستی ایک پژمردہ گل [illegible] اور ایک طوفان نصیب جہاز سے بھی کم [illegible] ہے کیونکہ اگرچہ وہ درِ دروازہ فنا پر پہنچ چکے ہیں مگر پھر بھی ہوسِ زیست ان کے دلوں میں موجود ہے۔ مگر آہ مجھ بدبخت کے حال پر غور کر کہ گو جوان العمر ہوں۔ مالی حیثیت سے بھی کسی کا دستِ نگر نہیں ہوں۔ [illegible] کے لوگ بھی مجھ سے اظہارِ ہمدردی پر آمادہ ہیں مگر مجھے خود ہی ذوقِ زندگی نہیں ہے۔ جس طرح ایک غریب الوطن مسافر کو قربِ وطن میں ٹرین کی ایک ایک منٹ کی تاخیر ناگوار ہوتی ہے اسی طرح اس [illegible] زندگی کے بیابان میں بھٹکنے والی روح یعنی اپنے نفس سے مجھے تنفر پیدا ہو رہا ہے۔ کیوں؟ اس سوال کا جواب اے خوش قسمت انسان جو آرزوئے زیست رکھتا ہے میری اس سرگزشت کی آخری سطور دیکھ۔ اے شخص اگر تو نے کسی سے کبھی محبت کی ہے۔ یا کرتا ہے۔ تو اُس محبت کا واسطہ۔ اگر تو مایوسِ تمنا ہے تو تیرے مطلوب کا واسطہ ان اوراق کو ردی سمجھ کر نہ بہانا۔ ان کا بغور مطالعہ کرنا۔ دوسروں کو سنانا اور اُن سے بھی اس سلسلہ کو قائم رکھنے کی درخواست کرنا۔ جب یہ میرے ماحصلِ ہستی اوراق تیرے ہاتھوں میں ہونگے۔ یقیناً [illegible] میں اس دنیا فریب آمیز مطلب پرست دنیا میں نہ ہونگا۔ مگر یاد رکھ۔ میری روح تیرے پاس ہوگی۔ اگر تو میری اس آخری تمنا کی جو منزلۂ وصیت ہے تکمیل کرے گا تو میری روح تجھے دعائیں دیگی۔ ورنہ ...... ورنہ یاد رکھ کہ ایک مجبور و لاچار روح کو ستا کر کوئی خورسند نہیں ہو سکتا!!"

میں نہیں کہہ سکتا کہ "افسانہ حزیں" کی تمہید میرے لئے کس درجہ عبرت افزا تھی۔ دوسروں کی گفتگو میرے لئے بے معنی ہو گئی۔ [illegible]

امرار کیا اور سید ماہکان پر آکر افسانۂ حزیں کا بغور مطالعہ کیا۔ چونکہ تکمیلِ وصیت منظور ہے اس لئے حرف بحرف نقل کرتا ہوں۔

میں اپنے افسانہ کا آغاز زندگی کے اُس زمانہ سے کرتا ہوں جس کو لوگ لڑکپن کے زمانہ سے منسوب کرتے ہیں۔ مگر واضح رہے کہ اس تحریر کا مقصد کسی کی رسوائی نہیں ہے۔ بلکہ اہلِ دل کے لئے صرف درسِ عبرت ہے اس لئے جو نام ہیں فرضیہ استعمال کرتا ہوں۔ بسنت ہو چکا تھا۔ موسم سرما اپنا دورِ شباب ختم کر کے روبہ انحطاط تھا۔ چار بج چکے تھے اور میں دن بھر کے تکانِ دماغی کے بعد ایک کسلمندانہ انداز میں اسکول سے واپس ہو رہا تھا۔ جوگندر پاٹ شالہ کی لڑکیاں بھی مسلسل چھ گھنٹہ قید رہنے کے بعد آزادی کی ہواؤں کا لطف لیتی ہوئی اپنے مکانوں کو جا رہی تھیں۔ لڑکیوں کا غول دیکھ کر میں عمداً اُن کے پیچھے چل رہا تھا۔ یکایک موٹر کے ہارن کی آواز پیدا ہوئی۔ باوجودیکہ میں سڑک کے بائیں کنارہ پر چل رہا تھا۔ خدا معلوم کیوں میں نے سامنے نظر ڈالی ایک چیخ کی آواز سُنائی دی۔ میں اُس آواز پر بڑھا۔ اور ایک لڑکی کو موٹر کے بالکل سامنے دیکھ کر نتیجہ سے قطعی بے خبر ہو کر کتابیں پھینکتے ہوئے میں نے چاہا کہ لڑکی کو سڑک کے دہنی طرف کر دوں۔ ظاہر ہے کہ ہر نیک مقصد کی تکمیل میں کچھ نہ کچھ قربانی ضرور کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسی ہی صورت پیش آئی۔ یعنی میں اُس کو موٹر کے سامنے سے ہٹانے ہی پایا تھا کہ موٹر قریب سے قریب تر ہو گیا۔ اور میرا داہنا پیر موٹر کے وزنی پہیے کے نیچے آ گیا ادھر میں گرا اُدھر وہ لڑکی جو اُس وقت تک کلیتہً میرے سہارے پر تھی گرنے لگی کنارے پر کھڑے ہوئے لوگوں نے اُسے اپنے ہاتھوں پر لے لیا۔ اور مجھ بدنصیب کی حالت پر غور کرتے ہوئے چلائے۔ موٹر رکی مگر ایسی حالت میں کہ میرے دونوں پیروں کو اپنے داہنے پہیوں سے پوری طرح مجروح کر چکی تھی۔ لوگ جھپٹے مجھے اُٹھایا اور ہسپتال لے گئے۔ میرا علاج شروع ہوا اور امکانی تدابیر اختیار کی گئیں۔ میرے قیام ہسپتال کے زمانہ میں وہ لڑکی اور اُس کے والد اکثر مجھے دیکھنے آتے تھے۔ اُس وقت اُس لڑکی کی عمر بارہ سال کی تھی اور اس کا نام مالتی تھا وہ اکثر میرے پاس بیٹھ کر نئے انداز میں میرا شکریہ ادا کرتی تھی۔ محبت یونہی اندھی مشہور ہے۔ پھر اُس وقت اس قابل میری عمر بھی نہ تھی کہ کسی معاملہ پر غور کر کے صحیح نتیجہ پر پہونچ سکتا۔ رفتہ رفتہ مجھے مالتی سے اُنس پیدا ہو گیا اور دھیرے دھیرے اِس اُنس سے متجاوز ہو گیا۔ اور وہ صورت اختیار کی۔ جسے شاید لوگ محبت کہتے ہیں۔ اب جس دن وہ نہ آتی تھی میں اپنے قلب و دماغ میں ایک اضطرابی کیفیت محسوس کرتا تھا۔ گو میرے احبا اور عزیز و ماں میرے پاس ہوتے تھے۔ مگر بار بار ہر آواز پر میری نظر سوئے در جاتی اور مایوس ہو کر واپس آتی تھی۔ اور جب وہ ہوتی تھی تو میں اپنے کو ایک مسرور فضا میں پاتا تھا اور دل یہی چاہتا تھا کہ میں اس سے باتیں کئے جاؤں۔ اور اس طرح کہ اس میں کوئی دخیل نہ ہو مگر ایسی صورتیں کبھی پیش نہ آتی تھیں۔ ممکن ہے کہ آپ کو یقین نہ آئے مگر میں حقیقتاً کہتا ہوں کہ اُس وقت میں یہ سمجھنے سے بالکل قاصر تھا کہ کیوپڈ کا تیر میرے دل کو نخچیر کر چکا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ زمانہ بھی آ گیا کہ میرے پیر کی ہڈیاں جڑ گئیں۔ زخم اچھے ہو گیا۔ اور مجھ کو ہسپتال سے رخصت ہونے کی اجازت مل گئی مگر لنگ کج رفتاری کی سامنے آئی یعنی میرے پیر کی کجی دور نہ ہوئی۔ اُس سال میں امتحان میں بھی شریک نہ ہو سکا۔ مکان پر آ کر رہا سہا اُس کے دیکھنے کا سہارا بھی ٹوٹ گیا۔ اسکول میں تعطیلات موسم گرما تھیں ورنہ سر راہ دیکھ کر تکمیلِ ذوق کرتا۔ گو نام و پتہ معلوم تھا مگر خود اُسکے مکان پر جاتے شرم معلوم ہوتی تھی۔ لیکن بغیر دیکھے چین بھی نہ آتا تھا۔ آخر کار نہ رہا گیا اور ایک دن دلِ ناصبور کے اصرار پر مجبور ہو کر حریم ناز کے پاس سے گذرا قسمت مہربان تھی۔ مسٹر کشوری لعل (مالتی کے والد) اپنے کمرہ کے دروازہ پر کھڑے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر بڑھے اور بڑے تپاک سے اپنی نشستگاہ میں لیتے اور بڑی شفقت سے مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ جن کا میں ایک کھوئے ہوئے انداز میں جواب دیتا رہا کیونکہ حقیقت میں میری قوتِ سامعہ تو کسی اور ہی کی جنبش پا کی طالب تھی میری قوتِ باصرہ تو کسی اور ہی نظر نواز جلوہ کی متمنی تھی۔ اور میری قوتِ ناطقہ تو کسی اور ہی سے محو گفتگو ہونا چاہتی تھی یہاں تک کہ قدرت کو رحم آیا۔ والد کی اطلاع پا کر کسی اور ذریعہ سے مطلع ہو کر مالتی کمرۂ نشست میں آئی۔ سُنا گیا ہے کہ جیٹھ اور بیساکھ کی دھوپ کے بعد موسمی ہواؤں کے زیر اثر بارش کا پہلا سلسلہ پیاسی زمین کے لئے نہایت لطیف ہوتا ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ مالتی کی آمد نے میری تشنۂ دید نظروں کے لئے اس سے زیادہ لطف کا سامان پیدا کر دیا۔ انسان اپنے محسوسات کو بہتر سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ آپ نہ سمجھیں مگر میں نے اپنے دماغ و دل۔ آنکھوں یہاں تک کہ پورے جسم میں وہ اثرات محسوس کئے جن کی لطافت کو بیان کرنے کی طاقت نہیں۔ غرضکہ وہ میری نگہ کے لئے فردوسِ نظر سامان لے کر آئی اور مجھ سے رسمی گفتگو کی میں نے بھی جوابات دیئے۔ مگر وہ کہاں تک صحیح تھے۔ اس کو میں اب بھی نہیں سمجھ سکتا۔ اثنائے گفتگو میں میری تعلیمی زندگی کا ذکر چھڑ گیا۔ اور میرے ایک سال کے ضائع ہونے پر مسٹر کشوری لال نے اظہار افسوس کیا۔ اس کے بعد وہ اُٹھ کر مکان کے اندر چلے گئے اب ہم دونوں ساکت تھے۔ اس کی نسبت میں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں اپنے متعلق یہ ضرور کہوں گا کہ میں اُسے نہ سیر ہونے والی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

کبھی کبھی گفتگو کے لئے موضوعِ تلاش کرتا تھا۔ مگر دماغ اپنی قوت آنکھوں پر صرف کر رہا تھا اس لئے نتیجہ معلوم؟ کچھ دیر کے بعد مسٹر کشوری لال واپس آگئے۔ اور پاپا چاہیے سبھی اُن دُنیائے دل میں تلاطم پیدا کرنے والی آنکھوں کے مقابل سے نظر جھکانا پڑی۔

مسٹر کشوری لال نے مالتی کی تعلیم کا تذکرہ کرتے ہوئے اُسے تعلیمی امداد دینے کے لئے مجھ سے درخواست کی۔ میرے لئے بھلا اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا کہ میں آزادی سے اس فضا میں سانس لوں جس میں میری روح تنفس پرور ہو۔ میں نے بخوشی اس کو منظور کیا۔ اور یہ دیکھ کر مجھے کس درجہ مسرت ہوئی کہ میری اس منظوری سے مالتی کے معصوم چہرہ پر ایک ہلکی سی سُرخی دوڑ گئی۔ جس کو دیکھ کر میرے لئے یہ یقین کر لینا مشکل نہ تھا کہ مالتی اپنے والد کی اس تجویز کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتی ہے۔

میں قدرت کا مداح اور قسمت پہ نازاں تھا کہ ابھی کل تک جہاں پہنچنے اور ذوقِ نظارہ کی تکمیل کرنے کے لئے طرح طرح کے منصوبے سوچ سوچ کر امیدیں کے ہیبت ناک مناظر کا تصور کر کے ایک عالمِ بے چینی میں ان تخیلات کو دماغ سے نکالنے پہ مجبور ہوتا تھا۔ آج اُسی کوچۂ حُسن میں ایک تبع حیثیت سے گامزن ہوں۔ غرضکہ سلسلۂ تعلیم شروع ہوا۔ مالتی کا چھوٹا بھائی موتی لعل بھی مالتی کے ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ یہ میری طبیعت پر ذرا گراں گذرا مگر یہ سوچ کر کہ قربِ حُسن اسی صورت میں ممکن ہے۔ خاموش ہونا پڑا۔ موتی لعل ایک ذہین اور شوقین بچہ تھا۔ ساتھ ہی ساتھ مجھ سے اُنس بھی رکھتا تھا۔ اور رفتہ رفتہ میں بھی اُس سے مانوس ہو گیا۔

اب تک میرے متمنی لب، قلب سوز مگر روح پرور الفاظ سے بیگانہ تھے۔ جذبۂ بے اختیار کے ماتحت اُٹھ جانے والی نظریں اگرچہ محبت کی قاصد ہو سکتی ہیں تو میں بجا اعتراف کرتا ہوں کہ یہ سلسلہ ضرور قائم تھا۔ اکثر سلسلہ اسباق کسی بات کو سمجھانے میں۔ ہماری نظریں ضرور لطف ہم آغوشی حاصل کرتی تھیں۔ ہمیشہ نہیں مگر ہاں کبھی کبھی مالتی کی نظروں میں تو ایک عجیب و غریب بات پاتا تھا جس کا اظہار ناممکن ہے۔ مگر وہ بات نظر کے ذریعہ سے میرے دماغ میں پہنچ کر کچھ عجیب اثرات پیدا کرتی تھی۔ بسا اوقات یہ بھی ہوتا تھا کہ سلسلہ اسباق ریاضی ہم دونوں کی جنبشِ دست متصادم ہو کر میرے سازِ دل کے تاروں کے لئے مضراب کا کام کرتی تھی۔ میرے ہونٹوں میں بے معنی کپکپاہٹ۔ اور ہاتھوں میں بے وجہ تھرتھراہٹ پیدا ہو جاتی تھی۔ دو ایک مرتبہ مالتی نے بھی اس غیر معمولی تبدیلی کو محسوس کرتے ہوئے مجھ سے استفسار کیا۔ مگر میں نے موقع مناسب نہ سمجھتے ہوئے "کچھ نہیں" کہہ کر ٹال دیا۔ مالتی اور موتی دونوں کی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر ہو رہی تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی جبکہ میں سمجھتا تھا کہ ان دونوں کی بہترین تعلیم میں میری مسرت روحانی یعنی قربِ حُسن کا راز مضمر ہے۔ مسٹر کشوری لال کی عنایات روز افزوں تھیں۔ اُنہوں نے میری ان خدمات کا ایک معقول رقم سے معاوضہ دینا چاہا۔ میں نے پہلے انکار کیا۔ لیکن پھر یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ کہیں اور کچھ نہ سمجھ لیں۔ مجبوراً اُن کے اصرار پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔ وقت بڑی تیزی سے گذر رہا تھا محبت کی جڑیں گہری ہوتی ہوئی مضبوط ہوتی جا رہی تھیں۔ اور میں اپنے سفینہ کو خدا کے سپرد کئے منزل سے بے خبر ہواؤں کے رُخ پر بہا چلا جا رہا تھا۔

مسٹر کشوری لال اور میں ایک ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ اِں امیری اور غریبی کا فرق ایک ایسا فرق تھا جو کبھی کبھی مجھے ہراساں کر دیتا تھا۔ مگر میرا ارادہ تھا کہ میں اپنی اعلیٰ تعلیم اور اُسکے بعد منصب جلیلہ سے اس کمی کو پورا کر کے اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرونگا جو میرے لئے کائنات سے بالاتر ہے۔ مالتی نے مڈل اور میں نے میٹرک نمایاں حیثیت سے پاس کیا گو میری مالی حالت اس کی متحمل نہ ہو سکتی تھی مگر جس طرح بھی ہوا میں نے کالج میں نام لکھا دیا۔ مالتی بھی ہائی اسکول میں داخل ہوئی۔ اب وہ نامِ خدا ایک سربند کلی سے غنچہ بن رہی تھی۔ اُس کی معصوم نرگسی آنکھوں میں شبابی رعنائیاں پیدا ہو کر انہیں غارت گرِ دین و ایمان بنانے پر آمادہ تھیں۔ اُس کی ساحر ادائیں اہلِ دل کو دامنِ ہوش و خرد چھوڑنے کیلئے مجبور کرتی تھیں۔ اُس کی رفتار کی لچک پر دل بِچھ جانے کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔ غرضکہ وہ بتدائی معصومیت حُسن بے باک کے دائرہ سے نکل کر حُسنِ خود دار ہو جانا چاہتی تھی۔ اگر بدقسمتی سے آپ بھی کبھی میری ہی ایسی حالت میں رہ چکے ہیں تو یقیناً آپ سمجھ لیں گے کہ ان تبدیلیوں نے میرے دل۔ دماغ اور روح پہ کیا اثرات پیدا کئے ہوں گے۔ اُسکی ہر جنبشِ نظر آنکھوں سے ہوتی ہوئی دل میں پہنچ کر جذبات میں تلاطم پیدا کر دیتی تھی۔ اُس کی حرکتِ لب کانوں سے ہوتی ہوئی دماغ پر پہنچ کر کیفِ موسیقی بخشتی تھی۔ دامنِ صبر و ضبط چھوٹا جاتا تھا اور بے اختیار دل چاہتا تھا کہ کسی اچھے وقت میں مناسب عنوان سے مالتی کے گوش گذار وہ رازِ دل کر دوں جس کے کہنے کے لئے دل بے تاب ہے۔ لیکن اوّلاً ایسے مواقع ہی نہ ملتے تھے۔ دوسرے اگر قسمت سے موقع بھی ملتا تھا۔ تو باوجود کوشش اظہارِ مدعا کے لئے الفاظ سمجھ میں نہ آتے تھے۔ اور میں بالکل اُس مسافر کی طرح جو کسی اجنبی ملک کی زبان اور طرزِ معاشرت سے ناواقف ہو اِدھر اُدھر دیکھ کر اُس کی صورت کو کچھ دیر تک تکتا رہتا تھا۔ پھر اپنے ذہنی کرب میں مبتلا ہو کر نظریں جھکا لیتا تھا۔ کبھی بے معنی طور پر کاغذ پر ٹیڑھی اور لکیریں بنا بنا کر اُس کو اپنی اس بے موقع خاموشی پہ خاموش رکھنے

کے لئے حقہ پیش کرتا تھا۔

ممتا میں کالج سے واپسی پر قریب ½ ۵ بجے شام مالتی کے مکان پہنچتا تھا اور ½ ۲ گھنٹہ یا کچھ زیادہ عرصہ تک تعلیم دیکھا بھالا کرتا اور ہوتا تھا اور اُس کے بعد اپنی کتب درسیہ میں کھو جاتا تھا۔ ایک دن جب حسب معمول میں مالتی کے مکان کو جا رہا تھا۔ اُودی اُودی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور ہوا کا ہر جھونکا کیف بداماں معلوم ہوتا تھا۔ مالتی نے فضائے آسمانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مسٹر ماسٹر" (ابتدائی زمانہ میں وہ مجھے اسی طرح مخاطب کرتی تھی۔ مگر زیادہ عرصہ گذرنے پر میرے ہی اصرار پر تنہائی میں وہ میرے نام سے اور دوسروں کے سامنے "مسٹر ماسٹر" کہہ کر مجھکو اپنی جانب متوجہ کرتی تھی) "دیکھئے آج موسم کتنا خوشگوار ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں مسرور کن فضا میں عجب لطف دے رہی ہیں۔ آج پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔ پتاجی بڑے اچھے اچھے ریکارڈ لائے ہیں، کہئے تو آپ کو سُناؤں"، دل کے ہاتھوں مجھ میں یہ کہاں تاب تھی کہ اُس کی تجویز کی مخالفت کرتا۔ میں نے بخوشی اس کی رائے سے اتفاق کیا۔ اکثر ریکارڈ بجتے رہے۔ موتی کھیلنے چلا گیا۔ اور ہم دونوں نغمہ و شعر کی دنیا کا لُطف اُٹھاتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ غزل شروع ہوئی۔

فقط وقتی مسرت پھر مصیبت پر مصیبت ہے ~~~~~~~~~
فریب آگیں الٰہی کس قدر نام محبت ہے ~~~~~~~~~
~~~~~~~~~ وہ بے ترتیب لفظیں جو زباں پہ آکے رُکتی ہیں
~~~~~~~~~ مسلسل ہوں تو معنی دیں "مجھے تم سے محبت ہے"
نہیں ہوجو لب ساکت ہیں اور آنکھوں میں آنسو ہیں ~~~~~~~~~
خموشی سے کہا جاتا ہے یہ "رازِ محبت" ہے ~~~~~~~~~

کیا کہوں اس غزل نے میرے اوپر کس درجہ اثر کیا میں خوفِ ذلت و رسوائی سے مستغنی ہو گیا۔ اشک بے اختیار حلقہائے چشم سے نکل آئے، اتفاق سے مالتی کی نظر میرے چہرہ پہ پڑی اور اس سیلِ اشک کو دیکھ کر وہ ایک مضطربانہ انداز میں میرے قریب آکر حقیقتِ حال کی طالب ہوئی۔ جس طرح چھلکتا ہوا ساغرِ شراب ذرا سی جنبش کے بعد سیالِ آتشین کو اپنے قبضہ میں رکھنے سے معذور ہو جاتا ہے اُسی طرح اُس کے اِس اندازِ استفسار سے میں عنانِ ضبط ہاتھ سے کھو بیٹھا۔ اور کھڑا ہو کر اپنے کانپتے ہوئے دونوں ہاتھوں میں اُس کے ہاتھ لے کر اُسکے چہرہ کو دیکھتے ہوئے ہچکیوں کی بے ہنگام آواز کے درمیان اس شعر کو رُک رُک کر پڑھنے لگا۔

نہیں ہو جو ساکت لب ہیں اور آنکھوں میں آنسو ہیں خموشی سے کہا جاتا ہے "یہ رازِ محبت" ہے اور اسکے بعد ہی ایک جذبہ بیتاب کے ماتحت میری گردن جھکنے لگی اور جھکتے جھکتے میری پیشانی اُسکے نازک ہاتھوں کی پشت سے مس ہو گئی۔ ریکارڈ کا باقی حصہ ختم ہوا۔ آٹومیٹک مشین نے گورنر کو ہٹایا۔ اُس کی آواز سے میں باخبر ہوا۔ آہستہ آہستہ میری گردن میں جنبش پیدا ہوئی یہاں تک کہ میری اشکبار آنکھیں اُس کی سحر کار آنکھوں کے مقابل ہو گئیں۔ وہ خاموش کھڑی تھی۔ آنکھیں بند تھیں تنفس میں گرمی تھی۔ رخساروں پہ ہلکی ہلکی سُرخی تھی۔ اور جس طرح آفتاب کی ضیا بخش کرنیں صبح کے وقت گلہائے تر پر جمے ہوئے قطراتِ شبنم کو دُرِ ناسفتہ کے مانند چمکدار بنا دیتی ہیں۔ اسی طرح اور ٹھیک اسی طرح اُس کے عارضِ رنگین پہ ڈھلکے ہوئے قطراتِ اشک میں بجلی کی روشنی ضیا پاشی کر کے اُس کے حسین چہرہ کو حسین تر بنا رہی تھی اس منظر نے مجھے رنجور بنا یا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ جانتے ہوئے کہ اس جانِ تمنا پر بھی میری اس کاہشِ جانی اور سوزِ نہانی کا کچھ اثر ہے مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ رفتہ رفتہ اُس کی بند آنکھیں کھلیں اور میری طالبِ اُلفت آنکھوں کو اپنے مقابل پاکر نسائیت کے حیا آگیں انداز میں جھک گئیں۔ اُس کے ہاتھ اب بھی میرے ہاتھوں میں تھے۔ اور میں اُس کی صورت کو تک رہا تھا۔ صحیح طور پر میرے لئے یہ جاننا بہت مشکل ہے کہ کب تک ہم لوگ اسی صورت سے کھڑے رہے یہاں تک کہ بادل زور سے گرجا۔ اور بجلی ایک نہایت خوفناک آواز سے کڑکی۔ مالتی اپنی جنسی کمزوری کی بنا پر جھجکی اور ایک گھبرائے ہوئے انداز میں میرے سینے سے لپٹ گئی۔ آہ کیا منظر تھا۔ تمنائیں خود بخود پُوری ہو رہی تھیں۔ میں دل ہی دل میں بجلی کا ممنون ہوتے ہوئے پُرانے تخیلات کا ایک مطلع جو بیساختہ مجھے یاد آگیا تھا پڑھ رہا تھا ؎

لپٹ جاتے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے ✦ الٰہی یہ گھٹا دو دن تو برسے

کچھ دیر کے بعد اُس میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ اُسے اپنی حالت کا احساس ہوا۔ اور وہ باآہستگی شرمیلی ادا سے مجھے دیکھتے ہوئے اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے بھی بخاموشی اپنی کرسی پر قبضہ کیا اب کمرہ میں خاموشی مسلط تھی۔ ہم دونوں اپنے اپنے تخیلات کی دنیا میں غرق تھے۔ دونوں دِل بزبانِ خاموشی گفتگو کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ موتی لعل آگیا۔ بادل کی گرج بجلی کی کڑک پہ تبصرہ کرتے ہوئے اُس نے ہم دونوں پہ تائیدی نظر ڈالی۔ ہم دونوں نے مجبوراً اُس کی گفتگو میں حصہ لیا۔ دل تو نہ چاہتا تھا مگر بمصلحت میں رخصت ہونے کے ارادہ سے اُٹھا۔ بارش زور کی ہو رہی تھی مالتی نے میرے قیام پر اصرار کیا۔ منہ مانگی مراد

ملی۔ کچھ ہی دیر کے بعد مسٹر کشوری لعل بھی آگئے۔ اِدھر اُدھر کی گفتگو ہونے لگی۔ اُن کے دریافت کرنے پر جب میں نے اپنی آئندہ زندگی کے متعلق اپنا تصور کردہ پروگرام سُنایا، تو باپ اور بیٹی دونوں کے چہرہ پر مسرت رقصاں نظر آئی۔ میں نے اسے اپنے لئے فالِ نیک سمجھا۔ یہاں تک کہ بارش کا تار ٹوٹا آسمان سے بدلیاں ہٹنے لگیں اور میں اپنے مکان کو روانہ ہوا۔ آج کی شاندار کامیابی کے باعث میرا خون جسم میں نہایت تیزی سے دورہ کر رہا تھا۔ جسمانی حرارت کچھ بڑھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اور جب ہوا میرے جسم سے ہوا کے فرحت بخش جھونکے ٹکراتے تھے تو میں ایک کیف و مستی کی دنیا میں گم ہو جاتا تھا۔ گو میں گانے سے قطعاً ناآشنا ہوں مگر آج کی مسرت بار بار مجھے گانے پر مجبور کر رہی تھی اور میں حسب حال حافظہ میں محفوظ شعر گنگناتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

کیفیتِ مستی

[illegible]

مکان پر پہونچا۔ مطالعہ کتب میں دل نہ لگا۔ دل یہ چاہتا تھا کہ پھر نئے سرے سے گذرے ہوئے واقعہ کو مسلسل کر کے لُطف رُوح پرور حاصل کروں۔ ان تخیلات میں رات کا بہت سا حصہ گذر گیا۔ اور کب سو گیا؟ یہ معلوم کرنا میرے لئے نہایت دشوار ہے۔

وقت گذرتا گیا۔ مالتی کی مہربان نظریں برابر پیامِ محبت پہونچاتی رہتی تھیں۔ میں نہیں معلوم کتنی طویل داستانیں اُس سے کہنا چاہتا تھا۔ مگر موتی لال کی موجودگی مانع ہوتی تھی۔ میں اور مالتی امتحانات میں شاندار نمبروں سے کامیابی حاصل کر رہے تھے یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا۔ کہ مالتی ہائی اسکول اگزامنیشن میں کامیاب ہوئی۔ اُس کے اختتامِ امتحان کے بعد سے چونکہ میرا قربِ امتحان کا دور شروع ہوتا تھا۔ اور مسٹر کشوری لعل کا اصرار تھا کہ میں زیادہ تر وقت اپنی تیاری امتحان پر صرف کروں۔ اس لئے اس اثنا میں مالتی کے یہاں آمد و رفت میری بہت کم تھی۔ یہاں تک کہ میرا امتحان ختم ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ اس خبر نے مجھے تکلیف پہونچائی کہ مالتی کا سلسلۂ تعلیم غیر ضروری سمجھتے ہوئے اب ختم کر دیا جائے گا۔ مگر مجبور تھا کیا کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ میرا نتیجہ آگیا۔ مسٹر کشوری لال موتی لال اور میری نظر نواز مالتی مجھے مبارکباد دینے آئے۔ میرے خاندان کی واحد ممبر یعنی میری ضعیف والدہ نے اُن کی تواضع کی۔ رسمی الفاظ کی ادائیگی کے بعد مسٹر کشوری لال نے روانگی کے ارادہ کا اظہار کیا۔ مگر مالتی نے کچھ دیر اور رہنے کی درخواست کی اور موتی لال کو ہدایت کی کہ وہ ایک گھنٹہ کے بعد سواری بھیجدے۔ اُس کی خود یہ التجا میری سماعت کے لئے کیا چیز تھی اس کو صرف اہلِ دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ہر شخص ان باتوں کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ میری ضعیف ماں امورِ خانہ داری میں مصروف تھیں۔ میں اور مالتی کمرہ میں تنہا تھے۔ میں نے آہستگی سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محبت بھرے انداز سے دباتے ہوئے کہا۔ مالتی۔ جان سے زیادہ عزیز مالتی مجھے یہ تصور کرتے ہوئے کس درجہ مسرت ہوتی ہے۔ کہ مستقبل قریب میں میرے کچھ برس کے مسلسل خوابوں کی تعبیر ملنے کا اب وقت آگیا ہے۔ وہ دن دور نہیں ہے کہ میں کوشش کر کے جلد کوئی اعلیٰ عہدہ حاصل کرونگا اور امید ہے کہ اس معاملہ میں آپ کے والد صاحب بھی اپنے رسوخ کی بنا پر میری امداد فرمادینگے۔

پھر کیا ہوگا؟ پھر کیا ہوگا؟ آہ مالتی پھر میں دُنیا بھر کی نظروں میں تمہیں اپنے تخیلات کی ملکہ اپنی آرزوؤں کا مرکز یعنی اپنی رفیقۂ حیات بنا سکونگا۔ وہ دن کتنے سنہرے اور راتیں کتنی خوشگوار ہونگی۔ وہ نیچی نظریں کئے میری گفتگو سُن رہی تھی۔ اپنے مکالمہ کے قربِ اختتام الفاظ پر میری

آنکھیں ایک سرور کے ماتحت بند ہوگئی تھیں کہ اُس نے آہستہ سے میرے ہاتھ کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالا۔ اس حرکت سے میں اپنے خوابوں کی دنیا سے چونکا۔ میری آنکھیں کھلیں اور اُسکے چہرہ پر پڑیں۔ مگر وہاں خلاف توقع رنگ پایا۔ یہ دیکھ کر کہ میں اُسکے چہرہ کو بغور دیکھ رہا ہوں۔ میرے جذبات کو سمجھتے ہوئے اُسکے لبوں میں حرکت پیدا ہوئی "مسٹر گھنہ" (یہ انداز تخاطب میری زندگی میں اسکی جانب سے پہلی بار تھا) مجھے دلی افسوس ہے کہ میں ایسے خوشی کے لمحات میں آپ کو افسردہ بنا رہی ہوں مگر میں اس موقع کی عرصہ سے منتظر تھی۔ آپکے احساسات کا خیال کرتے ہوئے میری طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا۔ کہ میں آپ کی تعلیمی زندگی برباد کر دوں۔ اور اس واقعہ کے اظہار میں تو فرض ہی کہ ایسا ہو ضروری ہے۔ اچھا سنئے میرے پتا جی یقینی طور پر آپ کی ہر طرح امداد کریں گے مگر باوجود سمجھدار ہونے کے شاید آپ اس سے واقف نہیں ہیں کہ آجکل ادنیٰ ملازمتیں بھی نایاب ہو رہی ہیں نہ کہ اعلیٰ! پھر جہاں تک میرا خیال ہے آپ کی جسمانی کمزوری یعنی پیر کی کجی آپ کو گورنمنٹ سروس ملانے میں خارج ہوگی۔ پھر نتیجہ ظاہر ہے پتا جی کی خواہش ہے کہ میرے رشتہ زندگی کو کسی امیر سے منسلک کریں۔ بابا کے خیالات یوں بھی واجب التعمیل ہیں۔ اور پھر جبکہ میں اُن کے ارادوں کو بدلنے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں پاتی۔ تو خاموش ہو کر سر تسلیم خم کرنا ہی بہتر سمجھتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ آئندہ مجھے آپ سے اسطرح گفتگو کرنے کا موقع نہ ملیگا۔ اس لئے باوجود یہ جانتے ہوئے کہ آپ کو سخت تکلیف ہوگی۔ یہ بھی بتا دینا چاہتی ہوں کہ ماہ آئندہ میں میری شادی ہو جائے گی!"

اے میرے افسانہ کے پڑھنے والو۔ میں کیا بتاؤں کہ ان الفاظ نے میرے دل اور دماغ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ آہ یہ الفاظ نہ تھے بلکہ زہر میں بجھے ہوئے تیر تھے۔ جو میرے دل کے پار ہو گئے۔ یہ اسکی گفتگو نہ تھی بلکہ بجلی تھی۔ جس نے میرے خرمن صبر و سکون کو خاکستر کر دیا۔ مجھے تباہ و برباد کر دیا۔ میری آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا۔ دل میں روح کو اذیت پہونچانیوالا درد اُٹھا۔ اُس کی حرکت میں اضافہ ہوا۔ میں نے بے اختیار اُس پر ہاتھ رکھا۔ دماغ اس غم کی تاب نہ لا سکا۔ اور میں لڑکھڑا کر گر پڑا۔

میرے پڑوسیوں کی تیمارداریاں۔ دوا کے اثرات یا میری بوڑھی ماں کے ناتواں جسم سے کھینچ کھینچکر آنے والے قطرات خون کے بنے ہوئے آنسو مجھے ہوش میں لانے میں کامیاب ہوئے۔ وقت بہت کافی گذر چکا تھا۔ میں بار بار اپنے دل کو فریب دینا چاہتا تھا کہ میں نے کوئی خواب بد دیکھا ہے۔ اور دماغ میں گونجنے والے الفاظ مالتی کے الفاظ نہیں ہو سکتے۔ لیکن ماں کے اس کہنے نے کہ بیٹا کیا بات ہے؟ اب کیسے ہو؟ مالتی تو یہ کہتی تھی اور ڈاکٹر کا بھی یہی خیال ہے کہ گرمی کی زیادتی سے تمہیں چکر آ گیا۔ میں برابر تمہیں پنکھا جھلے جا رہی ہوں۔ تم بہت کمزور ہو گئے ہو۔ اب تو اچھے ہو؟" میں یقین کرنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ خواب بد نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ میں نے ماں کو مطمئن کرنے کی غرض سے چہرہ پر مصنوعی مسرت پیدا کی۔ اور اُنہیں اطمینان دلایا کہ میں اب بالکل اچھا ہوں۔ اور آرام کرنا چاہتا ہوں۔ مگر آرام آہ آرام کہاں؟ میرے ذہنی لغت سے تو آرام کا لفظ مٹ چکا تھا۔ بقیہ دن اور رات کس طرح بسر ہوئی۔ اسکو کیونکر بیان کروں۔ کبھی تکیے میں منہ چھپا کر روتا تھا۔ کبھی نہ قرار پانے والے دل پر ہاتھ رکھکر اُسکو سکون دینے کی سعی لاحاصل کرتا تھا۔ ماں کے خوف سے بتقاضائے شوق آہ بھی نہ کر سکتا تھا۔ طبیعت میں اُلجھن اور جسم میں ایک سنسنی سی پیدا ہوتی تھی۔ خود کشی کرنے کا بار بار خیال پیدا ہوتا تھا۔ مگر بوڑھی ماں کی روحانی تکلیف کا احساس مانع ہوتا تھا۔ اس عرصہ میں میں کئی بار غافل ہوا ممکن ہے۔ کہ لوگ اسے غنودگی سمجھیں مگر میں تو اسے غشی سے منسوب کرتا ہوں۔ کیونکہ انتشار دماغ کی صورت میں غنودگی کا وجود ہی ناممکن ہے۔

میں نے اپنی ذاتی حالت کا تو آپ سے اظہار ہی نہیں کیا۔ میں ایک غریب زمیندار کا لڑکا ہوں۔ اور کس درجہ بد نصیب کہ باپ کے شفقت آگین چہرہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میری ۴ برس کی عمر میں وہ اس خواہان عشرت اور عیش پسند دنیا سے متنفر ہو کر چلے گئے۔ جہاں مساوات ہے سکون ہے۔ اور روحانی مسرت ہے۔ ماں نے ہزاروں تکلیفیں اُٹھا کر مجھے پرورش کیا۔ میری تکمیل التعلیمات تعلیمی یعنی زراعتی زمین کا بہت کچھ حصہ فروخت کر دیا۔ اور یہ اُمید تھی۔ کہ بیٹا لائق ہو کر اس کلفت کا معاوضہ دیگا۔ مگر آہ جب نخل مراد کے پھولنے کا وقت آیا۔ تو لُو کے ایک تھپیڑے نے۔ طراوت۔ سبزی۔ اور قوت نامیہ کا خاتمہ کر دیا۔ کاش میں پیدا ہو کر ہی مر جاتا۔ اے کاش مالتی کو نہ دیکھتا۔ اور اگر دیکھا بھی تھا تو جذبات محبت کی پرورش کے مدافعت کی مجھ میں قوت ہوتی اور میری غمزدہ ماں کو یہ رنج نہ پہونچتا۔ ہر چند میں چاہتا تھا کہ اپنی داستان غم کسی سے کہوں۔ مگر میں اس معاملہ میں ایسا بد نصیب تھا کہ مجھ سے ہمدردی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ماں سے کچھ کہہ نہ سکتا تھا اسلئے بہتر یہی سمجھا۔ کہ جنگل کے درختوں سے پانی کی موجوں سے۔ کھیتوں کی مینڈھوں سے اپنا راز دل کہوں۔ ماں سے گاؤں جانے کی اجازت لے کر رخصت ہوا۔ کہاں کہاں پھرا؟ اور کیا کیا؟ یہ سوال لاحاصل ہے۔ کیونکہ مجھے ہوش ہی نہ تھا۔ صبح سے شام تک ۶ میل کی مسافت طے کی۔ اپنے گاؤں پہونچا۔ سادہ خیال نیک طینت دیہاتیوں نے میرا خیر مقدم کیا۔ میری کامیابی پر مبارکباد دی۔ میری خوش قسمتی پر ہنستے میں دل ہی دل میں رو رہا تھا۔ دو دن چار دن یہاں تک کہ مہینہ بھر گذر گیا میں شہر کو واپس نہ ہوا۔ مجھے شہر اور شہر کے رہنے والوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ مالتی کے ساتھ ساتھ میں تمام شہری لوگوں

کو زر پرست سمجھنے لگا تھا۔ ماں کی خیریت معلوم ہو جاتی تھی۔ مہینہ بھر گذر جانے پر بھی جب منی آرڈر واپس نہ ہوا تو ماں خود میرے پاس چلی آئیں۔ میں شب کو سکونِ دماغ حاصل کرنے کے لئے دن بھر خود کو مشغلہائے جسمانی میں مشغول رکھتا تھا۔ کھیتی کے ادنیٰ سے ادنیٰ کاموں کو انجام دیتا تھا۔ مگر کبھی کبھی یہ تمام کوششیں بیکار ثابت ہوتی تھیں اور شبِ خاموش سحرِ پرشور میں تبدیل ہونے کے باوجود میں سکون و استراحت سے ناآشنا رہتا تھا۔

اسی عالم میں مجھے تین سال گذر گئے کہ اس آفتِ جاں کا ایک خط موصول ہوا جس میں اس نے ظاہر کیا کہ عالمگیر وبا کے ہاتھوں صرف اس کے والدین ہی نہیں بلکہ قریب قریب اس کا تمام خاندان لقمۂ نہنگِ اجل ہو گیا۔ اور اسی پر اکتفا نہیں ہوئی یہاں تک کہ اس کے سہاگ کا سرسبز باغ بھی نذرِ خزاں ہو گیا۔ اب اس عالمِ تنہائی میں سوائے میرے یا ذاتِ باری کے اسے کسی کا سہارا نہیں ہے۔ سسرالی اعزہ اس کے نحوست کے افسانوں سے اس کے دماغ کو تکلیف پہنچاتے اور طنز آمیز الفاظ کے تیروں سے اس کے کلیجہ کو چھید ڈالتے ہیں۔ جس طرح جلد ممکن ہو میں آؤں اور اس کو گردابِ رنج و محن سے نجات دوں۔ یہ خط پڑھتے ہی تمام واقعاتِ ماضیہ کو یک قلم بھول گیا۔ سوچنے سمجھنے یا غور کرنے کی تاب نہ رہی۔ اس کی اعانت پر کمربستہ ہو کر سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ دنیا کی ذلتیں برداشت کیں۔ متعدد مقدمے لڑے۔ لالچی اور مطلب پرست کہلایا۔ مگر اپنی دھن سے باز نہ آیا۔ حتیٰ کہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا۔ اور مالتی ایک گراں قیمت املاک اور معتدبہ زرِ نقد کی تنہا مالک قرار پائی۔ یہ عشرت کوش منظر دیکھتے ہوئے میں نے روح پرور مسرت کو محسوس کر کے ایک اطمینانی سانس لیا۔

جس طرح آغازِ باراں ہوتے ہی ایک چٹیل میدان سبزہ زار میں تبدیل ہو جاتا ہے اسی طرح میری خاک شدہ کشتِ دل اس کی نظرِ عنایت کے زیرِ اثر مائل بہ تازگی ہو چلی تھی۔ جن میں تمناؤں کے غنچے نشو و نما پا کر چٹکنے کے لئے بیتاب ہو رہے تھے۔ لیکن اس کی بیوگی کی ٹھٹھرا دینے والی ہوائیں ان کی آتشِ شوق پر ایک کہرآگیں فضا کا اثر رکھتی تھیں۔ رفتہ رفتہ میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھ سے قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ جتنا جتنا مجھے یہ گمان ہوتا تھا اتنا ہی اتنا مجھے یقین ہو جاتا تھا کہ اگر کہیں رسم و رواج کی پابندیاں ہٹ جائیں تو مجھے میری مسرتِ ابدی نصیب ہو جائے گی۔ یہ خیال پیدا ہوتے ہی میں میدانِ عمل میں اتر آیا۔ اکثر قدامت پسند لوگوں کو اپنا ہمخیال بنایا۔ اخباروں میں مضامین دیئے۔ جلسوں میں تقاریر کیں۔ اس مذموم رسم کے برے نتائج سے عامۃ الناس کو باخبر کیا۔ سماجی لیڈروں کو شکستیں دیں۔ رفتہ رفتہ میری کوششیں بارآور ہونا شروع ہوئیں۔ لوگ شادیِ بیوگان کی جانب متوجہ ہونے لگے اور کچھ ہی عرصہ گذرنے پر نام نہاد محافظِ سماج کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے اپنی بیوہ لڑکیوں اور بہنوں کی دوسری شادی کرنے پر صرف آمادہ ہی نہیں ہوئے بلکہ عمل پیرا بھی ہو گئے۔

پیارے ناظر اگر تو اپنے پہلو میں دل اور دل میں جذباتِ محبت رکھتا ہے تو میری مسرتوں کا پوری طور پر تو نہیں مگر ہاں کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور کر لیگا۔ لوگوں کے دلوں سے سماج کی پالش اتر چکی ہے۔ میری مالتی اب ہر معاملہ میں خود مختار ہے۔ وہ مجھے صرف عزت ہی نہیں بلکہ احسان مندی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ مجھ پر اعتماد کرتی ہے۔ اور ایسی صورت میں بظاہر یہ دیکھتے ہوئے کہ میرے برسوں کے خواب کی تعبیر میں کوئی چیز حائل نہیں تھی میری مسرتوں کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ آخرکار جب اس جامِ مسرت کی تشنگی حد سے بڑھی۔ تو ایک دن جبکہ میں اس کے ساتھ صحنِ باغ میں بیٹھا تھا اور نکہتِ گل سے ہمارے دماغ معطر ہو رہے تھے۔ خنک خنک ٹھنڈی ہوائیں میرے تخیلات کے زیرِ اثر جسمانی حدت سے مس ہو کر مجھے کیف و نشاط کی دنیا میں پہونچا رہی تھیں۔ میری خلافِ معمول خاموشی پر اس نے اظہارِ تعجب کرتے ہوئے وجہ دریافت کی۔ پہلے میں کچھ دیر خاموش رہا اور اسکے بعد رک رک کر میں نے کہا۔ مالتی میں دیکھتے ہوئے کس وجہ مسرور رہوں۔ کہ تم اپنی تمام امیدوں میں کامیاب ہوئیں۔ اور چونکہ تم ابھی بہت کم عمر ہو۔ پھر جیسا کہ تم اکثر یہ خیال مجھ پر ظاہر کر چکی ہو۔ کہ تم کو اپنے پتی سے گہری محبت بھی نہ تھی اور اب جبکہ میری اور میرے ہم خیال لوگوں کی قوتوں نے سماجی بندش توڑ کے ایک بیوہ کے فطرتی مگر غصب کئے ہوئے حق کو اسے پھر دلا دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ تم اس سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ تمہارے ابھی یہ دن نہیں ہیں کہ تمہاری مانگ سیندور سے ناآشنا ہو۔ تمہارا لباس رنگ کی جھلک سے مبرا ہو اور تمہاری سیمیں کلائیاں چوڑیوں کے حلقہ سے آزاد ہوں۔ مذہبی طور پر ہر لڑکی کو بسلسلۂ انتخابِ شوہر آزادی ہے مگر قدرت نے تمہیں ہر اعتبار سے پوری پوری آزادی دی ہے۔ اسلئے کیوں نہ تم بھی جلد سے جلد وہ بے پایاں مسرت حاصل کرو جیسی کہ موجودہ بیوہ لڑکیوں نے کی ہے۔ اسکے بعد کے الفاظ کے تخیل سے میری آواز حلق میں پھنسنے لگی اور آنکھوں میں ایک ایسی حدت پیدا ہوئی جسکو ٹھنڈا کرنے کے لئے آنسو بےساختہ نکل آئے۔ میں نے بہت رک رک کر کہا۔ مالتی سابقہ نقوشِ محبت تمہاری عنایاتِ موجودہ کی بنا پر میرے قلب میں اب زیادہ عمیق ہو گئے ہیں۔ امید کہ تم ان پر رحم کرتے ہوئے انہیں مٹانے کی کوشش نہ کرو گی۔ مالتی نے نہایت سکون سے میرے الفاظ سنے اور نہایت نرم لہجہ میں اپنا قفلِ سکوت توڑا

میں جو کچھ بھی اسوقت ہوں یہ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے مجھے اعتراف ہے کہ میری موجودہ سماجی آزادی بھی آپ ہی کی رہین منت ہے اور اس سے بھی واقف ہوں کہ اس سلسلہ میں آپنے جو کچھ بھی کیا۔ وہ سب میرے اور صرف میرے خیال سے کیا۔ لیکن فی الحال میں جواب دینے سے معذور ہوں میں آج شام کی ٹرین سے اپنی ایک سہیلی سے ملنے جا رہی ہوں۔ اور وہاں سے واپسی پر یا بذریعہ خط میں آپ کو مطلع کرونگی۔" میں نے اُسکے آخری الفاظ حیائے نسائیت پر مبنی کرتے ہوئے زندگی میں پہلی مرتبہ وہ خوشی محسوس کی جس کی یاد نہ آجتک فراموش کر سکا ہوں۔ اور نہ نفس کے آخری تار تک کر سکتا ہوں۔ ہماری گفتگو چند سطحی باتوں پر ہو کر ختم ہو گئی۔ اور میں شاداں و فرحاں اپنے مکان پر واپس ہوا۔ ایک دن گذرا دوسرا دن ختم ہوا اور تیسرے دن مجھے مندرجہ ذیل خط وصول ہوا۔

"مسٹر کھنہ

سب سے پہلے میں پھر آپکے جملہ احسانات کا مخلوص دل شکریہ پیش کرتی ہوں۔ اور اسکا آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ جذبۂ احسانمندی سے میں کبھی آپکے سامنے نظر نہیں اُٹھا سکتی۔ کیونکہ آپ نے میرے ساتھ وہ بہترین سلوک کئے ہیں۔ جو دُنیا میں کوئی نہ کر سکتا تھا۔

آپ نے کہا ہے کہا ہے صاف الفاظ میں اور متعدد مرتبہ اشارۃً و کنایۃً اپنے پُرخلوص جذبۂ محبت کا اظہار کیا جسکے لئے میں آپنے کو خوش قسمت سمجھتے ہوئے خود کو مبارکباد دیتی ہوں۔ مگر چونکہ اب وقت نے کہیں زیادہ نزاکت اختیار کر لی ہے۔ اسلئے مجھے مجبوراً کہنا پڑتا ہے۔ کہ مجھے آپ سے کبھی اور کسی زمانہ میں وہ محبت پیدا نہ ہوئی جس کی آپکی مشتاق آنکھیں متلاشی تھیں۔ باوجود اس کے کہ میں آپ کو جواب محبت نہ دے سکتی تھی۔ پھر بھی میں نے اپنے اطوار سے آپ پر یہ کیوں ظاہر نہ ہونے دیا؟ جسکے لئے میرے ضمیر نے کئی بار مجھے ملامت کی ہے۔ اب بھی کر رہا ہے اور اس سلسلہ میں میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میں سمجھتی تھی کہ اس طویل و بسیط دُنیا میں صرف آپ ایسے ہیں جو میرے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان اہم کاموں کی انجام دہی میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کرینگے۔ پھر میں کس طرح ایسے آدمی کو اس زمانۂ مصیبت میں چھوڑ دیتی۔ میری ذرا سی لغزش آپ کی برافروختگی کا باعث ہو کر میری فتوحات کو شکست میں تبدیل کر دیتی۔ دُنیا میں کون ہے جو اپنی کامیابی کے ذرائع پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں نے بھی مصلحت کو پیش نظر رکھکر وہ کیا جو مجھے کرنا چاہئیے تھا۔ آپ ایک سرپرست کی حیثیت سے مجھ سے ہمیشہ مل سکتے ہیں۔ اور مجھے اُمید ہے کہ مسٹر روپ نرائن بیرسٹر باوجود مُسن ہونے کے میری زبانی یہ معلوم کر کے کہ آپ نے مجھ پر کسقدر بے غرضانہ عنایات مبذول فرمائی ہیں۔ آپسے نہایت اخلاق سے پیش آئیں گے۔

مسٹر کھنہ میں پھر ایک بار اُسی پرانی بات کو جو زبان زد خاص و عام ہے دُہرا کر آپ کو تسکین دینا چاہتی ہوں کہ مخمل کا پیوند مخمل میں اور گاڑھے کا گاڑھے ہی میں دیدہ زیب معلوم ہوتا ہے۔ میری موجودہ امارت کے شایان شان مسٹر روپ نرائن ہی ہو سکتے ہیں۔ نہ کہ ایک گمنام ہستی۔"

معترف احسان مالتی

اس خط کو پڑھ کر میری کیا حالت ہوئی ہوگی اسکا اندازہ آپ کے لئے بھی مشکل نہیں تو دشوار تو ضرور ہے اور مجھ سے اظہار ناممکن ہے۔ اس لئے اسکو جانے ہی دیجئے۔ وقفہ گذرنے پر جب میرے حواس درست ہوئے۔ تو بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا "اے عورت تو حد درجہ مطلب پرست ہے" میرے دل پر اس واقعہ کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ دل جینے سے بیزار ہو گیا۔ میری ہمدم ماں اس دُنیا سے متنفر ہو کر جا چکی تھیں۔ اب کس کے لئے جیتا۔ مگر یہ خیال کر کے کہ خدا ہی جانے میرے کسقدر بھائی اپنی ناتجربہ کاری کی بنا پر اس "مطلب پرست عورت" کی محبت میں پھنسکر اور میری ہی طرح طالب موت ہو کر سکون دائمی حاصل کر لیتے ہیں۔ کیا یہ اچھا ہوگا کہ دوسروں کو میں اپنی سرگذشت سُنا کر انکی آنکھوں سے پردۂ غفلت اُٹھانے کی کوشش کروں تاکہ وہ اس مطلب پرست عورت کو بے نقاب دیکھ لیں۔ صرف اسی بنا پر تحریر افسانہ کے لئے آمادہ ہوا۔ مالتی کے خط کے ملفوفہ رقعۂ دعوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج وہ زر پرست مالتی مطلب پرست مالتی مسٹر روپ نرائن کی رفیقۂ حیات کی حیثیت سے اپنی فریبکارانہ زندگی کے ماتحت اس بوڑھے کے دل پر اپنی سحرکار آنکھوں سے محبت کے نقوش پیدا کرنے کی کوشش کریگی۔ اور ایسا ہونے سے قبل میں اس افسانہ کو ایک صندوقچہ میں بند کر کے گنگا کی پاک لہروں میں بہا کر شانتی حاصل کرنے کے لئے اس مطلب پرست دُنیا کا رشتہ توڑ کر گنگا مائی کے پوتر چرنوں میں سو جاؤنگا۔"

میں نے افسانہ ختم کر کے کشتۂ ستم کی حرماں نصیبی پر آنسو بہائے۔ اور خوشنودیٔ روح حاصل کرنے کے لئے افسانہ کو بغرض اشاعت ایڈیٹر صاحب "مست قلندر" کی خدمت میں ارسال کیا۔

ایک شعر

وہیں سے منزل عشق و وفا کی ابتدا کہئے
جہاں پر کوشش ضبط الم بیکار ہو جائے

ساحر قدوائی

کیا صرف غذا کی تبدیلی سے

ہم اپنے سفید بالوں کو سیاہ کر سکتے ہیں؟

سائنس کی ایک جدید دریافت — آئندہ سپید بالوں والا آدمی ایک عجوبہ روزگار سمجھا جائیگا

سفید بال بڑھاپے کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ خواہ انسان کی عمر زیادہ نہ ہو۔ اس کے اعضا توانا اور قوی ہوں۔ پھر بھی اگر اس کے بال سفید ہوں تو وہ بوڑھا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کے برعکس جن لوگوں کے بال زیادہ عمر ہو جانے کے بعد کالے رہتے ہیں وہ جوان سمجھے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے بال سفید ہو جاتے ہیں، وہ انہیں سیاہ کرنے کیلئے طرح طرح کی کوششیں کرتے اور انواع واقسام کی تدبیریں عمل میں لاتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی ضرورت کی تکمیل کیلئے مختلف قسم کے وسمے اور خضاب رائج ہیں۔ اور ہزاروں لاکھوں روپے کے فروخت ہوتے ہیں۔

اگرچہ اہل سائنس کے نزدیک بالوں کا سفید ہونا بڑھاپے کی کوئی خاص علامت نہیں۔ ایک انسان کی عمر زیادہ نہ ہو۔ اور اس کے اعضا صحیح اور توانا ہوں تو اہل سائنس بالوں کے سفید ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ پھر بھی لوگوں کے رجحان وجذبات کے مطابق وہ اس فکر میں تھے کہ کوئی ایسی صورت دریافت کرلیں۔ تاکہ بال سفید ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔ کیلی فورنیا یونیورسٹی کا شعبہ تحقیقات اس مسئلہ میں بالخصوص کدوکاوش سے کام لے رہا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر اگنز مارگن نے کئی سال کے مسلسل تحقیقات وتجربات سے اس مسئلہ کے حل کرنے میں کامیابی حاصل کرلی ہے۔

ڈاکٹر اگنز مارگن نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ ہم غذا میں ضروری اصلاح کرکے سفید بالوں کو سیاہ بنا سکتے ہیں۔ ان تجربات کے سلسلے میں ڈاکٹر اگنز کو روزانہ سینکڑوں چوہوں کو غذا دینا پڑتی۔ اور ان کا بغور مطالعہ کرنا پڑتا۔ مختلف خوراکوں کا اثر ان چوہوں پر کیا پڑتا ہے؟ ان کی صحت اور وٹامن میں کیا تعلق ہے؟ ان کی خوراک کا ان کے بالوں پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ ڈاکٹر اگنز نے ان تمام سوالات کے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

چوہوں پر تجربات

ڈاکٹر اگنز نے کچھ چوہوں کو کئی ہفتے تک ایسی خوراک پر رکھا جو کیمیائی نقطہ نظر سے ہر طرح مکمل تھی۔ مصنوعی وٹامن بھی اس میں مناسب مقدار میں شامل کر دیئے گئے تھے۔ جس سے چوہوں کے بال رفتہ رفتہ سفید ہونے لگے۔ اس کے بعد ڈاکٹر اگنز نے اسی خوراک میں گیہوں کے انکھوے کا تیل شامل کر دیا۔ اس عمل کا اثر یہ ہوا۔ کہ دو ہی ہفتے میں چوہوں کے سفید بال سیاہ ہوگئے۔

اس تجربے نے ڈاکٹر اگنز اور ان کے رفقا پر یہ حقیقت واضح کر دی۔ کہ گیہوں کے انکھوے میں یقیناً کوئی ایسا وٹامن موجود ہے۔ جو سفید بالوں کو ازسرنو سیاہ کر دیتا ہے۔

اس نادر اور عجیب وٹامن کے متعلق تقریباً آٹھ سال ہوئے۔ ایک فرانسیسی سائنسدان پروفیسر برٹنڈ نے بھی چوہوں پر تجربات کیے تھے۔ لیکن جب اس نے اپنے تجربات فرانسیسی اکیڈیمی آف سائنس کے سامنے پیش کیے۔ تو اسوقت وہاں کے سائنسدانوں نے اس کے متعلق کچھ زیادہ دلچسپی کا ثبوت نہیں دیا۔

ڈاکٹر اگنز نے جب اہل سائنس کے سامنے گیہوں کے انکھوے میں پوشیدہ وٹامن کی نئی طاقت کا انکشاف کیا تو سائنسدانوں کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ آیا یہ کوئی جدید وٹامن ہے۔ جس کے فوائد سے ہم کامل طور پر واقف نہیں تھے؟ چنانچہ اس وٹامن کے متعلق بھی تحقیقات وتجربات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور بالآخر اہل سائنس اس نتیجے پر پہنچے کہ ”وٹامن بی“ کوئی ایک وٹامن نہیں۔ ہے بلکہ اس میں متعدد اقسام کے وٹامن شامل ہیں۔ ان میں سے وٹامن بی کمپلیکس ایسا وٹامن ہے جو بالوں کو سفید ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔

شاید آپ کو اس پر تعجب ہو۔ کہ بالوں کے متعلق تجربات کرنے کیلئے چوہوں کا انتخاب کس خصوصیت کی بنا پر کیا گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انسان اور چوہوں پر غذا کا اثر تقریباً یکساں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں چوہوں کا اوسط زندگی ۳ برس ہوتا ہے اور تین برس کے چوہے کا مقابلہ خوراک کے اثر کے اعتبار سے نوے سال کے انسان سے کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح اہل سائنس چوہوں پر تین سال کے اندر انسان کی پوری زندگی کے متعلق تحقیقات وتجربات کر سکتے ہیں۔

اشیائے غذائیت کی اہمیت

ڈاکٹر اگنز نے اس سلسلے میں اپنے تجربات شروع کئے۔

ثوان کا مقصد یہ جاننا تھا۔ کہ چوہوں کی آنکھوں میں جالا کس وٹامن کی کمی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس نے اپنی تحقیقات کے لئے ۲۷ درجوں میں چوہوں کو تقسیم کر رکھا تھا۔ ڈاکٹر مارگن ان چوہوں کو کبھی دودھ پلاتے اور کبھی چینی اور دودھ دیتے کبھی کاڈلیور آئیل اور کبھی وٹامن ملی ہوئی کوئی اور چیز کھلاتے۔ مختلف خوراکوں کا ان چوہوں پر خاص اثر پڑا۔ کتنے چوہے تو بیمار ہو کر مر گئے اور کتنے شدید بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔

اس کے بعد ڈاکٹر اگنز نے بیمار چوہوں کی خوراک میں کامل طور پر تغیر و تبدل کر دیا۔ جس سے بیمار چوہے از سر نو صحتیاب ہو گئے۔ ان تجربات کے دوران میں بہت سے چوہوں کی آنکھوں میں جالا پیدا ہوا اور غذا کی تبدیلی سے خود بخود زائل ہو گیا۔

بالوں کے رنگ کے متعلق تین چوہے جن کی صحت یکساں تھی انتخاب کئے گئے۔ ان تینوں کو پہلے چینی کھانے کو دی گئی۔ بعد ازاں ایک چوہے کی خوراک کے ساتھ ہر قسم کی وٹامن "بی" دی جانے لگی۔ اور دوسرے چوہے کو بھی دو ہفتے تک بجز اس وٹامن کے جس کا تعلق بالوں کے رنگ سے تھا ہر قسم کی وٹامن بی" دی جاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جس چوہے کی خوراک میں بالوں کے رنگ سے متعلق وٹامن نہ تھا۔ اس کے بال رفتہ رفتہ سفید ہونے لگے۔ اس کے بعد اس چوہے کو وٹامن "بی" کی وہ خاص قسم بھی دی جانے لگی۔ جس کا تعلق بالوں کے رنگ سے تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا۔ کہ دو مہینے میں اس کے بال از سر نو سیاہ ہو گئے۔ تیسرے چوہے کو بیس ہفتے تک وہ خاص وٹامن "بی" نہیں دیا گیا جس کا تعلق بالوں کے رنگ سے تھا لیکن وٹامن بی کی اور قسمیں اسے برابر دی جاتی رہیں۔ اکیسواں ہفتہ شروع ہوتے ہوتے اس کے تمام بال روئی کی طرح سفید ہو گئے۔ وہ بالکل مریض اور دبلا پتلا نظر آنے لگا۔ اس کی ناک اور کان سے اکثر خون نکلتا رہتا تھا۔

اس کے بعد چار ہفتے تک وٹامن بی کی وہ خاص قسم جس کا تعلق بالوں کے رنگ سے تھا دگنی مقدار میں باقاعدہ دی جانے لگی۔ اس تھوڑے ہی عرصے میں وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ اور اس کے تمام بال از سر نو سیاہ ہو گئے۔

وٹامن کی یہ عجیب و غریب قسم گیہوں کے انکھوے اور چاول کی کنی میں پائی جاتی ہے۔ توقع کی جاتی ہے۔ کہ سائنسدان اس وٹامن کو اپنی تجربہ گاہوں میں مصنوعی طور پر تیار کرنے لگیں گے دوسری دواؤں کی طرح بازاروں میں خریدا جا سکے گا۔ اس وٹامن کی تیاری کے بعد لوگوں کو وسمے اور خضاب کے استعمال کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ لوگ اسی وٹامن کو اپنی خوراک کے ساتھ استعمال کریں گے اور ان کے سفید بال سیاہ ہو جائیں گے۔

دو آتشہ

از حضرت نفیس سندیلوی!

۱

آ، ترا انتظار ہے پیارے — دل بہت بیقرار ہے پیارے
جب سے تو ہم کنار ہے پیارے — میرے گھر میں بہار ہے پیارے
تو اگر ہم کنار ہے پیارے — تو خزاں بھی بہار ہے پیارے
میری رگ رگ کو پھونک ڈالا ہے — سوزِ الفت شرار ہے پیارے
میری صورت سے صاف ظاہر ہے — جو مرا حالِ زار ہے پیارے
ہلا دا تیری تیرا ہر انداز — فتنۂ روزگار ہے پیارے
میں ہی اک عشق میں نہیں غمناک — تو بھی غم کا شکار ہے پیارے
تیرے ہیں تیرے اختیار میں ہیں — اب تجھے اختیار ہے پیارے

کیا نہیں جانتا "نفیس" کو تو
وہ ترا جاں نثار ہے پیارے

۲

حال دل کا خراب ہے پیارے — رات دن اضطراب ہے پیارے
مجھ سے کیوں اجتناب ہے پیارے — غیر کیوں کامیاب ہے پیارے
تو حسینوں میں مہ جبینوں میں — غیرتِ آفتاب ہے پیارے
یہ خرابی نہیں محبت کی — میرا لکھا خراب ہے پیارے
موت آئی نہ آئے فرقت میں — زندگی اب عذاب ہے پیارے
تیرے جلوؤں کی خود نمائی سے — ہر نظر کامیاب ہے پیارے
ہم بھی اپنی جگہ ہیں بے مانند — تو اگر لاجواب ہے پیارے
کیوں نہیں دیکھتے مری تصویر — کیوں یہ مجھ سے حجاب ہے پیارے

تجھ پہ جو جان سے فدا ہے "نفیس"
وہی خانہ خراب ہے پیارے

کیا موت کے بعد بھی زندگی قائم رہتی ہے؟

انوکھا انتقام

دنیائے روحانیت کا ایک سو فیصدی سچا واقعہ!

محض انتقام کی خاطر دشمن کی روح دشمن کے نوزائیدہ بچے کے جسم میں حلول کر آئی۔ ایک پلے سرے کا خوفناک اور لرزہ خیز اور وحشت انگیز افسانہ۔ نازک طبع خواتین کی سلامتی اسی میں ہے، کہ وہ اس روح فرسا تحریر کو عالم تنہائی میں پڑھنے کی جرأت نہ کریں (ایڈیٹر)

خلاصہ:۔ جان ہیگنز عالم کا لاعلم کی حسین و جمیل لڑکی وائیولیٹ کے دامن عصمت کو تار تار کرتے ہوئے ایک بگڑے دل نوجوان لیونارڈ ہیتھ نے یہ نہ سوچا کہ بڈھا جادوگر کیسے گھناؤنے اور خوفناک طریق سے اس سے انتقام لے گا۔ جان ہیگنز پلے درجہ کا کریہ المنظر اور فوق الفطرت انسان تھا اس کی جسمانی ساخت میں نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ہاتھوں کی انگلیاں بطخ کی انگلیوں کی طرح آپس میں باریک جھلی سے ملی ہوئی تھیں۔ جب جان ہیگنز کو معلوم ہوا کہ لیونارڈ ہیتھ نے اسکی لڑکی کی عصمت دری کی ہے۔ تو اس نے اپنی لڑکی کو قتل کر ڈالا اور لیونارڈ ہیتھ سے کہنے لگا "بدنہاد کمینے۔ تجھے میں جان سے نہیں ماروں گا کیونکہ جان سے مارنا کوئی سزا نہیں ہے مجھ کو اس سے بھی زیادہ ہیبت ناک طریقے سزا دہی کے یاد ہیں۔ پس کان کھول کر سن لے۔ میں وہ عذاب و اذیت تجھے دونگا اور تیری زندگی کو اتنا تلخ بنا دوں گا کہ تو مجبور ہو جائے گا دو میں سے ایک بات کرنے کے لئے ...... یا تو تو مجھ ہی سے کہے گا کہ میں تجھے جان سے مار ڈالوں ورنہ خودکشی کرلے گا" .... اسکے بعد لیونارڈ جہاں کہیں گیا وہ سایہ کی طرح اس کے ساتھ تھا یہاں تک کہ ..... گذشتہ اشاعت سے آگے

اس رات جہاز پر کھانا کھاتے ہوئے ہیتھ نے ایک افسر کو کسی مسافر سے باتیں کرتے ہوئے سنا۔

"عجب طرح کا پر مذاق انسان ہے۔ ملاح تو اسکی باتیں سنتے نہیں تھکتے کیا آپ نے بھی اُسے دیکھا ہے؟"

"غالباً وہی جو ٹھگنے قد کا بدصورت آدمی ہے اور جس کے ہاتھوں کی بناوٹ بطخ کے پاؤں سے ملتی جلتی ہے۔ میں نے سنا تھا بڑا ماہر فن جادوگر ہے"

بس ہاں میں نے خود اسکے کئی ایک کرتب دیکھے ہیں ایسی ایسی باتیں کرتا ہے کہ دیکھنے والا حیران و ششدر رہ جاتا ہے میرے خیال میں اگر یہ آدمی انگلستان پہنچنے کے بعد لوگوں کو اپنے کرتب دکھانا شروع کر دے تو کافی آمدنی کر لے"۔

انگلستان سے رخصت ہونے کے وقت ہیتھ نے اس خیال سے مکان خالی کر دیا تھا کہ ناحق کرایہ پڑتا رہے گا۔ لیکن اب چونکہ مسز ہیتھ کے وضع حمل کے ایام قریب تھے اس لئے رہنے کو کسی اچھے مکان کی تلاش ضروری تھی میاں بی بی کی دلی آرزو یہ تھی کہ لڑکا پیدا ہو اس سے نہ صرف ان دونوں کو خوشی ہوگی بلکہ مالی حالات میں بھی اصلاح کی صورت نکل آئے گی۔ کیونکہ ہیتھ کی اپنی صحت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی اور عصبی کمزوری کا زور تھا اس لئے ڈاکٹر کے مشورہ نیز کسی اور مصلحت سے یہی بہتر سمجھا گیا کہ نیا مکان لندن سے تھوڑے فاصلہ پر کسی دیہات میں لے لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

شروع شروع میں جان ہیگنز کی صورت دکھائی نہ دی اسکے علاوہ لندن کے بازاروں کی نہ ختم ہونے والی چہل پہل اور دن رات کی پرشور آوازیں کسی نامعلوم خطرہ کے احساس کو ہیتھ کے دل سے نکال دینے کیلئے کافی تھیں اسکے باوجود وہ احتیاطاً اپنا بھرا ہوا پستول ہر وقت جیب میں رکھا کرتا تھا واپس آنے کے ہفتہ عشرہ بعد وہ ایک روز دفتر میں بیٹھا کچھ کام کر رہا تھا کہ محرر نے ایک رقعہ لاکر دیا جو ارزاں قسم کے بوزہ کاغذ پر نہایت بدخط لکھا ہوا تھا۔ ہیتھ نے اُسے کھولکر پڑھنا شروع کیا یہ الفاظ اس میں درج تھے۔

" تم نے ایک چھوٹی سی بندوق میرے مارنے کے لئے خریدی ہے لیکن میرا کہا مانو تو اس بچے کے کھلونے کو کسی مقام پر چھپا کے رکھ دو۔ کیونکہ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا تم جاہل ہو حقیقت حال کی خبر نہیں رکھتے شاید تم نے اپنے جی میں سوچا ہے کہ اگلے موقع پر مجھے جان سے مار دوگے۔ فرض کرو تم نے ایسا کر دیا تو پھر اس سے کیا؟ اس کی سزا یقیناً تم کو پھانسی کی صورت میں بھگتنا پڑے گی۔ لیکن میرا کیا بگاڑو گے؟ میرا مکان یعنی جسم اگرچہ فانی ہے لیکن میں (روح) تو ہمیشہ باقی رہوں گا مجھے تم کبھی مٹا نہیں سکتے۔ اسلئے اس قسم کی لاحاصل کوشش نہ کرنا نہ میں نہیں کبھی

معاف نہ کروں گا۔" (جان ہیگنز)

خط کو اُلٹ پلٹ کرتے ہوئے ہیتھ نے تلخ آواز میں اُس محرّر سے جو اُسے لے کر آیا تھا پوچھا یہ کس نے تمہیں دیا؟

"جی ایک پستہ قد بدحال آدمی تھا میں نے کئی بار اُس کو بازار میں مکان کے دروازہ کے آس پاس منڈلاتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"آئندہ جب تم اُسے دیکھو فوراً پولیس کے حوالہ کر دینا اس طرح کے آوارہ گرد بھک منگوں کے خط میرے پاس نہ لایا کرو۔"

لیکن گو اُس نے اُس پُرزہ کاغذ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آتشدان میں پھینک دیا تاہم اس کا مضمون اَمٹ حرفوں میں اس کے ذہن کے اندر اس طرح نقش ہو گیا کہ وہ انتہائی کوشش کے باوجود اس کو زائل نہ کر سکا۔ کچھ اس طرح کی بدحواسی اُس پر مسلط ہونا شروع ہو گئی کہ بیٹھے بیٹھے رستہ چلتے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دفعتاً پیچھے مُڑ کر دیکھنے لگتا۔ ہر وقت بیقرار رہتا۔ چہرے پر اطمینان کے آثار کبھی پیدا ہی نہ ہوتے۔ رات کو سونے سے پیشتر کتنے کوس تھ لے کر مکان کا کونہ کونہ دیکھتا۔ الماریوں کے پیچھے۔ میز کرسیوں کے نیچے۔ کسی نادیدہ چیز کی تلاش میں سرگرداں رہتا۔ اس اثنا میں اُس کی بدخوابی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی۔ اس کو رفع کرنے کیلئے بہت کچھ علاج معالجہ کیا گیا، لیکن یہ ایسا آزار نہ تھا کہ ڈاکٹری دواؤں سے رفع ہو جاتا بیچ بیں کبھی کبھار دس پندرہ روز کے لئے جان ہیگنز کی صورت دکھائی نہ دیتی اور وہ اپنے جی میں اس خیال سے مطمئن ہونے لگتا کہ شاید وہ میرا پیچھا چھوڑ کر کسی طرف کو رخصت ہو گیا لیکن اس کے بعد ناگہاں جب اُس کا ذرا سا انتظار بھی نہ ہوتا تو وہ کسی بعید از اُمید مقام پر آ نکلتا۔

کبھی ایسا ہوتا کہ ہیتھ سر بازار چلا جاتا ہے۔ جان ہیگنز کسی دوکان سے نکل کر خلقت کے ہجوم کو چیرتا ہوا اُسے اپنی طرف کو آتا دکھائی دیتا۔ کبھی وہ ریلوے سٹیشن کی سیڑھیوں پر اُس کو ملتا کبھی کسی رسٹوران میں کھانا کھاتے ہوئے حاضرین کی ملی جلی باتوں سے الگ اسکے خشک قہقہہ کی آواز کانوں میں آتی۔ لاکھ گردن اُٹھا اُٹھا کر دیکھتا لیکن دشمن کہیں نظر نہ آتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے وہ بی بی کو ساتھ لے کر عبادت کی غرض سے گرجا گیا تھا کہ ہیگنز آ کر ایک نشست پیچھے بیٹھ گیا وہ وقت لیونارڈ ہیتھ کی زندگی میں اپنی اذیت کے اعتبار سے ناقابل فراموش ثابت ہوا کیونکہ حاضرین اور بی بی کی موجودگی کے باعث وہ اپنے محسوسات کو دبانے پر مجبور تھا اور اظہار میں اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی اخفا میں ہوا کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ہیتھ کے اعصاب رفتہ رفتہ شکست و ریخت ہونے لگے کسی بدنصیب گنہگار نے دوزخ میں کبھی ایسا عذاب جھیلا ہوگا کہ جتنا اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس بدنصیب کو جھیلنا پڑتا تھا۔ دنیا کی ساری دلچسپیاں ماند ہو گئیں کسی کام میں جی نہ لگتا تھا دہشت کی بیقراری کبھی پیچھا نہ چھوڑتی۔ یہی محسوس ہوتا کہ کوئی سایہ کی مانند ساتھ ساتھ لگا پھرتا ہے اندھیرے سے ڈرنے لگا جہاں تک ممکن ہوتا وہ ایک سے دوسرے مقام پر تنہا جانے سے گریز کرتا تھا۔

اس طرح وقت گذرتا گیا۔ جتنے کہ بی بی کے وضع حمل کے ایام قریب آنے لگے اب صرف ایک خیال کبھی کبھی اس کے جی میں راحت کا احساس پیدا کرتا تھا وہ یہ کہ شاید خدا اثر کا دے۔ جس کا انتظار تھا اس کی محبت اور کشش میں ممکن ہے میں اپنے اس رنج و الم کو بھلا سکوں اس کی صورت دیکھنے سے شاید میرے جی کی بیتابی رفع ہو۔ اُس کے ساتھ دل بہلاؤں میں شاید سامانِ تفریح پیدا ہو سکے۔

۴

رات حد سے زیادہ تاریک تھی مکان کے آس پاس درختوں کی گنجانی نے اندھیرے کو کم کرنے کی بجائے اور زیادہ بڑھا دیا تھا۔ ہوا تھمی ہوئی تھی لیکن مچھر اور برساتی کیڑے بکثرت اُڑتے پھر رہے تھے کسی دور افتادہ جوہڑ میں مینڈکوں کی پرخروش آوازیں رہ رہ کر کانوں میں آ رہی تھیں۔

ہیتھ اپنے کمرہ میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا اوپر کی منزل پر نرسیں اس کی بی بی کے پاس موجود تھیں ڈاکٹر کو آئے بھی تھوڑی دیر گذر گئی تھی۔ ہیتھ کو باغبانی کا شوق تھا اُس دن سہ پہر کو بی بی کی تکلیف سے پریشان خاطر اپنے فکروں میں نڈھال جی کی بےقراری رفع کرنے کے لئے وہ خانہ باغ میں کھدائی اور نلائی کا کام کرتا رہا تھا۔

جس آدمی کے جی میں اضطراب اور پریشانی غالب ہو اس کے لئے نچلا بیٹھنا غیر ممکن ہو جاتا ہے یہی حالت بدنصیب ہیتھ کی اس وقت تھی۔ وہ یکایک اُٹھا اور کمرہ کے طول میں دیوانہ وار ٹہلنے لگا یہی وہ وقت تھا جب ڈاکٹر کوئی چیز لینے کے لئے نیچے اُترا۔

ہیتھ کو اس حالت میں دیکھ کر اس نے کچھ اور سمجھا اور کہنے لگا میرے دوست اتنے بیقرار نہ ہو استقلال سے کام لو اس طرح کا وقت آیا ہی کرتا ہے لیکن اس سے ہراساں نہ ہونا چاہیئے۔ میں نے دیکھا تھا سر شام آپ باغ میں کھدائی کر رہے تھے یہی کام اب بھی کرو۔ جی بہلا رہیگا خیالات پریشان نہ کریں گے۔"

ہیتھ کو یہ مشورہ پسند آیا اور وہ دروازہ کی راہ سے باغ میں نکلا۔ اُس نے کتے کو بلانے کے لئے سیٹی بجائی مگر نہ آیا غیر معمولی پُرسکون رات تھی کسی شب بیدار پرندہ کی آواز یا مینڈکوں کے ٹرانے کے سوا کسی طرح کی آواز کانوں میں نہ آتی تھی۔

کدال ہاتھ میں لے کر اُس نے زمین پر ایک دو ٹک لگائے تھے کہ پس پشت

جھاڑیوں میں ایک ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی ہیتو کا کلیجہ اُچھل کر منہ میں آ گیا دہشت نے صدہا ہیولانی شکلیں آنکھوں کے سامنے پیدا کرنا شروع کر دیں۔ خیال آیا ہو نہ ہو وہی ہے ظالم اسی طرح ناگہاں جب اس کا ذرا بھی انتظار نہ تھا کہیں سے آ نکلا۔

جی چاہتا تھا پیچھے مڑ کر دیکھے لیکن جرأت نہ ہوتی تھی۔ تو بھی گوشہ چشم سے اس نے دیکھا کہ اندھیرے میں اور بھی زیادہ تاریک سایہ کھاس پر نظر آتا ہے۔ خدا معلوم یہ اس کا واہمہ تھا یا کیا۔ لیکن اس کو ایسا ہی معلوم ہوا کہ وہ سایہ رفتہ رفتہ آگے کو بڑھا چلا آتا ہے۔ ہیتو نے سمجھ لیا جان ہینگنز آ گیا!

کسی طرح خیالات کو دوسری طرف لگائے رکھنے کے لئے اُس نے پھر ایک بار کدال کو فرشِ زمین پر مارا لیکن دھیان اُسی سایہ کی طرف لگا ہوا تھا جو رفتہ رفتہ نامعلوم مگر یقینی طور پر آگے ہی آگے بڑھتا آ رہا تھا۔ ہیتو کو یاد آیا کہ پستول گھر میں پڑا رہ گیا خیر اس نے سوچا وقت آنے دو جیسا مناسب ہوگا کیا جائیگا۔

سایہ رفتہ رفتہ قریب تر آ گیا حتیٰ کہ اب ان کا درمیانی فاصلہ چھ فٹ کے قریب رہ گیا دفعتاً ہیتو کو وہ سایہ لمبا ہوتا معلوم ہوا اور اُس نے اندازہ سے جانا کہ شاید بیشتر وہ جھک کر چلا آتا تھا اور اب سیدھا کھڑا ہو گیا ہے۔ اب اس میں تابِ انتظار باقی نہ رہی کدال ہاتھ میں لئے ہوئے وہ دفعتاً پیچھے کی طرف مڑا۔ اور پھٹے لوہے کا تیز سرا دشمن کے سر سے ٹکراتا معلوم ہوا بغیر کسی آواز کے کوئی چیز فرشِ زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ ہیتو نے جیب سے دیا سلائی کی ڈبیہ نکال کر یہ معلوم کرنے کے لئے ایک کو جلایا کہ کیا کسی مزید وار کی ضرورت ہے لیکن جان ہینگنز دمیں اُسکے قدموں کے پاس مردہ اور بے جان پڑا تھا۔ اُسکی کھوپڑی پھٹ گئی تھی۔ اور اُس میں سے گاڑھا خون فرشِ زمین پر بہتا نظر آتا تھا۔

ہیتو مشکل سے دوبارہ سیدھا ہوا۔ اُس کا بدن مریضِ تپ کی مانند زور زور سے کانپ رہا تھا پیشانی ٹھنڈے پسینے سے تر تھی۔ دہشت کیساتھ ملا ہوا اطمینان کا احساس اُسکے دل کو ہونے لگا تھا۔ دہشت اُس ہیبت ناک نظارہ کو دیکھ کر ہوتی تھی۔ جو اُس کی نظروں کے سامنے تھا اور اطمینان اس خیال سے کہ آج اس بلا کا خاتمہ ہو گیا۔ اب میرے لئے پھر زندگی کی دلچسپیوں سے بہرہ اندوز ہونا ممکن ہوگا میں پھر آرام و آسائش کی زندگی بسر کر سکوں گا۔

ایک مقام پر اُس نے مٹر کے پودے بونے کیلئے زمین کا تھوڑا قطعہ کھودا تھا اُسکو اور زیادہ گہرا کر کے اُس نے پانچ فٹ کا عمق تیار کر لیا۔ اُسکے بعد جان ہینگنز کی نعش آلودہ لاش کو اس کے مکروہ چھل دار ہاتھوں کیساتھ اُس گڑھے میں ڈال کر اُس نے جلد جلد مٹی سے پر کرنا شروع کیا۔ جہاں جہاں زمین پر خون کے داغ لگے تھے اُن کو بھی کدال کی مدد سے کھود ڈالا۔ غرض، جہاں تک ممکن تھا اُن ہیبت ناک نشانات کو جو اُس جرم کا انکشاف کرتے مٹانے کی کوشش کی۔ ابھی اس کام سے پورے طور پر فارغ نہ ہوا تھا کہ ڈاکٹر کی آواز کانوں میں آئی جو مکان کے دروازہ کے پاس کھڑا اُس سے کہہ رہا تھا۔

"لو صاحب مبارک ہو فرزند ارجمند پیدا ہوا ہے اور زچہ کی حالت ہر طرح موجب اطمینان ہے معمولی احتیاط کرنے سے اُمید ہے وہ چند روز میں اچھی ہو جائے گی" اتنے میں ہیتو دوڑتا ہوا دروازہ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ روشنی میں اُسکی بھیانک صورت دیکھ کر ڈاکٹر نے مضطربانہ کہا۔ "یہ کیا۔ آپ کی بے رنگ صورت دیکھ کر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اندھیرے میں کھڑے کھڑے ڈر گئے یا کوئی آسیب دیکھا ہے آیئے میں آپ کو پہلے تھوڑی سی برانڈی دوں بعد ازاں اپنے ساتھ زچہ خانہ میں لے چلوں گا۔

نہایت تیز برانڈی پینے سے ہیتو میں کچھ تازگی پیدا ہوئی لیکن جب وہ ڈاکٹر کے ساتھ اُوپر جانے کو تیار ہو رہا تھا تو ڈاکٹر نے ہوا کو سونگھتے ہوئے متعجبانہ کہا "یہ کس طرح کی بو آتی ہے؟"

"یہاں مجھے اس کا کیا الہام!"

"میں نہیں جانتا کیا بات ہے لیکن بو اُسی طرح کی آتی تھی۔"

بعد ازاں ڈاکٹر نے جس کی قوتِ شامہ غیر معمولی تیز تھی کہا اس طرح کی بو محسوس کی جیسی افیون کی ہوا کرتی ہے۔ لیکن اُس نے بار بار جتلانا غیر ضروری سمجھا بہرحال جنت دو لوا اوپر کے کمرہ کی طرف جاتے ہوئے سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے تو ڈاکٹر یکایک اُس سے کہنے لگا۔

"ایک بات میں آپ کو بتانا بھول گیا۔ بچہ کے ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا نقص قدرتی پیدا ہوا ہے۔"

"کیا کیا؟" ہیتو نے بے تابانہ کہا اور اُس کے ساتھ ہی ڈاکٹر کا بازو اپنے ہاتھ سے بڑی مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا۔

"میرے دوست اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں" ڈاکٹر نے اطمینان بخش لہجہ میں کہا "ایک نہایت معمولی آزار ہے جس کا علاج بچہ کے ذرا بڑا ہونے پر کیا جا سکے گا۔ اسکے ہاتھوں کی انگلیاں ایک پتلی سی جھلی سے ملی ہوئی ہیں...."!

اس آدمی کی طرح جو حالتِ خواب میں چل رہا ہو ہیتو معنوی طریق پر ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے چلا جاتا تھا لیکن اُسکی آنکھوں کے سامنے ایک میلے سے پرزہ کاغذ کی تصویر پھر رہی تھی جس پہ پینسل سے لکھے ہوئے الفاظ گویا آتشی حروف میں کندہ تھے......"شاید تم نے اپنے جی میں سوچا ہے کہ اگلے موقع پر مجھے جان سے مار دو گے فرض کرو تم نے ایسا کر دیا تو پھر اس سے کیا؟ اُسکی سزا یقیناً تم کو پھانسی کی صورت میں بھگتنا پڑے گی لیکن میرا کیا بگاڑ دو گے؟ میرا مکان جسم اگرچہ فانی ہے مگر میں (روح) تو ہمیشہ باقی رہوں گا۔ مجھے تم کسی حال میں مٹا نہیں سکتے اسلئے اس قسم کی لاحاصل کوشش نہ کرنا

بقیہ صفحہ ۳۵ پر ملاحظہ ہو

میری زندگی کا سب سے عجیب واقعہ

دَورِ حاضرہ کے مشہور ناولسٹ سٹڈنی ہارلر کے قلم سے

شکسپیر کا قول ہے۔ کہ زمین و آسمان پر اس سے بہت زیادہ حیرت انگیز عجائبات موجود ہیں جتنے سائنس کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جیسا آگے چلکر آپ دیکھیں گے۔ یہ قول غلط بھی نہیں۔ درحقیقت روزمرہ کی زندگی میں ایسی ایسی عجیب و حیرت ناک باتیں ہمارے دیکھنے میں آتی ہیں، جو افسانہ سے بھی بڑھکر تعجب انگیز ہوتی ہیں۔

ایک اخبار نویس سیاح اور ناولسٹ کی حیثیت میں اپنی حد درجہ مصروف زندگی میں میرا سابقہ مختلف اوقات میں کئی نئی طرح کی عجیب باتوں سے پڑا ہے جنہوں نے مجھ کو حیران و ششدر کر دیا۔ اس لئے کہ طبعی پہلو سے دیکھنے پر ان واقعات کا کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں ملتا۔

لیکن مجھے اپنی زندگی میں جسقدر واقعات دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان سب سے زیادہ عجیب و غیر معمولی واقعہ وہ تھا۔ جو چند سال گذرے سسکس کے ایک گاؤں کے باہر مجھ کو ایک علیحدہ مکان میں جس کے آس پاس کسی طرح کی آبادی نہ تھی رہتے ہوئے پیش آیا۔ بات دراصل یوں ہوئی کہ میرا ایک دوست تھا جس سے گو میری خط و کتابت رہتی تھی۔ تاہم سالہا سال سے مجھے اس سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا تھا اس نے یہ تنہا مکان جو سولہویں صدی کی تعمیرات کی یادگار تھا۔ دو وجوہات کی بنا سے کرایہ پر لے لیا تھا۔ ایک تو اس لئے کہ وہ اور اس کی بیوی تنہائی پسند تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ شخص اس زمانہ میں کتوں کی پرورش اور نسل کشی کیا کرتا تھا اور یہ جگہ اس کام کے لئے ہر طرح موزون تھی۔

میں ان دنوں ایک ناول لکھنے کی تیاری کر رہا تھا۔ بہت سوچنے پر بھی میں اس ناول کا پلاٹ مکمل طور پر اپنے ذہن میں قائم نہ کر سکا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ چند دن اس جگہ رہ کر گذار دیئے جائیں۔ اس طریقہ پر تلاش مضمون سے متعلق جو الجھن ہر وقت لگی رہتی تھی۔ اس کا بھی بوجھ ذہن سے اتر جائیگا۔ سچ پوچھئے تو ناول نویس کے لئے زندگی اور نظارہ کی تبدیلی سے بہتر کوئی چیز ذریعہ تحریک ثابت نہیں ہوتی یہ بات میں نے کئی بار کے تجربہ سے معلوم کی ہے۔ اس موقعہ پر بھی یہی خاص کشش تھی جو مجھے اس مکان میں لے گئی

میں جب وہاں رہنے کے لئے گیا۔ تو میرا دوست لیونارڈ مجھ کو قریب ترین ریلوے اسٹیشن پر جس کا پتہ اس نے دے رکھا تھا ملا وہاں سے اس کے گھر کا فاصلہ چھ میل کے قریب تھا۔ چنانچہ وہ مجھے موٹر پر بٹھا کر وہاں لیگیا۔ رستے میں میں نے دیکھا۔ کہ وہ معمول کی نسبت بہت زیادہ خاموش تھا لیکن چونکہ میں جانتا تھا اس کی صحت کبھی اچھی نہیں رہی۔ اور وہ دائم المریض ہے۔ اس لئے اس موقع پر اس کی خاموشی کو میں نے اس کی کمزوری پر محمول کیا۔ کھانا کھانے کے کمرہ کی دیواروں پر چوبی تختے لگے تھے۔ وہاں کھانا تناول کرنے کے بعد ہم تمباکو پینے کی غرض سے قریب ہی ایک چھوٹے کمرہ میں چلے گئے

رات کے گیارہ بجے تک ہم بیٹھے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اسوقت چونکہ میں سفر کا تھکا ماندہ تھا۔ اس لئے عذر خواہی کی اور سونے کے لئے اٹھنے لگا۔

اتنے میں مسز لیونارڈ بولی سٹڈلی میں دعا کرتی ہوں کہ تم اچھی طرح سو سکو اور میں نے دیکھا۔ کہ یہ الفاظ کہتے ہوئے میاں بیوی میں آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے چونکہ ان سے میرے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ اور میں مدت دراز سے انہیں جانتا تھا۔ اس لئے میں نے اس واقعہ کو سرسری سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ لیکن بعد از اں اس کی یاد عجیب طریقہ پر میرے ذہن میں تازہ ہوئی۔

میں کچھ تو سفر کا تھکا ماندہ تھا کچھ اس دن صبح کو غیر معمولی کام کرنا پڑا تھا۔ اس کے علاوہ تازہ ہوا اور عمدہ اور نفیس کھانے کا بھی مجھ پہ اثر ہوا۔ نتیجہ یہ کہ بستر پر لیٹتے ہی فوراً آنکھ لگ گئی۔

عام حالات میں شاید اسوقت تک سویا رہتا جبتک کہ دوسرے دن ساڑھے سات بجے کے قریب مجھ کو جگایا جاتا۔ لیکن میں نہیں جانتا کیا وجہ ہوئی کہ میں یکایک اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔ اور اسوقت میں نے دیکھا میرا بدن زور زور سے کانپتا تھا۔ اور گو سردیوں کا موسم اور شدت کی ٹھنڈک تھی تو بھی میرے بدن پر بے حد پسینہ آیا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے معلوم کیا کہ میرے کپڑے اسطرح بھیگے ہوئے تھے۔ گویا کسی نے ان پر پانی

ڈال دیا ہو۔

لیکن سب سے بڑھکر خرابی کی بات یہ ہوئی۔ کہ ایک عجیب طرح وہشت و ہیبت کا احساس میرے دل کو ہونے لگا۔ ایسا معلوم ہونے لگا تھا۔ گویا کوئی بری روح میرے جسم کے ہر رگ وریشہ میں سرایت کر گئی ہے بدی کی وہ کوئی ایسی طاقت تھی جو پہلے میرے جسم کے اندر نہ تھی۔ بلکہ اسمیں [illegible] کر شامل ہوگئی تھی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اتنا خوف جو اسوقت مجھ پر مسلط ہوا۔ پیشتر کبھی مجھ کو نہ ہوا تھا۔ حتیٰ کہ آج بھی گو اس واقعہ کو سات سال کا لمبا عرصہ گذر چکا ہے مگر جب کبھی میرے خیالات کی رو اس طرف جاتی ہے تو میں دہشت کی تھرتھری محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یاد نہیں میں کتنی دیر اسی حالت میں پڑا رہا۔ ایک عجب طرح کا بھیانک خوف مجھ پر مسلط تھا۔ جس کی حقیقت میری سمجھ میں نہ آتی تھی اور اس کے بعد دفعتاً میں نے یہ بات پہلی دفعہ معلوم کی کہ کمرہ کے اندر غیر معمولی طریق پر روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ اسجگہ میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ مکان چونکہ پرانے زمانہ کی یادگار تھا۔ اور مالک مکین پرانے رسم ورواج کی پابندی کے قائل تھے۔ اس لئے مکان کے اندر بجلی یا گیس کی روشنی کا انتظام نہ کیا گیا تھا۔ بلکہ پرانے زمانہ کے طریقہ پر اس میں لیمپ اور موم بتیاں جلائی جاتی تھیں۔

اب جو میں نے غور کر کے دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اس کمرہ کی طرف آتے ہوئے میں جو موم بتی اپنے ساتھ لایا تھا۔ اور جس کو بستر پر لیٹنے سے پہلے میں نے بجھا دیا تھا۔ اب تک میری چارپائی کے قریب ایک چھوٹی سی میز پر جوں کی توں بجھی ہوئی رکھی تھی کمرے میں روشنی پھیلانے کا اور کوئی ذریعہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ اس کے باوجود جیسا میں نے پیشتر بیان کیا ہے۔ ایک غیر معمولی تیز روشنی کمرہ کے اندر پھیلی ہوئی تھی اور وہ اتنی تیز اور صاف روشنی تھی کہ دیکھ کر آنکھیں چکاچوند ہوئی جاتی تھیں۔

میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ کہ اپنی عمر میں روشنی کی جتنی قسمیں میرے دیکھنے میں آئی ہیں یہ ان سب سے مختلف تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی بے حد تیز بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انسان نے آجتک اتنی تیز روشنی پیدا کرنے کی کوشش میں کامیابی حاصل نہیں کی۔ رفتہ رفتہ میں جب زیادہ غور سے دیکھنے کے قابل ہوا۔ تو میں نے معلوم کیا۔ کہ وہ میرے بستر کے داہنی طرف رکھی ہوئی ایک چھوٹی سی الماری کی کتابوں کی قطار کے نیچے سے خارج ہوتی تھی میرے خیال میں اگر اس روشنی کا مقابلہ سرچ لائٹ (SEARCHLIGHT) سے کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ اسی کی مانند اس کی ایک پتلی سی لکیر کتابوں کے نیچے سے خارج ہو کر ایک بہت بڑی چادر کی صورت میں کمرہ کے اندر پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی کی بدولت کمرے کا ایک ایک کونہ واضح اور صاف دکھائی دیتا ہے۔

میں پیشتر بیان کر چکا ہوں۔ کہ ایک عجیب طرح کی دہشت کا احساس میرے دل کو ہو رہا تھا۔ لیکن اصل حقیقت واضح کرنے کے لئے مجھ کو یہ کہنا پڑے گا۔ کہ روشنی کی مانند میری دہشت بھی غیر معمولی تھی۔ میں نہیں جانتا اپنی اسوقت کی کیفیت کن الفاظ میں واضح کروں۔ مختصر یہ کہ ایک بہت ہی گہری اور شدید سراسیمگی مجھ پر طاری تھی۔ ڈر کے مارے میرے سارے بدن میں رعشہ پڑ چکا تھا۔ اور گو اسوقت مجھ کو وہ عرصہ صدیوں کے برابر لمبا معلوم ہوا۔ تاہم میرا خیال ہے کہ میں اسی حالت میں زیادہ سے زیادہ شاید منٹ تک بیٹھا رہا۔ اس کے بعد ہی کڑا کر کے چارپائی سے نیچے اترا۔ میں نے اپنے دل میں اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ کہ اس روشنی کی حقیقت معلوم کرونگا۔ اور دیکھوں گا۔ کہ وہ کہاں سے خارج ہوتی ہے۔ لیکن اب ایک بالکل ہی نئی بات اور مجھ کو محسوس ہونے لگی۔ میں نے معلوم کیا۔ کہ انتہائی کوشش کے باوجود میرے لئے اس روشنی کے پاس جانا عملی طور پر ناممکن تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا کسی غیر معمولی طاقت نے میرے قدم فرش زمین کیساتھ جکڑ دیئے ہیں کوئی نادیدہ قوت مجھے اس روشنی سے دور رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔ انتہائی کوشش کے باوجود میرے لئے ایک قدم اٹھانا بھی ناممکن تھا۔

اور اب میں نے یہ بھی معلوم کیا۔ کہ میرے لئے منہ سے آواز نکالنا ممکن نہیں ہے۔ میں نے بولنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن زبان ہی حرکت نہ کرتی تھی اب میں نتیجہ پر پہنچا۔ کہ خیال کے سوا میرے بدن کی ہر ایک قوت بالکل ہی سلب ہو چکی ہے

غرض اسی حالت میں بے بس وبیکس میں اسی مقام پر کھڑا روشنی کیطرف دیکھا کیا۔ بدن میں رعشہ پڑ چکا تھا۔ میرے لئے نہ پیچھے ہٹنا اور نہ آگے بڑھنا ممکن نظر آتا تھا۔ اسی حالت میں کھڑا تھا۔ کہ دفعتاً روشنی غائب ہوگئی اور پھر وہی گپ اندھیرا چھا گیا۔ دہشت کی فضا موقوف ہوتے ہی کمرہ اپنی اصلی اور صحیح حالت پر آگیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ صرف اندھیرے میں ہی دہشت اور ڈر ہے۔ لیکن میرا جواب یہ ہے کہ اس ہیبت ناک روشنی سے اندھیرا لاکھ درجے اچھا۔

میں اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ لیکن نیند کسے آتی۔ رات اسی طرح کروٹیں لیتے اور طرح طرح کے سوالات سوچتے گذر گئی۔

آخر جب دن نکلا۔ تو ایک نیا سوال مجھ کو بیتاب کرنے لگا۔ یعنی میں سوچتا تھا کہ جو غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے میں اس کا حال اپنے دوست اور اس کی بیوی سے بیان کروں یا چپ رہوں نیز کیا بیان کرنے کی صورت میں وہ میری بات کو قابل یقین سمجھیں گے۔

لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ مجھ کو ذکر چھیڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد میزبان نے مجھ سے کہا۔ کہ آؤ سیر کرنے چلیں۔ جسوقت ہم سیر کرتے ہوئے کھیتوں سے گذر رہے تھے تو اس نے خود ہی ذکر چھیڑا۔

دوسری طرف کو منہ کر کے وہ فکر مند لہجہ میں بولا کہو کیا رات اچھی طرح سوئے کوئی خاص واقعہ تو پیش نہیں آیا؟"

اُسی وقت میں نے معلوم کیا۔ کہ سیر کا فقط بہانہ تھا درحقیقت میرا دوست سارا حال میری زبانی جاننے کے لئے مجھے اسطرف کو لے آیا تھا۔ پس تاڑ گئے ہوئے کہ وہ اس غیر معمولی ظہور کے متعلق پہلے سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہے میں نے ذکر کر دینا ہی مناسب سمجھا۔ اور سارا واقعہ جس طرح پیش آیا تھا۔ اسکو سنا دیا۔

اس نے افسوسناک انداز سے سر کو حرکت دی۔ پھر پشیمانی کے لہجہ میں بولا "دوست مجھ کو معاف کرنا مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا۔ کہ اس قسم کا واقعہ پیش آئے گا"

"تو کیا تم پہلے سے جانتے تھے۔ کہ اس کمرہ میں اسی قسم کا ظہور پیش آیا کرتا ہے"۔ میں نے کسی قدر غصہ میں بھر کر کہا۔ "اگر درحقیقت یہی بات ہے تو میں اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ تم نے دوستی اور رفاقت کا حق خوب ادا کیا"

اس کا سر فرط ندامت سے جھکا ہوا تھا۔ لرزتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ سڈنی میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کہ تم کبھی مجھ کو معاف نہ کرو گے سچ پوچھتے ہو تو میں اسی بارہ میں اپنے شبہات رفع کرنے ضروری سمجھتا تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ میں اور میری بیوی اس کیفیت کو بارہا دیکھنے کے باوجود اس شک میں پڑے ہوئے تھے۔ کہ یہ ہمارے وہم کا نتیجہ تو نہیں ہے۔ مانا کہ یہ مکان بہت پرانا ہے اور پرانے مکانات کے اندر غیر معمولی باتیں ظہور میں آیا کرتی ہیں تو بھی اس روشنی کو بار بار دیکھنے کے بعد ہم یہی سمجھنے لگے تھے۔ کہ شاید ہمارے ذہن میں فتور واقع ہو گیا ہے تمہارے تجربہ کے بعد اب اس بات کا پتہ لگ گیا۔ کہ ہمارے حواس قائم ہیں اور یہ واقعہ ایک اصلی اور حقیقی صورت رکھتا ہے۔

بعد ازاں مجھے ان کی زبانی سارے حالات معلوم ہوئے۔

میرے دوست کو یہ مکان بہت ارزاں کرایہ پر ملا تھا۔ شروع میں اس نے اس کی یہ وجہ سمجھی تھی۔ کہ مکان چونکہ آبادی سے دور ہے۔ اس لئے اس کا کرایہ مہنگا نہیں۔ لیکن جب اس نے معلوم کیا کہ گاؤں کے سبھی لوگ عجیب طرح کی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو اُسے مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچنا پڑا۔ کہ مکان درحقیقت بدنام ہے۔ لوگوں میں اس کا نام "روشنی والا مکان" پڑا ہوا تھا یہ نام کب سے قائم چلا آتا تھا۔ اس کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ پرانے سے پرانے باشندے بھی یہی کہتے تھے کہ ہم ہمیشہ سے اسی طرح سنتے چلے آئے ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جب میرے دوست نے مکان کرایہ پر لیا تو شکست و ریخت کیوجہ سے اس کی عام حالت خراب تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ سالہا سال سے کوئی آدمی اس مکان کے اندر نہیں رہا۔

لیونارڈ اور اس کی بیوی دونوں نے وہی پراسرار روشنی دیکھی تھی۔ لیکن مختلف کمروں میں مجھے انہوں نے قصداً اسی لئے بلایا تھا۔ کہ دیکھیں اس قسم کا واقعہ مجھ کو بھی پیش آتا ہے یا نہیں گویا اس طریقہ پر وہ اپنے صحیح الحواس ہونے کا امتحان کرنا چاہتے تھے۔

اس واقعہ کے چھ ماہ بعد انہوں نے وہ مکان چھوڑ دیا۔ اور سچ پوچھئے تو ان کے اعصاب اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ وہ اگر چاہتے بھی تو زیادہ عرصہ کے لئے اس مکان میں سکونت نہ کر سکتے تھے۔ مگر ہاں اتنا میں نے دیکھا ہے کہ اب بھی جب کبھی اس مکان کا ذکر ان کے سامنے کیا جائے۔ تو دونوں وحشت کے مارے تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔

(بقیہ صـ۳۲ انوکھا انتقام) ورنہ میں تمہیں کبھی معاف نہ کرونگا۔ نرس گرم کپڑے میں لپٹی ہوئی ننھی سی جان کو گود میں لئے کھڑی تھی مسکراتے ہوئے اُس نے بچے کا بھولا بھالا سُرخ چہرہ نمودار کیا ایک ننھا سا ہاتھ بے اختیاری کے عالم میں ہلا اور ہیتھ نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ وہ ہاتھ جان ہیگنز کے ہاتھ کا ہوبہو چھوٹا سا نمونہ تھا! بڑی دیر تک وہ ایک لفظ تک منہ سے کہے بغیر اس طرح کی آنکھوں سے جو کچھ ہی دیکھ نہ سکتی تھیں اس بچہ کی طرف دیکھا کیا جو اس کے اپنے جگر کا ٹکڑا تھا لیکن جس کے لئے اس کے سینہ میں سخت نفرت اور انتہائی جوش کی لہریں اُٹھ رہی تھیں بچے کی آنکھیں گو بند تھیں تاہم ہیتھ کے لئے اس خیال کو دل میں جگہ دینا قدرتی تھا کہ جب وہ اچھی طرح کھلنے لگیں گی تو اُن میں جان ہیگنز کی نگاہ منافرت بدستور پائی جائے گی اور جب بچہ ذرا بڑا ہو کر ہنسنے گا تو اسکے ہنسنے کی آواز بھی اُس منحوس آدمی کی آواز سے مختلف نہ ہوگی۔ جو مر کر بھی اس کم اپنے بچہ کی صورت میں دوبارہ اُس کی نظروں کے سامنے آموجود ہوا تھا!

طب جدید کے کرشمے

ہم کبھی بڈھے نہ ہوں!

کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے؟

گذشتہ اشاعت سے آگے!

کچھ گلٹیوں کے لئے وٹامن اے بھی ضروری ہوتا ہے۔ بعض کے لئے کم بعض کے لئے زیادہ۔

انسان کے صنفی عضو کی گلٹیوں کی طاقت کو برقرار رکھنے کیلئے وٹامن اے اور بی کے علاوہ وٹامن ای کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہے کہ وٹامنوں کا گلٹیوں پر خاص اثر ہوتا ہے۔ اور اگر خوراک میں وٹامنوں کی کمی ہوتی ہے تو اس سے گلٹیوں کو ضعف اور نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے سب سے ضروری اور قابل لحاظ مسئلہ غذا کا یہ ہے کہ غذا ایسی ہونی چاہیئے جس میں ہر طرح کے وٹامن کافی مقدار میں موجود ہوں۔ اگر ایسا کیا جائے تو آیا ہوا بڑھاپا واپس جا سکتا ہے اور زائل شدہ جوانی از سر نو حاصل ہو سکتی ہے۔

وٹامنز کی دریافت

اوّل اوّل ۱۹۱۲ء میں سر ہاپکنس نے وٹامنوں کا پتہ لگایا۔ لیکن اسوقت انہوں نے نام کچھ اور رکھا تھا چند سال کے بعد ڈاکٹر فنک نے بیری بیری کے مرض میں مبتلا بعض کبوتروں پر کچھ تجربات کئے۔ اس نے چاولوں کی کنی سے نکالی ہوئی ایک شے کا استعمال کیا۔ جس سے کبوتر صحت یاب ہوگئے فنک نے اس شے کو وٹامن کے نام سے موسوم کیا۔ اس سے قبل اس کا بھی پتہ چل گیا تھا۔ کہ ایسی ہی شے کاڈلیور آئیل میں بھی پائی گئی تھی۔ جس سے رکیٹس میں فائدہ پہنچا تھا۔ ہری ترکاریوں اور پھلوں میں پائی جانیوالی ایسی ہی چیز نے سکروی نام کے مرض کو دور کر دیا تھا۔ بعد میں اہل سائنس نے ان تینوں قسم کی چیزوں کے نام وٹامن رکھدیئے اور شناخت کے لئے کاڈلیور آئیل والی وٹامن کو وٹامن "اے"۔ چاول کی کنی کی وٹامن کو وٹامن "بی" اور ترکاریوں اور پھلوں کی وٹامن کو وٹامن "سی" کہا جانے لگا اس کے بعد اور وٹامنوں کا بھی پتہ لگایا گیا۔ جن کے امتیازی نام وٹامن "ڈی" وٹامن "ای" اور وٹامن "ایف" رکھے گئے۔ صرف یہی نہیں انہوں نے یہ بھی تحقیق کی ہے کہ وٹامن بی ایک وٹامن نہیں۔ بلکہ دو وٹامنوں کا مرکب ہے۔ جسے انہوں نے وٹامن بی اوّل اور وٹامن بی دوئم کے نام سے موسوم کیا ہے۔

وٹامنوں کے خواص اور فوائد

وٹامن "اے" —— وٹامن کے لحاظ سے چربی یا چکنائی دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جس سے بچے کے جسم کی نشوونما ہوتی ہے —— جیسے جانوروں کی چربی۔ مچھلی کا تیل گھی مکھن۔ اور دوسری قسم وہ جس سے نشوونما نہ ہو۔ جیسے تل اور سرسوں وغیرہ کا تیل سب سے زیادہ وٹامن کاڈلیور آئیل یعنی مچھلی کے تیل میں ہوتا ہے اس کے علاوہ جن چیزوں میں وٹامن اے پائی جاتی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں بھیڑ کا گوشت۔ دودھ۔ گوبی۔ مکھن۔ سویا۔ شلجم۔ بانس کے ہرے پتے۔ نارنگی کے چھلکے کا اوپری حصہ۔ گاجر مولی۔ پالک۔ ٹماٹر کیلے پپیتہ۔ پیلی مکئی۔ کلے پھوٹے ہوئے چنے۔ پالک اور گوبھی میں مکھن سے بھی زیادہ وٹامن اے پایا جاتا ہے۔

وٹامن اے کے متعدد فوائد ہیں۔ اس سے جسم کی نشوونما میں بہت مدد ملتی ہے۔ وٹامن آنکھوں کی آنتوں کی پھیپھڑوں کی اور مثانہ وغیرہ کے اندر کی جھلی کی حفاظت کرتی ہے اور انہیں بیماریوں سے بچاتی ہے۔

وٹامن اے کی کمی سے جلد سخت اور خشک ہو جاتی ہے۔ خون کی پیداوار کم ہو جاتی ہے۔ طرح طرح کے امراض انسان پر بآسانی قابو پا جاتے ہیں آنکھوں کی جھلی خشک ہونے لگتی ہے اور شب کوری وغیرہ مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

وٹامن اے اگر کھلے برتن میں پکائی جاتی ہے تو زائل ہو جاتی ہے۔ بند برتن میں ہلکی آنچ پر پکنے سے ضائع نہیں ہوتی۔ دھوپ پڑنے سے بھی ضائع ہو جاتی ہے۔

خوراک کے علاوہ صبح کیوقت ۱۰۔ ۱۵ منٹ ننگے بدن دھوپ میں بیٹھنے سے بھی وٹامن "اے" جسم میں پیدا ہو جاتی ہے الٹرا وائیلٹ کا استعمال اس اصول کے مطابق کیا جاتا ہے۔ دھوپ میں حرارت کی شعاعیں بھی جسم پر پڑتی ہیں جو مضر ہوتی ہیں۔ آلہ کے ذریعہ خالص الٹرا وائیلٹ کرنیں ملتی ہیں

وٹامن "بی" اول —— وٹامن بی اول کھڑے اناج۔ دال آلو۔ گوبھی۔ گاجر۔ انڈے کی زردی۔ گوشت اور بھیڑ کے دماغ میں ہوتی ہے

دالوں اور گیہوں کے مقابلے میں یہ وٹامن چاول میں زیادہ پائی جاتی ہے۔

چربی اور چکنائی میں یہ وٹامن نہیں ہوتی۔ اناج وغیرہ آدھ گھنٹے تک پکنے پر بھی یہ وٹامن ضائع نہیں ہوتی۔ ہوا میں رکھنے اور سکھانے سے بھی یہ ضائع نہیں ہوتی لیکن کھانے میں ویٹنگ پاوڈر ملا دینے سے یہ ضائع ہو جاتی ہے

وٹامن بی اول جسم کی نشو و نما اور اس کی قوت کو برقرار رکھنے کے ضروری ہے اس وٹامن کے غذا میں نہ ہونے سے بھوک کم ہو جاتی ہے خون کم بنتا ہے۔ وضع حمل کے بعد عورتوں کو یہ وٹامن بہم نہیں پہنچتی تو انکے دودھ نہیں ہوتا۔ اور بیری بیری کا مرض بھی اس وٹامن کے نہ ملنے سے ہوتا ہے۔

وٹامن بی دوئم ——— یہ وٹامن ان تمام اشیائے خوردنی میں پائی جاتی ہے جن میں وٹامن بی اول پائی جاتی ہے، یعنی مسلّم اناج۔ دال آلو وغیرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ یہ وٹامن پالک۔ مٹر۔ پھل۔ گائے کے تازہ دودھ۔ انڈے کی سفیدی میں بھی ہوتی ہے۔ اس کے فوائد بھی تقریباً وٹامن بی اول کے مطابق ہیں۔ اس کا کام جلد کی حفاظت ہے۔ اس وٹامن کے خوراک میں نہ ہونے سے "پیلا گرا" کی بیماری ہو جاتی ہے۔ جس میں جلد کا رنگ بدل جاتا ہے۔ بھوک کم ہو جاتی ہے اور پتلے دست آنے لگتے ہیں

وٹامن "سی" ..... یہ وٹامن ہری ترکاریوں کچے دودھ گوشت مٹر۔ مونگ میں جس میں کلے پھوٹے ہوں اور ٹماٹر۔ بینیہ گوبھی۔ نیمبو۔ نارنگی۔ وغیرہ کے عرق میں پائی جاتی ہے۔ لیکن تمام ترکاریوں اور پھلوں میں اس کی مقدار یکساں نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ کون کون سی چیزوں میں کتنی کھا لے سے جسم کو وٹامن "سی" مناسب مقدار میں حاصل ہو سکتی ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

نارنگی یا نیبوں کا عرق	———	دن میں	نصف چھٹانک
ٹماٹر کا عرق	———	" "	پون چھٹانک
سیب	———	" "	½ چھٹانک
کیلا	———	" "	۲ ½ چھٹانک
انگور	———	" "	۷ چھٹانک
گوبھی	———	" "	½ چھٹانک
ہری مٹر	———	" "	¾ چھٹانک
آلو	———	" "	۲ ½ چھٹانک
آلو ایک گھنٹہ پکنے کے بعد	———	" "	۵ چھٹانک
باجرا	———	" "	۲ ½ چھٹانک
چقندر	———	" "	۲ ½ چھٹانک
تازہ دودھ	———	" "	۲ ½ چھٹانک

پھلوں اور ترکاریوں کو پکانے یا خشک کرنے سے وٹامن سی ضائع ہو جاتی ہے

وٹامن سی کے غذا میں نہ ہونے سے کمزوری۔ خون کی کمی مسوڑھوں کا ورم۔ ان سے خون بہنا منہ میں پھوڑا ہونا۔ دانتوں کا کمزور ہو کر گرنا اسی طرح کے اور بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

وٹامن "ڈی" ..... تحقیقات سے پتہ چلا ہے۔ کہ بعض چکنائیوں میں ایک شے پائی جاتی ہے۔ جسے "ارگیسٹرول" کہتے ہیں جو سورج کی الٹرا وائیلٹ کرنوں کے پڑنے سے وٹامن ڈی پیدا کر دیتی ہے۔ انسان کی جلد کے نیچے جو چربی ہوتی ہے۔ اس میں بھی یہ چیز پائی جاتی ہے۔ اس پر دیر تک دھوپ پڑتی ہے۔ تو وٹامن ڈی پیدا ہو جاتی ہے۔

وٹامن ڈی جسم کیلئے از بس ضروری ہے اس کا خاص کام جسم کی سیلوں میں کیلشیم اور فاسفورس کی مناسب مقدار بہم پہنچاتا ہے اس کی کمی سے کیلشیم ہڈیوں اور دانتوں وغیرہ میں نہیں پہنچتا۔ اس لئے ہڈیاں نرم پڑ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

وٹامن "ای" ..... یہ دودھ مکھن ہری ترکاریوں اور مٹر اور گیہوں کی کنی میں سے جو تیل نکلتا ہے۔ اس میں پائی جاتی ہے یہ آسانی سے ضائع نہیں ہوتی۔

وٹامن ای کے خوراک میں نہ ہونے سے عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں اور بار بار حمل ضائع ہو جاتا ہے اور مردوں میں نامردی پیدا کرتی ہے۔

وٹامنوں کی تفصیلات سے ہم بآسانی اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔ کہ جو لوگ موزوں خوراک کا لحاظ رکھتے ہیں اور جن کے جسم میں مناسب مقدار میں ہر قسم کی وٹامینیں پہنچتی رہتی ہیں وہ توانا و تندرست رہتے ہیں اور جن کو مناسب غذا نہیں ملتی اور جن کے اندر ضروری مقدار میں وٹامنیں نہیں پہنچتیں وہ کمزور اور امراض میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے۔ کہ بہت سے لوگ کیوں قبل از وقت جوانی سے محروم ہو جاتے ہیں اور کیوں بعض لوگ عرصہ دراز تک جوانی کے مزے اٹھاتے رہتے ہیں۔ اور اسی سے اس راز کا بھی سراغ مل جاتا ہے کہ زندگی اور جوانی کو زیادہ سے زیادہ عرصہ تک کیونکر برقرار رکھا جا سکتا ہے اور کھوئے ہوئے شباب کو کس طرح واپس لانا ممکن ہے۔

جسم کی اندرونی صفائی کی ضرورت

شباب کے بقا و تحفظ کیلئے جس طرح وٹامنوں کا جسم کے اندر پہنچنا ضروری ہے اسی طرح جسم کی اندرونی صفائی کی بھی خاص ضرورت ہے۔ غذا کتنی ہی مفید ہو مگر جب وہ جسم میں ایک جگہ زیادہ دیر تک پڑی رہے گی تو مضر ہی ثابت ہوگی۔ اس لئے ضرورت ہے۔ کہ جسم کی اندرونی صفائی پر کامل توجہ

(بقیہ صفحہ ۴۹ پر دیکھو)

نیرنگ سائنس

دماغ کی جدید برقی لہروں کی دریافت!

اہل سائنس انسانی دماغ کے متعلق ایک عرصہ سے تحقیق و تفتیش کر رہے ہیں۔ اور اب انہوں نے اپنی اس کاوش و سعی میں بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی ہے۔ حال ہی میں ایسے آلات تیار کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ دماغ میں پیدا ہونے والی ان برقی لہروں کے فوٹو لئے جا سکتے ہیں جن سے دماغ کے افعال و حرکات کا پتہ چل جاتا ہے۔ ان آلات میں دماغ کی برقی لہروں کے فوٹو دیکھ کر ایک سائنسدان انسان کی صحت و بیماری رنج و خوشی اور غم و غصہ وغیرہ کیفیات کا پتہ چلا سکتا ہے۔ ایک انسان کو دیکھے بغیر صرف اس کے دماغ کی برقی لہروں ہی کے معائنہ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ جس وقت اس کے دماغی لہروں کا فوٹو لیا گیا۔ وہ سوتا تھا یا جاگ رہا تھا۔ ہوش میں تھا یا بیہوشی میں۔ یا اس پر کلوروفارم کا عمل تو نہیں کیا گیا تھا۔

مرگی کے مریضوں کی دماغی لہریں خاص قسم کی ہوتی ہیں۔ ان لہروں کی تحقیقات کر کے مرگی کے مرض کے متعلق بھی خاص معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ دماغ کی برقی لہروں کا مطالعہ و معائنہ سے پتہ چلا ہے کہ مرگی کے مریض کے دماغ میں ایک طوفانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اسی کیفیت سے متاثر ہو کر جسم کے اعصاب اکڑ جاتے ہیں

کلوروفارم وغیرہ دواؤں کا دماغ کے قوائے حاسہ پر کیا اثر پڑتا ہے کتنی عمر کے مریضوں کو کتنی دیر تک کلوروفارم سونگھوانا چاہیئے۔ کتنی بار سانس لینے پر مریض کامل طور پر بیہوش ہو جاتا ہے۔ دماغ کی برقی لہروں کی مدد سے یہ تمام مسائل حل کر لئے گئے ہیں۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اہل سائنس کی یہ تحقیقات سرجری کے لئے بیحد مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔ دماغی لہروں کو دیکھ کر ہر مریض کو بیہوش کرنے کیلئے اس کے عین حسب حال دوا تجویز کی جا سکے گی۔

دماغ کی ان برقی لہروں نے علم النفس میں ایک جدید باب کا اضافہ کر دیا ہے۔ انگلینڈ۔ جرمنی اور امریکہ کے سینکڑوں ڈاکٹر ان کا معائنہ و مطالعہ کر رہے ہیں۔ اہل سائنس نے اتنا تو تقریباً اب سے سو سال پہلے بھی دریافت کر لیا تھا کہ ہمارے اعصاب میں بجلی موجود ہے۔ مگر اب تو ریڈیو کے جدید آلات کے ذریعہ قلب دماغ اعصاب اور عضلات سب کی برقی لہریں ناپی جا سکتی ہیں۔

اول اول اب سے پچاس سال قبل ڈاکٹر والر نے گیلوانامیٹر کے تار کے دونوں سروں کو بدن کی بھیگی ہوئی جلد پر رکھ کر قلب کی حرکت سے پیدا شدہ برقی لہروں کی پیمائش کی تھی اس تجربہ کی وجہ سے ڈاکٹر والر کو ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔

اکہرے اعصاب کی برقی لہروں کی پیمائش کے صلے میں کیمبرج یونیورسٹی کے ایک سائنسدان کو نوبل پرائز بھی مل چکا ہے۔

ایک جرمن ڈاکٹر نے جس کا نام ورجیبر ہے۔ ایک ایسا طریقہ بھی ایجاد کر دیا ہے۔ جس کے ذریعے شیشے کے پردے پر دماغی لہروں کے فوٹو اتار کر جا سکتے ہیں ورجیبر نے شروع میں سوچا۔ کہ دماغ کی برقی لہروں کو ناپنے کے لئے برقی آلے کے دونوں تار پیشانی کی جلد میں چبھو دیئے جائیں چنانچہ آلوڈین لگا کر اس نے آلے کے تار کے دونوں سرے پیشانی کی جلد میں چبھو دیئے۔ اور اس طرح اس نے سینکڑوں آدمیوں کے دماغ کا معائنہ کیا۔

مزید تجربے سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ تار کو پیشانی میں چبھونے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اب تار کے دونوں سروں پر تانبے کے دو چھوٹے چھوٹے پتر چھوڑ دیئے گئے ہیں اور انہیں کو پیشانی پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اس تار کے ذریعے دماغ کی لہریں ریڈیو بلب والے آلے میں پہنچتی ہیں۔ اور لہروں کے فوٹو شیشے کے پردے میں اتر جاتے ہیں۔ اس عمل سے اس شخص کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ جس کے دماغی لہروں کے فوٹو لئے جاتے ہیں۔

گذشتہ سال لندن میں اس آلہ کے تجربات کی نمائش کی گئی تھی۔ ہال میں دس آدمی بیٹھے تھے انمیں سے ہر ایک کی پیشانی پر آلے کے تار لگا دیئے گئے ان اشخاص میں کچھ تو خالی الذہن بیٹھے تھے۔ کچھ سوچ رہے تھے۔ اور کچھ حساب کے سوال حل کرنے میں مصروف تھے۔ ان میں سے ایک شخص کو اپنے جواب میں کچھ خرابی معلوم ہوئی۔ چنانچہ اس نے اطمینان کے لئے اس سوال کو دوبارہ حل کیا۔ اس شخص نے ڈاکٹروں کو کچھ نہیں کہا۔ مگر انہوں نے اس شخص کی دماغی لہروں کے معائنہ سے بالتفصیل بتا دیا

کہ اس شخص نے سوال کو پہلی دفعہ کب حل کیا۔ کتنی دیر تک اس کا دماغ آرام کرتا رہا۔ اور پھر اس نے اس سوال کو کب دوبارہ حل کرنا شروع کیا۔

دماغی لہریں آلہ میں تار کے ذریعے داخل ہوتی ہیں۔ پھر ریڈیو بلب کے ذریعہ ان کو تبدیل کیا جاتا ہے۔ پھر ان لہروں کو اسٹوگراف کے اندر برقی ذرات میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ برقی ذرات ایک شیشے کے پردے پر ڈالے جاتے ہیں۔ پردے پر مسالہ لگا رہتا ہے برقی ذروں کی ضرب سے اس مسالہ میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر برقی لہریں منعکس ہو جاتی ہیں۔ ریکارڈ رکھنے کیلئے ان کے فوٹو بھی لئے جاتے ہیں۔

لہروں کی لمبائی ان کی شکل اور ان کی آپس کی دوری انسان کی دماغی کیفیات کو ظاہر کرتی ہیں سائنسدانوں کا خیال ہے۔ کہ ان سائنٹفک لہروں سے مستقبل قریب میں دماغ کے متعلق اور بھی بہت سے معمے حل ہو جائینگے۔ اس میں شک نہیں کہ دماغ اور اعصاب سے تعلق رکھنے والے مسائل کی تحقیق و تدقیق کیلئے یہ آلہ نتیجہ خیز اور کارآمد ہے۔

ڈاکٹر درجیبر کا بیان ہے کہ دوران کار میں انسان کی دماغی لہروں کا باہمی فاصلہ بڑھ جاتا ہے۔ اور جب وہ فکر مند ہوتا ہے۔ یا یکسوئی سے کسی مسئلے پر غور کرتا ہے تو یہ لہریں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں۔ اشتعال و ہیجان کی حالت میں دماغی لہروں میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ان کے درمیانی فاصلے میں بھی کمی آ جاتی ہے۔ کبھی کبھی بعض مریضوں کے دماغ کے دائیں اور بائیں حصے یکساں کام نہیں کرتے۔ ایسے مریض کے دماغ کے دونوں حصے کی لہریں بھی یکساں نہیں ہوتیں۔

مرگی کے مرض کے متعلق بھی ان برقی لہروں کے ذریعہ کافی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ دورہ سے پہلے مریض کے دماغ میں ایک طوفان سا برپا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ دماغ کے کسی ایک حصے میں برقی طاقت کی بہت سی مقدار جمع ہو جاتی ہے پھر یکایک اس برقی قوت کا ڈسچارج ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریض بیہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ اس آلے کے ذریعہ ڈاکٹروں نے یہ بھی دریافت کیا ہے۔ کہ مرگی کے مریضوں کے دماغ میں بحالت افاقہ بھی کچھ خرابیاں ضرور موجود رہتی ہیں۔

سائنسدانوں کو توقع ہے۔ کہ وہ عنقریب اس آلہ کی امداد سے اس بات کے دریافت کرنے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔ کہ دماغ کے کس حصے میں مرگی سے متعلق طوفان پیدا ہوتا ہے۔ اگر ممکن ہوا تو ڈاکٹر دماغ کے اس فاسد حصے کو اپریشن کے ذریعہ دماغ سے علیحدہ کر دیگا۔ اس طرح مریض کو اس مرض سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی۔

امریکہ میں مرگی کے مریضوں کی بہت کثرت ہے۔ اس لئے وہاں اس موذی مرض کی بیخ کنی کیلئے شد و مد سے کوشش کی جا رہی ہے۔ دماغ اور اعصاب سے تعلق رکھنے والے امراض کے علاج کیلئے یہ آلہ وہی اہمیت رکھتا ہے جو جسم کے دوسرے اعضاء و حصص کے معائنے و مشاہدے کیلئے خوردبین کو حاصل ہے

(بقیہ صفحہ ۳۷ **ہم کبھی بڈھے نہ ہوں کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے؟**) صرف کی جائے۔ شباب کے تحفظ اور اعادہ کے شائقین کو یہ امر کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے۔ تازہ پھل اور ساگ ترکاری کھانے سے جسم کی اندرونی صفائی ہوتی رہتی ہے ....

...... بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ شباب کا دارومدار انسان کی دماغی حالت پر ہے۔ اگر انسان کے خیالات جوانوں کی طرح بلند اور پرجوش ہوتے ہیں تو انسان کا جسم بھی جوان بنا رہتا ہے اور اگر دماغی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ تو انسان کی جسمانی حالت بھی بڑھاپے کے حملے سے محفوظ نہیں رہتی میں یہ مانتا ہوں کہ خیال کا جسم پر اثر پڑتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا۔ کہ صرف یہ خیال کرتے رہنے سے کہ میں جوان ہوں جوانی برقرار رہ سکتی ہے۔ جوانی کے پرجوش خیالات مفید ہو سکتے ہیں مگر اسی صورت میں جب خیالات کیساتھ مناسب غذا اور ورزش کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔

نظم — میرا چاند!

از احمد ندیم قاسمی

اگر تو چاہے تو ذرے ذرے میں حسن کو بے نقاب کر دے
جسے میں دل میں چھپا کے ہو جاؤں بے نیاز عروج و پستی
وہ بخش آنکھیں جو خار میں دیکھ لیں چمن کی شگفتہ حالی
وہ اک قدم ناز سے اٹھائے تو تھرتھرا کر گریں ستارے

مگر یہ انداز دو جہاں کو کہیں نہ محروم خواب کر دے
مجھے تو اس شعلۂ حقیقت میں وہ شرر انتخاب کر دے
وہ دل عطا کر جو ظلمتوں میں تجلیاں بے حجاب کر دے
وہ اک نظر آنکھ بھر کے دیکھے تو چاند کو آب آب کر دے

ہنسو اور موٹے ہو جاؤ

نیا بحری سیاح - (جہاز پر گھبرا کر) اب زمین کتنی دور ہے۔
کپتان - صرف ڈیڑھ میل۔
سیاح - کس طرف کو
کپتان - سمندر کی تہ کی طرف۔

پہلا - میرے باپ کو جانور سدھانے میں کمال حاصل ہے۔
دوسرا - پھر اُنہوں نے تم کو کیوں نہیں سدھایا۔

والدہ - بیٹا آج کا کام کل پر مت چھوڑا کرو۔ جلدی سے سبق یاد کرو۔
لڑکا - تو اماں وہ پھل بھی آج کھا لوں جو کل کے لئے رکھے ہیں۔

باپ (برہم ہو کر) لارڈ سنہا نے تمہاری عمر میں ایل ایل بی پاس کر لیا تھا۔ مگر تم ہو کہ ابھی تک انٹرنس میں ہی لٹک رہے ہو۔
بیٹا - اور آپ کی عمر میں وہ بہار کے گورنر تھے۔

بیٹا - اماں کیا تمہاری زبان کے پیر ہیں۔
ماں - ارے بیوقوف کہیں زبان کے پیر بھی ہوتے ہیں۔
بیٹا - پھر ابا کس طرح کہتے ہیں۔ کہ تیری ماں کی زبان دن بھر چلتی رہتی ہے۔

ایک شخص نے اپنے مکان کا بیمہ کرانے کے بعد ایجنٹ سے دریافت کیا۔
اگر میرے مکان کو آج ہی رات آگ لگ جائے تو مجھے کیا ملے گا۔
ایجنٹ - صرف دو سال قید۔

ماں - موہن یہ تم کیا لکیریں سی کھینچ رہے ہو۔
موہن - کچھ نہیں ذرا سوہن کو خط لکھ رہا ہوں۔
ماں - تمہیں خط لکھنا تو آتا ہی نہیں۔
موہن - کیا مضائقہ ہے اُسے پڑھنا بھی نہیں آتا۔

شوہر - بخدا تم دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ حسین ہو۔
بیوی - پیارے تم بھی غضب کے پھکنے والے ہو۔

باپ - (بیٹے سے) تم کو دو سال پڑھتے ہوئے ہو گئے۔ کچھ ترقی بھی کی۔
بیٹا - جی ہاں بہت زیادہ۔
باپ - کیا ترقی کی ہے۔
بیٹا - جب میں داخل ہوا تھا تو میری املا میں دو یا تین غلطیاں آتی تھیں۔ مگر اب دس دس بارہ بارہ لے آتا ہوں۔

ٹی ٹی آئی (ایک دیہاتی مسافر سے) ٹکٹ لاؤ۔
دیہاتی - کہاں کا ٹکٹ لاؤں۔
ٹی ٹی آئی - جہاں تم جانا چاہتے ہو وہاں کا۔
دیہاتی - کیا ٹکٹ مفت میں لاؤں۔ آٹھ آنے ادھر داخل کرو۔

گاہک - یہ بکری کتنے کی ہے۔
بیچنے والا - حضور صرف آٹھ روپیہ کی۔
گاہک - اور زنجیر کی کیا قیمت ہے۔
بیچنے والا - حضور اس کی کوئی بات نہیں یہ مفت ملے گی۔
گاہک - تو پھر مجھے زنجیر کھول دے۔

بیٹا (باپ سے) ابا جان اندر ڈرائنگ روم میں ایک کالی بلی پھر رہی ہے۔
باپ - کچھ پرواہ نہیں۔ کالی بلیاں خوش قسمت ہوتی ہیں۔
بیٹا - ہاں تو پھر وہ آپ کا کھانا چٹ کر گئی۔

خریدار - آپ نے اپنے اخبار میں لکھا تھا۔ کہ شراب میں لاکھ حاصل ہوتی ہے۔ میں نے اسے درست پایا براہ مہربانی اب بتلائیے۔ شراب میں اور کیا کیا چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔
ایڈیٹر - شراب میں چاندی۔ سونا۔ نوٹ۔ مکان زمین عزت۔ شرافت۔ ننگ و ناموس اور آخر میں پینے والا خود بھی حل ہو جاتا ہے۔

بزم شعرائے مست قلندر

دورِ جدید کی شاعری کے چند اچھوتے نمونے!

غزل
از جناب مرزا فہیم صاحب فخر گورکھپوری

وہ میرے حال سے اک بے خبر کا باخبر ہونا
میرے ہاتھوں کا اٹھنا اور دعا کا بے اثر ہونا

بلائے جان عاشق ہیں شب وصل و شب فرقت
ستم ہے طول ہونا اس کا اسکا مختصر ہونا

جلایا آتش غیرت نے دوزخ سے سوا مجھکو
سزا اپنے سے بدتر ہے خطا کا درگذر ہونا

نہ ٹکنے دے گی میری وحشت دل انکے در پر بھی
میری قسمت کو ہے منظور میرا دربدر ہونا

نہ حرص مال و زر میں مفت کھو جاں اپنی اے غافل
غنیمت جان لے دنیا میں عزت سے بسر ہونا

چلن سیکھا تو سیکھا تیرے گیسو کی درازی کا
ہماری شام فرقت کو نہ آیا مختصر ہونا

نہ ہم اس شوخ سے ملتے نہ ہی آنکھ آتی اجل ہم کو
مقدر میں لکھا تھا کشتۂ تیغ نظر ہونا

غزل
از جناب اختر بریلوی

اپنے بیمار محبت سے نہ پوچھو کیا ہوا
کیوں مرے کو مارتے ہو جو بھی ہونا تھا ہوا

پھر کسی کا ہو نہیں سکتا ہے جو تیرا ہوا
اس کا کیا غم جو بھی تھا تقدیر میں ہونا ہوا

یہ سنبھالے ہیں سنبھلنے کا نہیں بیمار غم
اس مرض میں کوئی بھی ایسا ہے جو اچھا ہوا

ہم نہ کہتے تھے محبت میں نہ پڑ، دل مان جا
اے گرفتار محبت تو نے دیکھا کیا ہوا

دل کی بربادی کا دکھڑا ان سے گر کہدوں کبھی
مسکرا کر وہ یہ کہہ دینگے "بہت اچھا ہوا"

یہ تجاہل ہے کہ مجھکو دیکھ کر کہنے لگے
"یاد پڑتا ہے کہ ہے یہ آدمی دیکھا ہوا"

ایسی پرسش عارضی تسکین سے بڑھکر نہیں
درد تم آئے رکا۔ تم چل دیئے دکھنا ہوا

عشق نے چمکا دیا اختر کو اختر کر دیا
اسقدر چمکا کہ سب کی آنکھ کا تارا ہوا

غزل
از جناب حبیب "الیشیائی"

ہے میرا مدعائے زیست تیری جستجو کرنا
وظیفہ ہے مرا جان جہاں بس تو ہی تو کرنا

ادھر بھی اک نگاہ لطف تم اے ماہرو کرنا
کہ میرا دامن دل چاک ہے اس کو رفو کرنا

کسی کو شاد کر کے آدمی خود شاد ہوتا ہے
کسی کو سرخرو کرنا ہے خود کو سرخرو کرنا

سلوک ناروا ظالم کہاں سے تم نے سیکھا ہے
بھری محفل سے اٹھوا کر مجھے بے آبرو کرنا

میری بے کیف سی کچھ زندگانی ہوتی جاتی ہے
خدارا پھر سے میرے سامنے جام و سبو کرنا

تمہارا مدعا کیا ہے؟ ہمیں بے آبرو کرنا
ہماری آرزو کیا ہے؟ تمہاری آرزو کرنا

شب فرقت میں سوجھا ہے یہ ہم کو مشغلہ بھلا
تصور میں کسی سے چپکے چپکے گفتگو کرنا

براہ چشم آنسو ہیں کہ یہ کیا بہتا جاتا ہے
اب آساں ہو گیا شاید جگر کو بھی لہو کرنا

میرے آڑے وہ آئیگا؟ حبیب! ایسا کہاں کا
رقیب روسیہ کو آج میرے روبرو کرنا

غزل
جناب لبط ہاشمی فاضل ادب)

ادا وہ کونسی ہوتی ہے یارب ان حسینوں میں
کہ جس کو دیکھتے ہی دل تڑپ اٹھتے ہیں سینوں میں

گلوں میں چاند میں سورج میں سیاروں میں تاروں میں
عیاں ہے تیرا جلوہ آسمانوں میں زمینوں میں

نشاط و عیش کی گھڑیاں گذر جاتی ہیں لمحوں میں
مگر گھڑیاں مصیبت کی نہیں کٹتیں مہینوں میں

مصیبت رنج و کلفت پیش آتے ہیں جو آتے دن
وہی کچھ ہوتا رہتا ہے جو لکھا ہے جبینوں میں

نہیں ہوتی نگاہ لطف کیوں اک بار ہم پر بھی
کمی آخر ہوئی کیا اے خدا تیرے خزینوں میں

چھپے ہیں وہ بظاہر نظروں سے رہیں لاکھ پردوں میں
مگر تصویر انکی نقش ہے دل کے نگینوں میں

غزل

مانا کہ یہ دل عاقل و فرزانہ نہیں ہے
کس غنچۂ نورس میں نہیں عطرِ تجلی
وارفتۂ دنیا ہے جسے سمجھے ہو مجنوں
پھر موسمِ گل کے ہوئے آثار نمایاں
ہر بزم میں روشن ہے ترا نورِ تجلی
حساسِ طرب ہو تو کھلے رازِ حقیقت

نیا بحری سیاح ۔ درجہاز پت کیا جس نے بھری بزم کو ساقی
کپتان ۔ صرف ڈیڑھ میل   جب آپ تو بیکار ہے چھپنا
سیاح ۔ کس طرف کو   کہتے ہیں جھوم رہا ہوں
کپتان ۔ سمندر کی تہ کی طرف در پیمانۂ میخانہ ہوں آشر

آدابِ محبت سے تو بیگانہ نہیں ہے
کس پھول میں رنگِ رخِ جانانہ نہیں ہے
دیوانہ جسے کہتے ہو دیوانہ نہیں ہے
قابو میں پھر اپنے دلِ دیوانہ نہیں ہے
ہے کون جو اس شمع کا پروانہ نہیں ہے
تکمیلِ محبت غمِ جانانہ نہیں ہے
آنکھیں ہیں تری گردشِ پیمانہ نہیں ہے
پردے سے نکلئے کوئی بیگانہ نہیں ہے
یہ لغزشِ پا لغزشِ مستانہ نہیں ہے
چھٹے کا مرے کوئی بھی پیمانہ نہیں ہے

از جناب [illegible]

غزل

مرے عشق کو حسن رسوا بنا دو
یہ دنیا جو ہنستی ہے دیوانگی پر
خدا کے لئے اپنی نظروں کو روکو
نہیں منحصر رقصِ بسمل پہ منظر
مرے عشق سے گر محبت نہیں ہے
شبِ وصل دی بھی تو اک مختصر سی
محبت، محبت، محبت، محبت،

مجھے اک محبت کا پتلا بنا دو
نہ مانے تو اس کو بھی مجھ سا بنا دو
محبت کی خاموش دنیا بنا دو
یہ دنیا پڑی ہے تماشا بنا دو
مری حسرتوں کو تمنا بنا دو
ذرا مسکرا کر گوارا بنا دو
مری زندگی کا تقاضا بنا دو
انہیں طول دے کر تماشا بنا دو
شبِ ہجر کو اب فسانہ بنا دو

از جناب [illegible]

غزل

محبت میں جتنی بھی دشواریاں ہوں
یہی ایک صورت ہے تسکیں کی شائق
میں نہیں کہتا کسی کے دل کی پروا کیجئے
میری بربادی کی دنیا میں نہ پروا کیجئے
یاد رکھئے! آپ سے بھی بدگماں ہو جائیگے
عشق ہے مشہور مجرم، حسن تو مجرم نہیں
دردِ دل دردِ جگر سے جان عاجز آ گئی
آدمیت شیخ صاحب یوں تو آ سکتی نہیں
راز کھل جانے کا اندیشہ اگر ہے آپ کو
چھوڑ دیجئے ممتاز وحسن ظاہری کا اب خیال

خلق میں لیکن محبت کو نہ رسوا کیجئے
حسن کا شہرہ ہو جس سے ظلم ایسا کیجئے
محفلِ اغیار میں میرا نہ چرچا کیجئے
آپ کیوں ہوتے ہیں رسوا مجھ کو رسوا کیجئے
لئے مسیحا! آئیے شکر مداوا کیجئے
جائیے حضرت! آپ کا دردِ پیدا کیجئے
بزم میں آنکھیں بچا کر مجھ کو دیکھا کیجئے
دل کے آئینے میں شکلِ یار دیکھا کیجئے

از جناب [illegible]

غزل

مجھ سے بچ کر تو ہوشیار نہ کر
چھیڑ کر داستانِ رنگیں کو
بھول جا دورِ ساغر و مینا
جو مجھے کہہ رہے ہیں دیوانہ
اب چمن کی دکھا کے رنگینی
میں گنہگارِ عشق و الفت ہوں
مجھ کو تو اپنا رازدار بنا
اپنا غم دیجئے اب خدا کے لئے
کر نظر التفات کی جانب
دے محبت کا اب نہ اس کو فریب

میری دیوانگی کو ہوشیار نہ کر
مجھ کو تو اور بے قرار نہ کر
ذکرِ صہبائے خوشگوار نہ کر
ان کی باتوں کا اعتبار نہ کر
مجھ کو آزردۂ بہار نہ کر
تذکرہ میرا زینہار نہ کر
روکشی مجھ سے اختیار نہ کر
میری آنکھوں کو اشکبار نہ کر
مفت میں مجھ کو سوگوار نہ کر
ذکرِ اظہر کا بار بار نہ کر

از جناب [illegible]

مستی و قلندری

اہل یوروپ کو تجارت اور کاروبار میں جو ورکشی مہارت حاصل ہے وہ غیر یورپ والوں کو مشکل سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اب جاپان اس معاملے میں نہایت کامیابی سے یوروپ کا مقابلہ کر رہا ہے مگر انگلستان کی ایک انجمن نے جس ذہانت اور دانش وری کا ثبوت دیا ہے۔ اس کی مثال جاپان بھی پیش نہیں کر سکتا چنانچہ ویسٹ انڈ میں انجمن غیر ملکی پناہ گزینوں کو ازدواجی سہولتیں بہم پہنچانے کا کاروبار کر رہی ہے معلوم ہوا ہے کہ اس انجمن کے کارندے جرمن، آسٹرین، اور چیک پناہ گزین مردوں کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ایک سو پونڈ خرچ کر کے انگریز بیوی کے شوہر بن جائیں۔ اور پناہ گزین عورتوں کو کہتے ہیں کہ صرف پچاس پونڈ دے کر انگریز شوہر سے شادی کر لیں، اس طرح سے انہیں انگلستان میں مستقل سکونت کی اجازت مل جائے گی۔

انجمن نے اس کاروبار میں کافی حد تک کامیابی ہے اور دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہی ہے۔

~~~~~~~~~~

یوروپ کی آزادی نسواں نت نئے گل کھلاتی رہتی ہے۔ چنانچہ امریکہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ یوروپی عورتوں نے ایک انجمن قائم کر رکھی ہے جس کا مقصد محض اپنے شوہروں کو طرح طرح سے ستانا اور پریشان کرنا ہے۔ ایک شوہر نے اپنی بیوی کی شرارتوں اور تکلیف رسانیوں سے تنگ آکر عدالت میں دعویٰ کر دیا ہے اس نے اپنی بیوی پر جو الزامات عائد کئے ہیں۔ انکے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ شوہروں کو تنگ کرنے والی انجمن کی ممبر عورتیں اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے کیا کیا طریقے استعمال کرتی ہیں۔ شوہر کے بیان کا خلاصہ یہ ہے۔

"ایک دفعہ بیوی نے چولہے میں سے گرم گرم دست پناہ نکال کر شوہر کی طرف پھینکا، اور اسے پیچھے ہٹنے کا بھی موقع نہ دیا۔"

"شوہر کی موٹر کا شیشہ توڑ ڈالا"۔

"چرٹ پینے کے پائپ کا دستہ توڑ ڈالا"۔

"اپنے گرگابی جوتے کی ایڑی سے روند روند کر شوہر کے بوٹوں کو خراب کر دیا"

"شوہر کو کمرے میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا"

"شوہر سویا ہوا تھا اسکی آنکھوں پر ٹارچ کی روشنی ڈالی"۔

"ایک شب محض شوہر کو پریشان کرنے کے لئے بیوی نے ۱۱ بار بجلی کی لیمپ جلائی اور سگریٹ پئے حالانکہ وہ بغیر لیمپ جلائے بھی سگریٹ پی سکتی تھی لیکن وہ تو شوہر کی نیند خراب کر کے اُسے پریشان کرنا چاہتی تھی"۔

یہ عورت اس انجمن کی سرگرم رکن ہے، اور اپنے شوہر کو ستانے میں خاص امتیاز رکھتی ہے ہندوستان میں بھی آزادیٔ نسواں کے حامی موجود ہیں جو اس معاملے میں کسی طرح یوروپ سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے حق بھی یہ ہے۔ کیا جب تک یوروپ کی طرح عورتیں آزاد ہو کر بالکل بے لگام نہ ہو جائیں۔ ازدواجی زندگی کا یہ لطف کہاں میسر کہ بیوی شوہر پر جلتا چیٹا پھینک مارے، اسکو کمرے میں مقفل کر دے اور اُسکے بستر پر بجلی سلا دے۔

~~~~~~~~~~

یوں تو مہذب دنیا کے چپے چپے پر مستی و قلندری کے دلچسپ اور پُر لطف نمونے آپ کے ملاحظے میں آسکتے ہیں لیکن ہالی ووڈ کا ایک تازہ واقعہ خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے۔

ہالی ووڈ کی ایک خاتون نے اپنے شوہر کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ دوسری عورت کے بوسے لیا کرتا ہے۔ اس دعوے کے جواب میں مرد کے وکیل نے ایک ہنگامہ خیز تقریر کی جس میں اُس نے کہا کہ ہالی ووڈ ایسا مقام ہے جہاں کسی مرد کا کسی عورت کا بوسہ لینا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ عدالت نے مدعا علیہ کے وکیل کی بحث کو تسلیم کر کے دعوے کو خارج کر دیا۔

آپ نے غور فرمایا اس فیصلے کا دوسرا مطلب کیا ہوا؟ اسی طرح اگر مدعا علیہ کی بیوی کا بھی کوئی غیر مرد بوسہ لے تو ہالی ووڈ کی غیر مکلف سرزمین پر اُس کو خلاف قانون یا قابل اعتراض قرار نہیں دیا جا سکتا۔

~~~~~~~~~~

یوروپ کی طاقتیں جہاں ایک دوسرے پر فتح و غلبہ حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی گیسیں اور دوسرے سامان حرب و ضرب تیار کر رہی ہیں وہاں اپنے حریف کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ فوج بھرتی کرنے کے لئے بچے پیدا کرنے کی بھی اندھا دھند تدبیریں عمل میں لائی جا رہی ہیں۔ انگلستان شادی شدہ لوگوں کو انکم ٹیکس میں رعایت دیکر پہلے ہی سلسلۂ توالد و تناسل کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے اور جرمنی اور اطالیہ بھی بچوں کیلئے انعام اور وظیفے جاری کر کے اپنی مردم شماری میں اضافہ کر رہے ہیں۔ پچھلے
~~~~~~~~~~

جیسے بلگیریا اور فرانس میں بھی ایسے قوانین نافذ ہو گئے ہیں جن کا مقصد ملک میں توالد و تناسل کے سلسلہ کو ترقی دینا ہے۔ چنانچہ فرانس کی اطلاع ہے کہ وہاں حکومت نے اعلان کر دیا ہے کہ جو شخص شادی کر کے بچے نہ پیدا کریگا یا شادی نہ کرے گا۔ اس پر ایک بڑا ٹیکس عائد کیا جائے گا۔

یورپ میں ایسے مردوں کی کمی نہ تھی جو ہر روز ایک نئی عورت سے پہلو گرم کرنے کے باوجود زندگی بھر کنوارا رہنا ایک طرح کا فیشن سمجھتے تھے اور ایسی عورتیں بھی کم نہ تھیں جو شادی کرنے کے بعد بھی بچے پیدا کرنا اپنے رنگ رلیوں کے خلاف سمجھتی تھیں۔ معلوم نہیں ایسے مست قلندر مردوں اور عورتوں پر اُن قوانین کا کیا اثر پڑے گا۔ اور اُن قوانین کی وجہ سے انکی زندگیوں میں کتنی بے کیفی اور بدمزگی پیدا ہو جائے گی۔

~~~~~~

یورپ کے تمام ڈکٹیٹروں میں اسٹالن سب سے کبیر سن ڈکٹیٹر ہے اور عام طور پر سنگ طبع خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن حال ہی میں اُسکے متعلق بعض ایسے واقعات معرض اشاعت میں آئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑھاپے میں بھی جوانوں کی طرح زندہ دل اور رنگین مزاج ہے۔ چنانچہ ایک امریکن اخبار کا بیان ہے کہ کچھ عرصہ ہوا ایک کسان لڑکی نے اسٹالن کی خدمت میں چند گلدستے پیش کئے تھے، جو خود لڑکی کے کاشت کردہ تھے۔ اسٹالن نے اس لڑکی کے دیکھنے کی خواہش کی۔ لڑکی نہایت حسین و جمیل تھی۔ اسٹالن اس پیکر ناز و مجسمہ جمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بولا ـــ "لڑکی بول! کیا مانگتی ہے؟" دوشیزہ نے شرماتے ہوئے جواب دیا ـــ "حضور تعلیم حاصل کرنے کے سوا میری اور کوئی تمنا نہیں ہے۔ میں ایک غریب کسان کی لڑکی ہوں۔ میرے ماں باپ میری تعلیم کا انتظام نہیں کر سکتے۔ حضور میری تعلیم کا انتظام فرمائیں۔"

اسٹالن نے لڑکی کی خواہش کے مطابق ایک مدرسہ گاہ میں اس کی تعلیم کا انتظام کر دیا۔ اسکے بعد اسٹالن اس سے برابر ملتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں میں باقاعدہ رشتہ محبت قائم ہو گیا۔

اسی طرح ایک اور دیہاتی لڑکی سے بھی حضرت اسٹالن کو محبت ہے۔ ایک روز موصوف دو اور نازنینوں کے ساتھ بھی مصروف سیر و تفریح دیکھے گئے جن کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ آپ کی نئی معشوقہ تھیں۔ جب یورپ کے بعض اقتدار بوڑھے ڈکٹیٹر کی مستی و قلندری کا یہ عالم ہے تو وہاں کے نوجوانوں کا کیا کہنا!

~~~~~~

روس کے بوڑھے ڈکٹیٹر کی دوشیزہ پرستی اور شباب نوازی کی اطلاع کے بعد یہ خبر قدرے حیرت سے پڑھی جائے گی کہ جرمنی کے سرکاری دفاتر سے جوان عورتیں خارج کی جا رہی ہیں۔ حالانکہ یورپ میں عام طور پر نوجوان لڑکیوں سے دفتروں میں کام لئے جاتے تھے جو اپنے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ دفتروں کی افزائش رونق کا بھی باعث ہوا کرتی تھیں۔ لیکن نازی حکام نہ جانے کیسے خشک مزاج واقع ہوئے ہیں جو نوجوان لڑکیوں کے بجائے بوڑھی عورتوں کو دفتروں میں بھرتے ہیں۔

بہرحال اخباری بیان کے مطابق نازی حکام نے ہدایت جاری کی ہے کہ دوشیزاؤں کو کوئی ملازمت نہ دی جائے۔ کم سے کم ۴۵ سال کی عمر کی یا اُس سے زیادہ عمر والی عورتوں کو دفتروں میں ملازم رکھا جائے۔ اسلئے کہ نوجوان لڑکیوں کی بہ نسبت بوڑھی عورتوں پر گھر کے کام کاج کا بوجھ بہت کم ہوتا ہے، اور بچے وغیرہ بھی پیدا نہیں ہوتے۔ اسلئے وہ اپنے فرض کی طرف زیادہ تندہی سے متوجہ ہو سکتی ہیں۔

یہ تو ٹھیک ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا بوڑھی عورتیں دوشیزاؤں کی طرح دفتر کے مرد ممبروں کی تفریح و دلبستگی کا باعث ہو سکتی ہیں؟ یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے کہ گھر کی چار دیواری میں بیٹھے رہنے سے دوشیزاؤں اور نوجوان عورتوں کی دلبستگی کی صورت کیا ہوگی؟

~~~~~~

ڈاکٹر ولیم کریک جو ریاستہائے متحدہ کی یونیورسٹی کے شعبہ ادویہ کے صدر ہیں، کچھ روز سے عشق کی نوعیت اور اسکے اسباب و معالجات کی تحقیقات میں مصروف تھے۔ توقع کی جاتی تھی کہ ڈاکٹر صاحب عشق کا علاج دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن موصوف کو اپنے مقصد میں مایوس کن ناکامی ہوئی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ـــ مجھے اتنا تو پتہ چل گیا کہ عشق کا دماغ، دل، خون اور اعصاب پر کیا اثر پڑتا ہے لیکن میں نہ اس کے علل و اسباب دریافت کر سکا۔ نہ مجھے اس کے معالجات کی دریافت میں کوئی کامیابی ہوئی۔

محترم ڈاکٹر ولیم کریک صاحب مجھے معاف فرمائیں وہ ناحق ٹکریں مارنے کے بعد جس نتیجے پر پہنچے ہیں اسے ہمارے شعراء جبکہ سینکڑوں سال پہلے ایک طرح سے نہیں بلکہ سو طرح سے سمجھا گئے ہیں کہ عشق ایک لاعلاج مرض ہے۔

~~~~~~

لیجئے جناب مستی و قلندری کا بالکل جدید اور اچھوتا نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ ہالی ووڈ کی ناز آفرین اور پری پیکر ایکٹرسوں نے اپنے پیکر جمال و شباب کو قیمتی اور ریشمی رنگ برنگ پوشاکوں سے مزین اور آراستہ کرنیکے بجائے نقش و نگار سے سجانا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ مشہور مصوروں کے یہاں جاتی ہیں اور بے لباس اور برہنہ و عریاں ہو کر اُن کے سامنے بیٹھ جاتی ہیں۔ مصور ان کے ان اعضائے جسم پر برش سے بیل بوٹے بنا دیتا ہے۔ وہ اس نقاشی کے بعد لباس و پوشاک سے مستغنی ہو کر جلسوں اور سوسائٹیوں میں

شریک ہوتی ہیں۔ مصوروں کی ہنرمندی اور صنعت گری کا کمال یہ ہے کہ وہ اس خوبی سے نقش و نگار بناتے ہیں کہ عریاں اعضا عریاں نہیں معلوم ہوتے۔

یورپ میں تو یہ جدید فیشن بسرعت تمام ترقی کر رہا ہے لیکن نقال ہندوستانی خواتین دیکھئے اس رنگین نقل کی پیروی کی جانب کب اقدام فرماتی ہیں۔

آسٹریلیا کے قریب جزائر ملگریوں میں بادو نامی ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جسے شوہروں کی جنت کہتے ہیں، اسلئے کہ وہاں شادی شدہ مردوں کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ عورتیں سخت سزا کی مستوجب خیال کی جاتی ہیں جو اپنے شوہروں کی خوشنودی و رضامندی کا خیال نہ رکھیں یا ان کیساتھ بے ادبی اور بدزبانی سے پیش آئیں، اسی لئے یہ جزیرہ شوہروں کی جنت کہلاتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے ابھی اس جزیرے کو مہذب دنیا کی ہوا نہیں لگی ہے جو وہاں بیویوں کے مقابلے میں شوہروں کو خصوصیت و برتری حاصل ہے میری رائے ہے کہ حکومت امریکہ شوہروں کو ستانیوالی عورتوں کی انجمن کو جزیرہ بادو میں جلاوطن کردے۔

ایک صاحب بہادر کی مستی و قلندری کہئے یا جنون اور وحشت کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بھی قتل کر ڈالا اور اپنی محبوبہ کو بھی، ان صاحب بہادر کا نام ولیم کرٹن ہے۔ آپ سالسبری کی عدالت میں اپنا بیان دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "دس برس ہوئے میری محبوبہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی، میں نے اس سے مصالحت کی درخواست کی۔ لیکن اس نے ٹھکرا دیا۔ تنگ آکر میں نے مس کیبل سے شادی کر لی، لیکن افسوس کہ وہ بھی بیوفا نکلی۔ اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ میں پھانسی کے تختہ پر جان دیدونگا۔ چونکہ میں خودکشی نہیں کرنا چاہتا۔ اسلئے میں نے اپنی محبوبہ اور بیوی دونوں کو قتل کر دیا۔ تاکہ حکومت مجھے پھانسی کی سزا دیکر میری خواہش پوری کر سکے۔" عدالت نے ملزم کو پھانسی کی سزا دیدی۔

یہ ہے اہل یورپ کی ازدواجی زندگی کا نمونہ ہے۔

اندور کے نوجوان نے اپنی بیوی کے مکان کے سامنے اسلئے ستیاگرہ شروع کیا تھا کہ بیوی کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جائے۔ اسکی بیوی اندور کالج کی متعلمہ تھی، اور ان دونوں نے باہمی پسند اور رضامندی سے از خود شادی کر لی تھی، یہ تو اندور کے ستیاگرہ کا واقعہ تھا۔ اب اسکے برعکس امریکہ کی ایک ازدواجی ستیاگرہ کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔

نیویارک کے ایک جوڑے میں باہم جھگڑا ہو گیا اور شوہر بیوی کو چھوڑ کر اپنی ماں کے ہاں چلا گیا، شوہر کے پیچھے پیچھے اس کی پندرہ سالہ بیوی بھی پہنچی اور اس کی موٹر میں بیٹھ کر اس نے یہ اعلان کر دیا کہ جب تک شوہر اس کے ساتھ گھر واپس نہ جائے گا۔ وہ اسی طرح موٹر میں بیٹھی رہے گی۔

جو بیوی شوہر آپس میں لڑ جھگڑ کر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں انہیں اندور کے شوہر اور نیویارک کی بیوی کے ستیاگرہ سے سبق حاصل کرنا چاہئیے۔



مرے وطن کو ضرورت پڑے گی جب میری!

صفوں کو چیرتا، ہنستا، گرجتا آؤں گا
ہر اک عزیز کی الفت کو بھول جاؤں گا

کسی کی آنکھوں سے بے تاب آنسوؤں کا اثر — نہ کر سکے گا مری ہمتوں کو زیر و زبر
حسین چاندنی راتوں کو الوداع کہہ کر — کسی کی میٹھی سی باتوں کو الوداع کہہ کر
نشاط و عیش کی بزم سرور خیز سے دور — شمیم کاکل پیچاں عطر بیز سے دور
فضائے وادیٔ کالج کے چہچہوں سے پرے — حسین ہونٹوں کے گلرنگ قہقہوں سے پرے
دہکتے، جھومتے، ہنستے ہوئے شراروں میں — سلگتی ریت سے بھرپور رہگذاروں میں
چمکتی، گونجتی تیغوں کی سنسناہٹ میں — سپاہیوں کی قیامت بدوش آہٹ میں
لہو سے بھیگی ہوئی سی فضاؤں کے نیچے — تباہیوں کی امڈتی گھٹاؤں کے نیچے

صفوں کو چیرتا، ہنستا، گرجتا آؤں گا
ہر اک عزیز کی الفت کو بھول جاؤں گا
مرے وطن کو ضرورت پڑے گی جب میری

پُراسرار تبت کے چشم دید حالات

لاماؤں کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ غیب کی ہر بات جانتے ہیں اور کوئی بھید ان سے پوشیدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب کسی تبتی آدمی کو کسی معاملہ کی نسبت مشورہ لینا منظور ہو تو وہ سیدھا لاماؤں کے پاس جاتا ہے انتہا یہ ہے کہ عشق و محبت اور شادی کے معاملات میں بھی لاماؤں سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ کئی حالتوں میں تبتی لوگ زرد ٹوپی والے غیر شادی شدہ لاماؤں کے پاس بھی جاتے ہیں۔ جنکو اس بات کی سے ممانعت کر دی گئی ہے۔ کہ وہ عورتوں سے کسی طرح کا میل جول نہ رکھیں۔

مجموعی طور پر یہ بات دیکھنے میں آئی ہے۔ کہ اہل تبت یہ جاننے کے خواہشمند رہتے ہیں۔ کہ انہیں کونسا کام کس طریقہ پر کرنا چاہیئے اس میں فائدے کی صورت اسی قدر ہے۔ کہ انہیں کوئی بات سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لاما لوگ ان کی اس سہل انگاری سے خوب فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی لاما سے ایسا سوال پوچھ بیٹھتا ہے جس کا جواب لاما کو معلوم نہیں ہوتا۔ کہ کیا دینا چاہیئے۔ تو پھر وہ ایک مغربی ڈاکٹر کی طرح عمل کرتا ہے۔ جس کا حال مجھ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ اس ڈاکٹر کا قاعدہ ہے۔ کہ جب وہ کسی مرض کی تشخیص نہیں کرسکتا۔ تو منہ سے تو کوئی بات نہیں کہتا۔ البتہ انتہائی متانت کا انداز اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا مطلب پوچھنے والا جو اس کا جی چاہے سمجھ سکتا ہے۔

اگر کسی پیچیدہ اور مشکل معاملہ کی نسبت مشورہ طلب کیا جائے تو لاما لوگ ان وکیلوں کی مثال پر عمل کرتے ہیں۔ جن سے کوئی موکل ایک نہایت پیچیدہ اور غیر یقینی قانونی سوال پر صلاح لینے جاتا ہے۔ پھر وہ باتیں تو بہت بناتے ہیں۔ مگر کارآمد نکتہ ایک بھی ان کی زبانی سننے میں نہیں آتا۔ بحیثیت مجموعی لاما لوگ بڑے چالاک ہیں۔ اور دیکھا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی بڑی دشواری بھی ان کو پیش آتے تو وہ اپنے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر لیتے ہیں۔ اس میں بھی لطف کی بات یہ ہے۔ کہ لوگوں میں ان کا اثر و وقار کم نہیں ہوتا۔

ذیل میں تین واقعات درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے میرے بیان کی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ اس قسم کی گفتگو تھی۔ جو تین مختلف موقعوں پر میرے سننے میں آئی۔ یہاں میں نے اسکو اس کی اصلی صورت میں تفصیل کے ساتھ درج کر دیا ہے۔

~~~~~~ (۱) ~~~~~~

ایک آدمی کسی لاما کے پاس گیا۔ جو بیشتر تبتی پجاریوں کی طرح غیب دان بھی مشہور تھا۔ وہ اس سے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ کہ اس کے ایک رشتہ دار کی جو بہت دور رہتا تھا کیا حالت ہے۔

سوال کیا اب اس کی حالت اچھی ہے؟

جواب۔ اس کی حالت جیسی کچھ عرصہ پہلے تھی۔ بالکل ویسی نہیں ہے

سوال کیا میں اس سے مل سکوں گا۔

جواب۔ یہ دیوتاؤں کے بس کی بات ہے۔

~~~~~~ (۲) ~~~~~~

ذیل میں وہ گفتگو درج کی جاتی ہے۔ جو ایک تبتی اور ایک لاما کے درمیان ہوئی تھی۔ تبتی اپنے بھائی کا حال معلوم کرنا چاہتا تھا۔ جو وہاں سے کئی سو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں رہا کرتا تھا۔

لاما۔ مجھ کو پورا یقین ہے۔ کہ تمہیں حال ہی میں اس کی طرف سے کوئی نہ کوئی اطلاع ضرور پہنچی ہے۔ کیا یہ صحیح نہیں؟

تبتی نہیں مقدس باپ مجھے اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں پہنچی

لاما (جس کے سکون میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا) اس صورت میں تمہیں بہت جلد کوئی نہ کوئی اطلاع ضرور اس کی طرف سے پہنچے گی۔

تبتی میں اس کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

~~~~~~ (۳) ~~~~~~

ایک نکتہ چین تبتی معترض کی حیثیت میں کسی لاما کے پاس گیا اور ان میں حسب ذیل گفتگو ہوئی

تبتی۔ ماہ گذشتہ میں لاما جماعت کے کئی محترم بزرگوں نے بارش کے لئے پرارتھنا کی تھی۔ اور اس کے بعد بارش بھی ہو گئی۔ لاما۔ ایسا ہونا ضروری تھا جب ہم نے بارش کے لئے دعا کی۔ تو دیوتاؤں نے لازمی طور پر اس کے جواب میں بارش کا انتظام کر دیا۔
~~~~~~

تبتی۔ لیکن اس مرتبہ ہم نے آپ کو بہت سا مکھن لاکر دیا ہے اور کئی بار التجا کی ہے۔ کہ آپ بارش کے لئے دعا کریں۔ لیکن پھر بھی اب تک بارش نہیں ہوئی۔

لاما۔ یہ سب دیوتاؤں کی مرضی پر موقوف ہے۔ تم ان کی مرضی پر کسی طرح کے اعتراضات نہیں کر سکتے جو کچھ ان کو بہتر معلوم ہوگا کرینگے۔

تبتی۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

لاما۔ تم کچھ اور مکھن ہمارے لئے لاؤ۔ اور ہم پھر سے دعا کرنا شروع کر دینگے۔

تبت میں مراقبہ کا طریقہ عام ہے۔ مراقبہ کرنیوالے لاما تو بہت دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن جس وقت وہ مراقبہ کی حالت میں ظاہرہ بےحس و حرکت بیٹھے ہوتے ہیں تو کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ پس پردہ کیا ہو رہا ہے جب کوئی لاما مراقبہ کی حالت میں بیٹھتا ہے۔ تو ٹانگیں موڑ کر اور بازو لپیٹ کر بالکل بےحرکت بیٹھ جاتا ہے۔ وہ آنکھیں بند رکھتا ہے۔ اس کا چہرہ عموماً زرد اور لاغر ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس پر نہ کوئی رنگ نمودار ہوتا ہے۔ نہ زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں اس لئے عموماً کسی انسانی چہرہ کی نسبت مومی بت کی صورت سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ لاما لوگ اس حالت میں گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور خاص حالتوں میں دنوں تک اس حالت میں رہ سکتے ہیں۔ جتنا زیادہ عرصہ کوئی شخص اسی مراقبہ کی حالت میں بیٹھ سکے۔ اتنی ہی اس کی حرمت بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے چالاک ہوشیار اور اپنا فائدہ سوچنے والے لاماؤں کی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ صرف اتنا عرصہ ہی مراقبہ کی حالت میں نہیں بیٹھتے جتنا دعا کرنے کے لئے ضروری ہو بلکہ وہ اس ذریعہ سے اپنی شہرت اور حرمت بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب کوئی لاما مراقبہ کی حالت میں بیٹھا تو اس کے دماغ میں کیا خیالات گذرتے ہیں؟ نیز اس مراقبہ کا مطلب کیا ہوتا ہو۔

بیشتر لامے جاہل مطلق ہوتے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ جب مراقبہ کی نمائش کرتے ہیں تو حقیقت میں ان کے خیالات کسی بھی خاص مضمون کی طرف لگے ہوئے نہیں ہوتے۔ عین ممکن ہے کہ وہ صرف اس لئے یہ حالت اختیار کرتے ہوں کہ اس میں علیحدگی و تنہائی اور فاقہ کشی کا موقع ملتا ہے ورنہ اس مراقبہ کی ان کے نزدیک عملی قدر و قیمت کچھ نہیں ہو سکتی لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہ سمجھنا چاہئیے کہ سبھی لامے اسی طرح کے ہوتے ہیں کئی لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو مراقبہ کی حالت میں کسی خاص مقصد کو پیش نظر رکھتے ہیں اور ان کی بڑی کوشش اسی بات کی ہوتی ہے کہ یکسوئی حاصل کر کے اپنی قوت روحانی کو جمع کر رکھیں

مجھ کو اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ تبت کی خانقاہوں میں جہاں میں نے بڑی محنت اور مشقت سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ اپنے آپ کو بہرہ اور گونگا یاتری ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے قطعاً یہ بات معلوم نہیں ہو سکی۔ کہ مراقبہ کی یہ حالت پیدا کرنے کا اصلی مطلب اور مدعا کیا ہے البتہ جب مجھکو دانایان تبت سے ملنے کا اتفاق ہوا جن کا ذکر میں نے اس مضمون کے دوران میں بیشتر بعض موقعوں پر کیا ہے تو البتہ مجھکو کئی قیمتی باتیں معلوم ہوئیں (باقی آئندہ)

کہاں گئیں؟

جناب سلطان احمد صاحب بریلوی

نجمہ کا ہے پتہ، نہ سلیمہ کی ہے خبر! — وہ سحر بپا حسین ادائیں کہاں گئیں؟
مہکے ہوئے وہ گیسوئے شب ناز کیا ہوئے؟ — بہکی ہوئی وہ مست ہوائیں کہاں گئیں؟
پروردۂ حجاب نگاہوں کو کیا ہوا؟ — مجبورِ التفات حیائیں کہاں گئیں؟
وہ شوخیاں، وہ ناز، وہ انداز کیا ہوئے؟ — سرشارِ لطف و کیف ادائیں کہاں گئیں؟
بن بن کے وہ بگڑنے کے نقشے کدھر گئے؟ — مَن مَن کے روٹھنے کی سزائیں کہاں گئیں؟
وہ چاندنی کی رات، وہ سامانِ انبساط، — جمنا کی ضو نواز فضائیں کہاں گئیں

افسوس! آج لب پہ مرے آہِ سرد ہے!
سلطان وہ دل گداز نوائیں کہاں گئیں؟

ہندوستانی سینیاسیوں کے سینہ کے راز

سفوف جریان

اجزاو ترکیب ساخت۔ گوکھرو کلاں۔ پوست بیخ کنگھی۔ پوست بیخ کیکر طباشیر۔ تال مکھانہ مغز تخم کونچ۔ ہر ایک ایک تولہ نشاستہ چنددو کم کوٹ چھان کر سفوف بنائیں

ترکیب استعمال۔ ۹ ماشہ گائے کے دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔

فوائد۔ جریان اور احتلام کے لئے مفید ہے۔ کم خرچ بالانشیں کی مثل اس پر صادق آتی ہے۔ (ڈاکٹر محسن علی خاں صاحب ایڈیٹر الہند)

اکسیر دماغ

اجزاو ترکیب ساخت۔ تر پھلا ۳ سیر برہمی بوٹی (سایہ میں خشک کی ہوئی) ۱ سیر دونوں کو مٹی کے برتن میں بند کر کے اس قدر آگ دیں۔ کہ راکھ ہو جائے پھر بدستور معروف اس کا نمک نکال لیں۔ اور پیس کر نگاہ رکھیں۔

ترکیب استعمال۔ صبح کے وقت ۴ رتی یہ نمک ۵ تولہ مکھن تازہ میں ملا کر کھا لیا کریں

فوائد۔ اعلیٰ درجہ کی مقوی دماغ چیز ہے۔ تجربہ پر ہی اس کی تصدیق ہوگی (حکیم سید محمود گیلانی صاحب جوہاں)

معجون قبض کشا

اجزاو ترکیب ساخت۔ مغز بادام ۲ تولہ کشمش ۲ تولہ سفوف سنا مکی ۲ تولہ۔ مربہ ہلیلہ زرد ۵ تولہ۔ الائچی کلاں ۱ تولہ مصطگی رومی ۲ تولہ گلقند ۵ تولہ سفوف سنا کو روغن زرد میں چرب کر کے باقی دواؤں کے ساتھ خوب پیسیں

ترکیب استعمال۔ ایک تولہ سے دو تولہ تک گرم دودھ کے ساتھ کھلائیں۔

فوائد۔ عمدہ قبض کشا دوا ہے۔ (از بیاض صالح محمد صاحب)

دوائے درد گردہ

اجزاو ترکیب ساخت۔ سُہاگہ ایک تولہ لے کر ایک پیاز میں لپیٹ کر اور گل حکمت کر کے سیر بھر اوپلوں کی آگ دیں شگفتہ ہوگا۔ اگر پہلی بار نہ ہو تو دوسری دفعہ ورنہ تیسری بار ضرور شگفتہ ہوگا۔ پھر سُہاگہ کو کھرل کر کے رکھیں

ترکیب استعمال۔ ۲ چاول یہ دوائی مکھن میں لپیٹ کر دیں۔

فوائد۔ ریح گردہ کے لئے مجرب ہے (از بیاض صالح محمد صاحب)

〰〰〰〰〰

ایسپرین کس طرح ہلاک کرتی ہے۔ کارنیل یونیورسٹی کے طبی مدرسے کے ڈاکٹر کاری انگلسٹن نے اپنے ایک مضمون میں حسب ذیل دلچسپ بیان شائع کرایا ہے۔ ایسپرین انسان کو اس کا درد کھو دینے کے ذریعہ سے ہلاک کیا کرتی ہے۔ ہمیں درد کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا نہ ہونا چاہیئے۔ درد خود ایک تکلیف دہ اور ایذا رساں چیز ہے۔ لیکن درحقیقت ہمیں اس سے بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ درد قدرت کا سُرخ جھنڈا ہے جس کے ذریعے سے ہمیں آگاہ اور خبردار کیا جاتا ہے کہ جسم کی کوئی نہ کوئی کل بگڑ گئی ہے۔ ایسپرین اس درد کو دُور کر کے گویا سُرخ جھنڈے کو گرا دیتی ہے۔ ہم مطمئن ہو جاتے ہیں کہ سب معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ اور اسی طمینان میں اس وقت تک بیٹھے رہتے ہیں۔ جس وقت کہ خرابی لاعلاج نہ ہو جائے۔ اور کچھ بنائے نہ بن سکے۔

ہزار ہا انسان روزمرہ صرف اس سبب سے نمونیا سل اور امراض قلب میں مبتلا ہو کر مرتے رہتے ہیں۔ کہ ایسپرین اُن کے درد کو دُور کر کے انہیں اطمینان دلا دیتی ہے کہ ... کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے۔ ایسپرین مرض کی علامات کو پوشیدہ کر دیتی ہے۔ جس سے حلق کا ورم دُور ہو جاتا ہے جس سے درد سر بھی جاتا رہتا ہے اور خطرات میں گھرا ہوا شخص خود کو محفوظ کرنے لگتا ہے۔ جس کے ان اثرات کی بدولت مرض چپکے چپکے اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اور اس وقت ظاہر ہوتا ہے۔ جب تمام دوا دارو بے سود ہو جاتے ہیں

جوانی کے دن

از جناب محمد یوسف صاحب آوارہ مدرس میونسپل اردو اسکول بمبئی

(۱)

آسماں پر ڈوب کر نکلے ہیں پھر سے مہر و ماہ
جھوم کر پھر چھا رہا ہے ہر طرف ابر سیاہ
پھر بہار آئی چمن میں اہل دل کہتے ہیں آہ
دن جوانی کے مگر آئے نہ پھر سے لوٹ کر

(۲)

بلبلے ہو کر فنا پاتے ہیں پھر سے زندگی
تھی جو پژمردہ کلی گلشن میں پھر کھلنے لگی
پھر صدا ناقوس کی آتی ہے پھر زندگی
دن جوانی کے مگر آئے نہ پھر سے لوٹ کر

(۳)

شمع گل ہو کر ہے پھر مجبور جلنے کے لئے
کارواں تھک کر ہے پھر آمادہ چلنے کیلئے
رنگ پستی ہے بلندی سے بدلنے کیلئے
دن جوانی کے مگر آئے نہ پھر سے لوٹ کر

(۴)

لوٹ کر ساحل سے پھر موجیں چلیں ساحل کے پاس
خون رگ رگ میں ہے جنبش پھر پہنچ آیا دل کے پاس
راہ کا بھولا مسافر آ گیا منزل کے پاس
دن جوانی کے مگر آئے نہ پھر سے لوٹ کر

(۵)

نخل پھر شاداب ہو جاتے ہیں جھڑ جانے کے بعد
پھر چمکتے ہیں ستارے ماند پڑ جانے کے بعد
الغرض دنیا سنورتی ہے بگڑ جانے کے بعد
دن جوانی کے مگر آئے نہ پھر سے لوٹ کر

حرامزادی کی سرگذشت

یعنی ایک شریف بدمعاش کی عیاریاں

بیسویں قسط

اس کی گناہوں سے لبریز زندگی کے سنسنی خیز عجیب و غریب اور عبرتناک واقعات اسی کی زبانی سنئے

اردو میں اپنی قسم کا پہلا اور سو فیصدی سچا افسانہ

نئے پڑھنے والے یہاں سے شروع کریں۔ جعفری سپنسر انگلستان کا مشہور بدمعاش اس وقت جیل میں ہے اس کو پادری فنسن کے قتل کی پاداش میں پھانسی کا حکم مل چکا ہے صرف چند دن کی میعاد باقی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ مرنے سے قبل اپنے حالات زندگی دنیا والوں کے لئے چھوڑ جائے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ میرے والد نے مجھے جس اسکول میں بھیجا وہاں کے انچارج پادری فنسن کی صحبت میں رہ کر میرے چلن حد سے زیادہ خراب ہو گئے جس کے نتیجہ کے طور پر مجھے نہ صرف بورڈنگ ہاؤس اور اسکول سے نکال دیا گیا بلکہ پرنسپل نے میری آوارگی کا کچا چٹھا میرے والد کو لکھ بھیجا۔ چونکہ گھر میں بھی میرے لئے کوئی ٹھکانا نہ تھا اس لئے میں نے جہازی نوکری اختیار کر لی۔ تو تو ایرس شہر میں ایک پرجمال لڑکی ڈوروتھی کی جان بچانے کے صلہ میں اس کا باپ سٹین ہوپ بسلسلہ ملازمت مجھے اپنی اسٹیٹ میں لے گیا مگر وہاں میری شیطانی سیرت رنگ لائی اور ایک رات ڈوروتھی کے دامن عصمت کو تار تار کر کے میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور ولنگٹن پہنچ کر ایک تھیئٹریکل کمپنی میں ملازم ہو گیا جو چند دن بعد سڈنی جا رہی تھی۔ سڈنی میں پہلی مرتبہ اس ملکہ حسن سے میری ملاقات ہوئی۔ جس کا نام کلیرس تھا۔ کلیرس عورت نہیں آسمانی حور تھی وفا کی پتلی تھی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی تیر عشق دونوں کے دل میں ترازو ہو گیا۔ کلیرس کی شادی کو اگرچہ پانچ سال ہو چکے تھے مگر اس کا شوہر ظالم مرد شرابی اور خود نما انسان تھا۔ اس نے کلیرس کے ساتھ شوہروں کا سا سلوک یا اظہار محبت کبھی نہ کیا۔ کلیرس کو پا کر مجھے گویا کھوئی ہوئی دولت مل گئی۔ میں نے کوشش کر کے اپنی کمپنی میں بطور رقاصہ اس کو ملازم کرا دیا۔ چونکہ کمپنی دوسرے شہر کو جا رہی تھی۔ اس لئے وہ برائے نام شوہر سے اجازت لے کر میرے ساتھ چلی آئی۔ اور اگلے چند مہینے ہم نے بڑی مسرت سے بسر کئے۔ مگر حمل گر جانے کے باعث کلیرس بیمار ہو گئی۔ اور چند دن بیمار رہ کر اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ کلیرس کی ناگہانی موت کا صدمہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا اور ممکن تھا کہ میں پاگل ہو جاتا مگر خوبی تقدیر سے انہی دنوں ایک عجیب و غریب شخص جیمس سے میری ملاقات ہو گئی جو ہاتھ کی صفائی سے جوئے کے بہانہ دوسروں کی جیبیں خالی کرانے کے فن میں مشاق تھا۔ اس نے مجھے شراب کا رسیا بنا کر میرا غم غلط کر دیا۔ ایک مرتبہ جہازی سفر کے دوران میں جبکہ جیمس کشتی میں میرا منتظر تھا۔ ایک حسین و جمیل ایڈنا سے میری ملاقات ہوئی جو گھر سے فرار ہو کر تن تنہا سفر کر رہی تھی۔ میں نے محبت کا رنگ جما کر اپنے فریب کا جال اس پر پھینکا تو وہ جھٹ پھنس گئی۔ اور اپنی خوشی سے میرے ساتھ رہنے کو آمادہ ہو گئی۔ جیمس ایڈنا اور میں پہلے چین گئے اور وہاں کے سب سے بڑے قمار خانہ میں ایک ہی رات میں دو لاکھ ڈالر ہم نے جیت لئے۔ اسکے بعد مانٹی کارلو کے قریب جزائر میں پہنچے اور لاربی کے دامن میں ایک کوٹھی کرائے پر لے کر رہنے لگے شدہ شدہ ایڈنا کی بدولت اچھے اچھے گھرانوں سے ہمارا میل جول ہو گیا۔ اور دعوتوں کے بہانے جوا بھی چلنے لگا۔ لاربی کی سب سے بڑی ٹریجڈی مشہور خاتون مسز ڈابران کی ایڈنا کے ہاتھ سے اتفاقیہ موت اور سنسنی خیز واقعہ مسز وان برل کے بیش قیمت الماس کے سیٹ کی چوری کا تھا۔ اول الذکر کی لاش کو ہم نے اس خوبی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچایا کہ پولیس کو کبھی اصل مجرم کا پتہ نہ لگ سکا اور موخر الذکر کو چوری کا مال خریدنے والے جوہری پیری شٹربن کے ہاتھ فروخت کر کے ہم نے معقول رقم حاصل کر لی تھی۔ ریویرا اور لاربی کے قیام میں ہم میں سے ہر ایک نے کم و بیش ستر ہزار پونڈ کی اندین فصل کاٹی تھی۔ جس سے روپے پیسے کی تنگی کسی کو نہ تھی جیمس آسٹریا چلا گیا اور میں اور ایڈنا جنیوا کو روانہ ہو گئے۔ مگر کچھ عرصے

ایڈنا کو بے خوابی کی شکایت رہنے لگی تھی اور میں رات رات بھر گھر سے غائب رہ کر داد عیش دیا کرتا تھا۔ ایک دن گھر آیا تو ایڈنا کو اسباب سفر باندھے ہوئے بالکل تیار پایا۔ وہ میری آزاد زندگی سے دل برداشتہ اور بیزار ہو کر میکے جا رہی تھی۔ میں نے اسے ریل پر سوار کرا دیا۔ ایڈنا کا آخری خط مجھے پیرس میں ملا جو بند ہو کر آیا تھا۔ وہ شادی کی خواہشمند تھی بشرطیکہ میں اپنی موجودہ طرز زندگی کو خیرباد کہہ کر شریفوں کی طرح رہنے لگوں۔ مگر یہ بات میرے بس کی نہ تھی اس لئے خاموش ہو رہا۔ پیرس میں میڈیم اور موسیو لا ڈینو میرے خاص دوست بن گئے اور میڈیم لا ڈینو کی صحبت میں رہ کر میں نے خوب داد عیش دی۔ ان دنوں ملکی خدمت کا جذبہ زوروں پر تھا میں نے اسی خیال کے زیر اثر اپنا نام بھی بھرتی کرا لیا۔ لگاتار دو تین ہفتوں بلکہ مہینوں مجھ کو فوجی قواعد کی کڑی آزمائش سے گذرنا پڑا اور اسکے بعد میدان جنگ میں بھیج دیا گیا۔ میدان جنگ میں میں نے جو کارہائے نمایاں کئے تھے ان کی بدولت مجھے اعلیٰ فوجی درجہ دیا گیا۔ مگر ماں کے انتقال کی خبر سنکر میں بالکل ہی دل برداشتہ ہو گیا۔ اس لئے چند یوم کی رخصت لے کر میڈیم لا ڈینو کے یہاں اور اینجز چلا گیا۔ وہاں چند دن تو بڑے لطف سے کٹے۔ مگر روانگی سے ایک دن قبل خلاف امید اس کا شوہر واپس آ گیا اور ظالم نے ہمیں خلوت میں محو اختلاط دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا ہمارے تعلقات ہمیشہ کیلئے منقطع ہوئے۔ سنڈہرسٹ کے مقام پر بم پھینکنے کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں دوبارہ میدان جنگ میں بھیجا گیا لیکن کچھ دنوں بعد اسی جگہ وہاں سے زخمی ہو کر عالم بیہوشی میں ہسپتال بھیجا گیا۔ ہسپتال میں کئی دن تک بیمار رہنے کے بعد جب میرے ہوش و حواس ٹھکانے ہوئے تو میں نے کیا دیکھا۔ جو کچھ دیکھا اس کا پہلے پہل آنکھوں کو یقین نہ آیا۔ لیکن دوبارہ آنکھیں مل کر دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں میدان جنگ سے زخمی ہو کر میرے سامنے بستر مرگ پر پڑا تھا۔ اور ایڈنا راہبہ کا لباس زیب تن کئے ہوئے بطور نرس اس کی تیمارداری کر رہی تھی۔ میں شہید کی طرح جان بحق ہو گیا۔ اور میں پھانسی کے تختہ پر لٹکائے جانے کے لئے بچ رہا۔ ایڈنا سے میری ملاقات ہوئی وہ بہت ہی بیمار تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ بقیہ زندگی نیکی کی زندگی اختیار کرونگا۔ بشرطیکہ تم اپنی زندگی کے بقیہ ایام میرے ساتھ رہ کر گذارو مگر اس نے یہ کہتے ہوئے معذوری ظاہر کی کہ اب میرا وجود قوم کی امانت ہے اس لئے کہ میں راہبہ کی زندگی اختیار کر چکی ہوں۔ ۱۹۱۹ء کے موسم گرما میں سیر و سیاحت کر رہا تھا اسی سلسلہ میں ایک حسین و جمیل دوشیزہ جینٹ لیسن کو بطور ملزمہ عدالت سیشن میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بینک کو مختلف ذرائع سے لوٹنے کے الزام میں ایک رد ریا کار کا آلۂ کار بن کر وہ اسی کے ساتھ ماخوذ ہوئی تھی۔ وکیل صفائی نے بڑی دھواں دھار تقریر میں جینٹ کو بے گناہ ثابت کرتے ہوئے مرد کو ہی جرم کے لئے ذمہ دار ٹھہرایا۔ چونکہ جیوری وکیل صفائی کی رائے سے متفق تھی اس لئے عدالت نے مرد کو چار سال قید سخت کا حکم سناتے ہوئے جینٹ کو صاف بری کر دیا۔ جینٹ اب یکہ و تنہا تھی۔ کیونکہ دنیا میں اس کا کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ میں اسے اپنے ہمراہ ہوٹل میں لے آیا۔ باتوں باتوں میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور آل بعد مل کر ایک نیا کاروبار جاری کرنے کی تجویز پختہ کر لی۔ مگر وہ میرے ساتھ اس شرط پر کام کرنے کو تیار تھی کہ ہم دونوں بھائی بہن بن کر رہیں گے۔ جسے میں نے منظور کر لیا۔ ہم بھائی اور بہن کی حیثیت میں امریکہ گئے۔ اور وہاں شہر سنانی کے قریب ایک کوٹھی ہوٹل کے لئے خریدی۔ بادی النظر میں وہ ایک ہوٹل تھا مگر بباطن بدمعاشی اور جرائم کاری کا اڈہ۔ اور اس ہوٹل کی منتظمہ تھی جینٹ لیسن۔ میں بطور (Sleeping Partner) کے تھا۔ شروع شروع میں ہمارا کام خوب چمکا۔ مگر آخرش جب اخبارات ہمارے خلاف لکھنے لگے تو پولیس کو شک ہو گیا۔ اور اس کے بعد ہمیں اپنی آمدنی کا کثیر حصہ پولیس والوں کی نذر کرنا پڑتا تھا۔ (گذشتہ اشاعت سے آگے)

تیسواں (۳۰) باب

رفتہ رفتہ ہمارا جائز کاروبار بدرجہ پڑنا شروع ہو گیا۔ زیادہ تر اس لئے کہ جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا وہ اخبارات جو بیشتر چھپے لفظوں میں چوٹ کیا کرتے تھے اب اپنے الزامات کو زیادہ عریاں الفاظ میں عائد کرنے لگے۔ لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی ضرور کہوں گا کہ ہمارے دوسرے کاروبار میں ترقی ہوتی چلی گئی جینٹ کا یہ قول مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ اخبار والے ہماری برائی کرتے ہوئے درحقیقت ہمارے حق میں بلا قیمت

اشتہار بازی کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ بس اتنا اور ہوا کہ ہمارے نجی بہی کھاتے میں جہاں خرچ کی رقمیں درج ہوتی تھیں پولیس کے نام ایک نئی معقول رقم درج کی جانے لگی۔ لیکن جلد ہی میری طبیعت گناہ کی اس تجارت سے پراگندہ ہونی شروع ہو گئی اور نئے نئے کاموں کے لئے جی بیتاب ہونے لگا اس اثنا میں مجھکو دو مرتبہ انگلستان جانے کا اتفاق ہوا اور اپنے دوسرے سفر میں میں نے بیرے کو موقوف کر کے وہ مکان بھی چھوڑ دیا جو لندن میں کرایہ لے رکھا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس طرح ناحق روپیہ ضائع کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ گو سچ پوچھئے تو اپنی موجودہ مرفہ الحالی میں میرے لئے یہ خرچ کوئی خاص اہمیت نہ رکھتا تھا۔ سفر کے دونوں موقعوں پر میں نے جینٹ پر بہت زور دیا کہ وہ بھی میرے ساتھ چلے لیکن اس کا عذر یہ تھا کہ ہوٹل کا کاروبار خواہ عارضی طور پر ہی سہی کسی دوسرے کی نگرانی میں چھوڑنا اگر خطرناک نہیں تو کم از کم نقصان دہ ضرور ہوگا۔ پس مجھکو دونوں مرتبہ اکیلا ہی جانا پڑا۔

جب میں دوسرے سفر سے واپس آیا تو دیکھا کہ وہ سابق کے مقابلہ میں بڑے پیار و محبت کے ساتھ ملی اور اس نے میرا پُرتپاک خیر مقدم کیا "جیفری" یہ بھولے پن سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی "تمہارے بغیر میرا جی نہیں لگتا تھا جب تم میرے پاس نہیں ہوتے تو دل کی کیفیت کچھ اور ہونے لگتی ہے"

میں نے اُسے کھینچکر سینہ سے لپٹا لیا اور اسکو پُرجوش بوسے دیتے ساتھ ہی مسکراتے ہوئے کہا "یہ بہن بھائی کی محبت سے بہت زیادہ گہری ہے"

"اوہ اگر اسی کو بہن بھائی کی محبت کہتے ہیں" وہ شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی "تو پھر دوسری کیفیت کیسی ہوتی ہوگی؟"

"کیا اُس کا لطف بھی حاصل کرنا چاہتی ہو؟" میں نے اس کی طرف معنی خیز نگاہ ڈال کر پوچھا۔

اور مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اسکے چہرہ کی رنگت گہری سرخ ہو گئی پھر اس نے جلدی سے گفتگو کا مضمون بدل دیا۔ میرے لئے یہ عورت سچ مچ ایک معمہ تھی۔ کوئی شخص سارے حالات کو نہ جانتے ہوئے اگر اس کی صورت دیکھتا تو ضرور یہی کہتا کہ ایسی بھولی معصوم اور پاکباز عورت کے دل میں بدی کا خیال کبھی جاگزین ہی نہیں ہو سکتا۔ ہم نے جو پاپ کی کمائی شروع کر رکھی تھی اس کے لئے میں ہرچند ساری ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈالنا نہیں چاہتا تاہم بھی یہ امر واقعہ ہے کہ اگر وہ تحریک نہ کرتی تو مجھے اس ذریعہ سے دولت کمانے کا خیال کبھی پیدا نہ ہوتا۔ بہر حال میں اس کی ذہنی کیفیتوں پر بحث کرنا نہیں چاہتا اس کام کو کوئی ماہر نفسیات جرم و گناہ بہتر سرانجام دے سکتا ہے۔

مجھکو لندن سے دوسری مرتبہ واپس آئے ایک ہفتہ گذر چکا تھا اور میں اپنے نجی مکان کے کمرہ نشست کی اُس کھڑکی کے پاس کھڑا باہر کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے سامنے ایک وسیع و کشادہ دالان تا حد نگاہ تک پھیلی ہوئی تھی کہ اتنے میں ایک بہت بڑی موٹر دھڑ دھڑاتی ہوئی سامنے سے آتی دکھائی دی۔ شام کا دھندلکا رات کی سیاہی میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا تو بھی اتنا اُجالا ضرور تھا کہ میں نے اُس موٹر کو دیکھتے ہی معلوم کر لیا کہ بڑی فیشن ایبل اور قیمتی سواری ہے۔ جس وقت یہ موٹر صدر دروازہ پر آکر رُکی تو جینٹ بھی وہیں میرے پاس کھڑکی کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی

"کتنی شاندار موٹر ہے!" میں نے بڑبڑانے کے لہجہ میں کہا "جانتی ہو کس کی ہے؟"

وہ ہنسنے لگی پھر چہکتے ہوئے لہجہ میں بولی۔

"یہ ایک بڑے معزز اور شریف آدمی کی ہے" اُس نے کلمات توصیف کو اس طرح منہ سے ادا کیا کہ مجھے ان کے معنے اُلٹے لینے پڑے۔ پھر وہ تشریح کرتے ہوئے کہنے لگی "بہت بڑا پاپی ہے اس کمبخت کو تو یہاں آنے کی بجائے قبرستان کا رُخ کرنا چاہئے تھا"

"کیا بہت سن رسیدہ ہے؟"

"ساٹھ سال سے کم کیا ہوگا۔ باقاعدہ یہاں آتا اور نفیس کھانا کھاتا ہے اسکے علاوہ جب کبھی آئے تو عارضی ضرورت کے لئے ایک دو کمرے بھی کرائے لیا کرتا ہے۔ چونکہ اس کے پاس قارون کے برابر دولت بھری پڑی ہے اس لئے اسے اخراجات کی پروا نہیں"

ایک نیا خیال میرے ذہن میں پیدا ہوا۔

"کیا وہ درحقیقت اتنا ہی مالدار ہے؟" میں نے پُرخیال انداز سے پوچھا۔

وہ میرے منہ کو تکنے لگی پھر بولی "کیا اسکے روپے پر ہاتھ صاف کیا چاہتے ہو؟"

میں مسکرا دیا پھر بولا۔

"یہی خیال میرے دل میں پیدا ہوا تھا بہت مدت گزری جعلسازی کا موقع نہیں ملا اگر میں کسی چیک پر اس کے جعلی دستخط کر سکوں تو غالباً معقول رقم اُڑا لانا دشوار نہ ہوگا"

"مگر اسکی حاجت نہیں ہے" وہ کہنے لگی "اس کی ایک منہ لگی محبوبہ نے مجھکو بتایا تھا کہ وہ اپنا تمام زر نقد مکان کے اندر رکھتا ہے۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ یہ بیوقوف بڈھا عشق و محبت کی کیفیت کے اثر میں خوب باتیں کیا کرتا ہے۔ وہی عورت مجھ سے کہتی تھی کہ وہ کچھ خبطی بھی ہے۔ چونکہ اسکا خیال ہے کہ مالی حالات میں دفعتاً انقلاب ہونے والا ہے اسلئے وہ اپنا روپیہ کاروبار میں لگانے کی بجائے اسی خیال سے گھر میں سنبھال کر

رکھے ہوئے ہے کہ جب ضرورت پیش آئیگی اس سے کام لوں گا مگر میں نہیں جانتی اس میں غلطی ہونے کی کیا بات ہے۔ میں تو اسے الٹا دانشمندی اور دُور اندیشی کا ثبوت خیال کرتی ہوں"۔

میں نے جینیٹ کو شانوں سے پکڑ کر اس کا منہ اپنی طرف گھما لیا پھر کہا۔ "کیوں بھلا اگر ہم اس بڑھے شخص سے نیز چلا کر یہ معلوم کر سکو کہ وہ اپنی دولت کس جگہ چھپا کر رکھتا ہے تو کیا؟"

وہ سوچ سوچ کر بولی "تجویز قابل آزمائش ہے گو میں نہیں جانتی کہ وہ علیحدگی میں اُن امکانات پر غور کر سکے جو تمہارے ذہن میں نہیں آسکتے تاہم کوئی بات نہیں تمہارے کہنے پر عمل کر کے دیکھوں گی اگر اس نے زیادہ ہاتھ پاؤں پھیلائے تو میں بڑی آسانی سے دھتا بتا سکتی ہوں"۔

اسکے چند دن بعد کا ذکر ہے کہ وہ اس کمرہ میں آکر جو میری نشستگاہ کا کام دیتا تھا انداز کسل سے ایک آرام کرسی پر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ "میں نہیں جانتی تھی وہ اتنا گرم مزاج ہے"۔

میں چونکا جوئے ہاتھ سے نظر اٹھاتے ہوئے پوچھا کس کا ذکر کرتی ہو؟"

اس بڈھے مردود ہیپل وائٹ کا۔ جو بڑی بیش بہا دولت رکھتا ہے"۔

"میں سمجھا" میں نے پُر اشتیاق انداز سے سر ہلاتے ہوئے کہا "کیا تم نے اسکی ٹوہ لی"؟

"اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ میں نے ذرا سی دیر کے لئے میٹھی باتیں کی تھیں اور وہ سارے حالات بیان کرنے کو آمادہ ہو گیا۔ لیکن کیا میں تم کو بتاؤں کہ کیسی کیسی تجویزیں اس نابکار نے مجھ کو پیش کی ہیں؟"

اور میں نے دیکھا کہ اسکے خوبصورت چہرہ پر شرم کی سُرخی چھا گئی۔

"بہت گندے خیالات کا آدمی ہے کیا؟"

"گندے! میں تو کہتی ہوں شیطان کا اپنا دوزخ چھوٹے سے پیمانہ پر اس کے سینے میں دہکتا رہتا ہے۔ میں اتفاق سے ہر سال ہونے والی عورت نہیں ہوں مگر اسکے سامنے میں بھی گھبرا گئی اسی سے کچھ اندازہ کر لو"۔

"جینیٹ مجھکو افسوس ہے۔۔۔۔"

"کیا میرے دلریش ہونے کا؟ اس کا خیال نہ کرو مطلب براری منظور تھی سو میں نے کرلی معلوم ہو گیا کہ وہ اپنی دولت مکان ہی کے اندر رکھتا ہے وہ تو مفصل حالات بیان کرنے کو بیتاب تھا تاہم اتنا معلوم ہو گیا کہ نیچے زمین دوز کمرہ ہے کنکریٹ کا بنا ہوا جس میں فولاد کا دروازہ لگا ہے اور پانچ لاکھ ڈالر نقد اسکے اندر جمع ہیں"۔

میرے منہ سے بے اختیار سیٹی کی آواز نکل گئی۔

"جینیٹ تم نے یہ الفاظ کہہ کر واقعی جی کو خوش کر دیا" میں نے کہا۔ "لیکن تم اسے کیونکر پا سکو گے؟" وہ مشتاقانہ کہنے لگی۔

میں نے تھوڑی دیر سوال پہ غور کیا پھر مسکراتے ہوئے کہا۔

"کام دشوار نہیں ہے۔ ذرا اس کو سو جانے دو۔ پھر جب بیاپ اس کے کمرہ میں جاکر کنجیاں نکال لینا یقینی طور پر وہ انہیں اپنے پاس ہی رکھتا ہوگا"۔

"تجویز اچھی ہے لیکن حد درجہ خطرناک" وہ بھویں سکیڑ کر بولی "اس کے باوجود جب ایک کام کرنا ہے تو کرنا ہی پڑے گا"۔ اس نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا "رات کو لیٹنے سے پہلے وہ کوئی شراب ضرور پیا کرتا ہے ہم اسے کچھ اور شامل کر کے بے ہوش کرنے والی بنا دیں گے"۔

"کیا کوئی اس طرح کی چیز تمہارے پاس موجود ہے؟"

"کیوں نہیں، ایسی جگہ میں رہتے ہوئے اس کی ضرورت گاہے بگاہے پڑ جاتی ہے لیکن جلدی اگر تم اس کی کنجیوں سے کام لینا چاہتے ہو تو پھر ڈاک کی رفتار سے چلنا ہوگا جھٹ کنجیاں اٹھائیں سستانی جاکر ڈال نکالے۔ ان کو محفوظ مقام پہ پہنچایا اور بڈھے کے جاگنے سے پہلے پھر کنجیاں وہاں کی وہاں رکھ دیں"۔

"جینیٹ کیا تم سچ مچ خیال کرتی ہو کہ میں یہ کام ایک ہی رات کے عرصہ میں کر سکوں گا؟" میں نے اعتراض کیا۔

"تجویز میں نے ایک طرح تم کو بتا دیا ہے"۔ وہ کہنے لگی "اگر یوں نہیں تو پھر بتاؤ تم کیا تجویز سوچتے ہو؟"

"میری اپنی تجویز تو یہ ہے کہ اسکی کنجیوں کا نقش کسی موم پہ لیکر ویسی ہی کنجیاں بنوالی جائیں"۔ میں نے جواب دیا "اور اسکے بعد کسی ایک رات کو جب وہ یہاں آیا ہوا ہو اور میں اس سے پہلے یہ معلوم کر لوں کہ اس کا مکان کہاں ہے اور وہ اپنی چیزیں کس جگہ رکھتا ہے۔ تو پھر آسانی سے ہاتھ صاف کر لیں گے۔ اس میں کچھ ایسی جلدی نہیں ہے اس کے علاوہ دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم عدم تیاری کی وجہ سے کسی طرح کا خطرہ مول نہیں"۔

"میرے خیال میں تم سچ کہتے ہو۔ جیفری تم کتنے دُور اندیش ہو کہ معاملے کے ہر ایک پہلو کو سوچ لیتے ہو۔ جب تم اس منحوس بڈھے کی دولت سمیٹ لاؤ گے۔ تو مجھکو یہ جان کر بڑی تسکین ہوگی کہ اس نے جو جو باتیں مجھ سے کہی تھیں اُن کا بدلہ لے لیا۔ آہ روسیاہ ابلیس! مجھ سے کہتا تھا میرے ہاں چلو اور میرے پاس رہ کر آرام کی زندگی گذار دو"۔

اس رات وسکی کی ایک بوتل میں معقول آمیز کر کے وہ زہریلی شراب مع ایک گلاس کے ہیپل وائٹ کے کمرہ میں بھیج دی گئی۔ بعد ازاں جب ہر طرف سناٹا چھا گیا تو رات کے آخری پہر میں میں اور جینیٹ دبے پاؤں برآمدہ سے گذر کر اسکے کمرہ کی طرف گئے۔ دونوں کمروں کے دروازے بند تھے لیکن چھوٹے سے فولادی پلاس کی مدد سے میرے لئے اندر لگی ہوئی کنجی کو گھما کر باہر کھینچ لینا بہت مشکل ثابت نہ ہوا ہمیں اس کے فرش زمین پہ اندر کی طرف

گرنے کی آواز سُنائی دی۔ جس کے بعد جینیٹ نے وہ کنجی نکال کر جس کی مدد سے سبھی کمرے کھولے جا سکتے تھے دروازہ کھول دیا۔ اسکے چند ثانئے بعد ہم اندر جاکر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ کسی طرح کی غیر معمولی آواز تو سُنائی نہیں دیتی۔ لیکن ہمیں یہ جان کر خوشی حاصل ہوئی کہ کمرے اندر سونے والے کے سانس لینے کے سوا اور کسی قسم کی آواز نہ آتی تھی۔

میں چپ چاپ آگے بڑھا اور بڑی احتیاط کے ساتھ وہ ٹارچ روشن کی جسے میں اپنے ساتھ لیتا گیا تھا لیکن جلد معلوم ہو گیا کہ کسی غیر معمولی احتیاط کی حاجت نہ تھی۔ بڈھا ہیپل وائٹ بالکل بے ہوش پڑا سوتا تھا اور جب میں نے بستر کے قریب چھوٹی میز پر رکھی ہوئی وسکی کی خالی بوتل کی طرف دیکھا تو اسکی بے ہوشی پر چنداں تعجب بھی نہ ہوا۔ میں نے جلد جلد اس کی جیبوں کی تلاشی لی اور ایک چھوٹا سا کیس نکالا جس میں متعدد کنجیاں رکھی ہوئی تھیں ان کو لے کر میں جب کمرہ نشست میں گیا تو جینیٹ پہلے سے ان کا نقش لینے کے لئے موم کو نرم کئے بیٹھی تھی میں نے سب کنجیوں کے نشان بڑی احتیاط سے حاصل کئے۔ پھر اس بات کا خیال کر کے کہ مصالحہ کسی کے ساتھ لگا نہ رہ جائے۔ کنجیوں کو اُسی احتیاط کے ساتھ کیس کے اندر رکھا اور خوابگاہ میں جا کر جہاں سے اُس کو نکالا تھا وہیں کا وہاں رکھ دیا۔ اس سے فارغ ہو کر میں وسکی کی بوتل اور گلاس جینیٹ کو دکھانے لے گیا۔ اُس نے جب خالی بوتل دیکھی تو اس کی آنکھیں فرطِ حیرت سے چوڑی ہو گئیں اور وہ کسی مدرسہ میں پڑھنے والی لڑکی کی طرح ہی ہی کر کے ہنسنے لگی۔ لیکن جب میں نے پیشانی پر بل ڈال کر کڑی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ تنبیہ پا کر چپ ہو گئی اور اس نے وہ گلاس غسل خانہ میں لیجا کر اس کو احتیاط سے دھو ڈالا۔ ہم اپنے ساتھ وسکی کی آدھی بوتل لیتے آئے تھے کیونکہ ہمارا خیال تھا اس نے زیادہ سے زیادہ اتنی ہی پی ہوگی اور ہم باقی ماندہ نکال کر اسکی جگہ یہ صاف شراب بھر دینگے۔ لیکن اب ایسا کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی تھی پس گلاس کو اچھی طرح صاف کرنے کے بعد ہم نے مل کر وہ شراب پی۔ بلکہ یوں کہنا صحیح ہوگا کہ میں نے اس کو ختم کیا کیونکہ جینیٹ نے بہت ہی کم مقدار پی۔ اس کے بعد ہم نے گلاس اور وہ خالی بوتل جس سے ہم نے صاف شراب نکال کر پی تھی میز پر رکھ دی اور جو بوتل پہلے سے اس جگہ پڑی ہوئی تھی یعنی وہ جس میں سے ہیپل وائٹ نے آمیزش دار شراب نکال کر پی تھی اُسے ہم اپنے ساتھ لے گئے اور کسی علیحدہ مقام پر لے جا کر اُسے توڑ ڈالا۔ رخصت ہونے سے پیشتر جو کنجی گری ہوئی تھی احتیاط سے اُٹھا کر پھر قفل کے اندر ڈال دی دروازہ کو باہر سے بند کر کے پلائیر کی مدد سے کنجی گھمائی اور اُسے مقفل کر دیا۔ اس کے دو منٹ بعد ہم واپس اپنے کمرہ میں جا پہنچے۔ ہمارے کام کا پہلا حصّہ اطمینان بخش طریق پر مکمل ہو گیا تھا۔ لاکھ پر بنے ہوئے کنجیوں کے نشانات کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے مشکوک لہجہ میں کہا "خدا کرے اچھی حالت میں بیدار ہو جائے"۔

جینیٹ پھر ایک بار قہقہہ مار کر ہنسنے لگی اور بولی۔

"کتنی عجیب بات ہے، ظالم سلفونل ملی ہوئی شراب کی پوری بوتل چڑھا گیا"۔

"اب تو خیر ہنستی ہو" میں نے قدرے تلخ لہجہ میں کہا "لیکن اگر اسی حالت میں پڑے پڑے مر گیا تو کیا ہوگا؟"

"ایسا نہ کہو وہ ضرور صحیح وقت پر جاگ جائے گا البتہ دردِ سر کی تکلیف ضرور برداشت کرنا پڑے گی" اور اتنا کہہ کے وہ پھر بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنسنے لگی۔

جینیٹ کا اندازہ آخر کار صحیح ثابت ہوا۔ کیونکہ صبح کو دس بجے کے تھوڑی دیر بعد میں نے ہیپل وائٹ کو اپنی کار پر سوار ہو کر رخصت ہوتے دیکھا۔ اسکے جانے سے پہلے جینیٹ کسی بہانہ سے اس سے ملی تھی بعد ازاں اُس نے مجھکو بتایا کہ کسی طرح کسی خاص بدمزگی اس کو نہیں ہوئی یہ دردِ سر کی شکایت تو بے شک کرتا تھا لیکن ساتھ ہی کہتا تھا کہ بڑے مزے کی وسکی تھی اور مجھے وہ پی کر خوب گہری نیند آئی۔

میں لئے ہوئے نشانات کے مطابق کنجیاں بنوانے دوسرے شہر یعنی بٹنبرگ میں گیا اور جن دنوں وہ تیار ہو رہی تھیں شہر سنسانی میں جاکر کئی بار ہیپل وائٹ کے مکان کا معائنہ دن میں اور رات کو دونوں موقعوں پر کیا شہر کے ایک فیشن ایبل حصہ میں بالکل علیحدہ مقام پر وہ ایک بہت کشادہ لیکن بھیانک سی عمارت تھی ایک گھومتی ہوئی سڑک جس کے دونوں جانب اونچی اونچی باڑ لگی ہوئی تھی مکان تک پہنچاتی تھی اور اس میں مجھ کو یہ خوبی نظر آئی کہ آدمی دوسروں کی نظروں میں پوشیدہ رہ کر سب کام آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ اِدھر اُدھر سے پوچھ کر میں یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ گھر میں تین نوکر ہیں جو مکان کے عقبی حصّہ میں بالاخانہ پر رہتے ہیں ان کے علاوہ ایک شوفر ہے جو گراج میں سکونت رکھتا ہے۔ شروع میں میرا ارادہ کسی نہ کسی بہانہ سے کسی نوکر کے ساتھ گفت و شنید کرنے کا تھا تاکہ اس ذریعہ سے تہ خانہ کا حال معلوم کر سکوں۔ لیکن پھر خیال آیا یہ کارروائی انتہا درجے خطرناک ہوگی۔ میں یہ بات ان نوکروں سے بالا بالا ہی معلوم کر سکتا ہوں اور اس کا تو پختہ یقین تھا کہ جو کنجیاں بنوائی گئی ہیں اُن میں سے کوئی ایک ضرور تہ خانہ کا فولادی دروازہ کھولنے میں کام آتی ہوگی۔

ایک ہفتہ کے بعد میں دوبارہ بٹنبرگ گیا۔ اتنے میں کنجیاں تیار ہو گئی

تھیں اب میرے لئے صرف اس قسم کے موقعہ کا انتظار کرنا باقی تھا کہ بیل پی ایٹ ہمارے ہوٹل میں آئے اور ہم اس پر دستِ شفقت پھیریں۔ میں اگر چاہتا تو اس وقت بھی جب وہ اپنے مکان پر تھا وہاں جا سکتا تھا۔ لیکن خیال آیا یہ عمل اس کی عدم موجودگی میں کیا جائے تو زیادہ محفوظ ہوگا۔ اسکے علاوہ وہ چونکہ باقاعدہ ہمارے ہوٹل میں آتا رہتا تھا اس لئے کسی لمبے انتظار کا اندیشہ بھی نہ تھا چنانچہ تیسرے ہی دن وہ آ پہنچا اور جینیٹ نے یہ خوشخبری مجھے لا کر دی۔

"خیر اب دیکھتے جاؤ۔ اگر کوئی غیر معمولی رکاوٹ پیش نہ آئی تو کل تک انشاء اللہ ہم اور تم پانچ لاکھ ڈالر کی نئی رقم کے مالک بن جائیں گے"۔ میں نے اس سے کہا۔

اسکی خوشنما آنکھوں میں جوش کی چمک پیدا ہو گئی۔

"کیا میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟" اس نے رکتے ہوئے پوچھا۔

مگر میں نے بلا دریغ انکار سر ہلایا اور کہا "میں اکیلا ہی اس کام کو بہتر کر سکوں گا اسکے علاوہ میں نہیں چاہتا تم کسی خطرہ میں مبتلا ہو۔ اگر قسمت نامہربان ہوئی اور میں پکڑا گیا تو کم از کم تمہاری ذات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر رہنی چاہیئے ورنہ بہ کاروبار ہاتھ سے جاتا رہے گا اور ہم دونوں کو بڑے گھر کا مہمان بننا پڑے گا"۔

اس کا خوشنما چہرہ ان الفاظ کو سنکر پیلا پڑ گیا۔ رکتے ہوئے بولی۔

"کیا سچ مچ تمہارا خیال ہے کہ اس قسم کا خطرہ پیش آ سکتا ہے؟"

"میں یہ نہیں کہتا کہ ضرور اسی طرح ہوگا لیکن آدمی کو چاہیئے کہ بہترین حالات کی امید رکھتے ہوئے بدترین احتمالات کے لئے تیار رہے"۔

میں نے ایک چھوٹا سا پستول جیب میں رکھ لیا۔ جس نے میرے لئے سیاہ ریشمی کپڑے کا ایک نقاب بنا دیا تھا اُسے میں نے آلات نقب زنی کے ساتھ جنہیں میں گاہ بگاہ جمع کرتا رہا تھا اور جن کی مدد سے میرے لئے معمولی قسم کے قفل کا کھولنا سہل تھا اپنے ساتھ لے لیا۔ پھر جب آدھی رات ہو گئی تو میں اُسے الوداع کہہ کر رخصت ہونے لگا۔

وہ مجھے رخصت کرتے ہوئے بولی "جعفری میرا حوصلہ ابھی سے پست ہونے لگا ہے۔ ڈرتی ہوں اس کام میں دشواریاں نہ ہوں"۔

"خیر جو ہوگا دیکھا جائے گا"، میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "تاہم میں جس بات کو سمجھنے سے اب تک قاصر رہا ہوں یہ ہے کہ کیوں آج تک کسی نے اس دولت پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

اس نے میرے ہونٹوں کو بوسہ دیا اور اس وقت میں نے اُسے اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔

"کیوں بھلا واپسی پر ہمارے بہن بھائی کے تعلقات میں کسی اصلاح کی گنجائش ہو سکتی ہے یا نہیں؟"

"کیوں نہیں۔ تم جس وقت چاہو میں شادی کرنے کو تیار ہوں"۔ جینیٹ نے گرمجوشی سے جواب دیا۔ "لیکن گو میں تمہارے حوصلہ اور استقلال کی مداح ہوں تو بھی اتنا جان لو کہ جب تک کوئی پادری ہمارے درمیان شادی کی گرہ نہ باندھے۔ اور سب ضروری رسمیں پوری نہ ہو جائیں میں اپنے آپ کو تمہارے حوالہ کرنے کو آمادہ نہیں ہو سکتی"۔

"جینیٹ تم بے حد عجیب عورت ہو۔"

"بیشک میں ایسی ہوں"۔

"اور کیا تم مجھ سے شادی کر لو گی؟"

"میں پہلے ہی اس کا جواب دے چکی ہوں کہ ہاں"

"آخر مجھ سے کس لئے؟"

"اب میں نہیں جانتی کہ اس کا کیا جواب دوں۔ دُنیا بھر کی لڑکیاں کس غرض سے شادی کیا کرتی ہیں؟"

"اس لئے کہ رہنے کو گھر ملے۔ خرچ کرنے کو روپیہ ہو۔ زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے بچے ہوں"۔

"ان میں سے پہلے دو باتوں کو تو چھوڑ دو۔ تیسری البتہ ضرور میرے لئے ذریعہ تحریک ہو سکتی ہے کیونکہ بچوں سے مجھے ایک طرح کی محبت ہے"۔

"تب اسکے معنی یہ ہوئے کہ ہمارے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہوگا۔ کیوں جینیٹ کیا تم مجھے چاہتی ہو؟"

ناگاہ میں نے دیکھا اس کی گردن سے شروع ہو کر سُرخی کی جھلک اوپر کی طرف پھیلنے لگی اور اس کی خوشنما آنکھیں میری آنکھوں کی تاب مقابلہ نہ لا کر نیچے کو جھک گئیں۔ ضبط کی انتہائی کوشش کے باوجود میرا دل بڑے زور کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ راحت کی غیر معمولی کیفیت مجھکو محسوس ہونے لگی تھی۔ یہ حالت تھوڑا عرصہ رہی اس کے بعد گذر گئی اُس نے میری طرف دیکھا اور مُسکرائی ساتھ ہی کہنے لگی۔

"آج رات تم سوالات کی بھرمار کئے جاتے ہو آخر کیوں؟ اچھا جاؤ خدا تمہارا مددگار ہو۔ آج کی مہم سر کر کے آ ؤ گے تو کل ہم عہد و پیمان کریں گے"۔

سنسانی کی طرف جاتے ہوئے میرے خیالات کی رو اس کام کی نسبت جو درپیش تھا جینیٹ پر بہت زیادہ لگی ہوئی تھی۔ صریحاً اُس کو میرے ساتھ محبت تھی۔ اس کا اقرار وہ اپنے منہ سے کر چکی تھی لیکن اس کے باوجود کتنی عجیب بات ہے کہ وہ گناہ کی تجارت کرنے سے دریغ نہ کرتی تھی نہ اُسے باپ کی کمائی سے نفرت تھی۔ نہ اس بات کا خیال اس کے جی کو

پریشان کرتا تھا کہ میں اپنی ہم جنس عورتوں کو مردوں کی خواہشات نفسانی کا شکار بنانے کا ذریعہ ثابت ہو رہی ہوں بارہا مجھ کو خیال آتا کہ اس طرز کی اور کتنی عورتیں اس دنیا میں موجود ہوں گی؟! آخر کار میں اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہوا کہ وہ اپنی قسم کی ایک ہی عورت ہے۔ اسکی ذات ایک معمہ تھی جسے کم از کم میں حل نہ کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی عمر میں ہمیشہ رسم شادی کو حقارت کی نظروں سے دیکھا تھا مگر اب میں بھی کچھ کچھ اس کا قائل ہونے لگا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید جینٹ کے ساتھ کی ہوئی شادی خوشگوار ثابت ہو لیکن جب میرے خیالات کی رو اس مقام پر پہنچی تو گلبرس کی صورت آنکھوں کے سامنے پھر گئی ایک دھواں سا میرے دل سے اوپر کو اٹھا جس نے گلو گرفتگی پیدا کر دی اور تو کچھ نہ ہو سکا میں نے اپنے پاؤں سے رفتار کا آلہ دبا کر موٹر کو تیز تر چلا دیا۔

کار کو ایک علٰحدہ مقام پر چھوڑ کر میں پیدل چلتا ہیپل وائٹ کے مکان پر پہنچا ایک مرتبہ گشت کرنے سے ہی معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص آس پاس موجود نہیں۔ چنانچہ ہر طرح مطمئن ہو کر میں اس روش پر چلنے لگا جس کے اطراف میں اونچی اونچی باڑھ تھی ایک ایک قدم بڑی احتیاط سے اٹھاتا تھا کہ ایسا نہ ہو میرے چلنے سے آہٹ پیدا ہو جائے اور کوئی اسے سن لے آخر بڑی دیر کے بعد میں عمارت کے ایک بغلی حصہ میں جا پہنچا۔ اور وہاں چند منٹ دبک کر کان لگا کر سننے لگا اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر میں نے اپنے ہاتھوں میں اپنے اونی دستانے پہن لئے۔ کسی طرح کی آواز سکوت شب کو قطع نہ کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ اونچا اٹھ کر میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔ مجھ سے کسیقدر اونچائی پر ایک کھڑکی تھی اس کے آگے بڑھے ہوئے چھجے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر میں اونچا اٹھا اور اس چھجے پر پہنچکر بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ کھڑکی اندر سے بند تھی۔ لیکن میں نے اپنے آلات نقب زنی میں سے ایک کی مدد سے کھڑکی کے مختلف حصوں کو اس طریقہ پر دبایا کہ اندر لگی ہوئی چٹخنی کھل گئی۔ اب میرے لئے کھڑکی کھول کر اندر جانا بالکل سہل عمل تھا کسی طرح کی آواز پیدا کئے بغیر میں کمرہ میں داخل ہو گیا اور کھڑکی دوبارہ اسی طرح بند کر گیا۔

اب جو میں نے ٹارچ جلا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ لائبریری میں کھڑا ہوں لیکن مجھے اتنی فرصت کہاں تھی کہ کمرہ کے مختلف حصوں کی دیکھ بھال کرتا میں تو یہ چاہتا تھا کہ جسقدر جلد ممکن ہو تہ خانہ میں پہنچکر پوٹ کا مال حاصل کروں اور چلدوں۔ اس کمرہ سے بے آواز گذر کر میں ایک کشادہ ڈیوڑھی میں داخل ہوا جہاں سے ایک زینہ نیچے کی طرف جاتا تھا۔ میرے پاؤں میں ربڑ کے تلے کے بوٹ تھے جن سے کسی طرح کی آواز پیدا نہ ہوتی لیکن اس پر بھی میں سیڑھیوں سے اترتے ہوئے ہر ایک قدم بڑی احتیاط کے ساتھ اٹھاتا تھا تاکہ لکڑی کے چرچرانے کی آواز پیدا نہ ہو نیچے ایک گذرگاہ نظر آئی جس کے اطراف میں تین یا چار کمرے تھے۔ میں نے ان سب کو دیکھا لیکن جس فولادی دروازہ کی تلاش تھی وہ نہ ملا البتہ اس گذرگاہ کے آخر میں ایک معمولی سا پردہ لٹکا ہوا تھا اس کو ہٹا کر دیکھنے سے ایک بند اور مقفل دروازہ نظر آیا پہلی کوشش ناکام رہی لیکن دوسری کنجی سے جھٹ قفل کھل گیا اور میں نے محسوس کیا اب میں سیدھی راہ پر چل رہا ہوں۔ مزید تصدیق اس طرح ہو گئی کہ مجھے دروازہ کھلنے پر ایک سنگی زینہ نظر آیا ٹارچ کی روشنی میں چلتا میں نیچے اترا جس جگہ سیڑھیاں ختم ہوتی تھیں اس مقام پر ایک اور دروازہ بنا ہوا تھا۔ اب جو غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا وہ فولاد کا دروازہ ہے یہی میری منزل مقصود تھی۔ میرے اور کامیابی کے درمیان یہی ایک دروازہ حائل تھا خیال کے آتے ہی میرا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ اس دروازہ میں کنجیوں کے تین سوراخ بنے تھے میں نے ایک ایک کر کے کنجیاں گھمائیں اور جب باری باری وہ تینوں میں لگ گئیں تو خوشی سے پھولا نہ سما کر میں نے دروازہ کو پیچھے دھکیلا بھاری دروازہ بڑی آہستگی کے ساتھ کھل گیا لیکن اس کے ساتھ ہی برقی گھنٹیوں کے بجنے کی پر شور آواز میرے کانوں میں آنے لگی اتنی پر شور کہ معلوم ہوتا تھا مکان کے ہر حصہ میں ایسی گھنٹیاں لگی ہوئی ہیں طرفہ یہ ہوا کہ وہ دروازہ جو سیڑھیوں کے اوپر بنا ہوا تھا اور جسے کھول کر میں یہاں تک پہنچا تھا ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا اور میں نے ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ یہ بات معلوم کی کہ میری حالت چوہے دان میں پھنسے ہوئے موش بدنصیب سے بہتر نہیں ہے۔

اپنی عمر میں میں نے جو دو فاش غلطیاں کیں ان میں سے پہلی یہ تھی۔ افسوس ساری باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں اس بات کو بالکل ہی فراموش کر گیا کہ اس مقام پر شاید خطرہ کی گھنٹیاں بھی لگی ہوئی ہوں گی۔ (باقی آئندہ)



الغرض زخم نہاں مجھکو دکھانا ہی پڑا
میں کہ خلوت میں بھی ڈرتا تھا سنانا اس کو
کھینچ لایا تجھے پردے سے مرا ذوق نیاز
تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں سے دھڑکتے دل سے

دل کی باتوں کو ترے سامنے لانا ہی پڑا
سر بازار وہی گیت سنانا ہی پڑا
میرے پردے میں تجھے جلوہ دکھانا ہی پڑا
تیرے رخ سے ترے آنچل کو ہٹانا ہی پڑا

(نگار)

"دیارِ محبوب سے واپسی پر"

بیچین ہے پھر میری طبیعت کئی دن سے
ملتی ہی نہیں پھر مجھے راحت کئی دن سے

پھر ڈھونڈھتا ہے دل وہی اک شوخیٔ رعنا
نظروں میں ہے اک جانِ شرارت کئی دن سے

خوابیدہ تمنا میں ہے خاموش سا محشر
پھر قلب میں برپا ہے قیامت کئی دن سے

پھر روتا ہوں چھپ چھپ کے میں تنہائی میں اکثر
پھر مجھکو پسند آتی ہے خلوت کئی دن سے

پھر لب پہ ہے بے مہریٔ محبوب کا شکوہ
پھر مجھکو ہے قسمت کی شکایت کئی دن سے

نظروں میں ہیں گذرے ہوئے وہ عیش کے منظر
دہراتا ہوں ماضی کی حکایت کئی دن سے

آغوشِ تصور میں ہے پھر پیکرِ مبتلا
ہے سامنے وہ چاند سی صورت کئی دن سے

یاد آتے ہیں وہ عارض و رخسار وہ گیسو
نظروں میں ہے اک منظرِ جنت کئی دن سے

پھر دل میں تڑپتی ہیں جوانی کی امنگیں
انگڑائیاں پھر لیتی ہے حسرت کئی دن سے

پھر حسن کے پاؤں پہ ہے سجدے کی تمنا
پھر ڈھونڈھتا ہے دل وہی خلوت کئی دن سے

پھر راز چھپانے کی ہے اک کوشش پیہم
پھر ہے غمِ الفت کی حفاظت کئی دن سے

رہ رہ کے سلگتا ہے جگر آتشِ غم سے
ہے شعلہ فگن سوزِ محبت کئی دن سے

رسوائی کے احساس سے لب کھل نہیں سکتے
رہ جاتی ہے اٹھ اٹھ کے قیامت کئی دن سے

بیکار ہوئی جاتی ہے سب ضبط کی کوشش
آنکھوں کو نہیں رونے سے فرصت کئی دن سے

امید پھر اک کیف سا ہے درد میں شامل
پھر درد میں پاتا ہوں میں لذت کئی دن سے

پھر وہ وقت آیا پھر عورت روئیگی

بیچاری عورت ذات کے ساتھ ہر مہینے کی ملت لگی ہوئی ہے۔ اور اب تو ہندوستان کی اسی فیصدی عورتیں ہر مہینے چار پانچ دن تک دکھی رہتی ہیں۔ کیونکہ ماہواری ایام کی خرابیاں وبا کی طرح عورتوں میں پھیل گئی ہیں۔ شاید ہی کوئی غریب اس ماہواری تکلیف سے بچی ہو۔ ورنہ ہر جس عورت کو دیکھو ماہواری کی بے قاعدگی میں مبتلا ہے۔ کسی کو ماہواری کے دنوں میں بڑی بے چینی کا دورہ ہوکر ایام آتے ہیں۔ کسی کو رک رک کر اور تکلیف دے کر ہوتے ہیں۔ کسی کو بہت زیادہ ہوجاتے ہیں اور کسی عورت کو ایام اسقدر کم ہوتے ہیں کہ وہ بیچاری سارا مہینہ پریشان حالت میں گذارتی ہے۔ کسی کو غشی اور بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔ اور لوگ انہے جن بھوت کا خلل سمجھنے لگتے ہیں۔ غرضیکہ عورت پر یہ چار پانچ دن قیامت کی طرح گذرتے ہیں۔ خصوصاً ایام شروع ہونے کے ایک دن پہلے سے عورت سخت درد اور بے کلی کی تکلیف میں مبتلا ہوجاتی ہے۔

اب ماہواری کی تکلیف نہیں ہوگی

اگر ایسی تکلیف اٹھانے والی عورتیں مہینے کے درد اور تکلیف سے بچنا چاہیں تو اب یہ بات بہت آسان ہوگئی ہے۔ کیونکہ عورت کی ماہواری کی خرابی اور کمی بیشی یا درد وغیرہ کی تکلیف کو بالکل ختم کردینے کیلئے دہلی کے ایڈنازنانہ دواخانہ کی مشہور ایجاد دوا "کورس" کی صرف ایک شیشی ماہواری ایام کو باقاعدہ کر دیتی ہے۔ خواہ ماہواری کی کوئی تکلیف ہو۔ درد اور تکلیف سے کراتے ہوں یا کم آتے ہوں۔ یا رک رک کر آتے ہوں، یا زیادہ ایام آجاتے ہوں، غرض ماہواری کی ہر بے قاعدگی میں دوا "کورس" کا استعمال تیر بہدف بن جاتا ہے۔ اور صرف ایک شیشی کورس استعمال کرنے کے بعد ایام کی تمام خرابیاں اور تکلیفیں قطعی ختم ہوجاتی ہیں۔ اسکے بعد عورت ہر مہینے بغیر کسی درد اور تکلیف کے ایام ماہواری سے ہفتے کیلئے فارغ ہوجاتی ہے۔ کیونکہ دوا کورس کے استعمال کے بعد ایام ماہواری ہر ماہ بغیر تکلیف کے اور بغیر درد کے مقررہ تعداد میں اور مقررہ وقت پر آنے لگتے ہیں۔ دس سال سے دوا کورس کا شاندار تجربہ ہو رہا ہے۔ اور آج تک کبھی ایسا نہ ہوسکا کہ دوا کورس کے ان شاندار اثرات سے کوئی عورت محروم رہی ہو۔

لہذا ایام ماہواری کو بغیر تکلیف کے لانے کے لئے اور ہر مہینہ وقت مقررہ پر لانے کیلئے دوا کورس کی صرف ایک شیشی عورت کو کھلا دیجئے۔ ایک عورت کے ماہواری ایام باقاعدہ کرنے اور درد وغیرہ کی تکلیف کا خاتمہ کرنے کیلئے صرف ایک شیشی کورس کافی ہے۔ استعمال کے بعد ہر ماہ ایام بغیر تکلیف کے ہوجایا کرینگے۔ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۲۴ دہلی** کے پتہ پر ایک خط لکھکر دوا کورس کی ایک شیشی بذریعہ وی پی پارسل منگائی جاسکتی ہے قیمت فی شیشی دو روپے آٹھ آنے (محصول سات آنے)

چار روپے میں بواسیر کا علاج

اور شرطیہ آرام۔ آرام نہ ہو تو قیمت واپس لے لیجئے۔ آج تک ہزاروں نہیں بلکہ سینکڑوں بواسیر کے مریضوں کو تندرست کردیا گیا۔ اگر کسی کو بواسیر کی بیماری ہے خواہ کسی قسم کی ہے صرف ایک شیشی "انکول" دوا منگاکر استعمال کرلے اگر پہلے ہی دن دوا اپنا اثر ثابت نہ کردے تو قیمت واپس۔ ایک شیشی کی قیمت چار روپے (للعہ) ایک شیشی "انکول" کے ساتھ لگانے کی دوا یا ملیم کی شیشی ہمراہ مفت ارسال ہوگی۔ آج ہی ایک خط **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۲۴ دہلی** کے پتہ پر خط لکھکر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ آپکو دوا گھر بیٹھے ملجائے گی۔

۲ تولہ خون

کشمیر کے پہاڑوں میں خدا کی قدرت کا کرشمہ

اگر آپ کے جسم میں خون کی کمی ہے۔ چہرہ زرد ہے، دماغ اور دل کمزور ہیں تو کشمیر کے پہاڑوں سے روزانہ خون منگاکر پینے سے آپ اپنی طاقت بڑھا سکتے ہیں۔ یہ قدرت خداوندی کا عجیب منظر ہے کہ کشمیر کے پہاڑوں میں ایک بوٹی پیدا ہوتی ہے جسے اگر انسان اسقدر تک روزانہ استعمال کرے تو روزانہ اسکے جسم میں ۲ تولہ نیا خون پیدا ہوجاتا ہے۔ اس بوٹی کو سائنس کے مطابق بہترین دوا کی صورت میں تیار کردیا ہے۔ اور اب اس دوا کا نام "معجون کاشمیری" ہے۔ ایک شیشی معجون کاشمیری میں تقریباً ۴۰ خوراک دوا ہوتی ہے اسکی قیمت محض پروپیگنڈا اور شہرت کی غرض سے صرف للعہ چار روپیہ آنے ہے۔ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۲۴ دہلی** کو خط لکھکر بذریعہ وی پی پارسل منگا لیجئے۔ پارسل پر پیارہ آنے محصول ڈاک خرچ ہوگا۔ اگر معجون کاشمیری کی ہر خوراک ۲ تولہ نیا خون جسم میں پیدا نہ کرے تو علی الاعلان قیمت واپس کردی جائیگی۔

اولاد پیدا کرنے کی ترکیب

ایک ہندوستانی ڈاکٹر کا عجیب و غریب کمال

ہندوستان میں ایسے ہزاروں لاکھوں ایسے آدمی ہیں جنکے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے مگر انکے ہاں اولاد نہیں ہوتی اور وہ اولاد کے لئے ہزاروں جتن کرتے ہیں مگر ناکامی ہوتی ہے۔ اس ضرورت کو سائنس والے سالہا سال سے محسوس کر رہے تھے اور اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح کوئی ایسی ایجاد کیجائے جسکے ذریعہ انسان اولاد کی پیدائش پر قابو پاسکے۔ چنانچہ برسوں کی لگاتار کوشش اور تجربہ کے بعد آخرکار سائنس نے ایک کروٹ بدلی اور ان لوگوں کو کامیابی حاصل ہوگئی۔ سائنس کا یہ زندہ کارنامہ کئی سال سے تجربہ کیا جا رہا ہے۔ اور ہر جگہ کامیابی ہوئی ہے۔

اولاد پیدا کرنے کی ترکیب

سائنس کے اصولوں پر ایک خاص دوا تیار ہوئی ہے۔ ہندوستانی زبان میں اس دوا کا نام "محافظ اولاد" ہے۔ اس میں عجیب اثر یہ ہے کہ یہ دوا مسلسل سات رات تک عورت کو کھلائی جاتی ہے۔ ان سات دن میں وہ مرد سے بالکل علیحدہ رہتی ہے۔ ٹھیک آٹھویں رات مرد عورت ہر دو اس پرہیز کو توڑ دیتے ہیں (یعنی عورت مرد ایک جگہ رہتے ہیں) تو اسی رات عورت کو حمل رہ جاتا ہے۔ اور ٹھیک نو مہینے بعد ایک جیتا جاگتا بچہ عورت کی گود میں ہوتا ہے۔ تجربہ کے دوران میں بھی اس عجیب دوا کے بدولت ہزارہا عورتوں کے ہاں اولاد ہونا شروع ہوگئی۔ ایجاد کرنیوالے کو اپنی اس ایجاد پر بڑا فخر ہے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اس نے دنیا کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ لہذا اس اعلان کے ذریعہ اطلاع دیجاتی ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہو، خواہ نہ ہونیکا کوئی سبب ہو اسے چاہیئے کہ مسلسل سات رات تک محافظ اولاد کی ایک ایک خوراک استعمال کرے اور ان سات دن تک مرد سے بالکل علیحدہ رہے اور ٹھیک آٹھویں رات یہ پرہیز توڑ دے تو نو مہینے کے بعد اسکی آرزو پوری ہوجائے گی اور اسکی گود میں یقیناً بچہ ہوگا۔ محافظ اولاد کی ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے اور اس شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے۔ جسے ضرورت ہو **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۱۲۶ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر یہ دوا بذریعہ وی پی پارسل منگالے۔ پارسل پر سات آنے محصول لگے گا۔

عورتکا دودھ بڑھانکی ترکیب

عام طور پر سنا جا رہا ہے کہ اکثر عورتیں اپنی خرابی صحت کے سبب اپنے گود کے بچوں کو دودھ نہیں پلا سکتیں یا انکے دودھ اترتا ہی نہیں یا کم اترتا ہے اور یا اگر اترتا بھی ہے تو وہ تندرست دودھ نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکے پینے سے بچہ ہمیشہ بیمار رہتا ہے۔ پس ایسی عورتوں کی اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے کہ اگر دودھ میں کمی یا کوئی خرابی ہو یا دودھ نہ اترتا ہو تو **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۱۲۶ دہلی** کے پتہ پر خط لکھکر جوہر غذا کی ایک شیشی منگائیں اور استعمال کریں۔ جوہر غذا استعمال کرنے سے دودھ بہت ہی زیادہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ اور بالکل صحیح اور صاف و صحت بخش دودھ اترتا ہے کیونکہ جوہر غذا خالص پھلوں کے جوہر اور قیمتی دواؤں سے تیار کی جاتی ہے۔ اور بچوں کی تندرستی ٹھیک کرنے کیلئے بہت مفید ہے۔ ایک شیشی باوجود اتنے قیمتی اجزا شامل کرنیکے صرف تین روپے آٹھ آنے (۸/۳) کو ملتی ہے۔ اور ڈاکخانہ کے پارسل پر سات آنے کے ٹکٹ لگتے ہیں کل تین روپے پندرہ آنے میں آپ گھر بیٹھے جوہر غذا کی ایک شیشی منگا سکتی ہیں۔

عورت کے زچہ خانہ کی خرابی

بہت دن پریشان کرتی ہے جس عورت کا زچہ خانہ خراب ہوجاتا ہے وہ بیچاری بہت ہی سخت مصیبت میں پھنس جاتی ہے پیٹ بھی بڑھ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر دوا **"ری نی ٹول"** استعمال کر لی جاوے تو زچہ خانہ کی خرابیاں دور ہوجائیں اور پیٹ اصل حالت میں آجائے "ری نی ٹول" بہت مشہور اور موثر دوا ہے بتعداد عورتوں نے استعمال کیا اور فائدہ اٹھایا۔ پیٹ کی حالت ٹھیک ہوگئی اور تندرستی اصل حالت میں آگئی۔ ایک شیشی کی قیمت صرف تین روپے نو آنے محصول ڈاک اس پر (۷/) سات آنے کے خرچ ہوں گے۔

لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۱۲۶ دہلی

جریان

پیشاب کے بعد سفید قطرہ

خطرناک بات

مرد کی خطرناک بیماری

اگر پیشاب کرنے کے بعد یا پیشاب سے پہلے سفید رنگ کا پانی خارج ہو تو یہ بہت خطرناک بات ہے۔ اسے جریان کی بیماری کہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ مرض بڑھ جاتا ہے تو پھر آدمی شادی کے مطلب کا نہیں رہتا۔ اس کی قوت مردمی ختم ہو جاتی ہے۔ اسواسطے جن مردوں کو یہ شکایت ہو یعنی پیشاب کرنے سے پہلے یا پیشاب کے بعد یا مستورات کے قریب جانے سے پیشتر ہی سفید رنگ کی رطوبت خارج ہو جائے یا رات کو سوتے میں احتلام ہو جائے (یعنی خواب ہو جائے) تو اس خطرناک مرض سے غفلت نہ کرنی چاہئے ورنہ ایک دن زندگی کا خاتمہ کر دیگا۔ اگرچہ بعض ڈاکٹر اور حکیم اس مرض کو بہت مشکل بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکے علاج میں کافی روپیہ خرچ ہو گا۔ لیکن یہ انکی بھول ہے۔

جریان کا مرض صرف ایک ہفتہ میں ختم کیا جا سکتا ہے

اور صرف ساڑھے تین روپے خرچ ہونگے۔ دہلی کے مشہور زنانہ دواخانہ کی تیار کردہ دوا "**جوہر اعظم**" اس مرض کے لئے حقیقتاً اکسیر کا کام کرتی ہے۔ ایک شیشی جوہر اعظم سے بڑے بڑے پرانے مریضوں کو تندرستی ہو گئی۔ ۱۹۳۲ء کے انعامی مقابلہ میں بھی یہ دوا اسی طرح اول رہی۔ اور ثابت کر دیا کہ جوہر اعظم جریان کے مرض کا بہترین علاج ہے۔ چنانچہ اسوقت تک آج تک اس دوا پر کوئی الزام نہیں آیا۔ جن لوگوں کو ضرورت ہو وہ

جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پی بکس ۲۴ دہلی کے پتہ پر خط لکھکر جوہر اعظم کی ایک شیشی منگالیں۔ ایک شیشی کی قیمت تین روپے آٹھ آنے ہے۔ پارسل کا محصول کسی ہندوستانی خریدار سے نہیں لیا جاتا۔ البتہ ہندوستان سے باہر منگانیوالوں سے محصول چارج کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ولایتی پارسل پر زیادہ محصول لگتا ہے۔ مگر ہندوستان کے اندر محصول معاف ہے۔ صرف دوا کی قیمت لی جاتی ہے۔ محصول دواخانہ خود ادا کرتا ہے۔

سوزاک کے مریض ہندوستان میں نہیں رہ سکتے

اندازہ کیا جاتا ہے کہ اگر دوا "**گلوزول**" اسی طرح سوزاک کے مریضوں کو تندرست کرتی رہی تو بہت جلد وہ وقت آ رہا ہے جب ہندوستان میں کوئی بھی سوزاک کا مریض نہ مل سکے گا۔ سوزاک نیا ہو یا پرانا ہو ہر حالت میں صرف ایک شیشی دوا "**گلوزول**" سوزاک کے مرض کا پورا طرح خاتمہ کرکے تندرست اور جوان کر دیتی ہے۔ آجتک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی سوزاک کے مریض نے دوا "گلوزول" استعمال کی ہو اور اسے فائدہ نہ پہنچا ہو کیونکہ یہ دوا اپنی تاثیر کے لحاظ سے بیحد عجیب ہے۔ لوگ اسے جادو کی دوا کہنے لگے ہیں۔ سوزاک کے مریضوں کو چاہئے کہ وہ بذریعہ جلد گلوزول

جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پی بکس ۲۴ دہلی کے پتہ پر خط لکھکر دوا گلوزول کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل طلب کرلیں۔ استعمال کرنے کی تمام ہدایات دوا کے ہمراہ ہوتی ہیں۔ ایک شیشی گلوزول کی قیمت صرف دو روپے دس آنے (۲/۱۰) ہے۔ اور اسپر ساڑھے آنے محصول لگتا ہے۔

عورت کا سینہ

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض نوجوان عورتوں کا سینہ یعنی پستان بچوں کو زیادہ دودھ پلانے کے سبب نیچے کو ڈھلک جاتے ہیں اور انکی نرمی پیدا ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے عورت کا چہرہ تو کسی قدر جوان معلوم ہوتا ہے لیکن سینہ یعنی پستان ضعیف اور ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ اس خطرناک حالت کو دیکھ کر خود مرد بھی عورت سے متنفر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف عورت کی جوانی اور حسن سے محبت کرتا ہے۔ اور جب عورت کا سینہ ڈھیلا اور نرم ہو جاتا ہے تو وہ بدصورت نظر آتی ہے۔ اسلئے نفرت کرنے لگتا ہے۔ لہذا عورتوں کو چاہئے کہ وہ یہ خرابی فوراً دور کریں اور اپنے سینہ کو خراب نہ ہونے دیں۔ اسکی بہت آسان ترکیب یہ ہے کہ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۲۴ دہلی** کے پتہ پر خط لکھکر ایک شیشی دوا "پستینہ" منگالیں اور اسے بتائی ہوئی ترکیب کے مطابق استعمال کرلیں۔ ڈھلکا ہوا اور نرم سینہ پھر ٹھیک ہو جائیگا۔ پستان گول اور سخت ہو جائینگے۔ بہت مجرب دوا ہے۔ نیچے کو گرے ہوئے پستان کو سخت اور دوبارہ گول کرنے کیلئے یہ دوا فوراً استعمال کرنی چاہئے۔ ایک شیشی کی قیمت چار روپے پندرہ آنے ہے اور اسپر سات آنے محصول لگتا ہے۔ بذریعہ وی۔ پی منگا لیجئے۔ اس دوا کے استعمال سے دودھ پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔

دُنیا جہان کی دلچسپ اور سائنٹفک خبریں!

دہلی کی رہنے والی علم الارواح کے ایک ماہر خاتون کا دعویٰ ہے کہ وہ روحوں سے بات چیت کرا سکتی ہیں، چنانچہ ایک مرد کو اس کی مرحوم بیوی کی روح نے کہا "بچوں کو مٹھائی نہ دیا کرو یہ بہت بُری بات ہے"

فرانس میں سگار پینے کے بڑے بڑے ماہر ہیں، ایک ماہر کا بیان ہے کہ اس نے ایک سگار کو دو گھنٹے بارہ منٹ تک سُلگائے رکھا، بلگیریا کا ایک شخص جارج مذلوف کا بیان ہے کہ وہ ایک مرتبہ متواتر چودہ گھنٹے تک سگریٹ پیتا رہا۔ اور اس دوران میں ۱۴۴ سگریٹ پھونک دیئے۔

نیویارک کی نمائش میں آج کل نہایت عجیب قسم کی چیزیں دکھائی جا رہی ہیں، اس نمائش میں ایک ریلوے گارڈ اپنا ان کے بالوں پر نام لکھتا ہے۔ اس سے پہلے اس نے ایک چاول کے دانہ پر چودہ ہزار حروف بھی لکھے تھے۔

لنڈن کے ایک سائنسدان نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ کتوں کو رنگ کا احساس نہیں ہوتا پھر گہرے نیلے رنگ پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ لیکن ارغوانی سیاہ اور بھورے رنگ کے نزدیک تک نہیں پھٹکتے،

جاپان میں نازک کام کرنے کے لئے مصور برش کا کام اپنے ناخنوں سے لیتے ہیں، اور اس غرض کے لئے اپنے ناخن خاص طور پر پالتے ہیں، بعض حالات میں یہ ناخن ڈیڑھ فٹ سے کم نہیں ہوتے، ناخنوں کو رنگ میں ڈبو کر نہایت لطیف خطوط بھی کھینچے جا سکتے ہیں۔

مسٹر جے آر ہیلیر نے ایک کوکو موٹو انجن تیار کیا ہے، جو اگرچہ پرانی نوعیت کا ہے۔ لیکن دس بارہ ڈبے پچاس میل کی رفتار سے کھینچ سکتا ہے، اس پر کل چار پونڈ یا تقریباً ۵۳ روپے خرچ آئے ہیں۔

مانٹریال کا ایک شخص بھرے بازار میں ننگا دھڑنگا بھاگتا ہوا گرفتار کر لیا گیا جب سپاہی نے اسے اپنی حراست میں لیا تو وہ پکار اُٹھا ــــ مجھے چھوڑ دو، میں ننھے خوبصورت فرشتے کا تعاقب کر رہا ہوں" اس شخص کا نام پلاٹیر تھا عدالت میں اسے کپڑے پہنانے کی کوشش کی گئی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور ننھے فرشتے کے تعاقب میں جانے پر ہی اصرار کرتا رہا۔

ہالینڈ کی ایک فرم نے ایک ایسی عمارت تعمیر کی ہے جس کے دروازے قریب جانے سے خود بخود کھل جاتے ہیں، اور کمرہ میں پہنچتے ہی خود بخود بند ہو جاتے ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ دروازوں میں بجلی کا ایک پُرزہ لگا ہوا ہے جو آنے جانے والے کے بوجھ سے خود بخود حرکت کرتا ہے۔

مشہور سائنسدان ڈاکٹر اسپنسر نے اعلان کیا ہے کہ آج کل مریخ ستارہ کرۂ ارض کے بہت قریب آ پہنچا ہے، اور اب شاید ۱۹۵۶ء تک اتنا قریب نہ آئے، مریخ کے متعلق اب تک جو حیرت انگیز اسرار منکشف ہو چکے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ وہاں بھی موسموں کی ترتیب قریباً وہی ہے جو زمین پر ہے، وہاں نباتات بھی بکثرت پائی جاتی ہے، لیکن تاحال یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اسکی نوعیت کیا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک مریخ میں نہریں بھی موجود ہیں جن میں سے ایک نہر کا طول تین ہزار میل کے قریب ہے، یہ نہریں یقیناً ماہرین فن کی بنائی ہوئی ہیں، مریخ کی ہوا بہت لطیف ہے، اس میں زمینی لوگ زندہ نہیں رہ سکتے، وہاں کشش ثقل بھی بہت کم ہے، یعنی جس چیز کا وزن زمین پر بارہ من ہوگا۔ اس کا وزن مریخ پر صرف چار من رہ جائے گا۔

نیو برنسں وِک کے ایک صاحب مسٹر برس کے پاس ایک کتا ہے جو گنتی اور جمع تفریق بخوبی کر لیتا ہے، اگر اس سے پوچھا جائے کہ چار اور تین کتنے ہوئے تو وہ سات مرتبہ بھونکتا ہے، اگر اس سے پوچھا جائے کہ چھ میں سے دو نکل گئے تو باقی کتنے بچے، تو وہ چار مرتبہ بھونکتا ہے اگر تاش کے پتے پھیلا کر اسے حکم دیا جائے کہ پان کا نہلا اُٹھا لاؤ تو وہ اس حکم کی تعمیل فی الفور کر دیتا ہے۔

یورپ میں ایک سائنس دان نے شاہ بلوط کے خوشوں سے یا بالفاظ دیگر

... کوبی سے روئی تیار کرنے کا طریقہ دریافت کرلیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ شاہ بلوط کا درخت کاٹ کر اس کے خوشوں کو کوٹ کوٹ کر باریک کرلیا جاتا ہے، پھر اسے بھاپ کے ذریعہ سے اتنا نرم کرلیا جاتا ہے کہ اس کی روئی بن سکے، ان خوشوں سے جو تیار ہوتی ہے، وہ عام روئی کے مقابلہ میں بہت نفیس اور نرم ہوتی ہے۔

ماؤنٹ ولسن (امریکہ) کی رصدگاہ میں ایک دوربین نصب کی گئی ہے جس نے انسان کی حدنگاہ میں ڈھائی لاکھ گنا اضافہ کردیا ہے، یعنی اگر انسانی نگاہ آسمان کی طرف ایک میل جاسکتی تھی۔ تو اس دوربین کے ذریعہ سے ڈھائی لاکھ میل تک جاسکتی ہے۔ چند ماہرین انسانوں نے اب ایک ایسی دوربین تیار کرنے کا ارادہ کیا ہے جس کے ذریعہ سے انسان کی حدنگاہ میں چھ لاکھ چالیس ہزار گنا کا اضافہ ہوجائے گا، ماؤنٹ ولسن کی رصدگاہ کے ڈائرکٹر نے اندازہ لگایا ہے کہ اس دوربین سے ایک موم بتی کی روشنی دس ہزار میل سے نظر آسکے گی اور چاند پر کی ہر چیز جو تیس چالیس فٹ قطر رکھتی ہو دکھائی دے سکے گی۔

امریکہ میں ایک ایسی ڈاک خانہ تیار کیا گیا ہے، جس کو میلومات کہتے ہیں اس میں اگر لفافے اور کارڈ ڈال دیئے جائیں تو ڈاک پر وہ رقم سامنے آجاتی ہے جو ٹکٹوں کے لئے ضروری ہے۔ یہ رقم ڈالنے سے تمام خطوط پر مناسب ٹکٹ خودبخود چپک جاتے ہیں، ڈاک خانے والوں کو اس طریق سے بہت آسانی ہوگئی ہے، کیونکہ انہیں ہر خط کا علیحدہ علیحدہ محاسبہ نہیں کرنا پڑتا، یہ مشین نیویارک میں لگائی گئی ہے۔ اور اب خیال ہے کہ تمام شہروں میں اس کا استعمال کیا جائے۔

... سنگھالی میں ایک نرس نے ایک چھوٹی مریض کے منہ میں تھرمامیٹر ڈالا لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ بچی اسے مزیدار مٹھائی سمجھ کر نگل گیا، نرس نے اسے دوسرا تھرمامیٹر دیا لیکن بچی وہ بھی نگل گیا، آخر ڈاکٹر کو بلاکر ...

"بہارِ حسن چمن بنکے مسکراتا جا"



از جناب
نصیر مالیگانوی

مرے حبیب "کبھی اس طرف بھی آتا جا — "غریب خانہ کی رونق ذرا بڑھاتا جا
ادائے حسن تبسم، ذرا دکھاتا جا — نسیم لطف" سے دل کی کلی کھلاتا جا
فروغ حسن کو پھر زحمت تجلی دے — "مذاقِ حوصلۂ دید" آزماتا جا
نقاب اٹھائے کسی دن "جمال رنگیں" سے — فضائے دہر کو "خلد نظر" بناتا جا
تجلی رخ پرنور کی قسم تجھکو — مری حیات کی راتوں کو جگمگاتا جا
قسم ہے تجھکو محبت کے "عہد رنگیں" کی — جہان عشق کی سرمستیاں بڑھاتا جا
جگر کو سوز محبت سے آشنا کردے — حریم قلب میں شمع وفا جلاتا جا
نوید وصل دے اس غم نصیب دل کو مرے — رلا چکا ہے بہت اب ذرا ہنساتا جا
عطا ہو "دعوت نظارۂ جمال حسیں" — نگاہ شوق کی تشنہ لبی بجھاتا جا
خرام ناز کی تکلیف کچھ گوارا کر — غریب قسمت خوابیدہ کو جگاتا جا
لبوں میں معجزۂ نطق دلبری لے کر — بہار زندگی جاوداں لٹاتا جا
ادائے شانۂ نازک، یہ زلف بکھرا کر — مشام روح کو خوشبوؤں سے بساتا جا
"نگار حسن" کی رعنائیوں کو پھیلا کر — تجلیوں سے در و بام کو ہنساتا جا
فلک پہ کیف سے "زہرہ" بھی جھوم اٹھے سنکر — محبتوں کے وہ "رنگین گیت" گاتا جا
کبھی تو ابر کرم کے لطیف چھینٹوں سے — مری امید کی کھیتی کو لہلہاتا جا
ابھی کہ غنچۂ دل، میرا ناشگفتہ ہے — بہار حسن چمن، بنکے مسکراتا جا
اٹھاؤں آنکھ جدھر تو ہی تو نظر آئے — دل و نگاہ میں کچھ اس طرح سماتا جا
ملے تو مل کے نہ ہو پھر جدا "حبیب" مرے — یہ کوششوں کو ٹھکانے مری لگاتا جا
نصیر کس لئے محروم التفات رہے — اسے بھی "بندۂ مہر و وفا" بناتا جا

عصمت کی قربانگاہ پر

سپاہی کی بیوی نے اپنی عصمت پر اکلوتے بچہ کو قربان کردیا

"میں آج ایک قیدی کو شاہ پور بڑے جیل خانے پہنچانے جا رہا ہوں"
حبیب نے اپنے ملازمت کی آخری پیٹی کو خوبصورتی سے لپیٹتے ہوئے کہا۔
حسن آرا نے جو اسوقت بچے کی قمیض سی رہی تھی بالوں کے خزیلٹ کو سر کی جنبش سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے دریافت کیا۔

"اور واپسی"

حبیب نے "یہی تین چار روز میں" کہتے ہوئے ننھے معصوم کو چارپائی پہ سے گود میں اٹھایا۔ جی بھر کے پیار کیا۔ اور حسن آرا کو دیتے ہوئے بولا۔
تو اسے سنبھالو۔ اب میں جاتا ہوں۔ حفیظ سے کہہ دیا ہے وہ صبح شام آکر سودے سلف کیلئے پوچھ جایا کریگا۔"

"حفیظ کو !!" بیوی نے متوحش ہوکر دریافت کیا۔
"ہاں ... وہ خبر لینے آجایا کریگا، تم کسی بات سے مت گھبرانا۔ انشاءاللہ جلدی ہی لوٹوں گا۔"

حبیب نے ایک وداعی بوسہ لیا۔ اور تشفی آمیز الفاظ کہتا ہوا چلا گیا۔ حسن آرا کی نگاہیں حبیب کے تعاقب میں دروازے کے باہر تک گئیں اور خوف و ہراس کے بوجھ کو ساتھ لئے واپس لوٹیں۔

حسن آرا کو آج پہلی مرتبہ اپنا دل سینے میں بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ ایک نامعلوم دھڑکن سی پیدا ہوگئی۔ دماغ متعدد اقسام کے ہولناک خیالات کی آماجگاہ بن گیا ..... حفیظ .... انسان کے بھیس میں شیطان۔ آخر یہ اتنے بھولے کیوں واقع ہوئے ہیں۔ کیا انہوں نے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ وہ جب یہاں آتا ہے مجھے کن نظروں سے گھورا کرتا ہے۔؟ ... اب اگر وہ مجھے اکیلا دیکھ کر بے وقت آگیا .... تو .....؟

اس روح فرسا موقع کے تصور سے اس کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

علاقہ سندھ میں میر نگر کا تھانہ بستی سے تین فرلانگ پر تھا۔ حبیب اور حفیظ اسی تھانے کے دو سپاہی تھے۔ دوستی یک جان دو قالب کے مصداق تھی حبیب تنومند بھولا اور نیک سیرت۔ حفیظ بظاہر پارسا مگر بباطن وہ پلے درجے کا اوباش اور شقی القلب تھا۔ اس نے اپنی یارانہ چرب زبانی سے حبیب پر یہ کبھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ دوستانہ ایثار کے پردے میں اس کی کچھ بہیمانہ تمنائیں مضمر ہیں۔ بھولے حبیب نے حفیظ کی میٹھی میٹھی باتوں کو بے لوث محبت پر محمول کیا۔ حبیب نے اپنی بیوی کو "بھائی سے کیا پردہ" کہہ کر سامنے آنے پر مجبور کیا۔

حفیظ چونکہ نا کتخدا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی دوستی کی آڑ میں حبیب کی بیوی پر محبت کے ڈورے ڈالنا چاہے۔ حبیب کی سادہ لوحی نے حفیظ کیلئے اور بھی راستہ صاف کردیا۔

حسن آرا اسم بامسمیٰ ایک حسن کی پتلی تھی۔ حسن سیرت تو گویا مبدأ فیاض نے اسی کے حصے میں رکھا تھا۔ معصوم ڈیڑھ سالہ پھول سا بچہ گودی میں تھا۔ بچہ اسقدر تندرست تھا کہ دیکھنے میں عمر دوگنی نظر آتی تھی۔ حسن آرا اور حبیب ایک فردوسی زندگی بسر کر رہے تھے۔

کوارٹروں میں کافی گنجائش و سہولیت نہ ہونے کی وجہ سے حبیب نے گو بستی سے علیحدہ مگر تھانے سے نزدیک تر ایک کچا مکان کرائے پر لے لیا تھا۔ مکان کی وسعت ایک کوٹھے صحن اور دہلیز پر مشتمل تھی۔ صحن کی دیواریں کچی چکنی مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔ مگر اسقدر بلند تھیں کہ کوئی شخص کسی صورت سے پھاند کر نہیں آسکتا تھا۔

الامان آفتاب کی آتش فشانیاں ابر باراں کے ایک چھینٹے کو دنیا ترس رہی تھی کھیت جنکو کبھی اپنی سبز خلعت پر ناز تھا۔ جن کے لاجوردی پودوں کی بالیوں پر متوالی چڑیاں جھولا جھولا کرتی تھیں۔ جنکے لہراتے پتوں سے ہوا شوخیاں کرتی ہوئی راگ الاپا کرتی تھی۔ اب وہ موج سراب سے قطرہ آب کے خواہاں تھے۔ تمام کسان بستی چھوڑ چھوڑ کر جس کے جدھر کو سینگ سمائے چلے گئے تھے۔ قحط سالی نے بستی پر وحشت اور ویرانیت مسلط کردی تھی۔

حبیب کو گئے ہوئے آج تین روز گذر چکے تھے۔ رات کے تین کا عمل تھا۔ چاند

کی ضیا پاش کرنیں ریت کے سیمیں ذرّوں پر رقص کناں تھیں۔ ہوا قصبہ کی زبوں حالی پر ہلکی ہلکی سرد آہیں بھر رہی تھی۔ حسن آرا شاید اپنے محبوب کے تصور میں ننھے کو سینے سے لگائے محوِ خواب تھی۔

"کھٹ۔ کھٹ۔ کھٹ۔ کھٹ"

ایک دستک نے حسن آرا کو چونکا دیا۔ مگر شوہر کے لوٹ آنے کے خیال نے اس کے تردّد کو تسلی میں تبدیل کر دیا۔ وہ مسرورانہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی اور اپنے خیال میں مگن دروازہ کھول کر واپس چارپائی پر آ لیٹی۔

"بہت دن لگا دیئے" حسن آرا نے جمائی لیتے ہوئے پوچھا۔ اس کے کان کسی کی محبت بھری آواز سننے کے منتظر تھے مگر اسے کوئی جواب نہ ملا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا تو چاند کی روشنی میں حفیظ کھڑا مسکرا رہا ہے۔ ایک تیز اور چمکدار کلہاڑی اس کے ہاتھ میں تھی۔

جیب کی روانگی کے وقت جن خیالات نے اسے لرزہ براندام کیا تھا وہی اب اپنے اصلی روپ میں حفیظ کے مجسمہ میں سامنے موجود تھے۔

حسن آرا کا کلیجہ دھک سے رہ گیا خون رگوں میں جمتا ہوا معلوم دیا بمشکل حواس درست کرتے ہوئے بولی۔

"بھائی تم اسوقت"؟

حفیظ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ حسن آرا کے چہرے پر نظر جمائے کھڑا مسکراتا رہا۔ اس کی نیم وا آنکھیں اس کا چہرہ اس کے ارادے کے ترجمان تھے۔

خوف و سراسیمگی کی کئی کیفیتیں حسن آرا پر آئیں اور گئیں وہ حفیظ کا مقصد بخوبی سمجھ چکی تھی۔

"یا اللہ۔ اب تو تو ہی میری عزت و آبرو کا رکھوالا ہے" ایک نحیف آواز میں یہ الفاظ حسن آرا کے منہ سے نکل گئے۔

حفیظ اس عرصہ میں اس کی چارپائی کے قریب آ چکا تھا۔

"کہو بھائی۔ اسوقت کیسے آنا ہوا؟" حسن آرا نے خود کو سنبھالتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

حفیظ نے اس بات کا جواب ایک معنی خیز مسکراہٹ سے دیا۔ اور چارپائی پر بیٹھ کر اپنے بازو حسن آرا کی گردن میں حمائل کرنا چاہیے۔

مگر حسن آرا نے ایک برقی دھکے سے اس کے ہاتھوں کو علیحدہ کرتے ہوئے کہا

"دور ہو بدمعاش شرم نہیں آتی اپنی بہن کی عزت پر ہاتھ ڈالتے ہوئے"

"ہا۔ ہا۔ ہا" حفیظ نے ایک قہقہہ لگایا "خوب! حسن آرا تمہیں غلط فہمی ہوئی شرم تو اسی روز محبت میں تبدیل ہو چکی جس روز ان آنکھوں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ تمہیں کیا معلوم کہ اسدن سے میں کس حسین کشمکش میں مبتلا ہوں۔ اپنے سینے کی مچلتی ہوئی تمناؤں کو تم تک پہنچانے کا موقع نہ ملا .... کاش میں سینہ چیر کر دکھا سکتا۔ کہ تمہاری محبت نے میرے دل پر کیا ستم ڈھایا ہے .... پیاری .... ملکہ دل ...."

"خاموش۔ بدذات۔ اب آگے ایک لفظ نہ کہنا۔ ورنہ زبان کھینچ لونگی۔ ایک کمزور اور تنہا عورت کو دیکھ کر اس کی آبرو کا لاگو ہوا ہے بزدل۔ ایسا ہی مرد کا بچہ تھا۔ تو ان کے سامنے کیوں نہیں آیا۔ تب معلوم ہو جاتا کہ تمہاری اماں نے کتنا دودھ پلایا ہے .... "

حفیظ کے دل میں شیطانی جذبہ بدرجہ اتم کارفرما ہو چکا تھا "چھوٹا منہ اور بڑی بات" اس نے ایک ہلکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا ... پیاری"

"بس۔ چلا جا یہاں سے بے ایمان۔ ورنہ شور مچا کر ......"

"فضول باتیں نہ بناؤ حسن آرا" حفیظ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "کان کھول کر سن لو۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اگر تم میری ہونا منظور کرتی ہو تو تمہیں منہ مانگی چیز لا کر دونگا۔ تمہارا بے دام غلام بن جاؤں گا .... ورنہ اس کلہاڑی سے ابھی تم دونوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہیں گاڑ دونگا بولو۔ کونسی بات منظور ہے میری آغوش الفت یا آغوشِ موت ...."

ایک لمحہ کیلئے حسن آرا کی روح کو جھٹکا لگا۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ دماغ معطل ہو گیا۔ وہ ایک وقفہ کیلئے خاموشی سے آسمان کی طرف نظر جمائے رہی۔ کچھ سوچا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

"اچھا .. منظور ہے"

حفیظ کی کامیابی کے تصور سے باچھیں کھل گئیں اس نے جھک کر حسن آرا کے لبوں پر مہرِ الفت ثبت کرنا چاہی۔ مگر حسن آرا نے ایک کافرادا سے اس کے منہ کو ہٹاتے ہوئے نقرئی آواز میں کہا۔

"ٹھہرو پیارے میں ننھے کو ذرا علیحدہ سلا دوں" اٹھاتے وقت حفیظ سے پوشیدہ حسن آرا نے بچے کے زور سے چٹکی لی بچہ تکلیف سے بلبلا اٹھا۔

"مرے کم بخت تجھے بھی اسی وقت پاخانہ آنا تھا .... میں تو اس کی بیہودہ عادتوں سے عاجز آگئی ہوں۔ اس کے ابا نے علیحدہ اس کے مزاج بگاڑ رکھے ہیں" حسن آرا نے اٹھا کر بچے کو پاخانہ پھرانے کے بہانے سے پیروں پر بٹھا لیا۔ اور لمحہ بہ لمحہ چٹکیاں لے لیکر بچے کو برابر رلاتی رہی۔ پھر حفیظ کی طرف مخاطب ہوئی۔

"دیکھی اس کی ضد یہ ہرگز ہرگز پاخانے نہیں پھرنے کا۔ جب تک اسے مکان کے باہر نہ لے جاؤ۔ بس یونہی رو رو کر طوفان مچاتے جائیگا۔ آپ ذرا ٹھہریں۔ میں اسے پاخانے پھرا لاؤں ....؟" حسن آرا کہتی ہوئی اٹھنے لگی۔ مگر حفیظ نے بازو پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"اُسے مجھے دو - لاؤ - میں باہر سے جاتا ہوں" ———

"آپ تم کاہےکو تکلیف ....." ———

"اجی تکلیف کاہے کی - تمہاری خاطر تو" .... حفیظ نے بات کاٹتے ہوئے ذرا مستعدی دکھائی اور بچے کو گود میں اٹھا کر باہر لے گیا حسن آرا بھی پاس رکھا ہوا - پانی کا لوٹا اٹھا کر پیچھے پیچھے ہولی - حفیظ کے باہر قدم رکھتے ہی حسن آرا نے جھٹ دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی ..... ———

"ہم م م - یہ چالبازی" حفیظ نے پشیمانی و غصے کے مخلوط جذبے کے تحت کہا - بہت دانت و پیسے مگر وقت نکل چکا تھا -

حسن آرا "بدمعاش - مجھے تنہا دیکھ کر میری آبروریزی کرنے آیا تھا تیرا خدا ستیاناس کرے -" ———

حفیظ "مگر اس کا نتیجہ معلوم ہے ؟ بچے کو رو دو گی -"

حسن آرا "کچھ پروا نہیں - ایسے کئی بچے اپنی آبرو پر نثار کر کے پھینک دوں"

حفیظ ——— "اچھا دیکھوں گا" ———

حسن آرا دروازے سے پیٹھ لگائے کھڑی تھی - بچے کی دلخراش چیخیں کانوں کی راہ اتر کر اس کی رہی سہی طاقت و حوصلہ بھی سلب کئے دے رہی تھیں - وہ کواڑوں سے کان لگائے حفیظ کی نقل و حرکت کو سننے کی کوشش کرنے لگی - ———

ماہتاب بھی ہونے والے خون آشام منظر کی تاب نہ لا کر قبل از وقت مغرب میں روپوش ہو رہا تھا - معصوم کی آواز ایک آخری سامعہ خراش چیخ کے بعد خاموش ہو گئی - ———

حسن آرا نے بڑے احتیاط سے دروازہ بند کر کے اندر آنے کیلئے صحن میں قدم رکھا ہی تھا - کہ دھڑام سے بچے کی لاش آ کر گری - "ہائے - میرے لال" کہتے ہوئے اس نے بچے کی لاش کو سینے سے چمٹا لیا - سر سینہ ہاتھ - پیر - تمام جسم کو ٹٹولا - سب بجھ رہے تھے گردن لٹکی ہوئی - کلیجے کی ٹھنڈک مجسم ٹھنڈک بن چکی تھی - اس کی روح ماتم نوا ہو گئی - ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا - اور ایک آہ کے ساتھ غش کھا کر گر پڑی - ———

آدھ گھنٹے کے بعد جب اُسے کچھ ہوش آیا - تو اُس نے دیکھا - کہ کسی نے صحن کی دیوار کھود کر اس میں ایک سوراخ کر دیا ہے - اور اُسے جلدی جلدی کشادہ کر کے اندر آنے کی کوشش کر رہا ہے -

حفیظ کے خیال نے اسکے خون میں ایک برقی قوت پیدا کر دی - زخمی شیرنی کی طرح جست لے کر اٹھی اور حفیظ کی پڑی ہوئی کلہاڑی اٹھا کر سوراخ کے پاس دیوار سے پشت لگا کر خاموش کھڑی ہو گئی -

"میں بھی دیکھتا ہوں - اب وہ کس طرح بچ سکتی ہے" حسن آرا نے یہ الفاظ سنے - اُسے یقین ہو گیا - کہ یہ حفیظ ہی ہے - اس نے کلہاڑی اور مضبوط پکڑ کر کاندھے پر رکھ لی - ———

سوراخ کافی کشادہ ہو جانے پر وہ شخص سر کے بل بے دھڑک اندر گھسا ادھر حسن آرا نے پوری قوت کیساتھ جو بھرپور ہاتھ دیا ہے - تو ایک فلک شگاف چیخ کے ساتھ وہ شخص سوراخ میں ہی پھنس کر رہ گیا -

خون آشام حسن آرا نے لاش کو اندر گھسیٹا - ———

"خون کے بدلے خون - جان کے عوض جان" ..... "اب بول .... اب .... میرے بچے کو میرے لال کو ....." اس نے اپنی رٹ کے ساتھ جوش انتقام میں لاش پر اسقدر وار کئے - کہ قیمہ سا بن گیا - اس نے سر جدا کر کے باہر دروازہ پر لٹکا دیا - تاکہ اس کا شوہر واپسی پر اپنے جگری دوست کا انجام دیکھ لے اور لاش کو باہر ٹیلے پر گیدڑوں کی غذا بننے پھینک آئی ———

حسن آرا اپنے آپے میں نہ تھی - وہ ایک انتقامی جذبے کے تحت کلہاڑی ہاتھ میں لئے دیوانہ وار صحن میں چکر لگانے لگی - بپھری ناگن کی پھنکار کی طرح تیز تیز سانس اسکے نتھنوں سے نکل رہی تھی -

"خون کے عوض خون لوں - قیمہ قیمہ کر دوں - ٹکڑے ٹکڑے اڑا دوں گی اب پھر اگر آ جائے -" ———

وہ یکایک دیوار کی طرف پلٹی - اُسے گویا پھر دیوار کھودے جانے کی آواز آ رہی تھی - ———

"بدذات کمینہ - اب پھر آیا تو ....." غصے سے اس کی آنکھوں سے خون سا ٹپکنے لگا - منہ سے جھاگ اڑنے لگے - وہ پھر دیوار سے پشت لگا کر کھڑی ہو گئی - اُسے محسوس ہوا - کہ کوئی شخص پھر اندر آنا چاہتا ہے اس نے پوری قوت سے کلہاڑی چلائی - چھپ - رررکچ - دھاڑ - کلہاڑی اپنا کام کر چکی تھی - حسن آرا کی بائیں پنڈلی سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا - وہ لڑکھڑا کر زمین پر گری - ———

شب کی تاریک چلمنوں میں سے جھانک جھانک کر دیکھنے والے نوری تماشبین ہیبت زدہ ہو کر روپوش ہو گئے - سپیدی و سحر نے انگڑائی لی - قتل گاہ صحن پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی اور پھر اپنی ارغوانی چادر تان کر سو گئی - صبح حبیب جب دورے پر سے لوٹا - تو دروازے پر حفیظ کا سر اور اندر بیوی و بچے کو خونی و خاکی بستر پر محو استراحت پایا -

...... اس نے اپنا سر پیٹ لیا .... (خاص)

شوہروں کی تجارت

از سیدہ بلقیس جہاں محبوب

انگلستان میں جرائم پیشہ لوگوں کی کمی نہیں۔ لیکن حکومت کو عام جرائم کی تفتیش میں اسقدر پریشانی نہیں ہوتی جتنی "شادی باز" لوگوں کا سراغ لگانے میں ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ سے جعلی شادیوں کے مسئلہ نے محکمہ سراغ رسانی کو سخت پریشان کر رکھا ہے یورپ کے دوسرے ممالک اور خاص کر فرانس اور بلجیم کی آوارہ عورتوں کو جب اپنے ملکوں میں زندگی گذارنی مشکل ہو جاتی ہے تو وہ انگلستان کا رخ کرتی ہیں یہاں پہونچکر وہ "شوہر خرید لیتی ہیں" اور جائز و ناجائز طریقوں سے روپیہ حاصل کرکے خوش فعلی کی زندگی بسر کرتی ہیں۔

انگلستان میں کھلے بندوں کسب کرنے کی اجازت نہیں۔ پولیس ایسے لوگوں پر کڑی نگرانی رکھتی ہے اس آفت سے بچنے کے لئے یہ غیر ملکی عورتیں انگریز "شوہر خرید لیتی ہیں"۔ اور انکے پردہ پر کسب کرتی ہیں۔ بدنصیبی سے انگلستان میں بھی کچھ تباہ حال اور غربت کے مارے رہتے ہیں جو آسانی سے ان مکار عورتوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور یہ لعنت قائم رہتی ہے۔ سراغرساں پولیس نے کافی جدوجہد کے بعد اس لعنت کو کچھ کم کیا ہے۔ لیکن اب ایک دوسری لعنت پیدا ہو گئی ہے جو اس سے کسی قدر مختلف ہے۔

یہودی عورتیں:۔ ہر ہٹلر اور مسولینی کے یہود کش مظالم سے ڈر کر آجکل ہزاروں یہودی عورتیں جرمنی اور اٹلی سے فرار ہو کر انگلستان پہونچ رہی ہیں لیکن یہاں پہونچکر بھی انہیں اپنی گرفتاری یا یہاں سے بھی نکال دینے کی تشویش رہتی ہے وہ اس تشویش اور پریشانی سے بچنے کیلئے انگریزی قومیت کے حقوق حاصل کرنا چاہتی ہیں اور اسکا آسان طریقہ یہی نظر آتا ہے کہ وہ تین، چار ہزار روپیہ صرف کرکے کسی انگریز سے شادی کرلیں اور اس طرح انہیں خود بخود انگریزی قومیت کے حقوق حاصل ہو جائیں، انگریزی قومیت حاصل کرنے کا ایک دوسرا آسان طریقہ بھی ہے کہ فیس کے ایک سو پچاس روپیہ دیکر رجسٹری کرالی جائے لیکن اس صورت میں سلطنت برطانیہ میں پانچسالہ اور خاص انگلستان میں ایک سالہ قیام ثابت کرنا پڑتا ہے اور یہ اُن نوواردوں کیلئے ناممکن ہے انہیں اپنے ملک کے سخت قوانین کا یہاں بھی ڈر رہتا ہے اور یہ بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں انکو انگلستان سے بھی نہ نکال دیا جائے۔ لہٰذا وہ ان خطرات سے محفوظ رہنے کے لئے یہی بہتر خیال کرتی ہیں کہ ۱۵۰ روپیہ کے بجائے تین چار ہزار روپیہ صرف کرکے کسی انگریز سے شادی کرلیں۔ وہ اسکی بھی پروا نہیں کرتیں کہ شادی کے بعد اُنکے شوہر اُنکے ساتھ رہیں گے یا انہیں چھوڑ بھاگیں گے۔

شوہروں کا شکار:۔ انگلستان میں مستقل طور پر شوہروں کی تجارت کی جاتی ہے کچھ کمپنیاں اور دلال خفیہ طور پر اس کاروبار کو کرتے ہیں عورت کو محض کسی دلال سے معاملہ طے کرنا اور اسکی فیس ادا کرنا پڑتا ہے۔ باقی کام وہ خود انجام دے لیتا ہے اسکے ماتحت اور بہت سے دلال ہوتے ہیں اور وہ بالکل مناسب قسم کے آدمی کو تلاش کرلیتے ہیں۔ یہ دلال اُن ہوٹلوں، قہوہ خانوں اور پارکوں کو جانتے ہیں جہاں تباہ حال اور مصیبت زدہ لوگ آکر بیٹھتے ہیں انکی نظریں بہت تیز اور گہری ہوتی ہیں۔ یہ ایک ہی نگاہ میں اپنے شکار کو مطالعہ کر لیتے ہیں۔ جب کوئی دلال اس ضرورت سے کسی ہوٹل یا پارک میں پہونچتا ہے تو وہ پہلے تمام لوگوں پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہے اور پھر اس آدمی کے پاس جاکر بیٹھتا ہے جسکو وہ پریشان سمجھ لیتا ہے وہ گفتگو شروع کرتا ہے اور جب اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ آدمی درحقیقت تباہ حال ہے اور آسانی سے اسکا شکار ہو جائے گا۔ تو وہ باتوں باتوں میں اسے اپنی ہمدردی اور غمگساری کا یقین دلاتا ہے۔ اور اُسکے لئے ہزار دو ہزار روپیہ فراہم کر دینے کی پیشکش کرتا ہے۔ اس طرح باقاعدہ تجارتی گفتگو جلد شروع ہو جاتی ہے۔ اور تمام شرائط طے ہو جاتی ہیں۔ اسی جگہ سے وہ دونوں ساتھ اُٹھکر سیدھے بڑے ایجنٹ کے پاس پہونچتے ہیں اور ایک ہی دو گھنٹے کے اندر دلہن اور دولہا دونوں رجسٹری کے دفتر میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ ان شادیوں میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ مرد کی کوئی شخصیت بھی ہے یا نہیں اور عورت خوبصورت ہے یا عمر رسیدہ بلکہ صرف شوہر کا عورت کو قبول کر لینا اور بیوی کا فیس ادا کر دینا ہی کافی ہے کیونکہ اکثر حالات میں وہ ایکدوسرے سے ملتے بھی نہیں عورت بھی مطمئن ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ انگریزی رعایا بنگئی ہے اب اُسے اپنے ملک کے قوانین کا خطرہ یا انگریزی پولیس کی شک بھری نگاہوں کا ڈر نہیں رہا۔ وہ محفوظ ہے اور برطانی پاسپورٹ لیکر دُنیا کے ہر حصہ میں جاسکتی ہے۔ مرد بھی خوش ہے کیونکہ وہ تنگدست تھا اسکو روپیہ ملگیا۔ اور ایجنٹ

بھی مسرور ہے کیونکہ اُسے اپنے کاروبار سے فائدہ ہوا۔ غرضیکہ تینوں پارٹیاں خوش ہیں اور مطمئن۔

بدنصیب پولیس مین: لیکن ایک اور شخص ہے جو مطمئن نہیں رہتا ہے پولیس مین۔ اس غریب کو نئے دولہا اور نئی دلہن دونوں کی کڑی نگرانی کرنا پڑتی ہے دولہا میاں اس شادی کے کھیل میں ہزار دو ہزار روپیہ حاصل کرلینے کے بعد کسی اور نو وارد ضرورتمند عورت سے شادی کرنے کے فراق میں رہتے ہیں لیکن پولیس کا خوف غالب رہتا ہے۔ اس لئے وہ کسی دوسرے شہر میں جاکر یہ کھیل کھیلتے ہیں۔ اور آخرکار ایک دن وہ آتا ہے جبکہ وہ مکرر ادرسہ کرر شادی کے الزام میں گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔ عورت علی العموم یہ جانتی ہی ہے۔ کہ اُس کا شوہر اس کی کفالت نہیں کر سکے گا۔ لہذا وہ کوئی دوسرا ذریعہ معاش پیدا کر لیتی ہے۔

پولیس کے لئے یہاں پھر ایک مشکل سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ان جعلی شادیوں میں عورت اپنے شوہر ہی کا شکار بن جاتی ہے۔ کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ آدمی شادی شدہ ہوتا ہے اور اُسکی بیوی زندہ ہوتی ہے یا وہ کوئی پیشہ ور شادی باز ہوتا ہے دونوں حالتوں میں وہ اپنا روپیہ پالیتا ہے اور آخرکار جیل خانہ پہونچ جاتا ہے لیکن اس کی پہلی شادی کے علاوہ باقی تمام شادیاں منسوخ قرار دیجاتی ہیں اور یہ غریب عورتیں اپنا روپیہ بھی کھو بیٹھتی ہیں اور شوہر بھی۔ انگلستان میں ایسے ہزاروں پیشہ ور شادی باز ہیں جو پکڑے جاتے ہیں اور سزایاب ہوتے ہیں۔ اس قسم کی ایک تازہ مثال البرٹ فورڈہم کی ہے جس کو چار ماہ کی قید ہوئی۔ فورڈہم شادی شدہ تھا اور اُسکے آٹھ بچے تھے۔ ایک روز ایک دلال اس سے ٹکرا گیا معاملہ کی گفتگو ہوئی اور شادی کا معاوضہ ۲۵ روپیہ قرار پایا۔ فورڈہم نے اپنی پہلی شادی کا اظہار نہیں کیا اور بہت جلد ایک جرمن یہودی بیوہ مسز ایما میئر سے جو اس سے بارہ برس بڑی تھی شادی کرلی۔ مسز ایما کو اپنے شوہر کے ماضی اور حال کے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس نے روپیہ دیا اور شادی ہوگئی۔ لیکن دو ہی دن کے بعد فورڈہم کو تعدد ازدواج (مکرر شادی) کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور یہ شادی منسوخ قرار پائی۔ عام طور پر شادی باز شادی کے بعد اپنی بیویوں کو چھوڑ کر فرار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ عورتیں جائز یا ناجائز طریقوں سے اپنی روزی پیدا کرتی ہیں لیکن بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت اپنے شوہر سے چپک جاتی ہے ایسے متعدد واقعات ہوئے ہیں کہ شادی بازوں نے شادی کا روپیہ لے کر بھاگ نکلنے کی سوچی۔ لیکن اُن کی بیویوں نے اُن کا پیچھا نہیں چھوڑا اور آخرکار معاملہ عدالت تک پہونچا اور وہ اُن کی کفالت پر مجبور کئے گئے۔

انگریزوں کے ساتھ ان پناہ گزین غیر ملکی عورتوں کی شادیاں عام طور پر صدمناک ہو کر ختم ہوتی ہیں۔ کیونکہ اُن میں اُنس و محبت نہیں ہوتی۔ بلکہ خودغرضی اور ذاتی منفعت چھپی ہوتی ہے۔ بعض حالات میں یہ شادیاں خوشگوار بھی ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن ایسی صورتوں میں عورتوں کے پاس کافی روپیہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنے شوہروں کو اپنے ساتھ رکھ سکیں۔ کیونکہ ایک آسودہ حال انگریز تو بہت ہی کم کسی اجنبی غیر ملکی عورت سے شادی کرتا ہے۔

ہنس رہے ہیں دلِ بیتاب ہمارا لے کر
شبِ فرقت میں ہے داغِ دلِ سوزاں روشن
انگلی دانتوں میں حیا آنکھوں میں خم گردن میں
لے کے مٹھی میں مٹا دیتے ہیں بیتابیٔ دل
رُخِ پُر نور کا رہتا ہے تصور شب بھر
ہنس کے منہ تکتا ہے دیکھ کے منہ ہنستا ہے

پھول برساتے ہیں وہ ہاتھ میں پارا لے کر
شبِ تاریکِ فراق آئی ستارا لے کر
کیسا پچھتاتے ہیں وہ نام ہمارا لے کر
کشتہ کر دیتے ہیں وہ ہاتھ میں پارا لے کر
صبح کو اُٹھتے ہیں ہم نام تمہارا لے کر
نامہ بر آیا ہے پیغام تمہارا لے کر

چشمِ مہوش میں جو آنسو دمِ رخصت ہے رکا
چاند نکلا ہے مرے گھر سے ستارا لے کر

از علامہ حضرت رسا ہمدانی گیاوی بی اے ایل ایم اے۔

فلمی معلومات!

آپ سوال کیجیے — ہم جواب دیجیے

مست قلندر کے فلمی ایڈیٹر کے قلم سے

س۔ حسب ذیل ایکٹرز اور ایکٹرسیں کس قوم سے ہیں۔ کیا ان کی شادی ہو چکی؟۔
ڈی بلیموریا۔ کمار۔ ای بلیموریا۔ موتی لال۔ اشوک کمار۔ سہگل۔ رام شکل۔ نجم الحسین۔ پگنس۔ پاتھر۔ اڈ بندھار کر۔ سلوچنا۔ مینا کشی۔ مادھوری۔ وسنتی۔ رنیکا دیوی۔ اندرا رانی۔ پدما دیوی۔ روز۔ کانن بالا۔ رتن بائی۔ دیوکا رانی۔ سوبھانہ سمرتھ۔ اور لیلا چٹنس۔

ج۔ قومیت کے لحاظ سے یہ سب ہندوستانی ہیں (اینگلو انڈین بھی اب خود کو ہندوستانی کہنے پر رضامند ہو گئے ہیں) میرے خیال میں ان میں سے زیادہ تر شادی شدہ ہیں۔ مگر میں یہ بات قطعیہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ کسی نے مجھے اپنی شادی میں شرکت کی دعوت نہیں دی۔ لیکن آپ کو ایک ہی ساتھ اتنے فلمی ستاروں کے متعلق دلچسپی لینے کی غرض کیا ہے۔

س۔ ان پکچروں میں سے کس میں موتی لال نے بہترین کام کیا ہے؟
"ہم تم" —"تین سو دن بعد" —"یہ سچ ہے"۔

ج۔ پہلی پکچر میں۔ مگر "ایز یو پلیز" نامی فلم کے دیکھنے کا انتظار کریں۔

س۔ میں فلمی ستارہ بننے کے لئے ہر طور سے موزوں ہوں۔ مگر میرا خاوند یہ خیال پسند نہیں کرتا اور فلمی پیشہ کو برا کہتا ہے۔ آپ کیا رائے دیتے ہیں؟

ج۔ اپنے خاوند کو فلمی سٹار بننے کی رغبت کیوں نہیں دلاتیں ممکن ہے کہ وہ اس تجویز کو ناپسند نہ کرے۔

س۔ وسنتی کی عمر کتنی ہے اور اس کا باپ کون ہے؟

ج۔ عمر اٹھارہ انیس سال ہے۔ اس کا باپ بمبئی میں وکالت کرتا ہے۔

س۔ نیو تھیٹرز کی حسب ذیل فلموں میں سے پرتھوی راج کو کس میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی:۔ ودیا پتی۔ ابھاگن۔ اناتھ آشرم۔ ڈاکو منصور۔ سیتا۔

ج۔ "سیتا" میں۔ مگر یہ پکچر نیو تھیٹرز کی نہیں تھی۔ بلکہ ایسٹ انڈیا فلم کمپنی نے تیار کی تھی۔

س۔ نیو تھیٹرز کی حسب ذیل پکچروں میں سے کونسی بہترین ہے۔ سپیرا۔ کپال کنڈلا۔ بڑی دیدی؟۔

ج۔ "بڑی دیدی" باقی دو پکچروں کو دو میل پیچھے چھوڑ گئی ہے۔

س۔ لیلا چٹنس اور سوبھانہ سمرتھ میں سے کون سی بہتر اداکار ہے؟

ج۔ لیلا چٹنس مگر اس امر پر اور بحث نہ کیجیے۔

س۔ .... شانتا رام اور دیوکی بوس میں سے کون سا بہتر ڈائرکٹر ہے۔ شانتا رام کی پکچروں کو کبھی ناکامی نہیں ہوتی مگر دیوکی بوس کی بعض پکچریں بری طرح ناکام رہیں۔

ج۔ اپنے سوال کا خود ہی جواب دے چکے ہیں۔

س۔ ان دونوں نے جن فلموں کو ڈائرکٹ کیا ہے ان میں بہترین کون سی ہیں؟

ج۔ شانتا رام —— آدمی۔
دیوکی بوس —— سیتا۔

دنیائے فلم کی تازہ ترین خبریں

رنجیت فلم کمپنی:۔ سردار چندو لال شاہ نے اپنی فلم اچھوت مکمل کر لی۔ جس میں گوہر نے کام کیا ہے۔ لیکن جب تک جنگ کے متعلق حالت بہتر نہ ہو جائے آپ یہ فلم ریلیز نہیں کریں گے۔ سردار کی یہ تدبیر بجا معلوم ہے۔

جے انت دیسائی (آج کا ہندوستان) تیار کر رہے ہیں۔ جس میں پرتھوی راج، مقدہ اور چارلی نے کام کیا ہے۔

چندولال شاہ کاردار بیک وقت دو فلمیں تیار کر رہے ہیں "ہولی" اور "پاگل" جن میں اصوری، پرتھوی راج اور خورشید وغیرہ نمایاں کام کر رہے ہیں۔

چتر بھج دیسائی کو "ڈاکٹر کی بیوی" نامی پکچر بنانے کا کام سپرد کیا گیا ہے اور اس کے متعلق وہ تحریری کام میں مشغول ہیں۔

فلم "گڈ لک" تیار ہو چکی ہے اور اب پردہ سیمیں پر آنے والی ہے۔

بمبئی ٹاکیز لمیٹڈ۔ اس کمپنی کی نئی پکچر جس میں لیلا چٹنس اور اشوک کمار نے کام کیا ہے مکمل ہو چکی ہے اور وہ پردہ سیمیں پر عنقریب ہی آنے والی ہے۔ وہ اب سے پیشتر ہی ایک اور سوشل پکچر بنانے کا کام شروع کر چکے ہیں جس کی کہانی سادن دنند بنرجی نے لکھی ہے۔ اس میں لیلا چٹنس

(بقیہ صفحہ پر دیکھو)

زنانہ و مردانہ نائٹ سوٹ

نہایت خوبصورت ریشمی کپڑے کے بنے ہوئے رات کو سوتے وقت استعمال کئے جاتے ہیں جاپان والوں نے اس ایجاد کو ہندوستان میں بھیج کر بڑی شہرت حاصل کی ہے کیونکہ اتنی کم قیمت میں بے حد خوبصورت و پھولدار نائٹ سوٹ کسی ولایت نے نہیں بھیجے۔ عورتوں کے حسن کی بہار اور کپڑوں کی حفاظت دونوں باتیں فائدہ کی ہیں۔ زنانہ سوٹ پھولدار ریشمی کپڑے کے ہیں جن کی باڈی اور پاجامہ پر پھول بنے ہوتے ہیں۔ قیمت فی سوٹ دو روپے بارہ آنے (۲؎)

مردانہ سوٹ۔ دھاریدار ریشمی کپڑے کا فی سوٹ ساڑھے تین روپے ڈاک خرچ ایک سوٹ پر (۸؍) آٹھ آنے۔

پتہ جرمنی ٹریڈ ایجنسی دریا گنج ۳ دہلی

محبوب آپکے قدموں میں

عجیب مست خوشبو

بیسویں صدی میں جہاں سائینس اپنے کمالات پیش کر رہی ہے وہاں روحانی عامل نے بھی کشائش محبوب کیلئے بیسویں صدی میں ایک اسراری روغن بنایا ہے اس خوشبو کا کمال یہ ہے کہ بس مست نرام محبوبہ کو چاہو اپنا بنا سکتے ہو۔ اس خوشبو کے چند قطرے لگا کر اس کے پاس سے گذر جاؤ۔ وہ خود تمہاری تلاش میں بے چین نظر آنے کا۔ محبوب کو مست و بیخود کرنے اور پاس کو تڑپا نے کے لئے اس طلسمی خوشبو کا کمال ضرور دیکھئے۔ آپ خود حیران ہوں گے۔ کہ اس میں کونسا طلسمی اثر ہے کہ جس کو چاہو خود بخود کھینچا چلا آتا ہے یہ خوشبو چالیس دن کی محنت اور روحانی کشش کے ذریعہ تیار ہوتی ہے۔ اور عاشقوں کیلئے ان کی مراد پوری کرنے کا ذریعہ بن رہی ہے سنگدل سے سنگدل عورت کو بھی اس خوشبو کو سونگھا کر اپنا بنایا جا سکتا ہے۔ اس خوشبو کو تسخیر کا طلسم محبت کا جادو اور رام کرنے کا عطر کہا جاتا ہے قیمت فی شیشی دو روپے ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ۔

پتہ جرمنی ٹریڈ ایجنسی دریا گنج ۳ دہلی

اختناق الرحم (ہسٹریا)، باؤگولہ، آسیب کا خلل!

عورت خوب روتی ہے

یہ مرض عورت کو رحمی شکایات کی وجہ سے ہو اکرتا ہے۔ رحم میں سوجن چوٹ لگنا ماہواری کے زمانہ میں بے احتیاطی کا ہو جانا۔ رحم کا جگہ سے ہٹ جانا وغیرہ اس مرض کو جاہل عورتیں جن بھوت کا خلل کہا کرتی ہیں۔ کیونکہ جب اس کا دورہ پڑتا ہے تو مریضہ چیختی ہے۔ کپڑے پھاڑنے لگتی ہے کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ مارتی ہے غرضیکہ خود مریضہ اور تیمار دار کی جان عذاب میں پڑ جاتی ہے۔ **ہسٹرین** ہی ایک ایسی دوا ہے جس نے اختناق الرحم کی بیمار عورتوں کو تندرستی دی۔ اور چند ہی خوراکوں نے مریضہ کو ساری عمر کے لئے اس شکایات سے نجات دیدی اور عورتوں کی زندگی برباد ہونے سے بچ گئی۔

" ہسٹرین " کی سخت دورہ کے وقت ایک خوراک دیدینے سے بد حواس عورت کو تسکین ہوتی ہے قیمت فی شیشی آرام کیلئے ۱ روپے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ۔ مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کریں۔

لیڈی ڈاکٹر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۲۱ دہلی

طلاء مقوی کا کمال

اگر آپ قوت مردمی کی تلاش میں ہوں اور چاہتے ہوں کہ آپ مرد بن جائیں۔ تو **طلا مقوی** کی ایک شیشی استعمال کر لیجئے۔ یہ ایک ایسا طلا ہے جو ایک ہفتہ میں نشوونما میں فرق لاتا ہے۔ طاقت دیتا ہے۔ جو لوگ کوتاہی اور لاغری کے شاکی ہوں ان کو ضرور ایک شیشی استعمال کر لینی چاہیئے۔ خوبخود بیرت ہونے لگے گی۔ بڑی تعجب انگیز دوا ہے۔ اس کی مالش مایوسوں اور پوری طرح سے کوشش نہ کرنے والوں کے لئے اکسیری اثر رکھتی ہے۔ مسامات میں بجلی کی طرح دوڑتا ہے۔ اور بڑھانے، پھیلنے اور طاقت دینے کا عمل شروع کر دیتا ہے۔ ایک شیشی میں آپ مرد بن سکتے ہیں۔ آج ہی تجربہ کر لیجئے۔ ایک شیشی کی قیمت تین روپے (سے) ہے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ۔

مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کیجئے۔

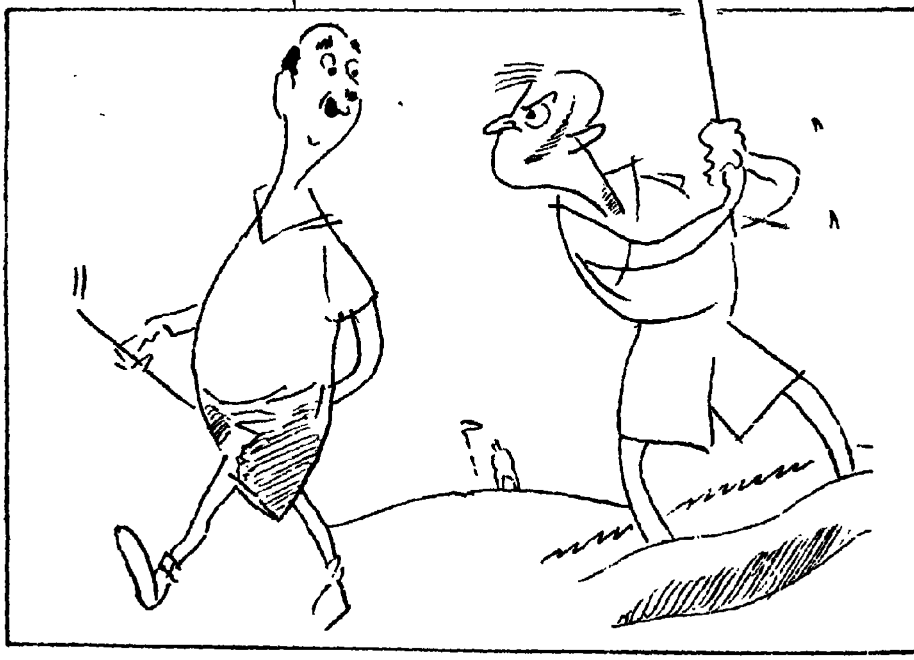
منیجر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۲۱ دہلی

ما بدولت پریزیڈنٹ ہیں

از جناب وحشی آروی

ذرا ہٹ کر بات کرو!!

آج کل کسی انجمن یا سوسائٹی کا صدر بن جانا بہت آسان نہیں ہے اور اپنی بیوی کا شوہر بننا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ شوہر بننے کے لئے صرف بیوی کی موجودگی ہی سے کام نہیں چلتا۔ اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی بیوی موجود ہے اور وہ اس کے شوہر نہیں ہیں۔ بیوی کے ہوتے ہوئے بھی شوہر نہ بننا ایک تعجب خیز بات ہے



لیکن جب دنیا ہی تعجب خیز ہے تو عجائبات کی کیا کمی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کا دوسرا پہلو بھی تعجب خیز ہے۔ یعنی شوہر کے ہوتے ہوئے بھی بعض عورتیں بیوی نہیں ہیں۔ اگر اس طرح عجائبات کی تحقیق کی جائے تو انہیں رکھنے کے لئے برٹش میوزیم میں بھی جگہ نہیں مل سکتی۔

ہاں تو آج کل انجمن۔ مجلس۔ جلسہ۔ بزم۔ سوسائٹی۔ کمیٹی۔ کانفرنس۔ لیگ۔ پارٹی۔ یونین۔ جمعیتہ۔ سبھا۔ وغیرہ کی اتنی بھرمار ہے کہ باوجود تلاش کے ان کے لئے پریزیڈنٹ نہیں ملتا۔ جہاں چار آدمی اکٹھا ہوئے بس کسی نہ کسی انجمن یا کمیٹی کی بنیاد رکھ دی گئی۔ چنانچہ کرتہ کمپنی۔ پاجامہ کانفرنس۔ جھاتا یونین ٹوپی لیگ۔ پگڑی سوسائٹی وغیرہ نہایت تیزی کے ساتھ منظر عام پر آتی جا رہی ہیں جس طرح بے ماں باپ کا بچہ اور بغیر شوہر کی بیوی قابل رحم سمجھی جاتی ہے اسی طرح وہ آدمی بھی قابل رحم سمجھا جاتا ہے جو کسی سوسائٹی یا انجمن کا ممبر نہیں ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ تنظیم اور اتحاد کا زمانہ ہے۔ آج کل سب کو متحد ہو کر رہنا چاہیئے کوئی اکیلا نہ رہے۔

ابھی تک ایں جناب بالکل تنہا رہے۔ اللہ میاں کے سوا اور کسی کا سہارا نہیں تھا۔ مگر آج کل اللہ میاں اپنے سہارے بہت کم لوگوں کو رہنے دیتے ہیں اسی لئے ایک دن چار پانچ آدمی آہی تو گئے۔ ان میں ایں جناب کے ایک واقف کار صاحب بھی تھے انہوں نے سب کا تعارف کرایا۔ ایک صاحب بولے:۔۔۔

"بہت دنوں سے آپ کو دیکھنے کا اشتیاق تھا"۔

ہم نے سوچا۔ اچھا ہم بھی اس قابل ہوئے کہ لوگوں کو ہمیں دیکھنے کا اشتیاق

رہتا ہے۔ خدا خیر کرے معلوم ہوتا ہے یہ کمبخت چندہ مانگنے آئے ہیں۔ ہم نے کہا:۔

"دیکھنے کا اشتیاق ضرور رہا ہوگا۔ اس دن تین چار آدمی اپنے ادارہ کے لئے چندہ مانگنے آئے تھے تو وہ بھی یہی کہہ رہے تھے۔"

"لیکن ہم لوگ چندہ مانگنے نہیں آئے ہیں۔"

یہ سُن کر بڑی تسلی ہوئی۔ تب تو یہ لوگ ہمارے حضرت کے جلودں سے مستفیض ہونے کے لائق ہیں۔ ہم نے کہا:۔

"اسی لئے تو آپ نے ہمیں دیکھ بھی لیا۔"

"لیکن ہم لوگ کچھ مانگنے ضرور آئے ہیں۔"

ہم نے سوچا چندہ نہیں مانگتے تو کیا مانگیں گے۔ کوئی مضمون؟ مگر ان لوگوں کی صورت تو ایسی معلوم نہیں ہوتی کہ انہیں کبھی مضمون کی ضرورت پڑتی ہوگی۔ اُونہہ! ہوگا بھی۔ جب چندہ نہیں مانگتے تو پھر کیا ڈر ہے۔ جان بھی مانگیں تو پروا نہیں۔ یہ سوچ کر ہم نے اپنے واقف کار سے کہا:۔

"تمہیں تو معلوم ہی ہوگا کہ یہ لوگ کس لئے تشریف لائے ہیں؟"

"یہ لوگ خود ہی بتا دیں گے۔" وہ صاحب مسکرا کر بولے

ہم بھی سونٹھ ہو گئے۔ جس بات کا ڈر تھا وہ تو ظاہر ہی ہو گئی تھی۔ اب کیا پڑا ہے۔ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں ایک صاحب بولے:۔

"آپ کو تکلیف دینے آیا ہوں۔"

"فرمائیے۔ فرمائیے۔"

"ہم لوگ ایک انجمن کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو شوق سے تشکیل کیجئے۔"

"ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس کے ممبر بنیں۔"

"اوہو! یہ کہئے آپ مجھے لاوارث کو باوارث بنانے آئے ہیں۔"

"اس کا کیا مطلب؟"

"اس کا مطلب سمجھنے میں دیر لگے گی۔ ہاں! تو اس انجمن کے مقاصد کیا ہیں؟"

"صرف اتحاد یا اشتراکِ عمل۔ آپ جانتے ہیں کہ آج کل اتحاد میں کتنی طاقت ہوتی ہے۔"

"جی ہاں۔ بالکل بجا ارشاد فرماتے ہیں۔ میں اتحاد و اتفاق کے فوائد سے واقف ہوں۔ جس وقت ابن حضرت اور ننھے میاں متفق ہو جاتے ہیں اس وقت ننھے کی اماں کی ایک نہیں چلتی اور جب ننھے کی اماں اور ننھے متفق ہو جاتے ہیں تو ..... اچھا تو آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس انجمن کے صدر بن جائیے۔"

"اماں نہیں! ایسا مذاق نہ کیجئے۔"

"مذاق! کس چڑیا کا نام ہے۔"

"اچھا تو آپ کیا حقیقت میں فرما رہے ہیں یا اور کچھ۔"

"فرما نہیں رہے ہیں۔ ہم آپ کو صدر بنا چکے ہیں۔ صرف آپ کی منظوری چاہئیے۔"

واہ رے خدا! تیری برکات بھی بے پایاں ہیں۔ ہم پریذیڈنٹ بن بھی چکے اور ہمیں خبر نہیں۔ ہم نے کہا:۔

"لیکن ..... لیکن ....."

ہمارے واقف کار صاحب بیچ میں بات کاٹ کر بولے:۔

"میرے خیال میں اب آپ کو منظور کر لینا چاہئے۔"

ہم نے وہیں سے بات پلٹ کر اپنی خاکساری کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔

"اور سنئے کہتے ہیں منظور کر لینا چاہئیے —— خیر آپ لوگوں کی یہی خواہش ہے تو میں انکار نہیں کر سکتا۔"

اتنا سُنکر وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ ہم نے پوچھا:۔

"صدر جلسہ ہونے کی حیثیت سے فقیر کو کیا کرنا ہوگا؟ یہ بتا دیجئے۔"

"یہ سب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کل ہم لوگ میٹنگ کرنے والے ہیں۔ اس میں آپ کو سب پتہ چل جائے گا۔"

"کل کس وقت میٹنگ ہوگی؟"

"یہی شام کے سات بجے۔ ٹھیک رہے گا نا؟"

"ہاں ٹھیک رہے گا۔"

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد میں نے دل ہی دل میں اس شعر کو پڑھا:۔

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو
درِ کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

لیکن جب زنان خانے میں تشریف لے گیا تو معلوم ہوا کہ ننھے کی اماں اور ننھے میاں سو فیصدی متفق ہو رہے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو اپنا جانب دار بنا لینا انتہائی مشکل ہے۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ ذرا انجمن کی تشکیل تو ہو لینے دو پھر بتاؤں گا۔

دوسرے دن میٹنگ تھی۔ ابن حضرت وقت مقررہ پر پہونچ گئے تھے۔ پندرہ سولہ آدمیوں کا عظیم الشان اجتماع تھا۔ اور آپ یقین مانئے کہ تل دھرنے کو بھی جگہ نہیں تھی۔ ہمارے پہونچتے ہی جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ ایک صاحب بولے:۔

"میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ مسٹر مجرم فکری کو آج کے جلسہ کا صدر بنایا جائے۔"

ہمارا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ اور بے تحاشا منہ سے نکل گیا:۔

"بس صرف آج کے لئے؟"

محرک نے ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کے لئے کہا۔ ہم بھی چپ ہو گئے۔ لیکن پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے کہ ہم سے تو ان کمبختوں نے ہمیشہ مستقل،

پریزیڈنٹ بنانے کا وعدہ کیا تھا اور پہلا معاملہ پیری (عارضی) مرکھائی پڑے گئے۔

اس کے بعد ایک صاحب بولے :۔

"آج کی کارروائی عہدداروں کے انتخاب سے متعلق ہے اس لئے سب سے پہلے صدر کا انتخاب عمل میں آنا چاہیئے۔"

اتنا سنتے ہی ایک دوسرے صاحب بولے :۔

"میں ریزولیوشن پیش کرتا ہوں کہ اس انجمن کا مستقل صدر مسٹر محمد فکری کو بنایا جائے"

ایک صاحب نے کھڑے ہو کر اس قرارداد کی تائید کر دی اور میں کثرت رائے سے صدر منتخب ہو گیا۔ اب اس حضرت کی جان میں جان آئی۔

اسی طرح نائب صدر ایک نہیں پورے چار بنائے گئے۔ ایک سکریٹری دو ان کے معاون۔ ایک خزانچی۔ گویا سب کو کوئی نہ کوئی عہدہ دینے کی کوشش کی گئی۔ پھر بھی کچھ بدنصیب باقی ہی رہ گئے۔ ایسے آدمیوں کو ورکنگ کمیٹی (مجلس عاملہ) کا ممبر بنا کر ان کے آنسو پونچھے گئے۔

جلسہ کے اختتام پر ایک صاحب ان جناب سے بولے۔

"آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں کوئی وقت دیجئے۔"

"کل آ جائیے۔"

دوسرے دن وہ صاحب ان جناب کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے اور کہنے لگے :۔

"محمد صاحب آپ کہاں جا پھنسے۔"

جا پھنسے! یہ کیا کہا ہے۔ پھنسے کوئی اور ہوں گے۔ ہم تو شان کے ساتھ گئے تھے ماہدولت نے پوچھا :۔

"کیوں اس میں جا پھنسنے کی کون سی بات ہے؟"

"بات یہ ہے کہ وہاں کچھ ہونا ہوانا نہیں ہے، خالی سوانگ رچایا جا رہا ہے۔"

"ہم پریزیڈنٹ بن گئے۔ یہ کیا کچھ کم ہے۔ اور آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"آپ کو پریزیڈنٹ نہیں بننا چاہئے تھا۔"

"تو کیا بننا چاہئے تھا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ یہ ادارہ چلنے چلانے والا نہیں ہے۔"

"آخر کیوں نہیں چلے گا؟"

"اس میں دو ایک آدمی ایسے شریک ہو گئے ہیں کہ اسے چلنے نہیں دیں گے۔"

"وہ کون آدمی ہیں؟"

"ایک تو مسٹر محمود اور دوسرے گلزاری لال۔"

"کمال ہے۔ ریل کو سو آدمی مل کر تو چلنے سے روک نہیں سکتے۔ اور اتنی عظیم الشان انجمن کو صرف دو آدمی چلنے نہیں دیں گے۔ بڑی حیرت کی بات ہے، ہم ایسی واہیات بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

"خیر آج آپ نہ مانیں لیکن ایک دن میری بات تسلیم کرنا پڑے گی۔"

"آپ کا مطلب کیا ہے؟"

"ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک فارورڈ بلاک بنا رہے ہیں آپ اس میں شریک ہو جائیے۔"

"دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ نہیں جناب! جو ہو گیا سو ہو گیا۔"

"اچھا آپ کی مرضی۔" کہتے ہوئے وہ صاحب چلے گئے۔

اس کے بعد ایک ماہ گذر گیا۔ انجمن کا نہ کوئی جلسہ ہوا اور نہ دیگر کارروائی عمل میں آئی۔ ہم بھی سوچ سوچ کر فکرمند ہونے لگے۔ اچھے پریزیڈنٹ بنے۔ کوئی ٹکے تک کو پوچھتا نہیں۔ کیا اس کمبخت کی بات سچی تھی۔

ایک دن راستہ میں سکریٹری صاحب سے ملاقات ہوئی ہم نے پوچھا :۔

"کیوں صاحب۔ پریزیڈنٹ بنا کر مجھے بٹھا دیا۔ کوئی کام نہیں ہوتا۔ کیا بات ہے؟"

"ایک دن تو جلسہ ہوا تھا لیکن آپ تشریف ہی نہیں لائے۔"

"جلسہ ہوا تھا۔ اور مجھے اطلاع تک نہیں؟"

"آپ کے پاس اطلاع بھیجی تو گئی تھی۔"

"مجھے تو نہیں ملی۔"

"آپ سے ملاقات نہیں ہوئی ہو گی۔"

"تو جلسہ کی صدارت کس نے کی؟"

"نائب صدر نے۔"

اتنا سنتے ہی ماہدولت کو طیش آ گیا اور بولے :۔

"دیکھئے حضرت! ہمارے سوا اور کوئی جلسہ کی صدارت نہیں کر سکتا۔ اور اگر کرے گا تو ہم بہت بری طرح پیش آئیں گے۔"

"لیکن نائب صدر تو اسی لئے ہوتا ہے کہ جب صدر نہ ہو تو وہ صدارت کے فرائض انجام دے۔"

"پریزیڈنٹ نہ ہو تب نا؟ پریزیڈنٹ شہر میں تو موجود تھا یار لوگوں نے اسے اطلاع بھی نہیں دی اور جلسہ کا انعقاد کر ڈالا۔"

"خبر تو آپ کو دی گئی تھی۔"

"صدر کے پاس خبر۔ جی چاہتا ہے کہ اپنا سر پیٹ لوں۔ آپ کو سب کام صدر کی اجازت سے کرنا چاہئے۔ آپ صدر کے پاس خبر بھیجتے ہیں۔ ذرا اس اندھیر کو تو دیکھو۔"

"دعوت نامے جاری کرنا۔ جلسہ کا انتظام کرنا یہ سب کام سکریٹری کا ہے۔"

"جی نہیں۔ ہماری صدارت میں یہ سینہ زوری نہیں چلے گی۔ سب کام سکریٹری کرے اور پریزیڈنٹ بیٹھا منہ تاکا کرے۔ آئندہ سب کام ماہدولت کریں گے اور باقی لوگ صرف ماہدولت کے حکم کی تعمیل کریں گے۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ مجھے مصیبت سے چھٹکارا مل جائے گا لیکن یہ بات آئین کے خلاف ہو گی۔"

"ہونے دیجئے۔"

"آپ کو کام کرنے کا اتنا شوق ہے تو آپ کو سکریٹری بننا چاہئے تھا"

"سکریٹری کیوں بنتے۔ ہم تو پریزیڈنٹ ہی بن سکتے ہیں"

"یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ آپ سیکریٹری کا کام نہیں کر سکیں گے"

"کریں گے جناب! نہیں کرنے کا مطلب؟ اب آئندہ دعوت ناموں کا اجرا مابدولت کے ذریعہ ہوا کرے گا۔ جس کو جی چاہے گا بلائیں گے۔ کوئی ذرا بھی چوں و چرا کرے گا تو اسے جلسہ سے نکال دیں گے"

"مجلس عاملہ کے ممبروں کو تو بلانا ہی پڑے گا۔ کورم تو پورا کرنا ہی ہوگا"

"جہاں ہم بیٹھ جائیں گے وہاں کورم اپنے آپ پورا ہو جائے گا۔ چار آدمیوں کی جگہ تو اکیلے ہم گھیر لیتے ہیں۔ پھر بھی کورم پورا تو ہوگا۔ ہاں! اور آئندہ انتخاب میں نائب صدر کا عہدہ توڑ دیا جائے گا۔ نائب صدر تمام معاملہ خراب کرتے ہیں"

"پریزیڈنٹ نہیں ہوتا ہے تو وہ خود پریزیڈنٹ بن جاتے ہیں۔ ابن جناب صدر نہ ہوتے بھنائے ہوتے۔ اب ہم ایسی کسی بھی بات کو برداشت نہیں کر سکتے"

"ایسا تو اس لئے کیا جاتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے پریزیڈنٹ نہ آسکے تو نائب صدر کام چلالے۔ کام رکا نہ رہے"

"جی نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب بغیر پریزیڈنٹ کے جلسہ ملتوی رہے گا"

"اس سے تو کام میں رخنہ پڑے گا"

"آپ کو کام کی تو اتنی فکر ہے۔ لیکن پریزیڈنٹ کی ذرا بھی فکر نہیں ہے۔ ہماری اتنی زبردست توہین"

"اس میں توہین کی تو کوئی بات نہیں"

"ہے کیوں نہیں"

"ان باتوں سے تو کابینہ اور آپ میں اختلاف پیدا ہو جائے گا"

"ہاں! اور آپ جانتے ہیں کہ وزیر اور گورنر میں اختلاف ..."

سکریٹری صاحب نے تعجب کے ساتھ کہا:۔

"گورنر؟"

"ہاں ہاں گورنر! آپ اتنا چونکتے کیوں ہیں۔ صرف ناموں کا افتراق ہے ورنہ ہمارا بھی درجہ وہی ہے جو گورنر کا ہوتا ہے۔ پریذیڈنٹ نہ کہا گورنر کہہ دیا۔ گورنر نہ کہا پریزیڈنٹ کہہ دیا۔ عہدہ تو ایک ہی ہے"

"تو یہ کہئے آپ گورنری کا خواب دیکھ رہے ہیں"

"معلوم ہوتا ہے ہمیں کابینہ وزارت توڑنی پڑے گی"

سیکریٹری صاحب مزید کچھ جواب دیئے بغیر چلے گئے۔ تین دن کے بعد وہی ممبر صاحب ہماری خدمت میں حاضر ہو کر بولے:۔

"دیکھئے میں نے کیا کہا تھا؟"

"تو کیا ہوا؟"

"انجمن کا خاتمہ ہو گیا"

"ہم نے تو ختم نہیں کیا"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ سب کھیل ختم ہو گیا"

"یہ کیسے؟"

"آپس کے اختلافات کی وجہ سے"

"لیکن خاتمہ کس طرح ہوا؟"

جنہوں نے انجمن کے دفتر کے لئے اپنا کمرہ دیا تھا انہوں نے اب انکار کر دیا۔ دفتر کی دری جن صاحب نے دی تھی وہ اپنی دری اٹھا کر لے گئے۔ جنہوں نے الماری دینے کیلئے کہا تھا وہ اب الماری دینے سے انکار کرتے ہیں۔ اسٹیشنری کا سامان سکریٹری صاحب نے دبا لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے پیسے سے خریدا تھا۔ ہم نہیں دیتے۔ ہماری مرضی۔ کمرے کے مالک نے کمرے کو مقفل کر دیا"

یہ خبر سن کر مجھ پر بجلی سی گر پڑی۔ اس وقت تک فالج دل و دماغ کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا ورنہ میں اس کا صدر بن کر دل کو مطمئن کر لیتا۔ جلسہ میں پڑھنے کے لئے میں نے جو

بقیہ صفحہ ۶۸ دنیائے فلم کی تازہ ترین خبریں

سپر پیم فلمز۔ غازی صلاح الدین رنجیت کے نگار خانہ میں عجلت سے مکمل کیا جا رہا ہے جس میں رتن بائی۔ غلام محمد اور مظہر خاں نمایاں کام انجام دے رہے ہیں۔

موہن پکچرز۔ ان کی آئندہ پکچر "بلیک ہارٹ" ہوگی۔ ایم اے خان نے ڈائرکٹ کیا ہے۔ وہ تقریباً تیار ہے۔ کے امرناتھ پکچر "دالنیٹر" کے مکمل کرنے میں مصروف ہے۔

منروا مووی ٹون۔ سہراب مودی ایکٹر۔ ڈائرکٹر اور فلم ساز کے طور پر اپنی فلم "پکار" کی کامیابی پر بڑے نازاں ہیں۔ ان کو ہر روز مبارکباد کی تاریں موصول ہو رہی ہیں۔ نگار خانہ میں "میری مرضی" اور "میں ہاری" نامی پکچروں کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔ سہراب مودی اپنی نئی پکچر "بھروسہ" کیلئے نئے اداکاروں کی تلاش میں ہیں۔

ہندوستان سینے ٹون۔ اس کی نئی پکچر "کون کسی کا" میں پدما دیوی۔ سوبھا ناسر تھ۔ خورشید۔ نذیر۔ مبارک وغیرہ نے ایکٹنگ کیا ہے۔ اس کی دوسری پکچر "مڈ" جو زبردست سوشل شاہکار ہوگی۔

پربھات فلم کمپنی۔ پکچر "آدمی" کے سنٹرل سینما میں ریلیز ہونے کے وقت تماشائیوں کا بڑا ہجوم تھا۔ فائر کرشنا رام موجود تھے اور ان کو بمبئی کے تمام فلم ساز مبارکباد دے رہے تھے۔ مرہٹی میں یہ فلم پونہ میں ریلیز کی گئی تو اس نے اپنی فلم "دنیا نہ مانے" کا ریکارڈ مات کر دیا۔ شانتا رام اپنی نئی پکچر "سنت سینا" کی تیاری کے خیال میں ہیں جو بین الاقوامی مارکیٹ کے لئے انگریزی میں بھی تیار ہوگی مگر اس سے پیشتر وہ ایک اور سوشل شاہکار تیار کریں گے۔

نیو تھیٹرز لمیٹڈ کلکتہ۔ کپال کنڈلا لاہور کی نشاط ٹاکیز میں ریلیز کی گئی جس کا خوب خیر مقدم کیا گیا۔ نگار خانہ میں "جیون کی ریت" کی شوٹنگ کی ......

جنونِ شوق

ساحر قدوائی

خاموش فضاؤں میں شب اک کیف سا پیدا کرتا ہوں
اب قیس سے وہ نغمات کہاں، تابندگی ذرا کہاں
جب سارا عالم سوتا ہے میں ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہوں
میں چھپ کے اندھیری راتوں میں اس چاند کو ڈھونڈا کرتا ہوں

محبت بھرے خطوط

از حضرت ماہر القادری

نواں خط

کوئی مُنہ چُوم لے گا اس نہیں پر
شکن رہ جائے گی باقی جبیں پر

یہ شعر کاغذ پر لکھنے کے بجائے، تم کو دیکھ کر سنانے کا تھا! میں نے تم سے تصویر بھیجنے کی درخواست کی تھی، اور تم نے اتنی سی درخواست کو بے دردی کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ بے نیازی اور جفا کاری، حُسن کی فطرت ہے، مگر اس کی کچھ حدود بھی ہوا چاہئیں۔ میرے دل پر جو بیت رہی ہے، اُسکی پرچھائیں بھی اگر تمہارے دل پر پڑ جائے، تو تمہارے "انکار" کی قسم، تم تلملا کر ایڑیاں رگڑنے لگو۔ "بھُول" کا جواب۔ وقت پتھر ہی نہیں، اوس کی بوندیں بھی ہوسکتی ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تصویر بھیجنے میں تمہارا کیا بگڑ جاتا! ۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے لئے تلافی مافات کا یہ بہترین موقع تھا، مگر تم کو میری اتنی سی دلدہی بھی منظور نہیں! تمہارے اس "انکار" نے میرے مستقبل کے پروگرام کو بالکل الٹ دیا۔ میں نے تمہاری محبت اور تبسم کریم کے سہارے، تمناؤں کی ایک دنیا بنائی تھی۔ میں خیالی طور پر بھی اس دنیا سے لطف اُٹھانے نہ پایا تھا کہ تمہارے ذرا سے انکار نے اس پیاری دُنیا کو تباہ کر دیا! جنگیزؔ اور ہلاکو نے جن آبادیوں کو ویران کیا تھا وہ پھر آباد ہو گئیں، مگر میرے دل کی ویران دنیا شاید اب کبھی آباد نہ ہو سکے گی ——

میں اپنی وفاؤں کا ذکر چھیڑ کر احسان جتانا نہیں چاہتا۔ میں نے جو کچھ کیا، وہ میرا فرض تھا۔ اس سلسلہ میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ صرف تمہاری خوشی کے لئے، میں نے جھوٹ بول کر "عذرا" کو دھوکے میں مبتلا رکھا۔ وہ معصوم لڑکی، دُنیا کی باتوں سے واقف نہ تھی، اسی لئے آسانی کے ساتھ دھوکا کھا گئی، اُس غریب کو کیا معلوم تھا کہ تم نے اُس کے گرانے کے لئے جس گڑھے کو کھود کر تیار کیا تھا اُس پر گھانس میں نے بچھائی تھی ——!

میں آخرت کے عذاب کا بھی قائل ہوں، لیکن پاپوں کا بدلہ، بڑی حد تک اسی دُنیا میں مل جاتا ہے۔ میرے ساتھ جو کچھ تم نے سلوک کیا ہے، وہ معصوم عذرا کی تمناؤں کی پامالی کا بدلہ ہے۔ اس واقعہ کا تصور کرتا ہوں تو میرا ضمیر کانپ اُٹھتا ہے، کہ "عذرا" کی نشیلی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ اور تم مسکراتے ہوئے مجھے اشارہ کر رہی تھیں کہ "عذرا" کو صاف جواب دیدو ——! میرا یہ جُرم، اس قدر سنگین ہے کہ میری عمر بھر کی نیکیاں بھی اس کا بدل نہ ہو سکیں گی، میں "عذرا" کے پاس جا کر اُس سے معافی مانگوں گا، اور اپنے اُس سر کو، جو کسی بادشاہ کے سامنے بھی نہیں جھک سکتا، اُس کے قدموں پر رکھ دوں گا —— میں نے کوئی غلطی نہیں کی، لیکن ہاں ——! "عشق" اپنی جگہ خود گناہ ہے، اگر ہو سکے، تو میرے اس گناہ کو معاف کر دو، یہ میری آخری اور دوسری گذارش ہے ——!

دسواں خط

پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے! میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا، کہ تم "شیلا" کے یہاں گئی ہو گی، آخر ذرا سی بات کے لئے اتنی طویل صفائی پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی، میں تو تمہارا خط پڑھتے پڑھتے تھک گئی! تم نے اتنا لمبا چوڑا خط لکھ کر مجھے سچ مچ بدگمان کر دیا، تمہارا پورا خط بدحواسی، پریشانی اور پشیمانی کا آئینہ ہے۔ اگر تمہارے دل میں چور نہ تھا، تو یہ بات، لکھنے کی کیا ضرورت تھی:—

قسم خدا کی، شیلا نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر، تصویر کھچوانے کے لئے مجبور کیا تھا، اور ہاں! میں اس کے یہاں خود تھوڑے ہی گیا تھا، اُس کا بھائی مجھے بلانے کے لئے آیا تھا ——!

تمہارے خط سے خود بخود نتیجہ نکلتا ہے کہ تم کو شیلا کے ساتھ دلچسپی ہے، اور تم اُس کو چھپانا چاہتے ہو، "دلچسپی" اپنی جگہ قابل اعتراض نہیں، لیکن اُسکا چھپانا یقیناً دل میں کھٹکا پیدا کرتا ہے، تم اس کے جواب میں بیساختہ کہہ دوگے، کہ

جس طرح گلاب کے پھول کو آدمی دلچسپی کے ساتھ دیکھتا ہے، شیلا کے ساتھ میری دلچسپی کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن گلاب کے پھول کو کوئی شخص دوسروں کی نگاہوں سے چھپ کر نہیں دیکھتا —— سمجھے آپ —— !

تمہارے خط نے بہت سی پچھلی باتوں کو، ایک افسانہ کی صورت میں مرتب کر دیا، یاد ہے "اپالو" کی وہ شام، جب میں اور تم سمندر کے کنارے بیٹھے ہوئے نمکین لیپنے "کھا رہے تھے، اور تم باتوں ہی باتوں میں کہہ اُٹھے تھے۔

"شیلا کی مسکراہٹ جواب نہیں رکھتی، کس لطف کے ساتھ مسکراتی ہے وہ لڑکی —— !"

اس واقعہ کے بہت دن بعد، میری اور تمہاری تاہس میں ملاقات ہوئی تھی، تمہارے بکس میں شیلا کی تصویر تھی، تم نے مجھے اس کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا تھا: ——

"یہ شیلا ہے شیلا! وہی شیلا! جس کو تم جانتی ہو -- !"

شیلا کی تصویر تمہارے ہاتھ میں تھی، اور تمہاری زبان پیار سے لے لے کر "شیلا" کا نام لے رہی تھی —— اور ہاں! خوب یاد آیا، گذشتہ ہولی کے تیوہار پر، تمہاری پچکاری کا رُخ شیلا ہی کی طرف رہا تھا۔ اس کو تم نے رنگ میں ڈبو کر، بیر بہوٹی بنا دیا تھا، اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی تسکین نہ ہوئی، تو تم نے اس کے ماتھے اور رخساروں پر گلال ملا تھا —— ! میں تم سے بدگمان نہیں ہوں، لیکن ان واقعات کو کیا کروں، جو آپ ہی آپ ایک کہانی کی کڑیاں ملائے دیتے ہیں۔

اس خط کا جواب دینے کی ضرورت نہیں، کشور کی شادی میں تم سے ملاقات ہو گی، اس وقت مفصل گفتگو ہو سکے گی، اچھا اب رخصت ہوتی ہوں۔ میرے خط کو گھبرا کر نہ پڑھئے! غور و فکر کی ضرورت ہے!

گیارھواں خط

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم! آپ کا مکتوب وصول ہوا یاد فرمائی کا شکریہ!

آپ نے میرا مضمون پسند فرمایا، یہ آپ کا کرم ہے مگر اتنی سی بات کے لئے اتنا لمبا چوڑا خط لکھنے کی ضرورت نہ تھی، آپ نے میرے مضمون کی تعریف کرتے کرتے، یہ شعر جو درمیان میں کہہ دیا ہے۔

خطاؤں سے پہلے پشیمانیاں ہیں،
محبت کی معصوم نادانیاں ہیں،

اُس کا مفہوم میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اتنے اچھے شعر کا "استعمال" بے محل "اور "غلط" استعمال! آپ جیسے فاضل ادیب کے لئے مناسب نہ تھا۔ اور ہاں! آپ نے مجھ سے میری تصویر جو بار بار طلب کی ہے، اور اسی ضمن میں جو بے تکلفی کے ساتھ، طنز آمیز جملے لکھے ہیں، اُن کو پڑھکر مجھے تکلیف ہوئی۔ آپ ایڈیٹر ہیں، میں مضمون نگار، میں نے مضمون بھیجا، آپ کو پسند ہو تو شائع کیجئے، پسند نہ ہو تو واپس کر دیجئے میرے اور آپ کے تعلقات بس اس حد پر پہونچ کر ختم ہو جاتے ہیں، لیکن آپ نے مجھے "عورت" سمجھ کر، جس فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے، اُس سے آپ کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے، آپ خوفناک مغالطہ میں مبتلا ہیں، ایڈیٹر صاحب! عورت اتنی کم عقل نہیں ہوتی، جتنا آپ نے سمجھ رکھا ہے۔

اچھا! ان سب باتوں کی کوئی نہ کوئی تاویل ہو سکتی ہے، لیکن آپ اس جملہ کا

"میں اس جوانی کے عالم میں بھی، ایسا رنگین افسانہ نہیں لکھ سکتا"

کیا جواب دیں گے؟ آپ کو دخل در معقولات بن کر اپنی "جوانی" کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مضمون نگار کو کسی رسالہ یا اخبار کے ایڈیٹر کی جوانی اور بڑھاپے سے کیا واسطہ!

برو! ایں دام، بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

میں بھی جوان ہوں، بلکہ نوجوان۔ ! مگر مجھ میں اور آپ میں فرق اتنا ہے، کہ آپ اپنی جوانی سے جوا کھیلنا چاہتے ہیں، اور میں اپنی جوانی کو قدرت کی ایک مقدس امانت سمجھتی ہوں، جو کسی قیمت پر بھی اِدھر سے اُدھر نہیں کی جا سکتی۔ آپ کی طرح میں بھی سینہ میں حساس دل، اور گرم جذبات رکھتی ہوں، مگر میرے جذبات، برف کے کھلونے نہیں ہیں، جو ذرا سی گرمی سے پگھل جاتے ہیں۔

آپ کے رسالہ میں، جہاں اور بہت سے اشتہار چھپتے ہیں، وہاں اپنی "جوانی" کا بھی ایک اشتہار چھپوا دیجئے، بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ سرورق پر، اپنے نام کے ساتھ۔

ایڈیٹر .... عمر ۱۶ سال

لکھ دیجئے۔ تاکہ آپ کے رسالہ پر نظر پڑتے ہی عورتیں بے تاب ہو کر، آپ کو محبت کے خطوط لکھنا شروع کر دیں، اور آپ دن میں تین تین مرتبہ داڑھی اور مونچھیں صاف کر کے، آئینہ میں اپنے جوان چہرے کو دیکھیں اور یہ مصرعہ گنگنائیں: ——

اُف مری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

میرے یہ الفاظ آپ کو گراں گزریں گے، لیکن ان الفاظ میں آپ کے لئے بھلائی اور ہدایت کی ایک دُنیا پنہاں ہے —— !

بارھواں خط

تمہاری مسکراہٹوں کو سلام، شوخیوں کو آداب، قہقہوں کو تسلیمات۔ قہقہے کو نستے، اور تمہاری ساری کے برش کو گڈ مارننگ۔۔!

میں کہتا نہ تھا کہ تم چاہے کتنے ہی غصہ میں کیوں نہ ہو، میرے خط کو پڑھتے ہی مسکرا دو گی! تم نے اس پر کہا تھا کہ میں نہیں مسکراؤں گی، سچ بتاؤ! تم کو مسکرانا پڑا، تمہارے معصوم ہونٹوں نے تم سے غداری کی اور میری بات رکھ لی، تم ابھی ابھی مسکرا رہی تھیں! اور ذرا سی دیر میں ماتھے پر شکن آ گئی، اچھا صاحب، آپ نہیں مسکرا رہیں، اور ہاں! آپ تو اکثر مسکراتی رہتی ہیں، میرے خط نے آپ کو مسکرانے پر مجبور نہیں کیا۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں تم ہنسی ہنسی کی باتوں میں سچ مچ ناراض نہ ہو جاؤ، تمہاری خفگی سے میں بہت ڈرتا ہوں۔

میری جس غزل کے متعلق تم نے اشارہ کیا ہے، وہ غزل میں تم کو بہت دن پہلے سنا چکا ہوں، حیرت ہے کہ تم بھول گئیں، میں نے اس شعر پر:

نگاہِ شوق پہ حسرت سی چھائی جاتی ہے
اس احتیاط سے چلمن اٹھائی جاتی ہے

تم نے اپنا ریشمیں رومال ہلا کر کہا تھا:۔

"مغالطہ ہے، آپ کے گھر کون چلمن اٹھاتا ہے۔۔۔!"

اس پر میں نے برجستہ یہ شعر پڑھا تھا:۔

وہ بھی نہ پیچھے ہٹیں تو اس عاشقی پہ خاک
مجھ سے فقط نگاہ ملانے کی دیر ہے

اس پر تمہاری سہیلی (نام ذہن سے اتر گیا) نے تمہاری طرف مسکرا کر دیکھا تھا، اور تم نے گھبرا کر کہا تھا:۔

"کوئی قومی نظم سنائیے! غزلیں تو بہت ہو چکیں۔۔۔!"

اتنا اتا پتا بتانے کے بعد، تو تم کو ضرور یاد آ جائے گا، بہر حال غزل ارسال خدمت کر رہا ہوں۔

ہاں! فرید آباد سے ابھی ملازم واپس نہیں ہوا، اس کے آتے ہی مہندی کا پارسل روانہ کر دوں گا۔ تم کو مہندی لگانے کا اتنا شوق کیوں ہے؟ تمہاری انگلیاں تو مہندی کے بغیر ہی بہت رنگین معلوم ہوتی ہیں۔۔۔ اتنی تیز شراب کو اور زیادہ آنچ دینے کی کیا ضرورت ہے، بہت شرمندہ ہوں کہ تمہاری فرمائش کی تعمیل میں ضرورت سے زیادہ دیر ہو گئی۔ میرا بس چلتا تو فرید آباد کی مہندی کے تمام باغ تمہارے پاس بھیج دیتا۔ مہندی کے لئے زیادہ اصرار کرو گی، تو سچ مانو، مجھے مہندی سے رقابت ہو جائے گی۔

میں راشدہ کی شادی میں شریک ہوا تھا، تم کو سب لوگ یاد کرتے تھے۔ راشدہ کے شریک حیات کو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا، تھوڑی دیر بات چیت بھی کی، آدمی تو معقول ہے۔ مگر راشدہ ذرا تیز مزاج واقع ہوئی ہے، اس کی باتوں کو شاید وہ برداشت نہ کر سکے گا۔ بیاہ کے بعد لڑکیوں میں بہت کچھ تبدیلیاں ہو جاتی ہیں، ممکن ہے کہ راشدہ بھی اتنی مزاج تیز نہ رہے۔ راشدہ دلہن بن کر آئیڈیل مانگ کا نظریہ بن گئی تھی، مجھے ہنسی بھی آئی تھی، اور افسوس بھی ہوا تھا۔!

افسوس اس بات کا کہ اب یہ وہ راشدہ نہیں رہی، جو بہت آزادی کے ساتھ، باغوں کی روشوں پر گھومتی پھرتی تھی۔۔۔! خیر یہ تو ہونا ہی تھا۔۔۔!

اس خط کا جواب جنتری کے ذریعہ دینا، اس کی وجہ پھر بتاؤں گا، دیکھو! بھول نہ جانا۔۔۔!

تیرھواں خط

میں آداب عرض کرتی ہوں! اور ہاں، ستارے بھی میرے ساتھ تسلیمات کر رہے ہیں! اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں، میں صحن میں بیٹھ کر تم کو خط لکھ رہی ہوں، سب لوگ سو رہے ہیں۔ آرام کے ساتھ۔! میں اور ستارے جاگ رہے ہیں، میری بے چینی کی گواہی دینے کے لئے۔!

جی میں آتا ہے کہ دل کی تمام دھڑکنیں خط میں بند کر دوں، مگر آہ! کاغذ بھی قدرت نہیں رکھتی، آدمی کتنا مجبور ہے، نہ دل پہ اس کو اختیار، نہ نظر پر قابو، اور نہ اظہارِ جذبات کی قدرت! اول سے آخر تک مجبوری ہی مجبوری کارفرما ہے۔ کچھ زیادہ کہوں گی، تو "علمائے کرام" کفر کا فتویٰ لگا دیں گے،

اختیارات کی روداد نہ پوچھ
زیست الزام ہوئی جاتی ہے

ستارے بہت حسین ہیں، اور ان کی روشنی حسین تر ہے، مگر:۔۔۔

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
ستاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگِ جاں پر

اگر ستاروں کو میرے دل کی بات کی خبر ہوتی تو وہ مسکرا مسکرا کر نہ چمکتے۔ مگر وہ بیچارے، زمین والوں کے دکھ درد کو کیا جانیں، وہ اپنی طرح،

ساری دنیا کو خوش و خرم سمجھتے ہیں ---

اس مرتبہ تم نے بہت ہی خشک خط لکھا ہے، روکھا، پھیکا، سنجیدہ --- ! یہ جینا کا آخر کون انداز ہے۔ اور پھر کل سات سطروں میں تم نے ختم کر دیا۔ غضب خدا کا، یہ بھی احسان ہی جتایا جاتا ہے کہ

"تمہارے خط کا جواب فوراً دے رہا ہوں"

آپ کی توجہ کا بہت بہت شکریہ --- ! مگر یہ مختصر نویسی اور سنجیدگی میرے لئے ناقابل برداشت ہے، جی میں آتا ہے۔ کہ تمہارے خط کے جواب میں اقلیدس کی ایک شکل بنا کر بھیج دوں، مگر پھر سوچتی ہوں کہ تم ناراض ہو جاؤ گے اور کہو گے کہ مجھے بنایا جا رہا ہے۔

کاش! تم کو معلوم ہوتا کہ تمہارے خط کا میں کس قدر بے چینی کے ساتھ انتظار کرتی ہوں، اور تمہارا دوسرا خط آنے تک، وہ خط میری تنہائی میں میرا مونس اور ہمنشین رہتا ہے --- میں ایسے ہمنشین کا کیا کروں گی جس میں جذبات نہ ہوں: پیاسے کیلئے اوس کی بوندیں ہی بہت ہوتی ہیں، تمہارے رنگین خطوں کا بھی میرے ساتھ یہی سلوک ہے --- !

تمہارے امتحان کے نتیجہ کا بے چینی کے ساتھ انتظار ہے، میرا دل کہتا ہے تم ضرور کامیاب ہو گے، دو دردمند دلوں کی دعائیں کہیں خالی جا سکتی ہیں! --- نتیجہ معلوم ہوتے ہی مجھے اطلاع دینا، یہ نہ ہو کہ خوشی کی گھڑیوں میں مجھے بھول جاؤ --- مضمون ختم کر رہی ہوں، آداب و نیاز --- !

چودھواں خط

"اس پشیمانی کے صدقے، میں پشیمان ہو گیا" --- !

تم اور اظہار ندامت! ضمیر کانپ اٹھا! اپنی غلطی پر نادم ہوں کہ میں نے تم کو ایسی بات کیوں کہہ دی! --- خدا کے لئے معاف کر دو، سچے دل کے ساتھ! میں بھی بعض وقت کتنا جھگڑالو بن جاتا ہوں --- اگر مجھے حاکم بنا کر خود میرا مقدمہ میرے سامنے پیش کیا جائے تو میں اپنے لئے وہ سزا تجویز کروں گا جس کو شاید تم سن بھی نہ سکو گی، تم اور معافی خواہ! کس قدر عجیب سی بات ہے! --

حیرت ہے کہ زمین و آسمان اپنی جگہ قائم ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ کائنات عزت و ندامت کے احساس کو زائل کر چکی ہے --- جب تک تمہارا خط نہیں آئے گا کہ ---

"میں نے تم کو معاف کر دیا ---"

اس وقت تک سب چیزیں بے رونق کا ... میری بے چینیاں اور دل کی دھڑکنیں تمہارے جواب کا راستہ دیکھ رہی ہیں

پندرھواں خط

او شب کی آنکھ والے کچھ تجھے بھی ہوش ہے --- !

اس دن کیا جوانی کہ کوئی راستہ میں آواز دیتا رہ جائے، اور آپ ... پلٹ کر جواب تک نہ دیں، شاید جوانی کا نشہ شراب کے نشہ سے بھی زیادہ تیز ہوتا ہے --- بازار میں کتنے آدمیوں سے ٹکر ہو گئی، لوگوں نے کہا --

"دیوانہ ہے دیوانہ"، لوگوں نے اگر یہ بات کہی تو ٹھیک ہی کہا، لیکن خوب کہا! حضرت دیوانگی تو یہی اور کیا ہے؟ دیوانے ہی تو محبت کرتے ہیں، اچھا! جواب دیجئے کہ آپ میری اطلاع کے بغیر شہر میں کیوں آئے، اور مجھ سے بغیر ملے ہی چلے گئے۔ انتہائی خفگی میں یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں --- !

Mast Qalandar



LARGEST
NET SALES
OF ANY
MONTHLY
PRINTED IN INDIA

مست قلندر



بیسویں صدی کا بن مانس جو آجکل اہل نیویارک کے لئے ایک معمہ بنا ہوا ہے۔ یہ انسانوں کی طرح ہنستا روتا کھاتا پیتا اور بات چیت کرتا ہے۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۸۵

تارکا پتہ مستقلندر لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۸۵

ہندو ہے ایک آنکھ مسلمان دوسری

خوش باش دمے کہ زندگانی این است

نمبر ۴

جلد ۲۲

بعضے بہ تماشائے خط و خال خوش اند
بعضے بہ تمنائے زر و مال خوش اند

اسباب پریشانیہا ماست
بہرحال خوش اند

سالنامہ مست قلندر لاہور ۱۹۴۰ء

اردو میں اپنی قسم کا واحد باتصویر کثیر الاشاعت رسالہ

اُن زندہ دل انسانوں کے لئے جنہوں نے زندگی کا منتہائے مقصود تلاش کیا ہے ہمیشہ خوش رہنے اور دوسروں کو خوش کرنے میں جو خدا کی حقیر ترین مخلوق کو بھی محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو اپنے قول یا فعل سے کسی کی دلآزاری نہیں کرتے جن کا مذہب ہے، خدا کے ہر ایک بندے سے بلا امتیاز رنگ و قومیت محبت کرنا

ایڈیٹر ڈاکٹر پرتھی سنگھ

قیمت فی پرچہ

امرت الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام ڈاکٹر پرتھی سنگھ پرنٹر و پبلشر چھپ کر دفتر رسالہ مست قلندر و شنولین گوالمنڈی لاہور سے شائع ہوا۔

انوکھے شاہکار ادبی اور روحانی جواہر پارے

فہرست مضامین سالنامہ ۱۹۴۸ء

راتوں کی نیند حرام کرنیوالے رنگین افسانے

سالنامہ میں شائع ہونیوالے جملہ مضامین حسب ضابطہ رجسٹری شدہ ہیں۔ لہٰذا کوئی صاحب نقل کرنے کی جرأت نہ فرمائیں

دلگداز آپ بیتیاں

تڑپا دینے والی زندہ جاوید نظمیں

وجد آفرین اور رومان پرور خطوط

مصری ممیوں کے پراسرار اور چشم دید حالات

دلچسپ معمہ نمبر ۱ کے سلسلے میں دو صد روپیہ نقد کے انعامات کا سلسلہ اندر دیکھئے

دلچسپ معمہ کے خوش نصیب انعام یافتگان کی فہرست (اندر دیکھئے)

پیش کش

اُن کی خدمت میں ...... جن کو مست قلندر نے پریم کرنا سکھایا ہے۔ خدا کے بنائے ہوئے ہر ایک انسان سے۔ بلا تفریق مذہب بلا قید ذات پات اور بلا امتیاز کالے اور گورے کے۔

اُن کی خدمت میں ...... جو مست قلندر سے محبت کرتے ہیں۔ نہ صرف اس لئے کہ وہ محبت کئے جانے کے لائق ہے بلکہ اس لئے کہ "محبت" کا جواب "محبت" ہے۔ اور مست قلندر دُنیا میں عالمگیر محبت اور انسانیت کا پرچار کر رہا ہے۔ اُن زندہ دل احباب کی خدمت میں ...... جو مست قلندر کے ہنگامہ خیز اچھوتے مضامین اور بلند پایہ اخلاقی و رُوحانی مقالات کے مطالعہ سے اکثر کیف و سرور کی دُنیا میں کھو جاتے رہتے ہیں۔ نیز اس کے وجد آفریں گیتوں اور شراب و شعر میں ڈوبے ہوئے رنگین افسانوں کو سن کر بارہا رُوحانی حظ حاصل کر چکے ہیں *

سالِ نو مبارک

مست قلندر کے ہزاروں، لاکھوں پڑھنے والوں کو سالِ نو مبارک ہو
اس مبارک اور سعید دن کی خوشی میں ہم صرف ایک شعر مست قلندر
ریڈیو اسٹیشن سے براڈکاسٹ کراتے ہیں۔ اس شعر کو اگر
دُنیا والے اپنی روزمرّہ کی زندگی میں داخل کر لیں تو اس میں
شک نہیں کہ دُنیا اب بھی ہولناک جنگ کی تباہی اور
مصیبت سے بچ سکتی ہے

نفرت سے دیکھنا مت جگ میں کسی کو پیارے
کہتے ہیں گیانی[۱] والے ہر من[۲] میں ہے ہر[۳] سمایا

۱؎ اہلِ معرفت ۲؎ ہر ایک میں ۳؎ معنی خدا۔

اُن کرمفرماؤں کی خدمت میں ...... جو مست قلندر کی نت نئی جدتوں سبق آموز اور نتیجہ خیز کہانیوں، سائنٹیفک دریافتوں اور جدید طبی معلومات سے لبریز مضامین سے برابر مستفیض ہوتے رہتے ہیں "

اُن محبانِ صادق کی خدمت میں۔ جو مست قلندر کی حقیر خدمات کا کئی مرتبہ اعتراف کر چکے ہیں اور مان گئے ہیں اس بات کو کہ اس نے پریم کی بانسری بجا کر ہندو اور مسلمان کو باہمی یگانگت اور رواداری سے رہنے کا سبق سکھایا ہے، یہاں تک کہ اب وہ ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھنے لگے ہیں۔

اُن یارانِ طریقت کی خدمت میں ...... جنہوں نے مست قلندر کو اس کے اصل رُوپ میں دیکھ لیا ہے اور سمجھ لیا ہے کہ وہ کر رہا ہے رہنمائی مستحق اشخاص کی صحیح طریق پر عشق مجاز سے عشق حقیقت کی جانب

ہاں۔ ہاں انہیں پیاروں کی خدمت میں
سالِ نو کا یہ ناچیز تحفہ بکمال خلوص دلی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ ع

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

سالنامہ مست قلندر لاہور ۱۹۴۸ء

جلد ۲۲ — نمبر ۴

پنگھٹ کی شام

از حضرت ماہر القادری

پیڑوں کی چھاؤں ریت کے ذرے شفق کی ضو ۔ ساحل کو چومتی ہوئیں موجیں بہ طرزِ نو
خورشید کے چراغ کی بجھتی ہوئی سی لو ۔ بربط سا چھیڑتی ہوئی ندی کی تیز رو

موجوں کے زیر و بم میں عجب اہتمام ہے
فردوس کی سحر ہے کہ پنگھٹ کی شام ہے

پھیلی ہوئیں جھکے ہوئے پیڑوں کی ڈالیاں ۔ دریا کی سطح بن گئی، سایہ کا آسماں
جاتا نہیں ہے ایک بھی نظارہ رائگاں ۔ گاؤں سے آ رہی ہیں کسانوں کی لڑکیاں

مٹی کی گاگروں کو سروں پر لئے ہوئے
مستی کی تیز تیز شرابیں پیئے ہوئے

چڑھتا ہوا شباب، مکمل جوانیاں ۔ موضوعِ حسن و عشق، مجسم کہانیاں
تہذیبِ عہدِ رفتہ کی زندہ نشانیاں ۔ کھیتوں کی شاہزادیاں، گاؤں کی رانیاں

(تازہ ترین)

آتے ہی اُن کے منظرِ ساحل بدل گیا
ماحول حُسن و کیف کے سانچے میں ڈھل گیا

(خاص)

جوانی کی بانہیں

بیوہ کی آپ بیتی

دیکھتے ہی دیکھتے میں جوان ہوگئی اور مجھے احساس تک نہ ہوا۔ البتہ ایک روز شام کو جب میں مکان کی چھت پر کھڑی تھی دیکھا کہ نیم کی ایک شاخ پر کبوتر کا ایک جوڑا محوِ اختلاط تھا۔ میں نے سراپا اپنے وجود کا جائزہ لیا۔ واقعی میرا ہر عضو ایک جوان لڑکی کی طرح بھر چکا تھا۔ اپنے سینوں کا ابھار دیکھ کر میں شرما گئی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ چند ماہ بعد میری شادی بھی ہونے والی تھی سہاگ کی رات کے تصور سے میں محجوب سی ہوگئی۔ دیر تک میں شادی کے رنگین خیالات میں کھوئی رہی۔ اس روز میرے دل میں یہ خلش پیدا ہوئی کہ مجھے بھی کوئی اپنی آغوش میں بھینچ کر پیار کرتا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے واقعی مجھے اپنے پہلو میں دبا لیا ہے اور ہونٹوں کو چوم رہا ہے۔ میرے لبوں میں ارتعاش پیدا ہوگیا۔ اور آنکھیں خود بخود بند ہوگئیں میں سوچنے لگی ——— نہ جانے کیا کیا سوچنے لگی جب میں نے آنکھ کھولی تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ ساتھ ہی ماں نے نیچے سے آواز دی اور میں چلی گئی۔

یہ خودستائی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ میں خوبصورت تھی۔ لوگوں کا بھی یہی خیال تھا۔ بھابی کبھی کبھی کہا کرتی "تمہیں تو کسی راجا کے گھر میں پیدا ہونا تھا"۔ جب کبھی بھابی کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے میں چپکے سے دوسرے کمرے میں چلی جاتی اور قد آدم آئینے کے روبرو کھڑی ہو کر اپنا جائزہ لینے لگتی ——— اپنے عضو عضو کو بغور دیکھنے لگتی۔ گورا رنگ، چھریرا بدن، میانہ قد، بھرا ہوا چہرہ، گداز بانہیں، پتلے پتلے ہونٹ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، ابھرے ہوئے سینے اور لمبے لمبے بال۔ یہ تمام صفات بیک وقت اپنے میں مجتمع دیکھ کر میں مغرور ہو جاتی اور دل ہی دل میں سوچتی کہ نہ جانے "وہ" کیسا ہوگا۔ ایک روز تو بھابی نے مجھے ایسا کرتے دیکھ بھی لیا۔ اور کئی روز تک مجھے چڑاتی رہی۔ نہ جانے کیوں مجھے اسکے چڑانے میں لطف آتا تھا۔ بظاہر تو میں رنجیدہ ہو جاتی تھی مگر دل یہ چاہتا تھا کہ وہ ہر وقت میرے ساتھ میری جوانی کی اور میرے پتی کی باتیں کیا کرے۔ میں خود کو "کسی" کے حوالے کرنے کیلئے بیتاب تھی۔ میں چاہتی تھی کہ مجھے کوئی اپنی گود میں لے کر پیار سے میرے بال سہلائے اور کہے "میں تم سے پریم کرتا ہوں میری رانی!" اور میں انکے ہاتھ کو اپنی چھاتی سے دبا کر ایک لمبی سانس لوں اور کہوں "مجھے بھی تم سے پریم ہے میرے راجا!"

آخر ایک طویل و شدید انتظار کے بعد میری شادی کا دن بھی آپہنچا۔ اُف! میرے پاس الفاظ ہی نہیں جو میں اپنی ان مسرتوں کو بیان کروں جو اُن دنوں میرے دل میں پیدا ہوئی تھیں سینکڑوں آرزوئیں میرے دل میں تڑپ رہی تھیں بیسیوں تمنائیں جاگ اٹھی تھیں اور ہزاروں ارمان مچل رہے تھے۔ جوانی انگڑائیاں لے رہی تھی، جذبات کروٹیں بدل رہے تھے اور پریم پیاسی روح اپنے ذوقِ محبت کی آسودگی کے لئے بیقرار تھی۔ ہر وقت وہی خیال، وہی کیفیت اور وہی بدحواسی۔ میری جیسی گرمجوشی سے شاید ہی کسی لڑکی نے شادی کا خیر مقدم کیا ہو۔

دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میں نے سہاگ کے کمرے میں قدم رکھا۔ کسی کے قدموں کی چاپ سن کر میرے تنفس میں ہیجان پیدا ہوگیا۔ دوسرے لمحہ میں میرا دولہا میرے پہلو میں تھا۔ میں سمٹی ہوئی تو بیٹھی ہی تھی اور سمٹ گئی۔ اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"ارے! او شرارتی! مجھ سے شرماتی ہو؟ اپنے پریتم سے۔ نا نا ایسا نہ کرو میری رانی" یہ کہتے ہوئے میری کمر میں اپنا بازو ڈال دیا۔ اُف! کتنا اشتیاق انگیز تھا اسکی گفتگو کا انداز۔ یکایک میری رگیں کوندا اٹھیں اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لینا چاہا مگر میں نے اسکا ہاتھ اپنے جسم سے علیحدہ کر دیا ——— آہ! کتنی مترنم اور موسیقی ریز تھی وہ جھنکار جو میرے اعضا کی جنبش سے پیدا ہوئی تھی۔

"اچھا یہ بات ہے! ٹھہرو تم ایسے تو مانوگی نہیں" وہ میرے قریب کھسک کر بولا۔ اور جلدی سے گھونگٹ الٹ دیا۔ میں نے وفورِ شرم سے آنکھیں بند کر لیں میں اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ اسکے ہونٹ پیوست ہوگئے۔ اُف! اس کی کیفیت کتنی والہانہ اور رجعت پرور تھی۔ اس نے میرے بازوؤں کو اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ اور بار بار میرے ہونٹوں، رخساروں اور پیشانی کو بوسہ دیا پھر بولا "اب دیکھو۔ اس چاند سے مکھڑے پر سے جب گھونگٹ کا بادل پھٹ گیا تو کمرہ کس طرح جگمگا اٹھا۔ دل میں تو ہوگا کہ اب کوئی میرا گھونگٹ الٹ دے اور ظاہر میں یہ جھوٹے شوشے نخرے"

"اوں!" کر کے میں جلدی سے اس سے الگ ہوگئی۔ اور ساری کے آنچل کو انگلیوں سے مسلنے لگی۔

"تم روٹھ گئیں اوشا! اچھا مان جاؤ اب نہیں چھیڑونگا" یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آنکھیں چار ہوئیں اور ہونٹوں پر تبسم مچلنے لگا۔

میرا پتی مجھکو ہر لحاظ سے پسند تھا تعلیم، شائستگی، محبت، جوانی، صحت اور خوبصورتی یہ تمام باتیں اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ہماری زندگی پریم اور آنند کے دھارو

میں بہنے لگی۔ ہم آزاد پرندوں کی طرح مسرور و شاداں تھے۔ میرا پتی ایک سکول ماسٹر تھا ہر روز چار بجے شام کو میں دروازے پر کھڑی ٹکٹکی باندھ کر انتظار کیا کرتی۔ مجھے دیکھ کر اُس کا چہرہ پھول کی طرح شاداب و شگفتہ ہو جاتا میں پہلے ہی سے اُس کے لئے چائے اور ناشتہ تیار رکھتی ـــــ دیکھئے میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ہیں۔ ابھی لکھنے سے معذور ہوں۔ پھر دوسرے دن اپنی زندگی کی کہانی ختم کروں گی۔ میری شرمناک مگر دردانگیز زندگی ظالم سماج کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ ہے اور نوجوانوں کے لئے دلچسپی کا مواد۔

شادی کے بعد مشکل سے ہم نے چار ماہ گذارے ہونگے کہ شہر میں ہیضہ پھیل گیا۔ اُسکے بعد ـــــ آہ! ـــــ آہ! میرا کلیجہ منہ کو آ رہا ہے آہ! میرا سہاگ لٹ گیا۔ میری زندگی اُجڑ گئی۔ میری بہار خزاں میں تبدیل ہو گئی۔ میری زندگی کا پھول مرجھا گیا۔ میری جوانی کا چراغ گل ہو گیا ـــــ اُف! میں بیوہ ہو گئی۔ ابھی میری عمر ہی کیا تھی پورے بائیس سال بھی۔ ابھی میں نے دیکھا ہی کیا تھا شادی کے چند مہینے مگر اب میں بیوہ تھی جس پر زندگی کی مسرتوں کے تمام دروازے بند ہو جائیں۔ نہ وہ سنگار کر سکتی ہے نہ خوشیاں منا سکتی ہے۔ اُس کا کام ہے زندگی کو فریب دینا اور غم میں گھلتے رہنا۔ شکر ہے کہ میرا واسطہ ایک ایسے گھرانے سے پڑا تھا جو بیوہ لڑکی کو غم نصیب سمجھتے ہیں منحوس نہیں۔ ساس، نند اور بھابی نے میرے غم کو بھلانے کی بہت کوشش کی مگر ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے میں اپنے پیارے پتی کی یاد میں ہر وقت روتی رہتی۔ رونے سے میرا یہ حال ہو گیا کہ ایک روز آئینہ دیکھ کر اپنی حالت پر رونا آ گیا۔ مرنیوالے نے میری زندگی کے ساتھ اپنی ایک امانت بھی چھوڑی تھی جس کا حال ابھی صرف بھابی ہی کو معلوم تھا۔

دن گذرتے گئے اور رفتہ رفتہ غم بھی غلط ہوتا گیا۔ مجھے دوسری کسی دلچسپی اور خوشی میں حصہ لینے کا تو حق ہی نہ تھا اس لئے میں نے کتابوں سے دلچسپی پیدا کر لی۔ میرے پتی عمدہ کتابوں کے بڑے شوقین تھے اسی لئے میرے گھر میں اچھی اچھی کتابوں کی ایک چھوٹی موٹی لائبریری تھی۔ ہولی اور دیوالی آئی بھی اور چلی بھی گئی۔ سہاگنوں نے جی بھر کے خوشیاں منائیں کھیلیں کودیں اور ہنسیں۔ مگر میں اُنہیں رشک آمیز نگاہوں سے دیکھ دیکھ کر ترستی رہی۔ دل ہی دل میں کڑھتی رہی اور روتی رہی۔ ہولی اور دیوالی کے دن کو کسی نے مجھ سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی۔

میرے ایک چاند سا ننھا پیدا ہوا۔ سوچا اب زندگی کا روکھا پن ختم ہو جائیگا۔ اپنے ننھے سے پریت کی ریت کرونگی اسی سے ہنسوں گی بولونگی۔ اسی سے کھیلونگی اور جی بہلاؤنگی۔ اُسکی پرورش اور محبت میں اگلی پچھلی باتوں کو بھول جاؤنگی۔ مگر ایشور کو یہ بھی منظور نہ تھا۔ اسنے چند ہی مہینوں کے بعد میرا ننھا بھی مجھ سے چھین لیا۔ میری زندگی اور بھی خشک اور بے معنی ہو گئی۔ اگر سسرال والے میری دلجوئی نہ کرتے تو یقیناً میں خودکشی کر لیتی۔ گھر والوں نے مجھے بہر صورت خوش رکھنے کی کوشش کی۔

دو سال گذر گئے۔ اس عرصہ میں شاید میں نے تین چار مرتبہ آئینہ دیکھا ہو۔ اب مجھے آئینہ دیکھنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ اس دو سال میں میرے محلے کی چار لڑکیوں کی شادیاں ہوئیں اور وہ سب کی سب عیش و عشرت کی زندگی گذار رہی تھیں اور میری تو فقط سانس چل رہی تھی۔ اگر زندگی اسی کا نام ہے تو دنیا کیساتھ میں بھی جی رہی تھی۔

ایک روز جی میں آیا کہ ذرا باقاعدگی سے غسل کروں، کپڑے بدلوں اور بالوں میں تیل ڈال کر کنگھی کروں۔ اُن دنوں میں فرانسیسی افسانہ نگار موپاساں کے شباب انگیز اور سحر زا افسانوں کا مطالعہ کر رہی تھی۔ اور یہ تحریک یقیناً اُنہیں رنگیں افسانوں کی تھی۔ آخر میں نے ایسا ہی کیا۔ بن سنور کر آئینہ جو دیکھا تو چند سال پیچھے کی دنیا میں پہنچ گئی۔ وہی رنگ و روپ، وہی جوانی کا نکھار، وہی آنکھیں اور وہی تمتایا ہوا چہرہ۔ میں نے مسکرا دیا۔ اور اپنے سراپا کو دیکھا۔ گول گول کلائیوں کو ریشمی چوڑیوں سے خالی دیکھ کر میرا جی بھر آیا۔ اور آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ میں مایوس و غمگین ہو کر ایک سرد آہ کیساتھ بیٹھ گئی۔

آہ! ابھی میری جوانی کی پیاس سرد نہیں ہوئی تھی، ابھی محبت سے میرا جی، نہیں بھرا تھا۔ پھر کیوں میری جوانی کے طوفان انگیز اور ہنگامہ پرور سیلاب کو تھم جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ پھر کیوں میری محبت کی راہ میں اٹل رکاوٹ پیدا کر دی گئی تھی؟ سماج کے خلاف میرے دل میں بغاوت کی آگ بھڑک اُٹھی۔

میں غصہ میں بھری ہوئی دوبارہ آئینہ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ غصہ سے میرا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا مگر آہ! میرے رخساروں پر آنسو کی بوندیں لرز رہی تھیں۔ میں نے ان قطروں کو آنچل میں جذب کر لیا۔ دل نے آواز دی "نادان اوشا جب سماج نے تیری معصوم جوانی کو خاک میں ملا دینے کا فیصلہ کر دیا اور تیری کوئی پرواہ نہ کی تو تو پھر کیوں اُسکی پرواہ کرے۔ تو اپنا حق کیوں چھوڑ دے، تو کیوں اپنی جوانی کو سماج کے امتحان پر بھینٹ چڑھائے۔ کوئی پریم کرنیوالا اپنا پجاری ڈھونڈ نکال۔ تو بھی اس سے پریم کر۔ جوانی کی پیاس بجھا اور پریم کی آگ ٹھنڈی کر" تجویز معقول تھی پسند آ گئی۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ ضرور ایسا ہی کروں گی۔ سماج کو ضرور فریب دونگی۔ وفور جوش اور فرط جذبہ سے میں زور زور سے سانس لینے لگی۔ اپنے سینوں کا زیر و بم دیکھ کر میں نے سوچا "میری ہی ایک چیز ایک نوجوان مرد کے لئے کس درجہ صبر شکن ہو سکتی" ـــــ میں پھر مسکرانے لگی اور ایک انگڑائی لیکر پلنگ پر لیٹ گئی۔

اوشا! اوشا!! یہ کہتی ہوئی بھابی کمرے میں داخل ہوئی۔ میں اُٹھ بیٹھی۔ اُسکے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا دیکھو میرا بھائی نندکمار یہاں ہولی منانے آیا ہے

کل ہی پہونچ جائیگا۔ گھر کے تمام لوگوں کو اس نے پرنام لکھا ہے۔ اُف! میرا بھیا نند کتنے دنوں کے بعد وہ کشور مجھ سے ملنے آرہا ہے" بھابی مارے خوشی کے پاگل ہوئی جارہی تھی میں نے لفافہ انکے ہاتھ سے لیکر پڑھا۔ اور دل ہی دل میں ہونٹ دانت تلے دباکر بولی "نند کمار! —— بھابی کا چھوٹا بھائی۔ گھر کے سب لوگوں کو پرنام اور اُوشا رانی کو بھی پرنام

"بھابی! انکی شادی نہیں ہوئی کیا جو پہلی پر یہاں آرہے ہیں؟" میں نے یونہی پوچھا۔

بھابی بولیں "ارے پگلی! ابھی اس کی شادی کیوں ہونے لگی۔ ایم اے کریگا تب ہوگی دو سال کے بعد۔ اور دیکھ! مجھ سے بڑی بحث کرتی تھی نا تو میں بیچاری ٹھہری جاہل البتہ میرے نندو سے بحث کیجیو تب معلوم ہوجائے گا۔"

"بھابی! کہیں آپکے نندو بھائی غصہ ور تو نہیں ہیں؟"

"ہت! ارے اُسکی باتوں سے تو ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائینگے۔ بڑا خوش مزاج ہے۔ آنے دو تو دیکھ لینا" یہ کہہ کر بھابی چلی گئیں۔

میں نے نند کمار کی آمد کا بڑے شدومد سے انتظار کیا۔ آخر دوسرے دن شام کو وہ آہی گیا۔ میں نے دیکھا وہ ایک حسین و جمیل لڑکا تھا۔ آنکھوں میں ایک خوشگوار چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ خوبصورت بال اور تراشا ہوا قد۔ پہلی ہی نظر میں میرا دل اُسکے قدموں میں تھا۔ اُس نے کتنی خوش مزاجی اور شرافت کے ساتھ مجھے پرنام کیا اس کی یہی اک ادا مجھے جیت لینے کیلئے کافی تھی۔

سب کے لئے وہ ایک ایک تحفہ لایا تھا۔ بھلا نئی بھاگن کے لئے وہ بیچارہ کیا لاتا سہاگن تو تھی نہیں کہ مجھے وہ کوئی بھڑکتی ہوئی بھڑکدار چیز پیش کرتا پھر بھی اس نے مجھے محروم نہیں رکھا اُس نے یہ کہتے ہوئے ایک کتاب (Love Gift) (تحفہ محبت) مجھے پیش کی۔

"آپ کی خدمت میں میرا ناچیز تحفہ۔ دادعا بہن نے لکھا تھا کہ آپ ہر وقت کتاب ہی پڑھتی رہتی ہیں۔ اس لئے میں نے سمجھا کہ آپ کو مطالعہ سے گہری دلچسپی ہے یہ کتاب حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ لوگ اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔"

"شکریہ" اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میں نے کتاب اُس کے ہاتھ سے لی اور اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

دوسرے ہی دن سے میں نے "تحفہ محبت" کا مطالعہ شروع کردیا۔ غلطی سے نند کمار کا ایک خط اُس کتاب میں چلا آیا تھا جو اس نے اپنے ایک دوست کرشن کمار کو لکھا تھا میں نے خط پڑھ لیا۔ اور جو باتیں تھیں وہ تو خیر مگر ایک جملہ خاص طور پر یاس انگیز اور پُرحسرت تھا "مجھے کسی سے محبت نہیں۔ مجھے کوئی نہیں چاہتا۔ میری دعا ہے کہ تمہاری محبت کامیاب اور ابدی ثابت ہو" میں نے خط کو چھاتی سے لگا لیا اور بولی "تم سے کوئی محبت نہیں کرتا نند کمار! تمہیں کوئی نہیں چاہتا۔ پھر میں محبت کرونگی میں چاہونگی اور تم بھی اپنی محبت کی رنگین و رومانی داستانیں اپنے دوست کو لکھا کروگے"۔ اسی اثنا میں نند کمار دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا۔ اور بولا "اجازت ہے"

"ہاں ہاں آیئے۔ تشریف رکھئے" میں کھڑی ہوگئی۔

"میرا ایک خط تو کہیں آپکی کتاب میں نہیں چلا آیا؟ میرا خیال ہے میں نے اُسے کسی کتاب ہی میں رکھ دیا تھا" وہ قریب آکر بولا۔

"ہاں ہاں یہ رہا آپکا خط" میں نے خط اُسکے ہاتھ میں دیدیا "میں تو میں سوچ رہی تھی کہ آپکا خط اس کتاب میں کیسے چلا آیا"۔

"شکریہ۔ خیر ہوئی بول گیا ورنہ دوبارہ محنت کرنی پڑتی۔ اچھا اب اجازت ہے؟"

"بیٹھئے بھی۔ آپ ہمیشہ تھوڑے ہی آتے ہیں۔ نہ جانے پھر کب آئینگے جی بھر کر باتیں تو کر لینے دیجئے۔ آپ بڑے دلچسپ آدمی ہیں"۔

میرے کہنے سے وہ بیٹھ گیا۔ "یہ تو آپکی ذرہ نوازی ہے ورنہ کیا میں اور کیا میری باتیں"۔

"آپ سے ملنے کا مجھے بڑا شوق تھا۔ آپ کی بہن اکثر آپکی باتیں سنایا کرتی تھیں"۔

"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ جیسی ہستی کو مجھ سے دلچسپی ہو"۔

میرے متعلق وہ بہت مبالغہ سے کام لے رہا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ وہ بالکل بے تکلف ہو کر باتیں کرے تھوڑی دیر تک ہم دونوں خاموش رہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ گفتگو کا کوئی ایسا موضوع نکل آئے کہ وہ دیر تک یہاں بیٹھا رہے۔

"اس کتاب کو آپ نے پڑھا؟" اُس نے پوچھا۔

"جی ہاں تھوڑا سا پڑھا ہے"۔

"کیا خیال ہے؟"

"اچھی ہی معلوم ہوتی ہے۔ آپکا انتخاب اور خراب ہو" میں متبسم ہو کر بولی۔

"اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ محبت کو عام سطح سے بہت بلند دکھایا گیا ہے اور پھر رنگین پیرائے میں"۔

ہم دونوں پھر خاموش ہوگئے۔ ایک بار ہم نے ایک دوسرے کو بغور دیکھا اور دیر تک دیکھتے ہی رہے آہ! اُس کی نگاہوں میں جادو تھا کشش تھی اور محبت کی پکار تھی ایک غم آلود روشنی تھی جس سے میری آنکھوں نے ٹھنڈک محسوس کی۔ وہ حیرت زدہ تھا کہ میں اُسے اس طرح کیوں دیکھ رہی تھی جلدی سے اُس نے نگاہیں پھیر لیں اور کوئی شعر گنگنانے لگا۔ میں اسکو دیکھے جارہی تھی مگر ہمت کمزور پڑ رہی تھی۔ میں خود کو اسکے حوالے کردینے کے لئے بیقرار تھی اس کا ہلکا سا اشارہ بھی میری ترغیب کے لئے کافی تھا۔ مگر وہ انتہائی بے لوث طرز سلوک کا روادار تھا۔

—— "اندھا کہیں کا!" میں دل ہی دل میں بولی "دیکھتا نہیں کہ میں کتنی خوبصورت ہوں، میری جوانی کیسی قیامت خیز ہے اور میں تجھے کتنا چاہتی ہوں؟" اس نے پھر میری طرف ایک نظر دیکھا۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اُس کو کچھ کہہ دینے کی کوشش کی مگر وہ سمجھ بھی سکا یا نہیں مجھے معلوم نہیں۔

"اب اجازت دیجئے اوشا رانی"

(بقیہ صفحہ ۱۳۱ پر دیکھو)

پیتا جا!

از جناب حاجی نبی احمد صاحب بریلوی

(۱) جہانِ شوق کی وسعت بڑھا کے پیتا جا
ہر ایک ذرّے کی دُنیا پہ چھا کے پیتا جا
نیاز و ناز کے عالم دکھا کے پیتا جا
سکون و ہوش کی دولت لُٹا کے پیتا جا
کسی کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کے پیتا جا

(۲) تجھے قدح کی قسم ہے تجھے سبُو کی قسم
تجھے چمن کی اور اس کیف رنگ و بُو کی قسم
تجھے شراب کے بڑھتے ہوئے نمو کی قسم
تو پئے یہ پئے یونہی ساغر اُٹھا کے پیتا جا
کسی کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کے پیتا جا

(۳) تجھے اسی نگہ شوخ و دلربا کی قسم
تجھے اسی نگہ صبر آزما کی قسم
تجھے اسی نگہ کیف و فتنہ زا کی قسم
اسی نگاہ کے دل میں سما کے پیتا جا
کسی کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کے پیتا جا

(۴) شباب و شعر کی رعنائیوں میں حل ہو کر
خیالِ دوست کی پنہائیوں میں حل ہو کر
کسی کی انجمن آرائیوں میں حل ہو کر
غمِ حیات سے لذّت اُٹھا کے پیتا جا
کسی کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کے پیتا جا

(۵) چمن میں چھٹکی ہوئی تجھکو چاندنی کی قسم
روش روش کی یہ مستی و بیخودی کی قسم
ہر ایک سبزۂ خود رو کی سادگی کی قسم
تو اپنے جام کو گردش میں لا کے پیتا جا
کسی کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کے پیتا جا

(۶) غمِ حیات سہی یہ غم یہ اضطراب ترا
یہ تازہ خون، مچلتا ہوا شباب ترا
ذرا سمجھ کہ یہ ہے دورِ انقلاب ترا
ہر ایک حال میں تو مسکرا کے پیتا جا
کسی کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کے پیتا جا

(خاص) (غیر مطبوعہ)

مزاحیہ

منشی جی

از جناب مسعود جاوید

وہ جو کہا ہے ناکسی نے کہ انسانوں کے درمیان دُنیا کی چند انتہائی حیرت انگیز ملاقاتیں یا تو ریل میں ہوتی ہیں یا جیل میں تو عرض یہ ہے کہ اس میں واقعی بہت بڑی حقیقت موجود ہے۔ منشی جی سے میری پہلی ملاقات بھی ریل کے ایک تھرڈ کلاس ڈبے میں ہوئی۔ یوں تو ریل کے پردیسی سیلانی بندوں کی ملاقات ہی کیا۔ "آپ کہاں سے آرہے ہیں۔ کہاں جائیے گا" کی قسم کے مہمل سوالات سے یہ ملاقاتیں عموماً شروع ہوتی ہیں اور "لیجئے سیگرٹ ملاحظہ فرمائیے گا۔ نہیں نہیں شکریہ" وغیرہ وغیرہ جیسے جملوں پر ختم ہو جاتی ہیں۔ ٹرین اپنی دُھن میں مگن بل کھاتی، شور مچاتی سیٹی بجاتی چلی جاتی ہے۔ مسافر آتے ہیں اور اُن کے ساتھ ساتھ اُن کے بستر آتے ہیں۔ ٹرنک آتے ہیں۔ "بدھنے" آتے ہیں — لوٹے آتے ہیں۔ پاندان آتے ہیں۔ کبھی کبھی حقے بھی آتے ہیں اور وغیرہ وغیرہ آتے ہیں۔ دروازے سے یہ سامان کا انبار جب قلی اپنی کانپتی ہوئی عرق آلود گردنوں پر اُٹھائے داخل ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قلی بھی ساتھ ہی آتے ہیں۔ مسافر صاحب ہیں کہ اگرچہ بذاتِ خود بدحواس ہیں مگر فرماتے چلے جا رہے ہیں — "ارے بھائی گھبراؤ نہیں۔ دھیرے دھیرے دیکھو جی یہ بلینڈہ یہاں ڈالدو۔ ٹرنک اس جگہ رکھدو۔ لاحول ولا قوۃ۔ سنتے ہی نہیں۔ بھئی ہم کہہ رہے ہیں اس سوٹ کیس کو یونہی گھسیٹو۔ اس کا پالش اُڑا کر چھوڑو گے تم۔ ارے جناب یہ ناشتہ دان ہے ناشتہ دان — اسے وہاں جوتوں میں بھلا کیوں رکھدیا۔ اور دیکھو یہ لوٹا ہے مگر ٹھیرو اس کا پانی پھینک دیں۔ توبہ غضب ہو گیا بھئی ذرا جلدی۔ وہ پلیٹ فارم پہ ہمارا رومال ہی گرگیا۔ استغفراللہ لو وہ سیٹی بج گئی۔"

— اب سامان رکھنے کے بعد قلی کے دام چکانے کا کٹھن مرحلہ آیا۔ گاڑی خراماں خراماں پلیٹ فارم کو قطع کرتی ہے۔ قلی ساتھ ساتھ بھاگ رہا ہے اور کہتا جاتا ہے — "بابوجی جلدی کیجئے۔ نہیں بابوجی۔ کئی عدد ہیں بابوجی۔ بھاری بھاری بابوجی۔" اُدھر بابوجی ہیں کہ جیب کے اندر انگلیاں گھما رہے ہیں۔ پیسے گرفت میں آ آ کر پھسل جاتے ہیں کبھی شمار میں غلطی ہوتی ہے کبھی ریل کی حرکت سے خود لڑکھڑا کر گرنے سے سنبھلنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ یہ مرحلہ بخیر و خوبی طے ہوا تو جان میں جان آئی اب اِدھر اُدھر نظر ڈالتے ہیں گویا ہمسفروں سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیوں کیسی رہی۔ اس کے بعد وہ بیٹھتے ہیں اور اس شان سے گویا خود سفر نہیں کر رہے بلکہ ریل کو سفر کرا رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد سب دستوراتِ پیرِ ریل بن "سوار ہوتا ہے" وہ نیم دراز ہوتے ہیں۔ سیگرٹ بیڑی تمباکو کے دھوئیں اُڑاتے ہیں۔ پھر "ہندو چا۔ اور مسلمان چار پیتے ہیں"۔ کچھ اونگھتے ہیں کچھ گنگناتے ہیں کھنکھارتے ہیں کھانستے ہیں مگر آخرکار بقول شاعر "شاخِ گل پر چہچہائے اُڑ گئے"۔ گویا ریل کا ڈبہ بھی ایک چھوٹی سی دنیا ہے جہاں ہر شخص اپنی قسمت کے مقررہ ہچکولے کھا کر چلا جاتا ہے۔ شکسپیئر نے دُنیا کو تھیٹر کا اسٹیج بتایا ہے۔ مشرقی شاعروں نے اسے "سرائے فانی" کہا ہے مگر میرے نزدیک تو دُنیا بھی ایک ریل ہے جسے وقت کا انجن اُڑائے لئے چلا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نفسی نفسی کے مختصر ہنگامہ میں بھلا کسی سے جان پہچان ہی کیا پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن منشی جی سے میری ملاقات کچھ ایسے ناگہانی طور پر اور ایسے حول میں ہوئی کہ آج تک اس واقعہ کا ایک ایک جزو میرے ذہن پر گراموفون کے ریکارڈ کی طرح پیوست ہے۔

سردی کی رات کے دس بجے جب میں اسٹیشن پر پہنچا تو دیکھا کہ ٹرین آہستہ آہستہ میرے سامنے سے رینگ رہی ہے۔ مجھے صبح تک اپنے وطن میرٹھ ایک شدید ضروری کام کے سلسلے میں پہنچنا تھا اور یہ ٹرین آخری ٹرین تھی۔ میں نے مشکل سے ایک لمحہ توقف کیا۔ اِدھر اُدھر نظر ڈالی اور دوسرے لمحہ میں اُچک کر ایک ڈبے کے پائیدان پہ سوار تھا۔ واضح ہو کہ چلتی گاڑی پہ چڑھنا ایک انتہائی دشوار فن ہے اور عام لوگوں کے لئے پھانسی پر چڑھنے سے کم نہیں۔ اسی لئے ریلوے ملازمین نے "ہائیں ہائیں" کہہ کر مجھے روکنے کی کوشش کی۔ درحقیقت بھی یہ ہے کہ میں نے بہت اناڑی پنے سے زقند لگائی تھی معلوم نہیں کہ کیا لیا دیا آڑے آ گیا کہ میرا پاؤں پھسلتے پھسلتے پائیدان پہ رک ہی گیا اور سردی سے ٹھٹھرے ہوئے ہاتھوں میں ڈبے کا ہینڈل پھنس گیا۔ مجھے خود اپنے ناواقف فن اور اناڑی ہونے کا احساس ہوا جبکہ میں نے دیکھا کہ ایک ہی چھلانگ میں میرا دم پھول گیا ہے۔ پھر آفت یہ ہوئی کہ ڈبے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ گویا اسے کھلنا آتا ہی نہیں۔ ڈبے کی تمام کھڑکیاں بند تھیں اور میں بالکل معلوم نہ کر سکتا تھا کہ اس کے اندر کیا تماشہ ہو رہا ہے۔ اب گاڑی سگنل سے نکل چکی تھی اور کافی تیز ہو گئی تھی۔ اندھیری رات۔ سردی اور خوف سے لرزتا ہوا جسم۔ دروازہ بند۔ ٹرین تیز رفتار اور میں چوروں کی طرح پائیدان پہ ایستادہ۔ سچ مانئے دل نے کہا کہ میاں جاوید سلمہٗ اب مرحوم ہونے کے واسطے تیار ہو جائیے۔ اس وقت میری زندگی اور موت کے درمیان صرف ایک پائیدان حائل تھا۔ پھر یہ خیال آیا کہ مر گیا تو خیر پھر بھی سستا رہے گا لیکن اگر خدانخواستہ بدولت

اسی مجبورانہ حالت میں پکڑ لئے گئے تو وہ چار بچوں والی بیچاری گھر والی تو بیوگی کے ماتم کی بھی حسرت نہ نکال سکے گی۔ اور ہمارا تبادلہ ایک دم ریل سے جیل میں کر دیا جائیگا۔

مرتا کیا نہ کرتا میں نے ایک بار کلمہ پڑھ کر پھر زور مارا اور میری ایڑی سے چوٹی تک جو کچھ طاقت باقی رہ گئی تھی وہ سب اس ظالم دروازے پر صرف کر دی۔ پردۂ غیب سے کیا کیا غیر متوقع باتیں ظہور میں آتی ہیں۔ خدا کی شان دیکھتا کیا ہوں کہ دروازہ تھوڑا سا کھسک گیا ہے۔ اب تو گویا مُردہ سر تو جان آگئی۔ اللہ کر کے جو ایک اور زبردست ریلا دیا ہے تو ایک سکنڈ میں ہم اندر لڑھکتے ہوئے اسباب کے انبار پر اوندھے منہ جا رہے جس طرح بیچ بازار میں سائیکل سے گرنے والا بغیر کپڑے جھاڑے ایک اسپرنگ کے انداز سے کھڑا ہو جاتا ہے۔ میں اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ حقیقت ایک نظر میں روشن ہو گئی۔ واقعہ یہ تھا کہ ڈبے کے تقریباً تمام مسافر ریل کی کھٹ پٹ اور جھٹکوں کے باوجود گہری نیند میں خراٹے لے رہے تھے۔ دروازے کے سامنے اسباب کا ایک ڈھیر تھا جس کے اوپر ایک بزرگ کی ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں اور یہ اسباب اور ٹانگیں کچھ اس طرح واقع ہوئی تھیں کہ دروازے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کھلی تھیں۔ یہ بزرگ ہی تھے جن کو میں اب تک منشی جی کے نام سے یاد کرتا آیا ہوں۔ اگرچہ میری اس مداخلت بیوقت سے اُن کی نیند میں خلل پڑ گیا تھا مگر میں اُن کے اخلاق کا قائل ہو گیا جبکہ اُنہوں نے نہایت مشفقانہ انداز میں میرے اس حادثے پر اظہار افسوس کیا اور رات کا بیشتر حصہ میرے ساتھ گفتگو میں گذارا۔

یہ تھی میری اور منشی جی کی پہلی ملاقات۔ پھر خدا کی شان وہ میرے ہم وطن ثابت ہوئے۔ اُن کی پُر خلوص گفتگو اور دلچسپ فطرت نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں ان کے حلقۂ احباب میں شامل ہونے کی کوشش کروں۔ اس کوشش کا نتیجہ بہت جلد یہ ہوا کہ میں اور وہ بقول اُن کے دو سے ایک ہو گئے۔ پیچھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ازل سے ہی ہر کس و ناکس کو اپنے اندر جذب کرنے میں ایک انسانی "بلاٹنگ پیپر" تھے۔ اُن کی دلچسپ سوانح عمری کے بیان کا یہ موقع نہیں ورنہ آپ دیکھتے کہ اُن کی فطرت سراپا ایک جاذبیت تھی۔ بہرحال میں اُنکی زندگی کے صرف چند ایسے واقعات پر اکتفا کرتا ہوں جو اُن کی مخصوص یادگار رہ گئے ہیں۔

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ منشی جی فطری شاعر واقع ہوئے تھے۔ وہ جدت پسند تھے اس لئے کہ انہوں نے کبھی کوئی تخلص اختیار نہیں کیا اور قدامت پرست بھی اس لئے کہ اُنہوں نے کبھی اپنی کوئی غزل گا کر نہیں سُنائی۔ اگرچہ اُن کا کلام رسائل کے صفحات یا مشاعروں کی محفلوں میں نہ پہونچ سکا لیکن اُن کے پاس اُن کے اشعار کے ضخیم دفتر موجود تھے جس میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہر غزل کے نزول کی تاریخ دن اور وقت بھی تحریر تھا۔ اُن کو ہفتے میں دو تین بار ضرور شاعری کا زور ہوتا تھا اور ان ایام میں وہ اُٹھتے بیٹھتے۔ سوتے جاگتے۔ چلتے دوڑتے ہر وقت شعر کہا کرتے تھے۔ مثلاً گھر میں آتے تو سر جُھکائے ہوئے کسی سوچ میں غرق — بی گھر والی شور مچاتیں کہ "آٹا ختم ہو گیا ہے۔ گھی بھی یوں ہی سا باقی ہے۔ کچھ فکر ہے کہ نہیں" مگر منشی جی چپ چاپ برآمدے کے ایک گوشے میں کسی چار پائی پر جا کر دراز ہو جاتے اور کچھ دیر کے بعد کھنکھارتے ہوئے بیگم صاحبہ سے فرماتے۔ "ارجی میں نے کہا ذرا یہاں تو آؤ" بیگم باورچی خانے سے جواب دیتیں۔ "دیکھتے نہیں کہ سالن بھون رہی ہوں۔ میں آؤں گی تو اس کے کوئلے نہ بن جائینگے"۔ مگر منشی جی بھلا کب ماننے والے تھے۔ بار بار پکارتے — "میں نے کہا ذرا گھڑی گھڑی ہو جائیں" — اور جب دیکھتے کہ وہ ٹس سے مس نہیں ہوتیں تو کاغذ کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں تھامے خود ہی باورچی خانے میں پہنچ جاتے۔ سفید کمانی کی عینک کو ناک پر ڈھیلا چھوڑ کر شیشوں کے اوپر سے بیوی پر مستفسرانہ نظر ڈالتے اور ہونٹ ایک ایسی رحم طلب مسکراہٹ سے کھل جاتے گویا گھگھیا رہے ہیں۔ اس شان کے ساتھ دو ایک بار وہ اپنا گلا صاف کرتے اور پھر نگاہیں کاغذ پر جھکاتے ہوئے فرماتے — "میں نے کہا سُنتی ہو؟ — ایک رُباعی اس وقت بڑے معرکہ کی ہوئی ہے" مگر اس سے پیشتر کہ وہ رُباعی شروع کریں۔ پتیلی کی سائیں سائیں یا بیٹھی ہوئی بیگم کی پھٹکار اُنہیں خاموش کر دیتی۔ "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" کا ایک مجذوب کا روپ بن کر منشی جی مردانے میں آ جاتے اور انتظار کرنے لگتے کہ کب کوئی دوست آتا ہے اور کب اُس کے سر پر یہ معرکہ آرا رُباعی کی ناخواندہ بلا مسلط کر کے داد وصول ہوتی ہے۔

منشی جی اشعار کہتے ہوئے خیالات میں کسقدر گہرے ڈوب جاتے تھے نیز اُن کے ذہن پر اشعار کا نزول کتنا ناگہانی اور طوفانی ہوتا تھا اس کا اندازہ مجھے ایک واقعہ سے ہوا جسے اس سلسلہ میں منشی جی کا شاہکار سمجھئے۔ منشی جی ہمیشہ جماعت سے نماز پڑھتے تھے اور شاعری کے ان ہنگامی دوروں کے زمانے میں بھی مسجد میں اُن کا پانچوں وقت کا آنا نہ چھوٹتا تھا۔ ایک مرتبہ پانی برس کر کھلا تھا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی منشی جی عشاء کی نماز کے لئے مسجد پہنچے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ منشی جی لپک کر ایک طرف نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک رکعت تو خیریت سے گذری مگر دوسری بار سجدے میں جو پہونچے ہیں تو کھو گئے۔ اب امام و مقتدی سلام کہہ کر سجدہ کو رہے ہیں مگر منشی جی ہیں کہ اسی طرح گم پڑے ہیں۔ آخر نماز ختم ہوئی۔ لوگوں نے سلام پھیرتے ہی منشی جی کو جھنجھوڑا — "ارے منشی جی کیا سو رہے ہیں آپ؟ — بندۂ خدا نماز ختم ہو گئی اور ابھی آپ کا ایک سجدہ ختم نہیں ہوا"۔ منشی جی چونک کر اُٹھ بیٹھے اور اپنے مجبوب انداز میں اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر پیشانی پر شکنیں ڈالتے ہوئے فرمایا — "لاحول ولا قوۃ۔ بھئی کیا کہیں

اللہ معاف کرے"۔ لوگوں نے ہنس کر پوچھا ـــ "کیوں منشی جی کیا ڈول گئے تھے؟" منشی جی نے تیزی سے کہا "کون مردود ڈولتا ہے۔ میں نے کہا غسل کرنے ہوں ہم بھی ـــ بات یہ ہے کہ ـــ کہ ـــ مگر بھلا اس میں میرا کیا قصور ـــ غزل کے اشعار جو ذہن میں آنے شروع ہوئے تو کم بخت اچھی خاصی شیطان کی آنت ہی بن گئی" یہ کہہ کر جو آپ نے تازہ اشعار سنانے شروع کئے ہیں تو جب تک مسجد کے دروازے سے ایک ایک نمازی جان بچا کر بھاگ نہ گیا دم نہ لیا۔ بیگم صاحبہ کو اس کارنامے کی اطلاع پہنچی تو "سمند ناز پر اک اور تازیانہ ہوا" اور انہوں نے آگ بگولا ہو کر منشی جی کی شان میں جو تقریباً ہجویہ قصیدہ فرمایا تو منشی جی کے پاؤں اکھڑ گئے۔ انہوں نے یاران طریقت کے ہجوم میں آ کر پناہ لی اور نہایت حسرت سے ارشاد کیا کہ ـــ "لو بھائیو آج ہماری شاعری کا آخری دن ہے۔ اب جو ہم شعر کہیں تو جو چور کا حال سو ہمارا حال۔ بس اس خیال مرگی کی یادگار میں ایک رباعی اور سن لو عرض کیا ہے کہ ؎

لٹتی ہے ابا جی کائنات ہیہات ٭ اب تنگ دل اور رہ گئی ہیہات
بیگم کی تنک مزاجی کی قینچی نے ٭ کاٹ لی زبان شعر ہیہات ہیہات

منشی جی نے اپنی شاعری کے اس "ہارٹ فیل" کے بعد بھی یوں تو متعدد بار غزلیں کہیں مگر وہ سب "برسر راہے گاہے" یا By the way قسم کی چیزیں تھیں کیونکہ وہ اب صرف اس وقت اس مرحوم شغل میں منہمک ہوتے تھے جبکہ وہ کسی تانگہ یا بس میں سفر کر رہے ہوں۔ چنانچہ اکثر اسی جذب و شوق کے عالم میں وہ اپنی منزل مقصود کے اسٹیشن سے آگے نکل گئے اور پھر گویا ہر شعر کے بدلے کم از کم ایک آنے کا تاوان ٹی۔ٹی۔آئی کی نذر کرنا پڑا۔ اپنے گھر پر رہتے ہوئے اب ان کا ایک دوسرا شغل ہو گیا تھا ـــ یعنی مطالعہ نجوم و رمل ـــ اور یقیناً اس میں بھی منشی جی نے شاعری کی طرح ید طولیٰ حاصل کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ منشی جی کو ان کا یہ دلچسپ مشغلہ بھی راس نہ آیا اور شاعری کی طرح ایک دم ختم ہی نہیں ہوا بلکہ ان کو ایک زبردست نقصان بھی پہنچا گیا۔ ماجرا یہ ہوا کہ منشی جی نے اپنے علم کی بنا پر ایک جدید جنتری تصنیف فرمائی تھی اور اس کا نام "منشی جنتری" قرار دیا تھا۔ یوں تو سال کی ہر مندرجات کو "منشی جنتری" دوستوں کے لئے دلچسپی کا سامان مہیا کر دیتی تھی مگر رمضان، عید اور بقر عید کے موقعوں پر اس کا خصوصی امتحان ہوتا تھا کہ اس کے مطابق چاند نکلتا ہے کہ نہیں۔

ایک مرتبہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ چاند کی عام تاریخوں میں اور "منشی جنتری" میں ایک دن کا فرق پڑ گیا۔ منشی جی اس پر ساری دنیا پر برہم تھے کہ یہ سب کچھ ان کے خلاف ایک سازش ہے اور ان کا دعویٰ تھا کہ جو کچھ "منشی جنتری" میں لکھا ہے وہ پتھر کی لکیر ہے۔ رمضان کی اٹھائیس ۲۸ تاریخ تھی لیکن "منشی جنتری" میں اُس روز انتیس ۲۹ تھی اور اس کے قابل مصنف کو یقین تھا کہ عید کا چاند آج بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ غروب آفتاب سے پیشتر ہی منشی جی ـــ اپنے فرسودہ مکان کی کہنہ چھت پر چڑھ گئے اور اپنی عینک چڑھا کر مطلع پر نظریں دوڑانے لگے۔ بیگم نے بہتیرا سر مارا کہ آج اٹھائیس ہے چاند نہیں نکلے گا۔ مگر منشی جی چھت پر آسمان کی تہوں میں سے زبردستی چاند کو پیدا کرنے کی کوشش میں مشغول تھے۔ بیگم نیچے باورچی خانے میں افطار کا انتظام کر رہی تھیں اور منشی جی بار بار عینک کے شیشے صاف کر کے اپنی جنتری کی دھن میں دیدہ ریزی کر رہے تھے۔ یکایک کوٹھے پر سے منشی جی کی تیز آواز آئی ـــ "ابی میں نے کہا میں کیا کہتا تھا ـــ وہ دیکھو وہ رہا چاند ـــ دیکھو ـــ ذرا تم بھی دیکھ جاؤ۔ میں گواہ چاہتا ہوں" ـــ مگر اس سے پیشتر کہ وہ کچھ اور کہتے بوسیدہ چھت کی ایک دیمک خوردہ کڑی چرچرا کر ٹوٹ پڑی اور منشی جی بیچارے چھت میں سے نکل کر دھڑام سے نیچے آ رہے۔ بیگم ہائے کہہ کر پکاریں۔ پڑوسی اس دھماکے کو سن کر دوڑ پڑے ـــ منشی جی فرش پر پڑے کراہ رہے تھے۔ ناک پر عینک بدستور موجود تھی اور ہاتھ میں وہی منحوس "منشی جنتری" ـــ لوگوں نے دیکھا کہ منشی جی کی ایک ٹانگ کولہے پر سے ٹوٹ گئی ہے۔ علاج ہونے کو سینکڑوں ہوتے رہے اور کچھ روز بعد منشی جی چلنے پھرنے بھی لگے لیکن ان کی رفتار میں ایک خفیف سا لنگ باقی رہ گیا جو کسی طرح دور نہ ہو سکا۔

اس ٹریجڈی کا ایک المناک نتیجہ یہ ہوا کہ منشی جی کی بیگم نے مُعقب عید کے روز "منشی جنتری" کو چولہے کی نذر کر دیا اور منشی جی بیچارے مظلوموں کی صورت بنائے "بے بال و پر" دیکھا کئے۔ "منشی جنتری" جل گئی اور معدوم ہو گئی مگر لوگوں نے اس کی یاد میں خود منشی جی کا نام "منشی جنتری" رکھ دیا۔

اب وہ نہ شاعر رہے نہ نجومی۔ پھر باقی زندگی میں انہوں نے کیا کیا یہ ایک الگ دلچسپ کہانی ہے جو پھر کبھی سن لیجئے گا۔

محبت سے بھرے خطوط

پریم نگر کے رہنے والے پریمیوں کے

از حضرت ماہر القادری!

اکیسواں (۲۱) خط

وہ بے رخی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں،
میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں،

پورے دو مہینہ کے بعد جواب عنایت فرمایا شکریہ! میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھے بالکل بھول گئے۔ شکر ہے کہ میرا خیال غلط ثابت ہوا، اور میری یاد خواہ دیر ہی سے سہی مگر آئی تو ـــــ! میری بیتا ہوں کا اگر ایک حصہ بھی تم کو مل جائے، تو تمہاری بے نیازی کی قسم پارے کی طرح بیقرار ہو جاؤ۔ مجھے ان شاعروں پر غصہ آتا ہے جو انتظار کو "لذت" سے تعبیر کرتے ہیں، اور اسی ایک لفظ پر کیا موقوف ہے، شاعروں اور افسانہ نگاروں کو خیالی دنیا کے بنانے کے سوا اور کام ہی کیا ہے۔ یہ شعراء کرام اپنے زخموں پر نمک پاشی کرا کے خوش ہوتے ہیں شمشیر و سنان کھا کر مسکراتے ہیں، درد و غم میں ان کو مزہ ملتا ہے، رونے پر آتے ہیں تو گنگا، جمنا کو شرما دیتے ہیں، لاؤ میں کسی شاعر کے کلیجہ میں نہیں، انگلی میں سوئی چبھوتی ہوں، دیکھوں کہ وہ پھر بھی مسکراتا ہے اور بے چین نہیں ہوتا ـــــ! میں اکثر روتی ہوں، اور بہت سی راتیں تو تمام کی تمام روتے گذر جاتی ہیں لیکن میرے آنسوؤں نے نہ تو کبھی طوفان اٹھایا اور نہ ساون کی جھڑی کو شرمایا، آنسو بہتے ہیں تو رومال یا قمیص کے دامن سے پونچھ لیتی ہوں، آنسو بہے طبیعت ہلکی ہو گئی، اللہ اللہ خیر صلّا ـــــ! لیکن یہ شاعر نہ معلوم دنیا کی کون سی مخلوق ہے کہ اسکے آنسوؤں کے سیلاب میں دشت و کوہ گھانس کے تنکوں کی طرح تیرتے پھرتے ہیں، اور اس پر بھی شاعر یہی کہتا ہے کہ ابھی تو ایسے بہت سے طوفان آنکھوں میں بند ہیں ـــــ شاعر بزعم خود جب یاد کرنے پر آتا ہے تو کونین کی بنیاد ہلا دیتا ہے، زمین کی طنابیں اسکی فریاد کی شدت سے کپکپانے لگتی ہیں، آہ کی گرمی سے سمندر کے سمندر خشک ہوتے چلے جاتے ہیں اور نالوں کا سوز، ہواؤں کے سینوں میں شرارے بھر دیتا ہے، کسی کے حسن کی تعریف کریں گے تو زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے گئے،

اُن کے معشوق کی کمر بال سے زیادہ باریک، دہن کی تنگی کا یہ عالم کہ قریب قریب عدم! زلفوں میں ساون کی گھٹائیں مچلتی ہوئی، آنکھوں کو دیکھ کر ہرن چوکڑی بھول جائیں وہ مسکرائے تو بجلیاں کوندنے لگیں، وہ چلے تو ایک ایک قدم پر قیامت پاؤں چوم چوم کر پوچھے کہ ـــــ

اے جانِ قیس تیرا ارادہ کدھر ہے آج

جس خاک کے ذرہ پر وہ نگاہ ڈال دے، دل بن جائے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ

آنکھوں میں ہلاہل ہے ہونٹوں پہ مسیحائی،

وہ جس کو ایک نظر دیکھ لے مر بھی سکتا ہے اور جی بھی سکتا ہے، اسکی انگلیوں کی گردش پر زمین آسمان ناچتے ہیں، وہ چاہے تو پل میں ستاروں کی گردش رک جائے، اور زمین کا محور ٹوٹ جائے، اسکی تیغ نگاہ نے ہزاروں خون بہا دیئے، سینکڑوں جوانوں کو خاک میں ملا ڈالا، لاکھوں دلوں کو مسل دیا، تمناؤں اور ارمانوں کی بہت سی آبادیوں کو ویران کر دیا، وہ جدھر گیا فتنے اٹھے، قیامت آئی، لوگ واویلا کرنے لگے، تو شاعروں کا یہ معشوق، اپنے فن میں ہٹلر کا بھی استاد معلوم ہوتا ہے!

شاعروں کے پیش کئے ہوئے عاشق کا یہ عالم ہے، کہ آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے، غم سہتے سہتے جسم پر ہڈیاں ہی ہڈیاں باقی رہ گئی ہیں، سانس لیتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے، بات کرتا ہے تو فریاد نکلنے لگتی ہے، اس کے جسم میں بالکل سکت نہیں ہی قدم قدم پر غش آتے ہیں، بستر پر کروٹ بدلتا ہے تو غشی طاری ہو جاتی ہے، ڈاکٹر اور طبیب اسکی نبض دیکھتے ہیں، تو یہ مسکرا کر کہنے لگتا ہے: ـــــ

از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب،
دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

یہ خدا کا بندہ اور معشوقوں کا ستایا ہوا، آنسو پی کر، اور لختِ جگر کھا کر جیتا ہے، کوئی اس کے سامنے بھولے سے بھی "دل" کا نام لے دے تو یہ

چیخ مار کر زمین پر گر پڑتا ہے، اسکے "چاک دامن" اور "چاک گریباں" میں کوئی فرق باقی نہ رہا، بیچارے کا تمام کُرتہ پھٹ گیا، پیر لہولہان ہو گئے، سر گرد سے اَٹ گیا، اس حالت میں شہر کے لونڈے اس کو دیکھتے ہی تالیاں بجاتے ہیں اور پتھر برساتے ہیں، مگر یہ ہے کہ گنگناتا چلا جاتا ہے۔ اور اس عاشقِ زار کے خون میں یہ عجیب و غریب تاثیر ہے کہ جہاں وہ ٹپکتا ہے گل و لالہ اُگ آتے ہیں، اس کے پیر کے چھالوں نے کانٹوں کی پیاس بجھا دی۔ اور سوکھا ہوا جنگل لہلہانے لگا۔

شاعروں کا یہ "ہیرو" (عاشق) بیٹھے بٹھائے دیوانہ ہو گیا، دیواروں سے ٹکرانے لگا، گھر والوں نے اسکی بڑھتی ہوئی دیوانگی کو دیکھ کر اُسے بیڑیاں پہنا دیں، مگر یہ اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا، زنجیروں اور بیڑیوں کی جھنکار پر ناچتا اور گاتا ہے، تمام محلے کے لوگ اس کے شور و فریاد سے پناہ مانگتے ہیں۔ قید خانہ کی دیواروں کو اس نے سر ٹکرا ٹکرا کر سرخ بنا دیا، اس پر مختلف قسم کے دورے پڑتے ہیں، جب چُپ لگتی ہے، تو کسی سے بات نہیں کرتا، اور جب چلانے پر آتا ہے تو قید خانہ کی دیواریں کانپنے لگتی ہیں، لوہے کی موٹی موٹی زنجیروں کے حلقوں کو معشوق کی زلفِ شکن در شکن کے تصور میں چومتا ہے، آنکھوں سے لگاتا ہے اور ہنسنے لگتا ہے۔ دیوانگی کے آثار کم ہونے کو آتے ہیں، تو فصلِ بہار آجاتی ہے، اور دیوانگی پھر زور پکڑ جاتی ہے، ناتوانی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ اُٹھا تک نہیں جاتا، مگر فصلِ بہار کے آتے ہی جو زور کرتا ہے تو زنجیریں، کانچ کی چوڑیوں کی طرح چھن چھن کر کے ٹوٹ جاتی ہیں، اور یہ قید خانہ سے نکل کر بھاگ جاتا ہے۔

اب یہ شراب پینے لگتا ہے، معشوق کی مد بھری آنکھوں کی یاد میں غم غلط کرنے کے لئے — شراب کے بڑے بڑے مٹکے اور گھڑے خالی کر دیئے، مگر کیا مجال ہے جو اس کے قدم بھی لڑکھڑائے ہوں، یہ تو اپنے معدے میں میخانہ کا میخانہ اُنڈیلنے کا بیڑا اُٹھا کر یہاں آیا ہے۔ شراب ختم ہو گئی، تو چھٹ جانے لگا، یہ اس کی شراب نوشی کا پہلا دن تھا، دوسرے دن اس شان سے آتا ہے کہ مٹی کا پیالہ، جس کو یہ جامِ جم سے بھی بڑھ کر سمجھتا ہے، اس کے ہاتھ میں ہے، ہونٹوں پر پیاس کے مارے پپڑیاں جمی ہوئی ہیں، سب شرابی اپنے اپنے پیالے لئے ہوئے، ساقی کے انتظار میں کھڑے ہوئے ہیں، یہ بھی اپنے بھائی بندوں کی صف میں آ کر کھڑا ہو جاتا ہے، اتنے میں ساقی صاحب تشریف لاتے ہیں، میخانہ میں ایک ہلچل مچ گئی، ساقی نے صراحی اُٹھائی ہی تھی کہ میخواروں نے اپنے پیالے صراحی سے لڑا دیئے، لوگ شراب پینے لگے، مگر یہ نہ تو شراب پیتا ہے اور نہ اپنے دل کی بات کسی سے کہتا ہے، اس کی آنکھیں ساقی کی نگاہوں پر جمی ہوئی ہیں، یہ میں گردش کو دیکھے جاتا ہے، یہاں تک کہ اس پر مستی چھا جاتی ہے، اور یہ ایک خاص تیزی کے ساتھ، ساقی کے قریب آ کر، اُسکے پیروں پر گر پڑتا ہے۔

میخانہ سے بھاگ کر یہ اپنے معشوق، قاتل کے گھر پہنچتا ہے، اُس کے معشوق کی گلی میں اک قیامت برپا ہے، سینکڑوں سر کٹی ہوئی لاشیں تڑپ رہی ہیں، زخمی کراہ رہے ہیں، لاشوں کی یہ کثرت کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں، بہت سے لوگوں کے سینوں میں برچھیاں چبھی ہوئی ہیں، کسی کے کلیجہ سے تیر آر پار ہو گیا ہے مگر ان سرفروشوں کے شوقِ شہادت کا یہ عالم ہے کہ سینے تانے ہوئے بڑھتے چلے جاتے ہیں، شوقِ شہادت اتنا بڑھا ہوا ہے کہ معشوق کا تیر خطا ہوتا ہے۔ تو یہ اُس تیر کو پھر معشوق کی طرف پھینک دیتے ہیں، معشوق کے ترکش کے تمام تیر ختم ہو گئے۔

میرا سینہ تان کر منت سے کہنا ایک اور
اُن کا خالی ہاتھ دکھلانا کہ پیکاں ہو گئے

اب وہ ان سرفروشوں سے کہہ رہا ہے کہ میری گلی سے چلے جاؤ، میں کہاں تک تمہارے ذوقِ جراحت کو تسکین دینے کیلئے اپنے دست و بازو کو ہلکان کروں۔ یہ نووارد عاشق جیسے تیسے اس بھیڑ سے گزرتا ہوا، معشوق کے آستانہ پر پہنچ جاتا ہے، اور وہاں جا کر کیا دیکھتا ہے کہ بیسیوں آدمی اُس کی چوکھٹ پر سروں کو گھس رہے ہیں، اور بہت سوں کے تو جبیں سائی کرتے کرتے سر ہی غائب ہو گئے، چوکھٹ سے کچھ ہی دور پر یہ قاتل معشوق ایک نوجوان آدمی کو الٹی چھری سے ذبح کر رہا ہے، آستینیں چڑھائے ہوئے، ایک خاص عتاب آمیز انداز کے ساتھ — ذبح ہونیوالا شخص کہہ رہا ہے کہ میرے لہو سے ذرا اپنے دامن کو بچاتے ہوئے چھری پھیریئے، اور ہاں مجھے ذبح ہونے میں بڑا مزہ آرہا ہے، خوب دیر تک مشقِ ناز فرماتے رہیئے۔ مگر یہ قاتل معشوق بھی حرفوں کا بنا ہوا ہے، ایک ہی رگڑے میں سر کو تن سے جدا کر دیتا ہے۔ نوجوان کا دھڑ ایک طرف تڑپ رہا ہے، سر دوسری طرف اُچھل رہا ہے، اور یہ معشوق اس منظر کو آنکھ اُٹھا کر دیکھتا تک نہیں!

شاعروں کا یہی "عاشق" بیمار ہو جاتا ہے، اس زور کا بخار چڑھتا ہے، کہ تکیہ، بستر، اور پلنگ کی نواڑ تک جلنے لگتی ہے۔ شہر کے قابل سے قابل ڈاکٹر، اور تجربہ کار سے تجربہ کار حکیم، اس کا علاج کرتے ہیں، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا — مرض اُلٹا بڑھتا جاتا ہے۔ گھر والے پریشان، دوست احباب مضطرب، حکیم، ڈاکٹر حیران! ایسے عجیب و غریب مریض سے اُن کو کبھی واسطہ ہی نہیں پڑا، نسخہ پر نسخہ بدلا جاتا ہے، بوعلی سینا اور رازی کے تمام مجربات کا تجربہ کر کے دیکھ لیا، مگر مریض کی حالت اور ابتر ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ نزع کا عالم طاری ہو جاتا ہے، بیمار کی آنکھیں

کسی کے انتظار میں دروازے پر لگی ہوئی ہیں، مگر آنے والا نہیں آتا، آخر مایوس ہوکر وہ ایک ہچکی لیتا ہے اور ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ لوگ مرنے والے کے سرہانے بیٹھ کر رو رہے ہیں، اور یہ مرنے کے بعد بھی ماتم کرنے والوں کی بیوقوفی پر ہنس رہا ہے، لوگوں نے اسے نہلایا، کفن پہنایا، اور لوگ جنازہ لیکر چلے، اتفاق سے معشوق بھی راستہ میں کہیں مل گیا اُس نے بھی لوگوں کی دیکھا دیکھی، جنازے کو ذرا ہاتھ لگا دیا بس پھر کیا تھا، مرے ہوئے عاشق کے پیر کفن میں ہلنے لگے۔ گورِ غریباں میں میت سپردِ خاک کی گئی، سال کے بعد اتفاق سے معشوق کا ادھر گذر ہوگیا، اور عاشق، معشوق کے پیروں کی چاپ سُنکر قبر میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس قبرستان کے تمام مُردے، اُسی قاتل معشوق کے مارے ہوئے ہیں، اور ہزاروں قبروں کے نام و نشان مٹ گئے —!

تمہارے سر کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ شاعروں سے مجھے کوئی بیر نہیں ہے، میں اشعار سے خوب لُطف اُٹھاتی ہوں، مگر ایسے معشوق اور عاشق کی زندگیوں اور اعمال و افعال کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ میں تم کو، اور اپنے کو قتل و غارتگری، فریاد و ماتم، اور نزع و مرگ کی اس سطح پر کسی طرح دیکھنا پسند نہیں کرسکتی، محبت مرنے کیلئے نہیں جینے کے لئے کی جاتی ہے۔ حُسن و عشق، فطرت کی مُسکراہٹوں کے دو نام ہیں، محبت حقیقت میں مسرت کی خلاق ہے —!

ان شاعروں کا پیش کیا ہوا عاشق اتنا وہمی، شکی اور توہم پرست ہے کہ ہوا، در و دیوار، اور زمین و آسمان کو اپنا رقیب سمجھتا ہے، ہوا پر اُسے غصہ آتا ہے کہ وہ کیوں اس کے محبوب کی زُلفوں کو چھُوتی ہے، پانی سے اُسے دشمنی کہ محبوب کے جسم سے اُسے شرفِ مواصلت حاصل ہوتا ہے۔ رشک کا یہ عالم ہے کہ معشوق کے گھر کا نام زبان سے نہیں نکلتا، اسلئے لوگوں سے پوچھتا پھرتا ہے کہ میں کدھر جاؤں؟ اور تو اور معشوق کے جسم کے سایہ کو بھی معشوق کے ساتھ دیکھنا پسند نہیں کرتا — رقیب سے ہاتھا پائی کرنے کے لئے ہر وقت تیار، اس کا بس چلے تو رقیبوں کو جن بچے سمیت کوٹھوں میں پلوا دے۔ قاصد سے دل کا حال کہتے ہوئے ڈرتا ہے کہ کہیں یہ حضرت رقیب نہ بن جائیں۔ معشوق کو خط لکھنے بیٹھتا ہے تو فلسکیپ کے دستے کے دستے لکھ ڈالتا ہے اور پھر بھی داستانِ شوق ختم نہیں ہوتی۔ قاصد کو نامہ محبت دینے کے بعد گھنٹوں سمجھاتا ہے کہ اس طرح وہاں جانا، یہ کہنا، وہ یہ کہیں تو اس انداز میں جواب دینا، دیکھنا کوئی بے ادبی نہ ہوجائے، قاصد اس کی باتیں سُنتے سُنتے اکتا جاتا ہے مگر یہ اپنی کہے جاتا ہے۔ جواب آنے میں دیر ہوتی ہے تو طرح طرح کے خیال گذرتے ہیں، کہیں قاصد راستہ نہ بھٹک گیا ہو، یا معشوق نے بگڑ کر قاصد کا کہیں سر نہ کاٹ لیا ہو، ممکن ہے کسی رقیب نے قاصد سے ساز باز کرلیا ہو۔ قاصد نہیں آتا، تو یہ کبوتر کے گلے میں دوسرا پرچہ باندھ کر بھیجتا ہے۔ نامہ بر کبوتر، عاشق کے یہاں سے اُڑکر سیدھا معشوق کے یہاں پہونچتا ہے، مگر معشوق بڑا تجربہ کار اور جہاندیدہ ہے، اُس نے پہلے سے مکان کے روشندانوں اور کھڑکیوں میں تیز تیز قینچیاں لگا رکھی ہیں، نامہ بر کبوتر روشندان میں داخل ہوتا ہے کہ اُس کے پر کٹ کر گر پڑتے ہیں۔

ان شاعروں کا "عاشق" بھی کچھ عجیب بیوقوف ٹائپ کا خبط الحواس ہے کہ معشوق کی تنہائی نصیب ہوتی ہے، تو رعب و جمال اور شدتِ جذبات سے کچھ کہا نہیں جاتا ؎

اُدھر شرم حایل، اُدھر خوف مانع
نہ وہ بولتے ہیں نہ ہم بولتے ہیں

بہتیری کوشش کرتا ہے، مگر گویائی کام نہیں دیتی، تمام رات اسی عالم پیچ و تاب میں گذر جاتی ہے، بدن سنسنا رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں، ہونٹ تھرتھرا رہے ہیں، معشوق شرمائی ہوئی نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہا ہے، صُبح کا تڑکا نمودار ہوا، قریب کی مسجد سے مؤذن کی اذان کی آواز آئی، اور یہ ڈراما ختم ہوگیا، معشوق کے جانے کے بعد اب یہ ہاتھ ملتا، پچھتاتا اور بُرا بھلا کہتا ہے کہ میں نے کیوں موقع سے فائدہ نہ اُٹھایا، کیوں خاموش بیٹھا رہا —! مگر اب پچھتانے اور رونے دھونے سے کیا ہوتا ہے!

اور ہاں! ایک بات تو لکھنا بھُولی جاتی ہوں، یہ شاعر، عورتوں کی طرح مردوں کو معشوق بنا کر، اُن کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے ہیں، آپ اس کے جواب میں فوراً کہہ دیں گے کہ فارسی زبان میں چونکہ مذکر اور مؤنث کے لیے افعال (Verbs) میں کوئی امتیاز و فرق نہیں ہے، اس لئے اُردو کے شاعر اُن ہی کے اتباع و تقلید میں معشوق کو مذکر باندھتے ہیں۔ لہذا عورت کیلئے بھی مذکر کے صیغے استعمال کئے جاتے ہیں، آپ کا فرمانا سر آنکھوں پر، بہت ممکن ہے کہ آپ کے کہنے کے مطابق ایسے تصورات پائے جاتے ہوں، مگر یہ جو شاعروں نے، معشوق کے "سبزۂ خط" کی تعریف میں قصیدے کے قصیدے کہہ ڈالے ہیں، اُس کی آپ کیا تاویل فرمائیں گے؟ کیا عورتوں کے بھی داڑھی مونچھیں ہوتی ہیں۔ اور ہاں! میر تقی میر کے اس شعر کے متعلق —

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطّار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

آپ کی کیا رائے ہے۔ میں تو شاعروں سے بدگمان سی ہوگئی ہوں! میری بدگمانی بلاوجہ نہیں ہے، اس کے اسباب ہیں!

معاف کیجئے خط بہت طویل ہوگیا، ضرورت سے زیادہ طویل —! مگر میں نے قصداً بات کو بڑھایا ہے، خط و کتابت کو "نصف ملاقات" کہا گیا ہے، اور

میں اس ملاقات کو طویل بنانا چاہتی ہوں۔ میں پھر عرض کرتی ہوں کہ ان تمام بدگمانیوں، اعتراضوں اور تصورات کے باوجود، میں شاعروں کی قدر کرتی ہوں، اور بہت سے اشعار میرے محسوسات و خیالات کی دنیا میں گھل مل گئے ہیں۔ میں کل ایک شادی میں جا رہی ہوں، واپسی پہ آپ کا جواب ضرور ملنا چاہیئے۔

⁂ ــــ ⁂ ــــ ⁂

بائیسواں خط

تسلیم و کورنش! محبت نامہ موصول ہوا، طویل تجزیہ۔ تم فلسفی بھی ہو اور نقاد بھی، بڑی مشکل ہے مجھ جیسے سیدھے سادے آدمی کے لئے! حیران ہوں کہ تمہاری باتوں کا کس طرح جواب دوں، جواب دینے کی ہمت بھی کروں تو تمہارا خیال اور قلم کہاں سے لاؤں گا؟ تم جس بلندی سے باتیں کرتی ہو وہ بلندی مجھے کہاں نصیب! عجیب بات ہے کہ تمہارے ایک اعتراض کا تو شاعر نے خود اقرار کیا ہے:-

> اِن شاعرانِ دہریہ ہو عشق ہی کی مار
> اِک پیکرِ جمیل کو قاتل بنا دیا

جانِ آرزو! شاعری کو فلسفہ، طبعیات، اور سائنس کے پیمانہ سے ناپنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے، شعر بالکل وجدانی چیز ہے اور "وجدانیات" کی سطح، دُنیا والوں کے تجربوں اور نظریوں سے بہت بلند ہے۔ تلوار، تیر، زخم، گورِ غریباں، نزع، یہ سب استعارے ہیں، اور ان کے ذریعہ کیفیات کی شدت دکھانا مقصود ہے۔ تم نے خود اپنی زبان سے بیسیوں مرتبہ یہ جملہ کہا ہوگا۔

"میرے تن بدن میں آگ لگ گئی"

کیا یہاں آگ سے مُراد دہکتے ہوئے کوئلوں کی آگ ہے؟ شعر کے استعاروں کا بھی یہی عالم ہے۔۔۔! بہر حال تمہاری تنقید کو پڑھ کر مسرت ہوئی کہ تم بات کی تہ میں اُتر جانے والی نظر رکھتی ہو، مگر تمہاری تحریر نے مجھے آئندہ کے لئے محتاط بنا دیا۔

تمہارے بعض اعتراض واقعی لاجواب ہیں کم از کم میں اُن کا کوئی جواب نہیں دے سکتا، بعض باتوں کا جواب خط میں نہیں دیا جا سکتا، تم سے جب ملاقات ہوگی اُس وقت جواب دیا جائیگا۔ بات یہ ہے کہ بہت سی باتوں کے جوابات کے لئے الفاظ ناکافی اور غیر موزوں ثابت ہوتے ہیں۔ ایک شعر بے ساختہ زبان پر آ رہا ہے:

> میں سراپا صعوبت کش مگر اِک دل ہی نازک ہے
> وہ سر سے پاؤں تک نازک، مگر اِک دل ہی پتھر ہے

تو اس شعر کو پڑھ کر کچھ اور نہ سمجھنا۔ میں نے یوں ہی لکھ دیا، اچھے شعر سے تو تم بھی لطف اندوز ہوتی ہو۔ رخصت ہو رہا ہوں، نمناک آنکھوں اور دھڑکنے۔۔۔

[illegible]

سالِ نو کا نادر ترین تحفہ!

مرتبہ مس عائشہ خانم متعلمہ، ڈیرہ دون — گلشنِ قلندر

جنوری، اپریل، جولائی	اکتوبر	مئی، اگست	فروری، نومبر	مارچ	جون	ستمبر، دسمبر	برائے سنہ ۱۹۴۰ء				
پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
بدھ	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱
جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	۴	۱۱	۱۸	۲۵	×
جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	۵	۱۲	۱۹	۲۶	×
ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ	۶	۱۳	۲۰	۲۷	×
اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	۷	۱۴	۲۱	۲۸	×

نوٹ:- اس سال یعنی سنہ ۱۹۴۰ء کا ماہ فروری ۲۹ دن کا ہوگا۔

ایک روسی افسانہ
کا عکس لطیف

دنیا کدھر جا رہی ہے

حسب ذیل کہانی جس کا راقم روس حاضرہ کا زبردست مصنف ارکاڈی الورچنکو ہے۔ یورپ کے موجودہ سیاسی حالات کے پیش نظر خاص دلچسپی رکھتی ہے جیسا ناظرین مطالعہ سے معلوم کرینگے۔ اس کی طرز تحریر انوکھی اور دلچسپ ہے اور اس میں مذاق کی ایک ایسی چھپی ہوئی چاشنی پائی جاتی ہے جو کم از کم روسی مصنفوں کی حالت میں بہت کم دیکھی گئی ہوگی۔ اسی پیرایہ میں اسی مصنف نے بہت سی کہانیاں اور ناٹک لکھے ہیں لیکن یہ کہانی جو ہم ذیل میں ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں اپنی نظیر آپ ہے۔ وقتی دلچسپی کی چیز ہونے کے باعث وہ اور بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ (ایڈیٹر)

شام کا وقت تھا کہ ایک سبک رفتار پھرتیلا آدمی جس کی آنکھوں کی چلت پھرت اس کے ذہن رسا کا پتہ دیتی تھی کسی ملک کے دفتر جنگ میں داخل ہوا۔ وہ ملک کہاں ہے یا اس کا نام کیا ہے ان تفصیلات کا ہماری کہانی سے کوئی تعلق نہیں۔

دروازہ میں پہرہ دار کھڑا تھا اس کو مخاطب کر کے اس نے کہا "میں کسی ایسے شخص سے ملنا چاہتا ہوں جو ذمہ داری کی گفتگو کر سکتا ہو۔ مجھے بعض اشد ضروری معاملات کی نسبت اس سے بات چیت کرنی ہے"

"جب تک آپ یہ نہ بتائیں کہ آپ کا مدعا کیا ہے میرے لئے اس بات کا فیصلہ کرنا بہت دشوار ہوگا کہ آپ کو کس اہلکار کے پاس لے جاؤں" پہرہ دار نے تھوڑے تامل کے بعد جواب دیا۔

"اس دفتر میں جو شخص صیغہ پرواز سے تعلق رکھتا ہے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ درحقیقت میں نے ایک نئی ایجاد کی ہے۔ ایک ایسی ایجاد جو حرب و ضرب کے فن میں انقلاب پیدا کر دیگی اور میں اس کیلئے کسی خریدار کی تلاش میں ہوں۔ تم اتنا میری طرف سے کہہ سکتے ہو کہ وہ ایک ایسی ایجاد ہے کہ جس کے ہاتھ میں چلی گئی وہی سارے عالم پر غلبہ پا سکے گا"

قدرتی طور پر اس بیان سے دفتر جنگ میں بھاری سنسنی پھیل گئی چنانچہ عرصہ قلیل میں اجنبی کو ایک معزز شکل و صورت کے جرنیل کے پاس پہنچا دیا گیا۔

جرنیل کو اس شخص سے ملکر جو خوشی حاصل ہوئی اس کا حال محتاج بیان نہیں۔ اس نے نووارد کا پرتپاک خیرمقدم کیا اور اس کو ادب و احترام کے ساتھ ایک آرام دہ کرسی پر بٹھایا۔

"سنئے جناب" نووارد نے براہ راست اصل مطلب کی طرف آتے ہوئے کہا "میں ادھر اُدھر کی باتوں میں اپنا یا آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا اسلئے مختصر الفاظ میں کہتا ہوں کہ میں نے ایک اس قسم کے جنگی جہاز کا نمونہ تیار کیا ہے جس میں ایک دو یا پانچ دس نہیں بلکہ فوجی سپاہیوں کی پوری پلٹن سوار کی جا سکتی ہے۔ آندھی بارش طوفان کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور چلانے والے اس کو اپنی منشا کے مطابق کم و بیش ایک ہفتہ ایک ہی مقام پر ہوا میں کھڑا رکھ سکتے ہیں اس قسم کے ہوائی جہاز سے حالات جنگ میں جو انقلاب عظیم پیدا کیا جا سکتا ہے اس کا حال آپ خود بہتر سمجھ سکتے ہیں اگر آپ چاہیں تو وہ ایجاد مناسب شرطوں پر خرید سکتے ہیں ورنہ مجھے کسی دوسرے ملک کا رخ کرنا پڑیگا"

قدرتی طور پر جرنیل نے شرطیں طے کرنے سے پہلے اس چیز کو ایک نظر دیکھ لینا ضروری سمجھا۔ آخر جب اجنبی کے اصرار پر جرنیل نے اس بات کا وعدہ کر لیا کہ خواہ ہمارا آپس میں معاملہ ہو یا نہ ہو۔ میں آپ کا راز کسی پر ظاہر نہ کرونگا تو نووارد نے اپنے بیگ کے اندر سے ایک پھولا ہوا پلندہ نکالا اور اسے کھول کر کئی طرح کے نقشے اور خاکے میز کے اوپر پھیلا دیئے۔

بڈھے جرنیل نے ان سب کا بڑے غور کے ساتھ معائنہ کیا انہیں ہر پہلو سے جانچنے اور آنکنے کے بعد آخر کار اس نے رکتے ہوئے کہا۔

"بیشک آپ کے دعوے میں کچھ وزن دکھائی دیتا ہے۔ بالفرض میں اپنے ملک کی طرف سے اس ایجاد کو خریدنا چاہوں تو آپ کس قیمت پر دینگے؟"

"میری قیمت صرف دس لاکھ پونڈ ہے"

"بس!" جرنیل نے فرط مسرت سے اچھلتے ہوئے پوچھا۔ پھر اجنبی سے پرجوش مصافحہ کرتے ہوئے وہ کہنے لگا: "آپ کی ایجاد ہماری ہو گئی۔ میں دس لاکھ کا چیک آپ کو سرکاری خزانہ کے نام لکھ دیتا ہوں ساتھ ہی میرا دلی شکریہ قبول فرمایئے کہ آپ نے اس دریافت کو لے کر سب سے پہلے ہمارے پاس آنا مناسب سمجھا اس سے زیادہ میں اتنا ہی اور کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آئندہ بھی آپ کوئی نئی اور انوکھی چیز ایجاد کریں تو ضرور مجھ سے ملیں امید ہے میں اسکی بھی خریداری کرونگا"

"اس عنایت کا شکریہ" اجنبی نے فوراً جواب دیا "حسن اتفاق سے ایک اور چیز میرے پاس اس کے علاوہ اس وقت بھی موجود ہے اور وہ ایک ایسی چیز ہے جس کا حال سن کر یقیناً آپ حیران و ششدر ہو جائینگے۔"

"یعنی وہ کیا؟"

اجنبی نے سابقہ حساب میں لیا ہوا دس لاکھ پونڈ کا چیک تہ کر کے جیب میں ڈالتے ہوئے کہا: "میں نے ایک ایسی توپ ایجاد کی ہے جو اس نئے جنگی جہاز کو جس کا ذکر ابھی ہم میں ہو رہا تھا دو ثانیوں کے اندر اندر تباہ کر سکتی ہے۔ اس توپ کا صرف ایک گولہ جہاز کو فنا کرنے کیلئے کافی ہوگا اور وہ فوراً آٹے سے بھرے ہوئے بورے کی مانند دھم سے فرش زمین پر آ رہے گا۔ فی الحقیقت اس توپ کی موجودگی میں وہ ہوائی جہاز بالکل ہی بے بس اور بے پناہ ہوگا۔"

بڈھے جرنیل کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے سوچا دس لاکھ پونڈ دے کر خریدی تو ایسی چیز جو دو سیکنڈ کے عرصہ میں تباہ ہو سکتی ہے۔ خیر اس نے اپنے آپ پر قابو پا کر متین لہجہ میں کہا: "میں آپ کا مطلب پوری طرح نہیں سمجھا کیا درحقیقت آپ کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے پہلے ایک نادر الوجود ہوائی جہاز تیار کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک ایسی توپ بھی ایجاد کر لی جو آپ ہی کے دماغ سے نکلے ہوئے جہاز کو آنکھ جھپکنے میں ریزہ ریزہ کر سکتی ہے، اگر واقعی یہ بات ہے تو میں اس بارہ میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ مقابلہ آپ کے لئے باعث فخر نہیں سمجھا جا سکتا۔"

"آپ کی باتیں آپ کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہا ہوں۔ اجنبی نے برابر تبسم کرتے ہوئے کہا: "اتنا تو خیر آپ کو بھی معلوم ہے کہ فن حرب میں آئے دن کئی کئی اصلاحات ہو رہی ہیں۔ جو ملک ان میں برابر کا حصہ نہ لے گا وہ یقینی طور پر ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیگا۔ لڑائی میں شکست یاب ہوگا اور اس کے بعد جلد ہی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔ مجھ کو تسلیم ہے کہ میرا ایجاد کردہ ہوائی جہاز ایک انقلابی دریافت ہے لیکن دنیا میں ہر زہر کا کوئی نہ کوئی تریاق ضرور ہوتا ہے اسلئے اس کا مقابلہ کرنے کو ایک چیز ایجاد کرنی پڑی۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" جرنیل نے رکتے ہوئے کہا: "کم از کم اصولی طور پر میں آپ کے بیان کو جھٹلا نہیں سکتا لیکن عملی پہلو سے دیکھا جائے تو میرے خیال میں کوئی دوسرا آدمی ایسی توپ ایجاد کرتا اس کا حق ایجاد ہمارے ہاتھ فروخت کر ڈالتا تو ایک بات تھی لیکن حیرت تو یہ دیکھ کر ہوتی ہے کہ آپ ہی نے شروع میں ایک نئی طرح کا ہوائی جہاز تیار کیا اور اب خود آپ ہی ایک ایسی چیز پیش کرنا چاہتے ہیں جو اس کو تباہ کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔"

"یہ بھی آپ کا حسن ظن ہے۔" اجنبی نے تسلیم کر کے کہا: "ورنہ سچ پوچھئے تو اس قسم کی ایجاد کا فخر مجھ کو یا کسی دوسرے شخص کو حاصل ہونا اس کی اہمیت میں کوئی خاص فرق پیدا نہیں کرتا۔ بحث کیلئے مان لیجئے کہ اگر میں پہلی ایجاد فروخت کرنے کے بعد کمرہ سے باہر چلا جاؤں۔ تبدیلی ہیئت کیلئے اپنی مونچھیں صاف کر دوں۔ دوسری طرح کے کپڑے پہن لوں اور دوبارہ واپس آ کر اس طرح اپنے آپ کو پیش کروں گویا ہم پہلے سے ایک دوسرے کے شناسا نہیں ہیں تو کیا اس سے معاملہ کی اصلیت پر کوئی خاص اثر پڑ سکتا ہے؟ اگر آپ اس بات پر رضامند ہیں تو دو منٹ کی اجازت دیجئے میں ابھی مناسب تبدیلیاں کرنیکے بعد ایک نئے شخص کے روپ میں حاضر خدمت ہو جاؤنگا۔"

کارآزمودہ جرنیل کو یہ جواب سنکر قدرے ندامت ہوئی کیونکہ وہ اپنے دل میں سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کا اعتراض درحقیقت کوئی وزن نہ رکھتا تھا کھسیانا سا ہو کر کہنے لگا۔

"خیر جانے دیجئے اب آپکی اس توپ کی ایجاد بھی ضرور ہم کو خریدنی پڑے گی کیونکہ انکار کی صورت میں آپ یقینی طور پر کسی دوسرے ملک کے ہاتھ بیچ دینگے اور اس کی موجودگی میں پہلی ایجاد جو ہم نے خریدی ہے بالکل ناکارہ ہو جائیگی۔ بولئے جلدی کیجئے۔ آپ اس کیلئے کیا معاوضہ چاہتے ہیں؟"

"وہی دس لاکھ!"

بڈھے جرنیل نے اب کی مرتبہ کسی قدر کڑھتے اور بڑبڑاتے ہوئے چیک لکھا اور پرزہ کاغذ موجد کے ہاتھ دیتے ہوئے اپنی شرمساری چھپانے کی غرض سے اس کے شانہ پر ننھی سی تھپکی دے کر کہنے لگا۔

"اس میں شک نہیں کہ آپ بڑے ہوشیار اور قابل نوجوان ہیں۔"

"اس قدر دانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

"آپ کے دماغ کی زرخیزی میں کلام نہیں۔ وہ آپکی پہلی ایجاد نئی طرح کے ہوائی جہاز کی تحقیق کیا کم حیرت انگیز تھی کہ آپ نے جھٹ اسکو فنا کرنیوالی توپ بھی ایجاد کر ڈالی۔"

"آپ کے تعریفی الفاظ میرے دماغ کو عرش بالا پر پہنچا رہے ہیں لیکن غور کر کے دیکھئے تو بات کچھ بھی نہیں کیونکہ جیسا میں نے پیشتر عرض کیا تھا اس دنیا میں قدرت نے ہر بیماری کا علاج اور ہر ایک زہر کا تریاق ساتھ کا ساتھ تیار کر دیا ہے۔"

"وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں تاہم جہانتک میں آپکے نقشہ سے اندازہ کر سکا ہوں"

"جی بجا فرمایا۔ کچھ شک نہیں کہ یہ نئی توپ ایک ہیبت ناک ہتھیار کا کام دیگی لیکن اس حالت میں ...."

موجد اس فقرہ کو ناتمام ہی چھوڑ کر چپ ہو گیا۔ اور معنی خیز نظروں سے جرنیل کی طرف دیکھنے لگا پھر اسے خاموش پا کر وہ خود ہی تقریر جاری رکھتے ہوئے بولا "دیکھئے راز کی بات ہے لیکن آپ چونکہ میرے محسن اور مربی ہیں اسلئے آپ سے کیا پردہ؟ میں نے ایک اس طرح کا زرہ بکتر بھی دریافت کر لیا ہے

جس سے اگر ہوائی جہاز کو پوری طرح منڈھ دیا جائے تو اس توپ کا باوا آدم بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ زیادہ تو میں کیا کہوں۔ اتنا بھی ممکن نہیں کہ توپ کے گولے کی خراش تک اس پر آئے۔"

جرنیل نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ تھوڑی دیر فرطِ غضب سے الفاظ اس کے منہ سے نہ نکل سکے اس کے بعد اس نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم درحقیقت مجھکو دیوانہ بنا دینا چاہتے ہو؟ یہ طریقۂ عمل جو تم نے اختیار کیا ہے بڑا شرمناک..... بزدلانہ..... اور غیر شریفانہ ہے۔"

اجنبی کی پیشانی پر دبے ہوئے غصہ کے بل پڑ گئے مگر اس نے ضبط کر کے کہا

"حضرت اپنے جوش کو سنبھالئے۔ میں نے اس معاملہ میں کونسا فعل ایسا کیا ہے جسے آپ بزدلانہ غیر شریفانہ اور خدا جانے کن کن ناموں سے موسوم کر رہے ہیں۔ میں نے ہوائی جہاز کی ایجاد کا نمونہ آپ کے ہاتھ بیچا آپ نے ہر طرح اطمینان کر کے اسکو خرید لیا۔ اگر کوئی خامی اب بھی آپکو اس میں نظر آتی ہے تو میں خطاوار ہوں۔ دوسری چیز آپ نے جو خریدی وہ میری نوایجاد توپ کا نمونہ تھا اس میں بھی کیا مجال کوئی نقص باقی رہا ہو۔ یہ آخر آپ کو وجہ شکایت کیا ہے؟ میں دھوکے باز نہیں ہوں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی ایجاد کے متعلق جھوٹے اور فرضی دعوے کیا کرتے ہیں......"

جرنیل نے اجنبی کی آنکھوں سے آنکھیں ملائیں اور کہا: "بھلے آدمی کیا تمکو یہ بات زیبا نہ تھی کہ وہ دو چیزیں میرے ہاتھ فروخت کرنے کی بجائے سب سے پہلے یہ زرہ بکتر ہی میرے پاس بیچتے؟"

"معاف کیجئے آپ بھولتے ہیں۔ آپ نے تو اس کام میں اپنے بال سفید کر لئے۔ میں آپ کے سامنے محض طفلِ مکتب ہوں تو بھی اتنا ضرور کہوں گا کہ دنیا میں ہر چیز کی ترقی خصوصاً ٹیکنیکل علوم کی درجہ وار ہوا کرتی ہے۔ کیا کبھی ایسا سننے میں آیا ہے کہ ایک نوآموز بچہ ایک ہی بار چھلانگ مار کر بامِ ترقی پر پہنچ جائے؟ یا کوئی شخص سیڑھی کے درمیانی ڈنڈے چھوڑ کر اوپر والے پر قدم رکھنے کی کوشش کرے۔"

تھوڑی دیر کے لئے وہ دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے منہ تکتے رہے لیکن اس حالت میں بھی جرنیل کی پیشانی پر غصہ، جوش، ناکامی اور پریشانی کے بل پڑے ہوئے تھے حالانکہ موجد کا اندازہ ہر طرح کی فکر و تشویش سے خالی تھا وہ منہ میں سگار لئے آرام کرسی کی پشت پر جھکا ہوا مزے کے کش لگا رہا تھا۔

دیر تک سوچتے رہنے کے بعد جرنیل کے ذہن میں پھر وہی پہلا اعتراض پیدا ہوا وہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر کوئی دوسرا آدمی ایسی دریافت لیکر میرے پاس آتا تو ایک بات تھی لیکن اجنبی کا وہی معقول جواب مونچھیں صاف کر کے اور کپڑے بدلکر واپس آنے کا۔ اس کی عقل بندی کا موجب ثابت ہوا محض کچھ کہنے کی غرض سے اتنا کہا۔

"پھر اب اس کیلئے آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"صرف دس لاکھ۔"

"کیا اس سے نصف پر فیصلہ نہ ہوگا؟"

"کیا خوب میری پہلی ایجاد پر تو آپ نے ہنسی خوشی دس لاکھ دے دیئے تھے۔ آخر اس میں کیا برائی ہے کہ آپ نصف پیش کرتے ہیں؟ اس کے علاوہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا کہ اگر میں یہی ایجاد لیکر کسی دوسرے ملک میں جاؤں تو بڑی آسانی سے اس کے عوض بیس لاکھ پا سکتا ہوں۔"

"وہ تو بیشک صحیح ہے۔" جرنیل نے ایک آہ سرد بھرتے ہوئے کہا۔ "بہرحال اب یہ کڑوی گولی نگلنا ہی پڑیگی۔ لے جا بھائی لے جا۔ دس لاکھ اور بھی ہم سے لے جا، تو خوش تیرا خدا خوش، ہم پر جو بیتے گی گذار لیں گے۔"

موجد نے دس لاکھ کا نیا چیک بھی وصول کر کے انہی دو کے پاس جو پیشتر اس کو ملے تھے جیب کے اندر رکھ لیا۔ اس کے بعد اندازِ اطمینان سے اُٹھا۔ جرنیل سے مصافحہ کیا اور دروازہ کی طرف جانے کیلئے ایک قدم بڑھا بھی چکا تھا کہ جرنیل نے پیچھے سے آواز دی۔

"ٹھہرو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تمہارے خیال میں ہر قسم کی توپوں کی مار اس زرہ بکتر پر اثر ڈالنے سے قاصر رہے گی؟"

"جی کیوں نہیں۔ کم از کم جتنی توپیں اسوقت تک ایجاد ہوئی ہیں وہ اسکا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی۔ یہ ایک علیحدہ سوال ہے کہ کوئی غیر معمولی طاقت کی نئی توپ ایجاد کر لی جائے۔"

"کیا کہتے ہو۔ نئی توپ! کیا سچ مچ تمہارا خیال ہے کہ ایسی ایجاد عمل میں آنا ممکن ہے؟"

"آپ ممکنات کی گردان میں پھرتے ہیں اور وہ اس سے پہلے ایجاد بھی ہو چکی۔"

"ارے کیا سچ! کس نے ایجاد کی؟ کہاں؟ کس ملک میں؟"

"اس بندۂ ناچیز نے جو آپ کے سامنے کھڑا ہے۔"

"خدا تمہارا ستیاناس کرے! اس مسخرے پن کی کوئی انتہا بھی ہے۔ تم نے پہلے ہی چھوٹے منہ سے کیوں نہ کہہ دیا......"

اجنبی نے گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہنے لگا۔ میں تو یہ سوچکر حیران ہوا جاتا ہوں کس اُلو کے پٹھے نے آپ کو جرنیل بنایا ہوگا۔ آپ کسی گفتگو میں آدابِ تہذیب قائم نہیں رکھ سکتے۔ میں ہر ایک بات درجے وار

سی بیان کر سکتا تھا۔ اب وقت آیا تو کہہ رہا ہوں کہ ہاں ایسی توپ بھی ایجاد ہو چکی ہے"

جرنیل نے اس طرح کا لمبا سانس لیا جیسے سانپ پھنکار کر تا ہے پھر کہا۔

"میں سمجھا اور اب تم یہ نئی توپ بھی ہمارے سر منڈھنا چاہتے ہو اور جب ہم یہ نئی ایجاد خرید لیں گے تو مجھ کو یقین ہے کہ تم دانت نکال کر یہ کہنے کو آمادہ ہو جاؤ گے کہ اس زہر کا تریاق بھی میرے پاس ہے"

"دیکھئے خدا بہتر جانتا ہے"

"اور جب تم ہم سے دس لاکھ کی رقم اور ٹھگ لو گے تو پھر کسی اور ایجاد کا قصہ لے بیٹھو گے غرض یہ زہر اور تریاق کا سلسلہ کہیں ختم نہ ہوگا"

"کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر یہ ہو جائے تو دنیا کی ترقی کیسے ہو؟"

جرنیل نے زور زور سے ہاتھ ملنے شروع کئے۔ سر کے بالوں کو نوچا پھر چیختے ہوئے کہا۔

"خدا تم کو غارت کرے۔ تم تو زمانہ حال کے سب سے بڑے مفسد اور ڈنڈی ثابت ہوئے ہو۔ تم چور ہو۔ ٹھگ ہو۔ خون آشام بلا ہو۔ ٹھہر جانے سے پیشتر اپنا نام بتاؤ اور میں حکم جاری کر دونگا کہ ہر گلی کوچے میں تم پر لعنت بھیجی جائے"

اجنبی کے بدن میں دبے ہوئے جوش کی تھرتھری پیدا ہوگئی۔ اب تک اس کے چہرہ پر استہزا کا تبسم تھا۔ اب وہ پیلا سفید اور بے رنگ ہوگیا۔ مارے غصہ کے اسکے ہونٹ کانپنے لگے۔ بولا۔

"کھوسٹ بڈھے تم کو اختیار ہے میرے حق میں جی بھر کے بددعائیں کرنا۔ اس سے نہ تمہاری کھوئی ہوئی دولت واپس آئے گی نہ میرا ہی کچھ بگڑے گا۔ میرے نام سے تمہیں کیا کام ہے۔ لیکن اگر خدا نے تم کو عقل و دانش عطا کی ہوتی تو تم اتنا اس سے بہت پہلے سمجھ گئے ہوتے کہ میں مجسم منطق ہوں۔ میں فہم و فراست کی جیتی جاگتی تصویر ہوں۔ یہ دونوں اوصاف تمہارے اندر موجود نہیں اور اسلئے تم اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے ہو کہ تمہارا ملک نئی نئی اسلحہ سازیوں سے خواہ دس سال کے اندر تباہ ہو خواہ دس منٹ کے عرصہ میں۔ بات ایک ہے دانش تم کو سیدھا راستہ دکھاتی ہے لیکن تم اسے غصہ اور جوش کی حالت میں باہر نکل جانے کیلئے کہتے ہو خیر اس سے مجھے کیا؟ اس دنیا میں سب سے بڑے دانا ہی سب سے بڑی حماقتوں کے مرتکب ہوا کرتے ہیں۔ تم اپنے آپ کو بڑے دانا و بینا سمجھے ہوئے تھے لیکن معلوم ہوگیا کہ وہ صرف نمائش ہی نمائش تھی۔ ایک چھوٹی سی آزمائش میں آکر رہ گئے۔ یہ دس لاکھ کا سلسلہ کیا کبھی ختم ہو سکتا ہے؟ اسکی رفتار تو یونہی قائم رہے گی اور اسوقت تک قائم رہیگی کہ تم اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے..."

یہ کہتے کہتے اجنبی دروازہ پھیر کر دفتر جنگ سے رخصت ہوگیا وہ دفتر جنگ دنیا کے کس حصہ میں، کس ملک سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا ہمارے افسانہ سے کوئی تعلق نہیں اور اسلئے ہم اس کا ذکر نظر انداز کرتے ہیں۔

...کے خط کا جواب

ایک سچا واقعہ افسانے کے پیرایہ میں!

از جناب
رابطہ ہاشمی فاضل ادب

وہ تمہاری میٹھی میٹھی، بھولی بھالی، پیاری پیاری باتیں اب بھی مرے لوحِ دل پہ ثبت ہیں جیسے کل ہی کی باتیں ہوں۔ اب بھی جب وہ باتیں یاد آتی ہیں تو دل تڑپ اٹھتا ہے۔ بےتاب ہو جاتا ہے۔ ماضی کا ایک ایک منظر، ایک ایک سین مری آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگتا ہے ——

بھلا وہ حروف جو کندہ ہو چکے ہیں۔ کہیں اس طرح جلد محو بھی ہوا کرتے ہیں!۔ انکے مٹنے کے لئے بھی تو وقت کی اختیار ہوتی ہے۔ اور پھر نقوش محبت! وہ تو اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ مٹائے نہیں مٹتے۔ تمہیں ان باتوں کا یقین ہو کہ نہیں۔ پر میرے نزدیک تو محبت کے نقوش تا زیست نہیں مٹا کرتے۔ میں نے تو اپنے دل کو دیکھا، آزمایا، تولا۔ ایک بار نہیں ہزاروں بار، لاکھوں مرتبہ، کروڑوں دفعہ، طرح طرح سے، قسم قسم سے، مگر جب بھی دیکھا تو وہ اپنی جگہ پہ اسی طرح قائم تھا اسی طرح گڑا تھا۔ ذرا سی بھی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی۔ ارے۔ یہ تم نے کیا کہا؟ تم بھول گئے ہوگے! بھولنا ہی ہوتا تو پھر آج اتنی دردسری کیوں ہوتی؟ رونا کیوں پڑتا؟ پریشانی کیوں ہوتی، خلش کی ایک دنیا، اضطراب کا ایک سمندر دل میں لہریں کیوں مارتا ہوتا۔ ——

تم نے میری خاموشی کو میری بے اعتنائی اور فراموشی پر محمول کیا لیکن "موجو" (محبوب العنا؟) تم نے مرے دل کی کیفیت کو نہ جانا، مرے دکھ کو نہ پہچانا۔ مری حالت کو نہ دیکھا۔ وجہ کیا ہوئی آخر؟ جب تمہارے ابا نے میری غربت اور لاچاری کا تمسخر اڑایا۔ مری بیکسی اور افلاس کو درمیان میں لا کر تم کو مجھ سے علیحدہ کر دیا۔ مجھے تم کو اپنا نہ بننے دیا تو پھر بتاؤ کہ میں کیا کر سکتا تھا۔ مرے لئے اب رہا کیا تھا؟ سوائے خاموشی کے میرے لئے آخر اور کون سا چارہ کار تھا۔

دنیا والے، یہ بڑے لوگ، بولتے بہت کچھ ہیں لیکن جب وقت آتا ہے، ان باتوں کے ایفا کا، تو پھر وہ صاف مکر جاتے ہیں —— جیسے انہوں نے کوئی بات کہی ہی نہ تھی۔ تمہارے ابا کے بھی تو بڑے بڑے بول ہوتے تھے انکی باتیں بھی تو بڑی بڑی ہوتی تھیں۔ لیکن "موجو" جب وقت آیا تو وہ بھی صاف مکر گئے۔ جیسے انہوں نے کبھی کچھ کہا ہی نہ تھا۔ ان کا ایک ایک جملہ مجھے اچھی طرح یاد ہے —— یاد ہے اور اس طرح یاد ہے کہ جب وہ باتیں یاد آتی ہیں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ مری رگوں میں غضب کا جوش موجیں مارنے لگتا ہے اور دل یہی چاہتا ہے کہ ایسے "جھوٹوں" کو، "مکاروں" کو اپنے آہنی ہاتھوں سے دبوچ لوں۔ ان کا گلا گھونٹ دوں۔

اس شب کو میں ہنوز فراموش نہیں کر سکا ہوں موجو، —— جس شب تمہارے ابا نے "ٹی پارٹی" دی تھی۔ عمائدین شہر مدعو تھے۔ "سر موسیٰ" اور "بیرسٹر خلیل" تمہارے ابا کے دائیں جانب کی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور میں سب سے آخری نشست پر بیٹھا چاء نوش کر رہا تھا۔ دورانِ گفتگو میں وہ سر موسیٰ سے کہنے لگے۔ مسٹر موسیٰ میرا تو خیال ہے کہ غریبوں میں وفاداری، خلوص اور محبت جتنی ہوتی ہے اغنیاء تو انکی خاک پا کو بھی نہیں پہونچ سکتے۔ میرے ہی محسن مسٹر "جمالی" کو دیکھو کہ ایک زلزلہ میں انہوں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر کتنی جرأت و دلیری سے میری جان بچائی تھی۔ بخدا موسیٰ اس لڑکے نے جو میرے ساتھ محبت اور ہمدردی دکھائی ہے اپنا لڑکا کبھی اتنا شاید نہ کر سکتا۔ سچ پوچھو تو آج جو تم مجھے زندہ دیکھ رہے ہو یہ اسی نوجوان کی بدولت۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ مسٹر جمالی ملک کے مایۂ ناز افسانہ نگاروں میں سے ہیں۔ اور پھر "اسپورٹ" کی دنیا میں کون مسٹر جمالی، ہاکی کے مشہور کھلاڑی کے نام سے واقف نہیں ہے آپ ابھی بی۔ اے میں پڑھتے ہیں آئی۔ اے میں پورے صوبہ میں دوسرا نمبر انہی کا تھا۔ کونسی چیز کی ان میں کمی ہے۔ حسن، صحت، علم، ہنر یہ ساری چیزیں خدا نے ان میں ودیعت کی ہیں۔ صرف کمی ہے تو اسی کی کہ یہ غریب ہیں۔ اور آپ جانیئے علم کی سی دولت کے مقابلہ میں یہ کوئی حقیقت بھی تو نہیں رکھتی میں نے تو ارادہ کیا ہے کہ ذرا یہ تعلیمی مرحلوں سے فراغت پالیں تو انکی شادی "موجو" سے کر دوں۔ میرے مرحوم دوست مسٹر "رفیقی" کی یہی ایک نشانی ہیں اور سبھوں نے بیک زبان ہو کر کہا تھا۔

"بڑا مبارک خیال ہے۔ خدا وہ دن جلد لائے" موجو، خدا لگتی کہنا ان کے ایک ایک لفظ میں کسقدر انبساط و سرور کے دریا میرے لئے بہہ رہے تھے۔ کون جانتا تھا کہ وہ شخص جو آج بھرے مجمع میں اس طرح تیقن اور عزم راسخ کیساتھ بول رہا ہے کل وہی شخص اپنے وعدوں سے مکر جائیگا۔ اپنی باتوں کا پاس تک نہ کریگا۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ان باتوں کے بعد میرا دل کتنا شاد ہوا تھا! میں کسقدر خوش ہوا تھا میرا دل، آہ! کھل گیا تھا۔ وفور مسرت سے دیوانہ ہو رہا تھا میرا جی چاہتا تھا کہ اپنے مہربان کے قدموں کو چوم لوں۔ ان پر نثار ہو جاؤں اس خوشی کا اندازہ تو تمہیں خود بھی ہوا ہوگا میں کس طرح تمہارے پاس پہونچا تھا۔

اور تمہیں گیند کی طرح اُٹھا کر بستر پر گرا دیا تھا غصہ سے تمہارا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ اور تم نے جھٹ کہا تھا،

"کیسا بیہودہ مذاق ہے یہ کیا دیوانگی ہے" اور پھر تم میری آغوش میں تھیں تمہیں بھینچ بھینچ کر کتنا "پیار" کر ڈالا تھا میں نے۔

اور تم جھینپ جھینپ گئی تھیں۔ یاد ہے نا۔ اور پھر کس طرح تم میری آغوش سے زور لگا کر نکل گئی تھیں۔ اور کتنے دلربایانہ انداز میں کہا تھا تم نے "تم بڑے وہ ہو"

"اچھا میری رانی، مجھے معاف کردو، غلطی ہوگئی" اور میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ اور پھر آہ! تم نے میرا ہاتھ جھٹ سے پکڑ لیا تھا۔ اور انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کس پیار سے کہا تھا، اچھا اچھا، بس معاف کیا پھر ایسی غلطی نہ ہونے پائے:۔

آہ! موہو، تمہاری ایک ایک بات تیر و نشتر کی طرح میرے دل کو چھلنی کر رہی ہے۔ کاش! میں ناکامی سے قبل ہی مرگیا ہوتا۔ یہ متاعِ زندگی برداشت کرنے کو بیتاب نہ ہوتا۔ کیسے معلوم تھا کہ وہ جو آج تک بلا شرکت غیرے میری ہے۔ جو میری روح پر چھائی ہوئی ہے جو میرے دل کی ملکہ ہے میرے کلیجہ کی ٹھنڈک ہے۔ میرے قلب کی راحت ہے کل دوسرے کی ہو جائیگی۔ جب میں اپنی تصور کی آنکھوں سے تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم نواب "اشرف" سے ہنس بول رہی ہو۔ تو میرا دل بیتاب ہو جاتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تم کو اُس سے زبردستی چھین کر لے آؤں۔ وہی "اشرف" جو کل تک کالج بھر میں "جواری" اور "شرابی" مشہور تھا۔ جو پانچ سال آئی۔ اے میں فیل ہونے کے باوجود پاس نہ کر سکا تھا آج صرف دولت آہ! دولت کی وجہ سے تمہارا شریک زندگی ہے اور تم خوش ہو کہ میں دولت کے انبار پر بیٹھی ہوں، اور میرا رفیقِ زندگی لاکھوں کا واحد مالک ہے"۔ موہو! میں اشرف کے متعلق تم کو اور کچھ لکھ کر تمہارے نازک دل کو ٹھیس لگانا نہیں چاہتا تم خوش ہو میری اسی میں خوشی ہے۔ لیکن موہو کسی کے مجروح دل کو اپنی باتوں سے صدمہ نہ پہنچاؤ۔ میرے زخم پر نمک پاشی نہ کرو۔ تم کہتی ہو "موہو"

"تم بھول گئے ہوگے" موہو! میں تمہیں کبھی بھول سکتا ہوں! میرا دل تمہیں کبھی فراموش کر سکتا ہے! دن رات، صبح، شام کونسی گھڑی تمہاری صورت، تمہاری کامنی مورت تمہارے وہ سُرخ سُرخ سیب کی طرح لال لال گال، تمہاری وہ جسم کی موزونیت، وہ ستواں ناک، وہ چشم میگوں، وہ اُبھرا ہوا مخملی سینہ، وہ نکیلی کمر، وہ بھولی بھولی بات ——— محبت میں ڈوبی ہوئی مدہوش کن جذبات سے بھری ہوئی یاد نہیں آتی۔ بھلا جمالی ان چیزوں کو بھول جائیگا! ——— جس کے ساتھ اس نے اپنا بچپن گذارا۔ جس کے ساتھ کھیلا، کودا اور پروان چڑھا اسے بھول جائیگا! بھول بھی سکتا ہے اُسے! جس نے اپنی محبت میں گرفتار کر کے، اپنی الفت کا شیدائی بنا کر، اپنی صورت کا دیوانہ کر کے اُس کی خبر تک نہ لی۔

اس کو دُنیا کے غم و اندوہ کے بحرِ بے پایاں میں خوفناک موجوں کے سُپرد کر دیا۔ اُسے جمالی بھول جائے گا! جمالی تو اپنی زندگی، اپنی حیات، اپنا تن، اپنا من سب ہی کچھ تمہارے قدموں پر نچھاور کر چکا ہے۔ وہ تو اب کھویا کھویا رہتا ہے . . . گم، صم۔ جیسے اسکی زبان ہی نہ ہو۔ وہ گونگا ہوگیا، وہ بول ہی نہیں سکتا ہو۔ اسے تم کہتی ہو!

"تم تو اب بھول گئے ہوگے"۔

احباب اب بھی آتے ہیں موہو، کیا کہتے ہیں تمہیں معلوم ہے؟ ـــ کہتے ہیں ـــ "جمالی تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم جو کل تک زندہ دل تھے۔ لوگوں کو ہنسانا تمہاری فطرت میں داخل تھا۔ آج تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ آخر کیوں اتنے حزیں ہو؟ اور اس کی وجہ کیا ہے؟ آج ہماری ٹیم کو تمہارے بغیر شکست پر شکست ہو رہی ہے۔ آج کہیں فتح نصیب نہیں ہوتی۔ میری ٹیم کی وہ دھاک جو حریفوں کے دلوں میں مدتوں سے بیٹھی تھی۔ اب اکھڑنے لگی ہے۔ خدارا تم اس روش سے باز آؤ جو پہلے تم ہنستے ہنساتے کھیلیں کودیں تمہارے بغیر مجلس سونی پڑی ہے۔ ویران ہوگئی ہے۔ ذرہ کلب میں دل نہیں لگتا"۔ لیکن ان سے کون کہے کہ جمالی اب وہ جمالی نہیں رہا۔ جمالی تو ایک ہڈیوں کا ڈھانچہ ایک گوشت و خون کا متحرک مجسمہ ہے۔ روح تو اسکی نکل چکی۔ اب تو وہ مردوں کی صف میں شمار کئے جانے کے لائق ہے۔ اب اس میں وہ ظرافت، وہ بذلہ سنجی کہاں سے آسکتی ہے۔ اب اس میں وہ طاقت، وہ قوت کہاں سے پیدا ہوسکتی ہے وہ دوسروں کو شکست پر شکست دیتا ہے۔ حریفوں کو نیچا دکھاتا ہے وہ جمالی تو کوئی اور تھا۔ جس میں روح تھی، وہ زندہ تھا۔ اور یہ جمالی تو بالکل اس سے مختلف ہو چکا ہے۔

ایڈیٹروں کے خطوط پر خطوط چلے آتے تھے۔ "تمہیں آخر کیا ہوگیا۔ آخر تم نے مضامین لکھنا یک قلم ترک کیوں کر دیا۔ لوگوں کا تقاضا ہے کہ تمہارا مضمون شائع ہو۔ پبلک تمہارے افسانوں کی دلدادہ ہے۔ تم میری لاج رکھ لو۔ میں نے سالنامہ میں تمہارے نام کا اعلان کر دیا ہے۔ کم از کم ایک چھوٹا سا ہی کوئی افسانہ بھیج دو"۔ مگر ان کو کون سمجھائے کہ "وہ جمالی" جو افسانہ نگار تھا۔ اب دنیا میں ہی کہاں! جمالی نے تو اپنا سب کچھ کھو دیا۔ اب وہ یہ جھوٹی شہرت، یہ جھوٹی "واہ، واہ" یہ عبث تحسین اور صدائے مرحبا سن کر کیا کریگا۔ اب وہ شہرت حاصل کر کے کیا کریگا۔ اب اُسے کسی چیز کی احتیاج ہی کہاں رہی۔ اب وہ ان چیزوں کو لیکر کیا کریگا اب اُسے کون کہے گا؟

"بڑا دردناک افسانہ ہے، رولا رولا دیا تم نے" کون دیکھتے ہی جھٹ سے گلے میں ہاتھ ڈال کر محبت بھری آنکھوں سے تاکا کریگا۔ کون اسکے افسانوں کو اور مضمونوں کو سراہے گا، اور تعریف کیا کریگا۔

اب جمالی کسی کی تعریف کا محتاج نہیں، اب جمالی کو کسی کی واہ واہ سے غرض نہیں، آہ! اب جمالی کو چھوڑ دو تم لوگ، اس کی جان ضیق میں ہے۔ اُسے تنگ مت کرو۔

وہ دن اور تھے سوچو! جب میں ان چیزوں کو صرف تمہاری وجہ سے اپنائے ہوئے تھا، میں تو صرف تمہاری خاطر یہ شہرت، یہ عظمت حاصل کرنے کا متمنائی تھا۔ جب تم ہی میری نہ ہوئیں تو پھر ان چیزوں سے فائدہ ہی کیا؟

تین بجتے سے دونوں وقت "بخشو" "رفیعہ" کا خط لیکر آ رہا۔ کل خالہ نے لکھا تھا

"تم تھوڑی دیر کے لئے بھی ضرور جاؤ۔ رفیعہ نے کئی دن سے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے ذرا آ کے اُسے سمجھاؤ۔ میری بچی کی زندگی خطرے میں ہے تم اتنے کٹھور کب سے ہو گئے" ان سے کون کہتا کہ جب سے جمالی کی زندگی کو کسی نے تباہ کر دیا۔ میں نے بخشو سے کہا،

"چلو ابھی آتا ہوں"۔

تین بجنے کے بعد کمرہ سے نکلا تو حالت یہ تھی کہ جی بیٹھا سا جا رہا تھا طبیعت پژمردہ تھی اور دل نہایت مضمحل جی مطلق جانے کو نہیں چاہتا تھا، لیکن جانا ہی پڑا۔ تم تو جانتی ہی ہو رفیعہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح میں تم سے۔ وہ میرے بغیر مغموم رہتی ہے اور میں تمہیں نہ پائے پر محزوں ہوں۔ دونوں کی زندگی ایک ہی دھارے پر بہہ رہی ہے۔ دیکھئے اس کا انجام کیسا روح فرسا ہوتا ہے

جیسے پھاٹک کے اندر داخل ہوا تو ایسا غمگین منظر میں نے دیکھا کہ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے رفیعہ پائین باغ میں سنگ مرمر کی ایک بنچ پر بیٹھی تھی۔ اس نے ایک سفید ساڑی پہن رکھی تھی۔ اسکے بڑے بڑے بال ہوا میں لہرا لہرا کے کچھ تو ماتھے پر آ گئے تھے، کچھ دوش اور کچھ پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ شام ہو چکی تھی۔ چاندنی کی ہلکی سپید شعاعیں درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر اسکے خوبصورت چہرے پر عکس ریز تھیں۔ کہیں قریب ہی باغ کے کسی گوشہ میں غریب بلبل فراق کے درد بھرے نغمے الاپ رہی تھی۔ ہر چیز پہ ایک عجیب اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ ایسے میں "رفیعہ" ایک سوگوار جوگن کی طرح باغ میں مغموم و دل گرفتہ بیٹھی تھی۔ اسکی دونوں آنکھیں بند تھیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے بہہ رہے تھے اُسکے ہاتھ میں پھولوں کا ایک خوبصورت ہار تھا۔ جو جلے اور چنبیلی کے پھولوں سے گوندھا گیا تھا۔ وہ آپ ہی آپ بول رہی تھی۔

"جانتے ہو، تمہیں کس لئے گوندھا گیا ہے۔ تا کہ تم میری محبت کی نشانی بن کر میرے محبوب کے زیب گلو ہونے کا فخر حاصل کرو۔ وہ میری محبت کا یقین نہیں کرتے، وہ میری بات نہیں سُنتے۔ وہ مجھے اپنی داسی بنانا منظور نہیں کرتے۔ تم میرے دل کی ترجمانی کرنا۔ انہیں رضامند کر لینا" وہ روتی جا رہی تھی۔ اور اسی طرح باتیں کرتی جا رہی تھی تا آنکہ میں نے اس کا نام لیکر پکارا "رفیعہ!" وہ مجھے دیکھ کر پہلے تو جیسے سکتہ میں پڑ گئی اور پھر بے تابانہ مجھ سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

اُف! وہ اُس کا بلک بلک کر رونا۔ وہ اُسکی درد بھری آواز میں کہنا،

"تم آ گئے! جمالی، مجھے تو یقین نہ تھا کہ تم آؤ گے" بخدا اتنا پُر درد تھا کہ پتھر کا دل بھی ہوتا تو پگھل جاتا۔ موم ہو جاتا۔ میں نے بہتیری تسلی دی۔ بہتیرا سمجھایا۔ تب جا کے وہ کہیں خاموش ہوئی۔ ورنہ اُسکے آنسوؤں کا تار اور سیلاب اشک رکتے نظر نہیں آتے —— کامل ایک گھنٹہ تک وہ روتی رہی اور میں سمجھاتا رہا۔ اُس نے کہا، "آخر تم کب تک غم میں گھلا کرو گے۔ مجھے اپنی داسی ہی بنا لو۔ تا کہ میں تمہاری ہر وقت کم از کم دیکھ بھال ہی کیا کروں"۔

"جمالی!" اس نے کہا "تم اتنے سنگدل کیوں ہو، دیکھتے نہیں ہو کہ میری حالت کیا ہو گئی۔ یاد رکھو۔ جمالی، تم نے اگر میری التجاؤں کو ٹھکرا دیا تو یقین مانو میں اپنی جان دے دوں گی اور میرا خون تمہاری گردن پر ہو گا"۔

"گھبراؤ نہیں، خدا بہتری کی کوئی صورت نکالے ہی دے گا" میں نے جواب دیا۔

"کب نکالے گا۔ میں اس زندگی سے مایوس ہو گئی ہوں"۔ اس نے نہایت غمناک لہجہ میں کہا۔

"اس طرح لوگ گھبرایا نہیں کرتے۔ معلوم نہیں تمہیں صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے" میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

سُن لی تم نے رفیعہ کی باتیں۔ تم تو کہو گی، تو پھر اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے، لیکن اس کا جواب میں سوائے خاموشی کے تمہیں کیا دوں۔ مختصر یہ کہ دل نہیں چاہتا نہ اس بات پر ذرا راضی ہے۔ آخر ہو بھی کیسے؟

محبت ایک ہی بار ہوا کرتی ہے ہو ہو! بار بار نہیں، یہ اور بات ہے کہ کسی کی انتہائی محبت، انتہائی خدمت، انتہائی میل ملاپ اور بہت ربط و ضبط سے کچھ اُنس پیدا ہو جائے لیکن وہ پہلے کی کسک، اس کی چبھن، اُسکی کاوش اور خلش نہیں جاتی۔ مجھے رفیعہ سے ایسی ہی نسبت ہے غیر کی تکلیفوں کو دیکھ کر، اسکے مصائب کا خیال کر کے بھی انسان اُسکا ہمدرد بن جاتا ہے۔ اس کے زخم پہ پھایا رکھنا چاہتا ہے۔ اسکے یہ معنی نہیں ہوئے کہ اُسکی محبت اُسکے دل میں جاگزیں ہو گئی ہے۔ یا وہ اُس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔

ہاں تو کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ خالہ آ گئیں کہنے لگیں "بیٹا، کیوں نہیں آتے، میں تو بلاتے بلاتے تھک گئی" پھر رفیعہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں، "بیٹا تم جانتے ہی ہو کہ دُنیا میں میرا کوئی نہیں۔ ایک مری زندگی کی نور رفیعہ ہے۔ اسکی زندگی کو تم اپنی خاطر نہ سہی مری ہی خاطر تو بچا لو۔ یہ خوفناک دریا کے بیچوں بیچ میں تھپیڑے کھا رہی ہے۔ اُس کی زندگی گرداب میں پھنس گئی ہے۔ یہ گرفتار الم ہے۔ اسے بچا لو بیٹا، تم ناخدا بن کر اسے ڈوبنے سے بچا لو، تم جانتے ہو، یہ حسن، یہ دولت" میرے منہ میں خاک، جب

بقیہ صفحہ ۲۴ پر دیکھو

نشاطِ امروز

از جناب وحشی آروی

میں نے یہ نظم اپنے عزیز ترین دوست مسٹر پریشوری داس نواد یا ۔ بی۔ ایس سی، ایل ایل بی ۔ دہلی کی تقریب شادی کے متبرک موقع پر پڑھی تھی حاضرین محفل نے ازراہ قدر دانی اسے بہت پسند فرمایا۔ ممکن ہے قارئین مست قلندر کے لئے بھی دلچسپی کا کچھ سامان پیدا ہو جائے (وحشی)

خوشی کی لہر جو دل میں رواں معلوم ہوتی ہے
وہی موجِ بہارِ گلستاں معلوم ہوتی ہے

فرشتوں کا تبسم ہر کلی پر رقص کرتا ہے
جہانِ حُسنِ فطرت میں کوئی یوں رنگ بھرتا ہے

فلک سے تا زمیں رنگینیٔ جنت برستی ہے
دلوں میں ولولہ ہے، جوش ہے اور فرطِ مستی ہے

یہ کس ناز آفریں نے کھول دی ہے اپنی پیشانی
نظر کی منتہا تک حُسن کی ہے جلوہ سامانی

نیا شیشہ، نئی مینا، نیا جام شراب آیا
نشاطِ تازہ لیکر زندگی میں انقلاب آیا

رُخِ نوشہ پہ سہرے کی لڑی جب جھلملاتی ہے
تو اک بجلی سی دل کی وسعتوں میں دوڑ جاتی ہے

یہاں شوقِ نظر بازی وہاں جلووں کی تابانی
ادھر بے تابیٔ دل ہے اُدھر ہے سحر سامانی

شرابِ شعر میں ڈوبی ہوئی تقدیسِ الفت ہے
دلِ نوشاہ و بزمِ عشرت تاسیسِ اُلفت ہے

نہ پوچھو اس جمالِ ارلکے ارمانوں کی خونریزی
لبوں پر خامشی اور دل میں ہے جذبات انگیزی

نئی دُلہن، نیا سہرا، نئی مضمون بندی ہے
خیالِ حضرتِ وحشی میں شوخی ہے بلندی ہے

(بقیہ صفحہ ۲۳ ۔۔۔ کے خط کا جواب) میری بچی ہی نہ رہیگی تو پھر کس کے کام آئیگی میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں، پاؤں پڑتی ہوں، تم اس شادی کو لو میرے دل کو شاد کردو۔ تمہاری ماں کی طرح میں بھی تو تمہاری ماں ہوں۔"

سچ مچ وہ میرے قدموں پہ گر کر رونے لگیں۔ بڑی مشکل سے میں نے انہیں اٹھایا۔

دیکھا تم نے، بتاؤ میں انکو تسلی و تشفی کے سوا کیا جواب دیتا۔

پروفیسر "قدیری" کو تم جانتی ہی ہوگی۔ وہ کل میرے پاس آئے تھے۔ کالج ہی کے زمانہ سے وہ مجھ پر بڑے مہربان رہے ہیں۔ کہنے لگے۔

"جمالی، تم سا ذہین و فہیم شخص اس طرح مایوس ہو جائے۔ زندگی سے بیزار ہو جائے۔ تعجب ہے! مصائب کا مقابلہ کرنا۔ مشکلات میں پائے استقامت میں لغزش نہ آنے دینا ہی تو بہادروں اور دانشمندوں کا دستور اور شیوہ رہا ہے۔ بیٹا۔ تم اس طرح پریشان نہ ہو۔ دل کو شادماں رکھو، کیا ہوا اگر تمہارے ساتھ مسٹر "ہلال" نے بدسلوکی کی۔ تمہارے بے پایاں احسانوں کا بدلہ، تمہاری وفاکیشیوں کا صلہ اس طرح دیا۔ اگر انہوں نے اپنی لڑکی سے شادی نہ کی تو نہ کی۔ ہزارہا لڑکیاں ایسی اب بھی موجود ہیں جو تمہاری ہو جانے کے لئے بے قرار ہیں۔ ہمہ دم مستعد تیار ہیں۔ جیسے محمودہ (قدیری صاحب کی لڑکی) ہی کو دیکھ لو وہ تمہاری ہمیشہ ہی تعریف کیا کرتی ہے۔ پرسوں ماں سے کسی بات پر تمہاری ہی وجہ سے بگڑ گئی۔ کل مجھے کہنے لگی: "جمالی بھیا بہت اداس سے رہتے ہیں۔ ذرا آپ انہیں جا کر تسلی کیوں نہیں دیتے۔ آپکی باتوں سے اُن کا کچھ تو غم ہلکا ہو جائیگا مجھے تو ہر دم اُن کا خیال رہا کرتا ہے۔"

آخر تم میں کونسا عیب ہے، خوبصورت ہو، تعلیم یافتہ ہو، تندرست و توانا ہو، پھر اور کیا چاہیئے، پھر لڑکیاں کیوں نہ تمہیں چاہیں۔ رہی نوکری۔ سو اس کی فکر کیا ہے پہلو میں تمہیں نوکری دلوا دوں، مرے ہی کالج میں لیکچرر کی جگہ خالی ہوئی ہے تمہارے لئے کوئی سفارش کی تو ضرورت ہے نہیں کہ مشکل ہوگی سب ہی جانتے ہیں کہ تم فرسٹ کلاس ایم۔ اے ہو، گولڈ میڈلسٹ ہو، پھر ملک کے بہترین فسانہ نگار ہو اور مستزاد یہ کہ ہاکی کے مشہور و معروف کھلاڑی، اور کیا چاہیئے تمہیں۔"

مگر ہو جو، لڑکیاں تو میں بھی جانتا ہوں ملینگی۔ شادی کسکی نہیں ہوتی۔ غریب کی بھی ہو جاتی ہے اور امیر کی بھی۔ یہ کونسی انوکھی بات ہے لیکن دل وہ دل جو کسی کا ہو چکا وہ اب کسی دوسرے کو کسطرح اختیار کر سکتا ہے، وہ تو اپنے محبوب ہی کی تلاش میں بیتاب ہے۔

شادی اگر میں کرتا بھی تو "رفیعہ" سے جو زندہ درگور ہے ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ، پیکر حزن و یاس۔۔۔ ۔۔۔ مگر اسکو کیا کروں۔ وہ تو کسی بات پر رضامند نہیں

(باقی آئندہ)

نغمات رنگیں!

وہ میری محبوبہ ہے ——

جو فرشتوں کی طرح معصوم ہے
جس کا وجود، پھول ہونے سے پہلے
کلیوں کے سینوں کی مانند
پاک اور اچھوتا ہوتا ہے۔
—— وہ میری محبوبہ ہے۔
جو چاندنی راتوں میں
بہنے والی ندیوں کے دھاروں سے
زیادہ حسین اور دلکش نظر آتی ہے
دست قدرت نے
جسکے وجود میں
حسن و رعنائی کے ساتھ تخیل ترتیب دیا ہے
جسکے اعضا میں سانچے گداز اور
لطافت و حلاوت کے نمونے ہیں
—— وہ میری محبوبہ ہے۔
جس کی نیلی نیلی آنکھوں میں
شبنم کی ٹھنڈک اور پھول کی نرمی ہے
جسکے سرخ و سپید رخسار روشن ہیں
سیاہ گرہ گیر گیسو کی ندرت ہے اور
جسکے مرمریں ہونٹوں میں
لعل و یاقوت کی نمائش اور
انار کی سرخی ہے۔
—— وہ میری محبوبہ ہے
جس کی آواز میں
موسیقی کی شیرینی اور
ترنم کی لطافت ہے
جسکے احساسات میں رنگینی اور
جذبات میں رومان ہے
اور جس کی گفتگو میں تبسم ہے اور
انداز میں سادگی ہے۔
—— وہ میری محبوبہ ہے

ندی کنارے ——

لہلہاتے درخت
اور بہتی ہوئی جھاڑیوں کے بیچ سے
ناگن کی طرح بل کھا کر بہنے والی
ندی کے کنارے
شاعر کی کٹیا تھی جہاں
وہ چاندنی راتوں میں
ستاروں کا شمار اور چاند کی شوخیاں دیکھا کرتا
ندی کی ترنم ریز آواز میں
سریلے گیت سنا کرتا
جذبات وابستہ ندی کے ساتھ بیدار ہوتے
اور سینے میں دبی ہوئی تمنائیں بیدار ہوتیں
ایک رات ——
جبکہ کائنات پر ... نیند طاری ہوئی تھی
وہ عالم محویت میں ندی کے کنارے بیٹھا ہوا
ندی کی تھرکتی ہوئی موجوں کے نغموں سے
اپنے ساز شعر کے حسین نغموں میں
ارتعاش پیدا کر رہا تھا۔
چاند کے پرتو سے
پیشانی پر بکھرے ہوئے
اسکے لمبے اور سیاہ بال چمک رہے تھے۔
اتنے میں وہ کسی مست شباب دوشیزہ کی
جو اپنے جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کر رہا تھا
یکایک ایک نغمہ ریز آواز کیف بار
کو سن کر وہ چونک پڑا۔
یہ کسی دوشیزہ کی بے ساختہ ہنسی تھی
ساری فضا معطر ہو گئی
یہ قہقہہ اس کی جھونپڑی کے قریب بلند ہوا تھا
اس نے پلٹ کر دیکھا
اس کی دیہاتی محبوبہ جھونپڑی کے دروازے پر
مجسم شعر و شباب بنی کھڑی تھی۔
شاعر کے ہونٹوں پر
ایک حسین تبسم رقص کرنے لگا۔
ایک دلربا اور محبوبانہ انداز سے
"قدمے افزید لغزید بطرز رندہ دزدید"
دوشیزہ شاعر کی طرف بڑھی
ہر ہر قدم سے ایک جھنکار سی پیدا ہو کر
ساز کے تار کی آخری لرزش کی طرح
ہوا میں تحلیل ہوتی جا رہی تھی۔
وہ اپنے رنگین شاعر کے
پہلو بہ پہلو بیٹھ گئی
دونوں .... بہت دیر تک
ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھے رہے
زبانیں خاموش تھیں
مگر دونوں میں ایک ہیجان برپا تھا
وفور جذبات سے دونوں کے
سینے پھولنے لگے۔
تنفس تیز ہو گیا
محبت کے گرم گرم آنسو
دونوں کی آنکھوں سے ڈھلک پڑے۔
"پریتم!" فرط محبت میں
دوشیزہ کی زبان سے نکل پڑا
اس نے اپنی سیمیں باہیں
اپنے محبوب کی گردن میں حمائل کر دیں۔
اور عالم وارفتگی میں
بے اندازہ بیخودی
اسکی آغوش میں سمٹ کر
سینے سے چمٹ گئی
شعر و شباب کی شراب دو آتشہ سے
مدہوش شاعر
اپنی محبوبہ کے شیریں ہونٹوں پر
مہر محبت ثبت کرنے سے نہ رہ سکا۔
ندی کنارے یہ رومان پرور منظر دیکھ کر
چاند شرما گیا اور
ستارے آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

پیا گئے پردیس (ایک دیہاتی لڑکی کی فغاں)

اس اندھیری اور بھیانک رات میں
جبکہ گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے
بادل گرج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے
میں بچاری، ابر کی ماری
بچھونے پر اکیلی پڑی ہوئی
سسکی جا رہی ہوں
ڈر رہی ہوں
بادل کی گرج کے ساتھ
میرا دل بھی دھڑکنے لگتا ہے
اگر پیا گھر ہوتے تو
میں ان کی گود میں سما جاتی
جہاں بادل کی گرج
اور بجلی کی چمک کا مجھے کوئی ڈر نہیں
مگر —— سکھی ری!
—— پیا گئے پردیس!
وہ ہوتے تو

برسات کی اس کالی رات میں
جبکہ ٹھنڈی ہواؤں سے
میرے پاؤں کی انگلیاں سرد ہو رہی ہیں
پریم کی کہانیاں سناتے ــــــ
ایک راجہ کی سات رانیاں تھیں
مگر سب بانجھ!
اور ایک چرواہے پر
ایک شہزادی جان دیتی تھی
مگر بادشاہ نے چرواہے کو
گولر کا پھول لانے کو کہا! ــــــ
کیسی اچھی کہانیاں جانتے ہیں وہ!
وہ ہوتے تو میں
ان کے پاؤں دباتی اور
وہ مجھے کہانیاں سناتے
مگر ــــــ سکھی ری!
پیا گئے پردیس!
مجھے یاد ہے
جب میں اپنی ماں کو یاد کر کے
رویا کرتی اور
سکھی سہیلیوں سے بچھڑنے کا روگ کرتی
تو وہ مجھے اپنی چھاتی سے لگا کر
بیٹی! [illegible]
پیار بھری باتوں سے تسلی دیتے
اور الکھڑی ہوئی آواز میں کہتے
نہ رو تو میری رانی!
میں تمہیں کوئی دکھ نہ ہونے دونگا"
میرے آنسو تھم جاتے اور
میں خوشی سے پھولے نہ سماتی
اب تو میں ان ہی کی یاد میں
پہروں رویا کرتی ہوں
کوئل کی طرح بن بن کوکتی پھرتی ہوں
وہی میرا گھر ہے اور وہی میرا آنگن
گھر کے پیچھے امرود کی ڈالیاں بھی
لدی پڑی ہیں
مگر ــــــ سکھی ری!
ــــــ پیا گئے پردیس!
کھیتوں میں کام کرتے ہوئے
دوسری لڑکیاں گیت گایا کرتی ہیں
ہنستی بولتی ہیں
چھیڑ چھاڑ کرتی ہیں
مگر میرا من اداس رہتا ہے۔
کلیجے میں ہوک اٹھا کرتی ہے۔
گاؤں مجھے سونا نظر آتا ہے
کیونکہ میرے پیا دور ـــ
بہت دور چلے گئے ہیں
میرے لئے چوڑی اور کنگن لانے
تم بھی میرے ساتھ رونے لگیں
کیوں؟
کیا تمہارے پیا بھی
تم کو چھوڑ کر
پردیس چلے گئے ہیں؟
آؤ ــــ ہم دونوں ملکر
اپنے اپنے پیا کی یاد میں
ایک گیت گائیں
پیا گئے پردیس
سکھی ری!
ــــ پیا گئے پردیس!

کلکتہ کا آرم گھاٹ ـــ

ایک مقناطیسی کشش ہے
جو ہر اتوار کی شام کو
مجھے آرم گھاٹ تک
کھینچ کر لے جاتی ہے۔
میری طرح اور بھی بہت سے نوجوان
جن کی طبیعت میں رنگینی اور رومان ہے
کشاں کشاں
وہاں تک پہنچتے ہیں
سامنے ہی شاہ جارج پنجم کا مجسمہ نصب ہے
جس کے گرد حسین تو آرہے جا رہے ہیں
نوخیز دوشیزائیں
اپنی ساڑیوں کے پلوں کو سنبھالتی ہوئی
اپنے شباب پر مغرور
شعریت و شباب کی دنیا بسائے ہوئے
آنکھوں میں حسن کا جادو اور جوانی کی مستی بھرے ہوئے
اس مجسمہ کے نیچے سے گذر کر
آرم گھاٹ میں داخل ہوتی ہیں
ان کے رہزن تمکین و ہوش
بے حجاب جلوے
پُرشوق نگاہوں کو
دعوتِ نظارہ دیتے ہیں
سامنے ــــــ ہگلی کے اس پار
عمقِ مغرب میں
آفتاب ڈوب جاتا ہے اور
ہگلی کی موجوں پر سکوت و جمود
طاری ہونے لگتا ہے۔
ایسے میں بہار کی حسین تتلیاں
اٹھلاتی ہوئی بل کھاتی ہوئی
محوِ خرام ہوتی ہیں
اس سے بے نیاز ہو کر کہ
حُسن پرست نگاہیں
اُن کے سینوں کے دلکش اُبھار پر
باریک ساڑی کی شکنوں سے
لطف اندوز ہو رہی ہوتی ہیں
سینوں میں دل تڑپ اٹھتے ہیں
جذبات مچلنے لگتے ہیں
اور تمنائیں بیدار ہو جاتی ہیں
کبھی کبھی جب مجھ سے
کسی حسین لڑکی کا سامنا ہو جاتا ہے
تو میں گھبرا جاتا ہوں
نگاہیں چار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی
ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ
میری چال میں نقص ہے اور
میرے لباس میں بھونڈا پن ہے
اسی طرح رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے
یکے بعد دیگرے سب چلے آتے ہیں
اور میں دوسرے اتوار کی آمد کا
انتظار کرنے لگتا ہوں۔

اے گمراہ انسان!

دُنیا کی ہر ایک شے کو پہچانا تُو نے
پامال کیا ہے اِک زمانا تُو نے
ہر شے سے زیادہ مستحق تھی تری ذات
افسوس اُسی کو کچھ نہ جانا تُو نے

سیماب اکبرآبادی

میری زندگی کا سب سے عجیب واقعہ

درویش کامل عطیہ

اعادہ شباب کا چٹکلہ

مجھے ایک درویش کامل سے کیا حاصل ہوا

از حمدۃ الحکما سید خورشید علی مہر نقوی جے پوری

میرے ایک عزیز دوست کے بھائی محمود صاحب کی شادی کا مسئلہ درپیش تھا۔ تمام عزیز واقارب شادی کیلئے بڑی خوشی سے متمنی تھے۔ محمود صاحب نویں کلاس میں پڑھتے تھے اور اپنی عمر کی اکیسویں منزل طے کر رہے تھے۔ نہایت متین اور متحمل مزاج اور منحنی جسم تھا۔ اکثر نڈھال اور سست رہتے تھے طبیعت کی ناسازی کی بنا پر ہی کئی مرتبہ امتحانات کی شرکت سے بھی معذور رہ چکے تھے۔ ان کو جب یہ علم ہوا کہ ان کی شادی کی تجویز کی جارہی ہے تو اپنے بے تکلف دوستوں سے گفتگو کی اور اس کی تحقیق کے لئے اپنے ایک دوست کے توسط سے جس سے میں بھی بے تکلفانہ تعلقات رکھتا تھا۔ مجھ سے دریافت کرایا کہ میں محمود کے بھائی مسعود صاحب سے شادی کی بابت تحقیق کروں۔ چنانچہ میں نے اس کی جانچ کر کے اس واقعہ کی صحت کی اطلاع محمود صاحب کو کرادی۔

اس گفت وشنید کے بعد ادھر تو مجھے کچھ اتفاق اس بات کا خیال پیدا ہوا کہ محمود صاحب نے اسقدر اہمیت کے ساتھ اس معاملہ کی تفتیش کیوں کی۔ اور ادھر خود محمود صاحب کو اس کی تحقیق ہو جانے پر کہ ان کی شادی کی تجویز واقعی ہو رہی ہے، ایک خاص خلش پیدا ہوگئی۔ اور اپنے احباب کی معرفت اپنی کمزوری کا اظہار راطباء سے کیا۔ اور رفتہ رفتہ کافی رقم سے زیر بار بھی ہوگئے۔ اس کے بعد فقراء کی تلاش شروع کی۔ جے پور جیسی جگہ میں فی زمانہ درویشوں اور صحیح معنی میں درویشوں کا دستیاب ہونا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے، اور وہ بھی حسب ضرورت فوری دستیابی —— محمود صاحب اس طبقہ میں بھی ناکام رہے —— لکھنا پڑھنا بھی برائے نام رہ گیا۔ جو وقت ملتا وہ اسی فکر اور تگ ودو میں صرف کرتے۔

یہاں ایک بزرگ ہستی حیدر علی بابا کے نام سے ایک مدت سے مقیم تھی۔ اور چاند پول دروازے باہر بابوجی کی چھتری کے نام سے ایک عمارت ہے جہاں بابو والیشان چندر جی مکرجی سابق ممبر کونسل جے پور، اور ان کے متعلقین کے مکان ہیں۔ جہاں بابو صاحب بیکنٹھ باشی کے موجودہ ورثا کی اجازت سے بعض اصحاب سکونت پذیر بھی ہیں۔ اسی عمارت کے حصے میں بابا صاحب موصوف بھی رہتے تھے۔ ان کے متعلق یا یا مشہور تھا کہ موصوف علاقہ گورنمنٹ برطانیہ ہند میں کسی جگہ سیشن جج تھے۔ مذہباً مسلم تھے۔ لیکن تعلیم اور مختلف علوم دینیہ، فلسفہ و منطق وغیرہ کی وسیع معلومات کی بناء پر مذہبی قیود سے بالکل آزاد ہو گئے تھے اور صرف درویشی مذہب رہ گیا تھا۔ اسی مسلک کی لذتوں سے بہرہ اندوز ہو کر اپنے لڑکوں سے جواب میں گورنمنٹ برطانیہ ہند کے ممتاز عہدوں پر ممتاز ہیں کسی بناء پر ناراض ہو کر اور اپنے عہدے کو چھوڑ چھاڑ کر فقیرانہ زندگی بسر کرنے لگے تھے جے پور کی خوش قسمتی سمجھئے کہ موصوف نے یہاں سکونت اختیار کی اور سب سے زیادہ اس خاندان اور ان افراد کی بختیاری، کہ جن کے پاس انہوں نے مستقل طور پر بود و باش رکھنا گوارا کیا۔ اور ساتھ ہی ان معزز حضرات کی خوش بختی جنکو تعدل نے اپنی بیش بہا صحبت سے فیضیاب ہوتے رہنے کی اجازت بخشی۔ ان اصحاب میں یہاں کے ڈاکٹر دلجنگ سنگھ صاحب سابق چیف میڈیکل آفیسر اور سیتلا پرشاد صاحب باجپائی چیف جسٹس وجوڈیشل منسٹر جے پور خاص طور پر لائق ذکر اور قابل فخر ہستیاں ہیں، جو بابا صاحب کی نظروں میں خاص عزت رکھتے تھے۔

قصہ مختصر یہ کہ جہاں اور صاحبان ذی وقار بابا صاحب کی خدمت سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ میں بھی کبھی کبھی حاضر خدمت ہو جایا کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک روز جب میں وہاں جا رہا تھا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ محمود صاحب بھی میرے آگے آگے اس احاطے میں داخل ہو رہے ہیں۔ جہاں بابا صاحب قیام فرما تھے۔ میں بھی چلا گیا۔ مجھے دیکھ کر محمود صاحب جھجکے۔ اور چاہا کہ واپس چلے جائیں مگر میں نے روک لیا —— چنانچہ ہم دونوں ساتھ ہو لئے۔

بابا صاحب کی قیامگاہ صدر دروازے سے ذرا فاصلے پر تھی۔ جہاں پہنچنے کے لئے تقریباً پچاس قدم کا میدان طے کرنا پڑتا تھا۔ ہم نے دور ہی سے دیکھ لیا۔ کہ بابا صاحب ایک ایزی چیر (Easy Chair) پر آرام فرما رہے تھے۔ ہم شرق سے غرب کی طرف چل رہے تھے۔ اور وہ غرب کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور ان کے پاس ہی پختہ فرش پر دو طالب علم نیچی گردن کئے ہوئے حصول درس میں مصروف تھے۔

موصوف نہایت بزرگ صورت اور اعلیٰ درجے کے قیافہ شناس تھے۔ ان کے پاس اکثر بی اے اور ایم اے کے طالب علم لٹریچر کی گتھیاں سلجھانے آیا کرتے تھے اور کئی طالب علم تو مستقل طور پر پرائیویٹ تعلیم حاصل کرتے تھے چنانچہ اسوقت بھی اس قسم کے طلباء موجود تھے۔ ہماری آمد کی بابت معلوم ہونے پر طلباء سے فرمایا کہ اب سلسلۂ تعلیم بند کردو، کچھ اور لوگ آرہے ہیں —— طلباء جو

اپنی تعلیم میں مصروف اور ہماری آہٹ تک سے بھی بوجہ فاصلہ بے خبر تھے چونکہ پڑے اور گرد میں آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ اتنے ہی میں ہم کچھ اور قریب پہنچ گئے اور انہوں نے سلسلہ تعلیم ختم کر دیا۔ چند ہی منٹ میں ہم بابا صاحب کے قریب پہنچے۔ دیکھا کہ بابا صاحب آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے باآواز بلند سلام کیا جس کا جواب دیتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ اور پھر بدستور بند کر لیں۔ خیریت دریافت فرمائی۔ اور تھوڑی دیر کی سکوت کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "یہ آپ کے ہمراہ یہاں کئی مرتبہ آ چکے ہیں اور بہت بڑا سوال لئے ہیں کہ آپ ان کی امداد کریں گے" میں فوراً سمجھ گیا۔ اور محمود صاحب کی شادی کے سلسلے میں جو گفتگو اس سے قبل ہو چکی تھی۔ اور جس نتیجے پر میں پہنچا تھا۔ وہ سب خیالات چشم زدن میں میرے سامنے آ گئے۔ میں نے عرض کی "بابا! میں کس قابل ہوں جو کسی کی امداد کر سکوں ——— ہاں یہ اگر آپ مجھے ذریعہ امداد قرار دے کر مجھ سے کوئی خدمت لیں۔ تو حتی الوسع کسی طرح بھی دریغ نہ کروں گا" اس کے بعد محمود صاحب کی طرف آنکھیں کھول کر دیکھا ——— اور فرمایا "کہئے حضرت! آپ کا راز ان پر (میری طرف اشارہ کر کے) ظاہر ہونے میں، اور ان سے امداد لینے میں آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا" اتنا سن کر محمود صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا "حضور میں اپنے اعمال سے بے حد شرمندہ ہوں۔ اور میرا ضمیر اجازت تو نہیں دیتا کہ میرے گذشتہ حالات اور واقعات سے کسی کو آگاہی ہو۔ میں نے اس وقت تک تقریباً اپنے بیشتر احباب سے اس راز کو پوشیدہ رکھا ہے۔ اس وقت اتفاق سے ان سے (میری طرف اشارہ کر کے) سامنا ہو گیا۔ اور آپ نے اشارۃً فرما کر گویا ان پر افشائے راز فرما ہی دیا۔ ورنہ میں تو یہ چاہتا تھا کہ میرا راز بدستور پردۂ خفا میں رہے اور سوائے آپ کے کوئی اس سے واقف نہ ہو۔ بلکہ میں تو یہ بھی تہیہ کر چکا تھا کہ اگر مجھے آپ کے ہاتھوں کامیابی نصیب نہ ہوئی تو اپنے ناپاک اور بیکار وجود سے دنیا کو پاک کر دوں" اتنا سن کر بابا صاحب نے محمود صاحب کی تسلی و تشفی فرمائی اور کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ بلکہ راز بدستور راز ہی رہے گا۔ میں خود بھی احتیاط رکھوں گا۔ اور خورشید صاحب بھی رازداری کو اپنا شعار سمجھیں گے اتنا کہہ کر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اچھا! اور اتنی سبیل تو چھوڑ دیئے اور ان (محمود صاحب) کے والدین وغیرہ سے کہلوا بھیجئے کہ ہم نے محمود صاحب کی شادی خانہ آبادی کا سرانجام جلد کر لیں۔ اور آپ ایک مایہ تلاش کر کے میرے پاس لے آئیں۔ پھر میں ان کیلئے حسب منشاء انتظام کرا دوں گا۔ اور ان شاء اللہ پھر ان کو کوئی گلہ شکوہ نہ رہے گا۔ میں نے دست بستہ عرض کیا۔ کہ بابا! کیا یہ ممکن نہیں کہ جو کچھ تدبیر آپ نے ان کیلئے سوچی ہے۔ اس کو بالتفصیل ارشاد فرما دیں۔ تاکہ تشویش رفع ہو جائے۔ میرے یہ الفاظ سن کر بابا صاحب مسکرائے اور

اور فرمایا کہ "حضرت! آپ بڑے ہوشیار معلوم ہوتے ہیں۔ میں آپ کے حسن طلب کو خوب سمجھ رہا ہوں۔ آپ چاہتے ہیں کہ جس بات کو لوگ برسوں کی تکالیف برداشت کرنے کے بعد حاصل کرتے ہیں۔ اس کو آج ہی معلوم کر لیا جائے۔ اور اس کیلئے اسقدر بیتابی اور محبت کا اظہار فرما رہے ہیں" میں نے خفیف مسکراہٹ کے بعد عرض کیا کہ بابا! قصور معاف۔ یہ تو آپ نہایت پرانے خیال کی تبلیغ فرما رہے ہیں۔ آپ کے در پر کتنے جہال اور ہزاروں ہستیاں فیضیاب ہو رہی ہیں۔ وہاں اگر ہم دونوں بھی کچھ حاصل کر لیں تو کیا مضائقہ ہے۔ آخر پھر آپ کس کو بتائیں گے کیا اچھا ہو کہ آپ حقیقی معنوں میں ضرورت مند شخص اس سے فائدہ اٹھائے۔ اور آئندہ جو کوئی بھی آپ کے طفیل سے اہل ضرورت اسی سے مستفید ہوتے رہیں" اس پر تبسم فرما کر بابا صاحب گویا ہوئے ——— "یہ اگر آپ اصرار ہی کرتے ہیں اور خدا نہ کرے کہ اس راز سربستہ کو آپ ہی پر منکشف یا منتقل کرانا مقصود ہے۔ تو سن لیجئے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس امر کا عہد کیا جائے کہ کسی نا اہل اور غیر ضروری حالات کی بنا پر ہرگز اس کا استعمال نہ ہوگا۔ چنانچہ میں نے اسی وقت عہد کیا۔ اور قسم کھائی۔ بعد اطمینان لینے کے بابا صاحب نے کاغذ قلم طلب فرمایا۔ اور ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھ سے فرمایا کہ اس کی نقل کر کے حسب ہدایت اس کو تیار کیجئے۔ اور اس کو تیار کر کے پہلے میرے پاس لائیے تاکہ میں پہلے اس کو دیکھ لوں کہ ٹھیک طور پر تیار ہو گیا یا نہیں۔ اور پھر محمود صاحب کو تاکید استعمال کی جاوے۔ اجتناب کیسی اور ... کو استعمال کرایا جائے۔

اس کے بعد ہم ادھر ادھر کی باتیں کر کے رخصت ہوئے اور ادویہ فراہم کر کے پانچویں روز حسب ہدایت ہم نے نسخہ تیار کیا۔ جو ایک روغن کی شکل میں تھا۔ اسکو لے کر ہم دوسرے روز بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ روغن کی شیشی پیش کی جس کو بغور ملاحظہ فرما کر بابا صاحب نے مبارکباد فرمایا۔ اور کہا کہ "... اور اس میں ایک ایک سلائی پان پر لگا کر محمود صاحب کو پندرہ روز رات کے وقت کھلا دیجئے۔ پان کی پیک نہ تھوکی جائے اور ایک سینک خصیوں کے نیچے کے حصے میں جو سیون ہوتی ہے جسے سیون (محان) کہتے ہیں لگا کر مالش کی جائے۔ پھر قدرت خدا کا تماشہ دیکھئے" پھر خاص ہدایت فرمائی کہ اس نسخے کے رکھنے والے اور استعمال کرنے والے کو بڑی ضروری احتیاط یہ رکھنی چاہئے کہ ادرک کا عرق نکال کر اپنے پاس رکھے۔ کیونکہ اس کے استعمال سے قوت مردانگی میں ایک ہفتہ کے اندر ہی اسقدر اضافہ ہوگا کہ بعض طبائع اس کو برداشت کرنے پر قادر نہ ہو سکینگی۔ جب ایسی صورت ہو تو تھوڑا سا عرق ادرک پی لیا جائے"

اس کے بعد ہم وہاں سے رخصت ہوئے۔ محمود صاحب کو حسب ہدایت روغن کا استعمال کرایا گیا۔ جس نے برقی اثرات ظاہر کئے۔ (بقیہ صفحہ ۳۲ پر دیکھو)

ملکۂ حسن سے

از حضرت ساغر چشتی اوجینی

مرکزِ نورِ سحر بن جائیے
آئیے میری نظر بن جائیے

پھر مری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
میرا دل میرا جگر بن جائیے

لطف دہ آغوشِ عارض کی قسم
رونقِ شام و سحر بن جائیے

میری دنیائے تخیل کے لئے
قوتِ پروازِ و پر بن جائیے

ہو چلی ہے کائناتِ دل اداس
پھر بہ اندازِ دگر بن جائیے

پھر جھپک کر آسمانِ حسن پر
جلوۂ شمس و قمر بن جائیے

پھر مری ہستی مٹانے کیلئے
اک حدیثِ معتبر بن جائیے

زیست دو دن کی ہے دو دن کیلئے
ہو سکے تو چارہ گر بن جائیے

بزمِ ساغر میں کسی دن آ کے پھر
شوخیِ صہبا اثر بن جائیے

منشی پریم چند آنجہانی

منشی پریم چند اُردو اور ہندی کے مشترکہ ادیب تھے۔ شروع میں اُنہوں نے اُردو میں ہی کہانیاں لکھنی شروع کی تھیں۔ لیکن افسوس کہ اُردو دان پبلک نے ان کی کوئی قدر نہ کی۔ درحقیقت پریم چند ان کا اصلی نام نہ تھا۔ یہ نام اُنہوں نے اس زمانہ میں فرضی طور پر اختیار کیا تھا جب وہ رسالہ زمانہ میں اپنی کہانیوں کا نیا دور شروع کرنے والے تھے۔ اس سے پہلے وہ اپنے اصلی نام دھنپت رائے کی تخفیف کی رعایت سے رسالہ ادیب الٰہ آباد میں "د۔ر" کے نام سے کہانیاں لکھتے تھے اس سے بھی پہلے انہوں نے "نواب رائے" کے فرضی نام سے اردو میں ایک دو ناول اور بعض کہانیاں لکھی تھیں لیکن اُردو والوں نے ادھر بالکل ہی توجہ نہ دی۔ بعدازاں جب اُنہوں نے "پریم چند" کے نام سے کہانیوں کا نیا دور شروع کیا تو البتہ لوگوں کی توجہ ان کی طرف مائل ہونے لگی۔ لیکن اس پر بھی پبلک کی قدردانی کا یہ حال تھا کہ ان کی کتاب پریم پچیسی کا پہلا حصہ صرف پانچسو کی تعداد میں زمانہ پریس سے شائع ہوا۔ اور مدتوں نہ بک سکا۔ انہی مایوسیوں سے مجبور ہوکر ان کو ہندی کی طرف رجوع کرنا پڑا تھا۔ ذیل کے مضمون میں بابو شری ناتھ سنگھ نے ہندی علم و ادب سے متعلق ان کی خدمت گذاری کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ (ایڈیٹر)

چندر کانتا کے بعد ہندی کا دوسرا دلچسپ ناول "سیوا سدن" تھا جسے میں نے بچپن میں پڑھا تھا۔ اس ناول کے مصنف پریم چند جی کا درشن کرنے کی میرے دل کو بچپن سے ہی بڑی خواہش تھی لیکن مجھے اس کا موقع ۱۹۲۸ء سے پیشتر نہ مل سکا۔ جبکہ وہ مقامی مجلس ادب کی طرف سے مجلس افسانہ میں حصہ لینے کے لئے الٰہ آباد بلائے گئے تھے۔ جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے یہ مجلس افسانہ صرف ان اصحاب کی شرکت کیلئے منعقد ہوا تھا جو ہندی کے سربرآوردہ افسانہ نویس تھے تب میں نے دیکھا وہ گھٹنوں تک لمبی شیروانی پہنے ہوئے تھے۔ سر پر باقاعدہ کٹے چھٹے قریباً چار انگل لمبے بال۔ لیکن ان کی عام حالت ظاہر کرتی تھی کہ شاید اسوقت کے بعد جب حجام کی کنگھی اور قینچی ان پر پھری تھی، منشی صاحب کو ان پر توجہ دینے کی فرصت نہیں ہوئی۔ دونوں طرف سے آدھی کٹی ہوئی مونچھیں اور وہ بات بات میں اتنا زیادہ اور اسقدر زور کے ساتھ ہنستے تھے کہ ہنسی میں سارا چہرہ ڈھک سا جاتا تھا۔ ایسے اوقات میں صرف ان کی وہ لمبی مونچھیں ہی، یہ پتہ دے سکتی تھیں کہ اُن کا منہ کہاں ہے۔

یوں تو اس کے بعد کئی محفلیں جمیں۔ لیکن میرے خیال میں وہ پہلا اور آخری اجلاس تھا جس میں پریم چند جی نے حصہ لیا اور اپنی ایک کہانی پڑھ کر سنائی تھی وہ کہانی اب بھی مجھ کو یاد ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے الفاظ میرے لوحِ دماغ پر پوری طرح نقش ہوگئے ہیں۔

"ایک غریب دیہاتی ایک ڈاکٹر کے بنگلے پر جاتا ہے اور کہتا ہے۔ حضور! میرا لڑکا بہت سخت بیمار ہے۔ آجکل کا مہمان ہے۔ ذرا چلکر اسے دیکھ لیجئے۔ لیکن اس کی منت وسماجت کے باوجود ڈاکٹر کے دل پر ذرا اثر نہیں ہوتا۔ اور اس بدنصیب کو بنگلہ سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ بیچارہ دیہاتی ملول و جگر خستہ اپنے مکان پر واپس پہنچ جاتا ہے اور اس کا لڑکا شافی علاج نہ ہونے کی وجہ سے مرجاتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد انہی ڈاکٹر صاحب کے بیٹے کو سانپ ڈس لیتا ہے۔ ہر طرح کی کوشش عمل میں لائی جاتی ہیں۔ مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ وہی دیہاتی جو اپنے بیٹے کا علاج کرانے ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا تھا۔ سانپ کاٹے کا منتر جانتا ہے۔ وہ سابقہ بدسلوکی کی یاد دل سے نکال کر بن بلائے ڈاکٹر صاحب کے بنگلہ پر دوبارہ پہنچتا ہے اور معمولی جھاڑ پھونک کے ذریعہ سے لڑکے کو اچھا کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ شکرگزاری سننے کے لئے بھی نہیں ٹھہرتا۔ فوراً وہاں سے چلا جاتا ہے اور کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کدھر گیا۔"

یہاں میں نے اس کہانی کا ذکر خاص طور پر اسلئے کیا ہے کہ پریم چند جی کی ادبی خدمت گذاری بہت کچھ اس دیہاتی کی مانند بےغرضانہ رہی ہے سرکاری ملازمت پر لات مار کر انہوں نے اس دیوتا سروپ دیہاتی کی طرح کبھی اس بات کا خیال نہ کیا کہ جو کام مجھے کرنا ہے وہ کہاں تک میرے لئے باعثِ منفعت یا عزت افزائی کا موجب ہو سکتا ہے۔ اُنہوں نے ہندی کی خدمت گزاری کو محض اپنی زندگی کا معیار سمجھا اور اس خدمت گزاری میں باقی ہر ایک مصلحت کو بھلا دیا۔ حالانکہ سچ پوچھئے تو یہ انہی کی بےغرضانہ خدمات اور ادبی جانکاہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہندی میں ہمارے علم ادب کا وہ حصہ جو قصہ کہانی سے تعلق رکھتا ہے نہایت ٹھوس بنیاد پر قائم ہے۔

میں نے جس گلپ سمیلن (مجلس افسانہ) کا ذکر سطور بالا میں کیا ہے اس کا اجلاس

ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ منشی پریم چندجی کو بعض مصروفیتوں کی وجہ سے وہاں سے چلے جانا پڑا۔ اس وقت جب وہ مقام اجلاس سے رخصت ہونے لگے۔ تو راقم الحروف بھی کچھ دور تک اُن کے ساتھ گیا۔ جدا ہوتے وقت اُنہوں نے مجھ سے کہا: "میری ایک بات مانیں گے؟"

میں نے جواب دیا: "فرمایئے"

وہ زور سے ہنس کر کہنے لگے "یہ جو آپ لوگ لفظ "گلپ" استعمال کرتے ہیں اس سے مجھے چڑ ہے۔ کوئی مجھے گلپ لیکھک کہتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ مجھے گالی دیتا ہے۔ بنگلہ زبان میں لفظ گلپ کے معنی خواہ کچھ ہوں لیکن ہندی میں تو مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ "گپ" کا مترادف ہے اس کی بجائے سیدھا اور صاف کہانی اگر استعمال ہو تو کتنا اچھا ہے۔ آخر کیوں آپ یہ لفظ استعمال نہیں کرتے؟ گلپ کا لفظ غیر حقیقی اور کہانی کا حقیقی ہے۔ گلپ کا لفظ آپ لوگوں نے دوسری جگہ سے لیکر استعمال کرنا شروع کیا ہے۔ کہانی کا لفظ بچپن ہی سے ہمارے روئیں روئیں میں بھرا ہے"

اس موقعہ پر میرے ایک دوست جو پاس ہی کھڑے تھے بولے: "شاید آپ بھول گئے کہ لفظ گلپ اپنے اندر ادبیت کی جھلک رکھتا ہے اور زیادہ سلیس ہے"

پریم چندجی نے اور بھی زور سے قہقہہ لگایا اور کہا: "معلوم ہوتا ہے آپ کو اپنی نانی یاد نہیں ورنہ لفظ کہانی کی آپ اتنی مذمت نہ کرتے" اتنا کہہ کر جیسا ان کی عادت تھی وہ اور بھی زیادہ زور کے ساتھ ہنسے اور چونکہ گاڑی چلنے کا وقت قریب تھا اسلئے وہاں سے ایسے بھاگے کہ گویا اس ہنسی میں اڑ ہی گئے۔

اس وقت کے بعد پریم چندجی سے بارہا مجھ کو ملنے کا اتفاق ہوا اور گو ان تعلقات باہمی کے دوران میں کبھی کبھی ایسے موقعے بھی پیش آئے جو آپس میں تلخی پیدا کرنے کا موجب تھے۔ تاہم ان کی مہنت بدرجہ غایت قلیل ہوتی تھی۔ بعض موقعوں پر میں نے پریم چندجی کو مباحثات میں حصہ لیتے بھی دیکھا ہے لیکن ان کی ہنسی کا ہتھوڑا ان کے سکہ دکھ۔ فتح و شکست کی ساری کیفیتوں میں ان کا ساتھی رہا ہے۔ اور مجھ سے ان کے تعلقات بحیثیت مجموعی اتنے ہی خوشگوار رہے ہیں۔ جتنے آغاز میں تھے۔

بنارس کے بعض ہندی ادیبوں نے "جاگرن" نام کا ایک خوشنما ادبی رسالہ نکالا تھا لیکن وہ اس کو چلا نہ سکے۔ جلدی ہی انہیں اس کو بند کرنے کی فکر کرنا پڑی پریم چندجی کو یہ نام اور رسالہ بذات خود دونوں چیزیں پسند تھیں۔ اُنہوں نے اسکو کچھ عرصہ اور زندہ رکھنے کی خواہش کی اور اسے اپنے ہاتھ میں لینا چاہا۔ انہی ایام میں مجھ کو بنارس جانے کا اتفاق ہوا اور میں پریم چندجی سے ملا۔ وہ اپنے لکھنے کے کمرہ میں فرش پر دری کے اوپر بچھی ہوئی ایک سفید چادر پر پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے اور اپنی اہلیہ شریمتی شیورانی دیوی کی ایک کہانی کی اصلاح کر رہے تھے

میں نے پاس جاتے ہی کہا: "اس طرح لیٹ کر لکھنا پڑھنا ہمیشہ مضر صحت ہوتا ہے کیا ہی اچھا ہو کہ آپ میز کرسی لگالیں اور اس طرح بیٹھ کر لکھا کریں"

پریم چندجی نے کہانی کو ایک طرف اور پنسل کو دوسری طرف رکھ دیا پھر بولے "تھوڑا بہت لکھنا ہو تو میز کرسی کا سہارا بھی لیا جا سکتا ہے جسے رات دن لکھنا لکھنا اور لکھنا ہی پڑے وہ کیا کرے؟ ہندی میں بھی شارٹ ہینڈ اور ٹائپ کرنے والے مل سکتے ہیں۔ اور ہم لوگ دن بھر میں جو کچھ لکھتے ہیں وہ مزے سے دو ایک گھنٹے میں لکھوا بھی سکتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان بیچاروں کو تنخواہ کون دے؟ یہاں تو یہ حالت ہے کہ اتنا لکھ کر بھی اپنا پیٹ بھرنا مشکل ہو رہا ہے۔ بیشک ایک زمانہ آئے گا جب ہندی کے مصنف مغربی مصنفوں کی طرح ان آسائشوں سے بہرہ اندوز ہو سکیں گے لیکن جب تک ایسا ہو ہم زمانہ موجودہ کے آدمی اس دنیا سے کنارہ کش ہو چکے ہونگے"

امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے منشی پریم چندجی کی مانند انتھک کام کرنے والے بہت کم دیکھے ہیں۔ اپنے ذاتی رسالہ ہنس کی ادارت کے فرائض کا بوجھ تو ان کے سر پر تھا ہی۔ اس کے علاوہ نجی اشاعت اور پریس کی دیکھ بھال بھی کرنی پڑتی تھی۔ صاف دکھائی دیتا تھا کہ وہ کام کے پہاڑ کے نیچے دبے ہوئے ہیں تھکن کے آثار ان کے چہرہ پر صاف طور پر نمایاں تھے۔ حیرت اس بات کی ہے کہ ان حالات میں وہ ایک نئے ہفتہ وار رسالہ کا بوجھ اپنے اوپر اٹھانے کو تیار ہو رہے تھے۔ ادبی خدمات کو وہ چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ اور اس میں وقت لگانے کے بعد ضروریات زندگی پورا کرنے کو بھی انہیں کچھ نہ کچھ محنت کرنا پڑتی تھی۔ اسی دن رات کی نہ ختم ہونے والی محنت کی وجہ سے ان کی صحت روز بروز بگڑتی چلی گئی اور ہندی کے بیشمار دلکش ناول اور افسانے جو ان کے نئے نئے خیالات کا نتیجہ بنکر دنیا کے روبرو پیش ہوئے تھے اور جن کی بدولت ہندی زبان آنے والے زمانہ میں فاخرانہ سر اٹھا سکتی تھی ہمارے سامنے آنے سے رہ گئے۔

لکھنو کانگرس کے بعد میری ان سے ملاقات ناگپور سمیلن کے موقعہ پر ہوئی جہاں ہم لوگ ٹھہرے ہوئے تھے وہاں سے تھوڑی ہی دور ایک باغ میں ہری ہری گھاس کے فرش پر منشی پریم چندجی کئی دوستوں کے ساتھ بیٹھے تھے ان سے مجھے ایک ایسے مضمون پر بات چیت کرنی تھی جس کا ذکر اسجگہ کرنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ مصلحت۔ وہ کچھ مضمحل اور اداس نظر آتے تھے۔ یکایک میں نے کہا۔ "پریم چندجی سمیلن کا وقت ہو رہا ہے۔ چلئے راستے میں باتیں ہوتی چلیں گی"

پریم چندجی نے کہا۔ سمیلنوں سے میرا جی بھر گیا ہے۔ میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جسے علم و ادب کی کوئی خدمات سرانجام دینی ہوں وہ اپنے آپ کو ہر قسم کی سبھا سوسائیٹیوں سے جتنا دور رکھے اتنا ہی اچھا ہے۔ ادبی مجالس سے مجھے ضرور دلچسپی تھی اور سچ پوچھو میں اس کیلئے یہاں آیا بھی تھا مگر حقیقت میں اس سے

بھی میرا جی گھٹا ہوگیا ہے۔"

وہ ہندی کے کتنے زبردست حامی تھے یہ ان کی آخری تحریریں سے ظاہر ہے افسوس اس بات کا ہے کہ اپنے اس ارادہ کو عملی صورت دینے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے اور آج ایسا کوئی نظر نہیں آتا جو ان کی خالی چھوڑی ہوئی جگہ کو پر کرسکے۔ ہندی علم ادب کی اس شاخ کو جو افسانہ سے تعلق رکھتی ہے انہوں نے اپنے خونِ دل سے سینچا تھا۔ بھارتیندو بابو ہریش چندر کے بعد ہندی کا جو دور شروع ہوا وہ اس کے لیڈر تھے۔ انہوں نے کم و بیش بارہ ناول اور تین سو سے اوپر کہانیاں لکھی ہیں۔ دو تین ناٹک بھی تحریر کئے اور انگریزی کے بھی کچھ ناولوں اور ڈراموں کا ترجمہ کامیابی کے ساتھ کیا۔ انہوں نے ہندو

میں ہی نہیں بلکہ ملک کی مجلسی اور سیاسی تحریکوں میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ ایک بیوہ عورت سے شادی کرکے اور اپنی بیوی کو سیاسی تحریک کے سلسلہ میں جیل بھجوا کر انہوں نے اپنے گہرے عقائد کا عملی ثبوت دیا۔ اگر ان کو وہ سہولتیں حاصل ہو سکتیں جو دنیا کے مشہور ادیبوں کو حاصل ہوتی رہی ہیں تو وہ دکھا دیتے کہ ان کے ارادے کتنے وسیع اور مقاصد کتنے ہمہ گیر تھے لیکن زندگی میں ہر قسم کی مشکلات درپیش ہوتے ہوئے بھی انہوں نے جو کچھ ہندی اور اردو کے لئے کیا ہے وہ ہمیشہ قابلِ فخر سمجھا جائیگا +

مست قلندر میں اشتہار دیکر فائدہ اٹھائیے +

(بقیہ صفحہ ۲۵ **میری زندگی کا سب سے عجیب واقعہ**) [illegible] ہوتی [illegible] وہ بابا صاحب [illegible] ہزاروں دعائیں دیتے ہیں بابا صاحب کا انتقال ہوگیا۔ افسوس [illegible] محروم ہوگئے۔ خدا [illegible] مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے [illegible] یہ بہت [illegible] نہیں۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں [illegible])

[illegible]

ایک دوشیزہ حسین کے خیالات کا اظہار

از جناب غلام [illegible]

سنا ہے جب سے منگنی ہو رہی ہے | "مسرت" رنج و غم کو دھو رہی ہے
یہ دل میں تخمِ الفت بو رہی ہے

ابھی میں نے اسے دیکھا کہاں ہے! | یہ سنتی ہوں حسیں ہے، نوجواں ہے!
پڑھا لکھا ہوا وہ بے گماں ہے

اداسی میرے دل سے جا رہی ہے! | خوشی چہرے پہ میرے چھا رہی ہے!
مجھے اپنے سے خود شرم آ رہی ہے

مرے حق میں قیامت ہو گئی ہے | کہ بے دیکھے محبت ہو گئی ہے!
مجھے اب اس سے الفت ہو گئی ہے

محبت کا مزہ دل پا رہا ہے! | مجھے خلوت میں بھی شرما رہا ہے!
کسی کا نام لب پر آ رہا ہے!

مرے گھر بیاہ کر آئے گا جب وہ | رخِ پر نور دکھلائے گا جب وہ!
دکھا کر جلوہ تڑپائے گا جب وہ!

بلائیں اس کے رخساروں کی لونگی! | ثبوت اپنی وفاؤں کا میں دوں گی!
میں لونڈی حشر تک اسکی ہوں گی!

سنا ہے جب سے منگنی ہو رہی ہے! | "مسرت" رنج و غم کو دھو رہی ہے
یہ دل میں تخمِ الفت بو رہی ہے

پُراسرار تبت کے چشم دید حالات

کیا انسان صدیوں تک جوان اور تندرست رہ سکتا ہے

عہد شباب ہستی انسان کا سب سے زیادہ شاندار اور ناقابل فراموشی حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم سے اس دنیا کے رہنے والے شباب دائمی کی آرزو کرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ خواہش ہر شخص کے دل کو لگی رہتی ہے کہ یہ چیز جو ایک دفعہ جا کر پھر واپس نہیں آتی کسی نہ کسی طریقہ پر ہمیشہ قبضہ میں رہ سکے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا زندگی کا یہ سب سے عظیم الشان حصہ جس میں ہر قسم کی لذتیں کیفیتیں اور عیش و نشاط کی گونہ گون حالتیں مجتمع و مرکوز ہیں۔ قدرت نے صرف اسلئے بنایا تھا کہ آدمی کو اس کی ایک جھلک دکھا کر ہمیشہ کے لئے اس سے چھین لے کیا کوئی طریقہ ایسا ممکن نہیں ہے جس سے اس کو قائم اور بحال رکھا جا سکے؟

غور کر کے دیکھا جائے تو شباب کو قائم رکھنا عرصہ ہستی کو طویل کرنے سے ایک بالکل ہی مختلف عمل ہے۔ دونوں میں کسی طرح کی مشابہت نہیں پائی جاتی۔ جنگ تیس سالہ میں جب یورپ کے تمام ملکوں کی کم و بیش نصف آبادی جنگ۔ قحط اور وبا کے ذریعہ سے فنا ہو گئی تھی تو آدمی کا اوسط عرصہ زندگی دس سال تھا۔ لیکن گذشتہ صدی میں وہ تیس اور چالیس سال کے درمیان رہا۔ موجودہ حالات میں یہ عرصہ ساٹھ سال کے قریب ہے اور سائنس دانوں کا خیال ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب انسان کی زندگی درجہ اوسط میں اسّی سال تک بڑھائی جا سکے گی۔

لیکن سچ پوچھئے تو یہ ترقی حقیقی نہیں بلکہ محض ظاہری ہے۔ اس قسم کے اعداد و شمار آج تک فراہم نہیں کئے گئے جن سے معلوم ہو کہ انسان کس عمر میں پہنچکر بڈھا ہونے لگتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ جو لوگ آج سے تین سو سال پیشتر دنیا میں آباد تھے ان کا عرصۂ جوانی زمانۂ موجودہ کے انسانوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوا کرتا تھا۔

عہد حاضرہ میں جبکہ انسان کی زندگی حد درجہ دوڑ دھوپ میں بسر ہوتی ہے جب ہر وقت کے فکر و تردد کو دور کرنے کے لیے خود ساختہ سامان راحت اور بڑھتی ہوئی کمزوری کی روک تھام کیلئے نام نہاد مقویات تیار کی جاتی ہیں۔ ان باتوں کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا کہ آدمی پیش از وقت بڑھاپے کے آثار محسوس کرنے لگتا ہے۔ بیشمار حالتوں میں دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اسوقت بڈھے ہونے لگ جاتے ہیں جب انہیں خواب میں بھی اس کا خیال نہ آسکتا تھا۔

اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ سائنس کی مدد سے ہم فی زمانہ عرصہ زندگی کو طویل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو اس میں شک نہیں کہ عہد شباب جو اس عالم کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ شاندار نعمت ہے غیر معمولی تیزی کیساتھ گزر جاتا ہے۔

تبت کے عام لوگ بہت سی روحانی غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں اسلئے ان میں بھی پیش از وقت ہی کبر سنی کے آثار پیدا ہو جاتے لیکن تبت کے جن حقیقی گوشہ گیر زاہدوں کا ذکر اس سے پہلے جا بجا کیا جا چکا ہے۔ وہ غیر معین عرصہ تک جوان رہتے ہیں۔ تبت میں یہ افواہ عموماً سُنی جاتی ہے کہ اس طبقہ کے کچھ لوگ پانچ اور چھ سو سال کے درمیان عمر رکھتے ہیں۔ یہ بیان ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ممکن ہے صحیح نہ ہو کیونکہ جو آدمی ایک سو سال سے اوپر عمر تک پہنچ جائے اس کی عمر کا صحیح حساب لگانا ہمیشہ غیر ممکن ہو جایا کرتا ہے۔ ایسی حالت میں کوئی آدمی ایسا نہیں رہتا جو اس کی عمر کے صحیح حالات کے متعلق چشم دید گواہ سمجھا جا سکے۔

مگر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ان میں سے بعض لوگ جو شکل و صورت سے ۳۵ سال کے جوان آدمی معلوم ہوتے ہیں بہت نہیں تو ایک سو سال سے کم عمر نہ رکھتے ہوں گے۔ اس کی شہادت اس طریقہ پر بھی ملتی ہے کہ ان اضلاع کے رہنے والے بعض نہایت بڈھے آدمیوں کا جنہیں ان کو بارہا دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ بیان ہے کہ ہم انہیں پچھلے پچاس یا ساٹھ سال کے عرصہ سے اسی طرح دیکھتے چلے آئے ہیں۔ ان کی صورتوں میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوئی اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس عرصہ دراز نے ان پر بڑھاپے کا کوئی اثر پیدا نہیں کیا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے شخصوں کی حالت میں شباب دائمی کا اصلی راز کیا ہے؟

ایسے ایک شخص کی حالت کا بغور مشاہدہ کرنے کا بہترین موقع اس وقت مجھے ملا تھا جبکہ مجھے پانچ دن کے لئے تبت میں اپنے بہترین دوستوں میں سے ایک کے بھائی کے ہاں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ یہ دونوں اصحاب اپنے اندر غیر معین عرصہ تک شباب قائم رکھنے کی قوت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک صحرائے گوبی کے جنوب میں رہتا ہے۔ اس نے مجھ کو تبتی کپڑے مہیا کئے۔ تھے اور اس کی تعلیم سے میرا تلفظ بھی درست ہوا تھا۔ اس کا بھائی جنوب مغربی تبت میں رہتا ہے اور آخر الذکر نے مجھے اپنے ہاں رہنے کو جگہ دی تھی۔

تبت کے دوسرے نام نہاد پرہیزگار لوگوں کی نسبت ان کا خیال یہ نہیں کہ انسان کے لئے میلا کچیلا رہنا اس کے تقدس کی نشانی ہے۔ میں نے اچھی طرح دیکھا کہ ان کا ظاہر و باطن خوب صاف تھا۔ نہ وہ اعلیٰ قسم کے بیش بہا کپڑے پہنے تھے اور نہ ادنیٰ قسم کے پھٹے پرانے چیتھڑے۔ ان میں بہت کم غیر معمولی طور پر دراز قد ہیں۔ اگرچہ ان کی خوراک قلیل ہے جب مطلع صاف اور موسم خوشگوار ہو تو وہ کچھ بھی نہیں کھاتے۔ تاہم ان کے اندر لاغری کے آثار نہیں پائے جاتے لیکن یہ ایک بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ان میں سے کسی کے جسم میں بھی چربی برائے نام موجود نہیں۔

میں اپنے جس تبتی دوست کے ہاں ٹھہرا۔ اس کے مسکن میں ہر طرف امن اور شانتی کا راج نظر آتا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا گویا گھر کے سب در و دیوار مہمان نوازی کو آمادہ ہیں۔ اس کی مہمان نوازی اتنی قدرتی اور غیر مکلف تھی کہ مہمان بالکل گھر کا سا آرام محسوس کرتا تھا۔

میں جب اس کے ہاں فروکش ہوا تو لگاتار تین دن تک اس نے کچھ بھی نہ کھایا اور میں یہ سوچ کر حیران ہونے لگا کہ کیا اس کے شباب دائمی کا راز محض اسکی فاقہ کشی میں مضمر ہے؟ شکل و صورت سے وہ ایسا آدمی سے ملتا جلتا تھا جس کی عمر تیس سال کے قریب ہو اور گاہ بگاہ اس کا برتاؤ بھی لڑکوں جیسا ہوتا تھا۔ اس کی آنکھیں کسی بالغ مرد کی نسبت کسی کمسن لڑکے کی آنکھوں سے زیادہ مشابہ تھیں اور یہ اس حالت میں کہ بہت سے بڈھے آدمیوں کے بیان کے مطابق جو کئی برس سے اس کو اسی حالت میں دیکھتے چلے آئے تھے۔ اسکی عمر کسی حال میں نوّے سال سے کم نہ تھی۔

اس شخص کے چہرہ پر یا اس کے انداز میں نہ غیر معمولی متانت، نہ کوئی سنجیدگی اور نہ کسی طرح کا رعب موجود تھا۔ تاہم ورزش کے طور پر ایک دوسرے کو ادھر اُدھر دھکے دیا کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایسا کرتے ہوئے میرا ہاتھ اس کے بدن سے جا لگا اور اس وقت میں نے دیکھا اس کا بدن اتنا نرم اور لچکیلا تھا جتنا کسی انیس سال کے لڑکے کا ہو سکتا ہے۔

پھر ایک بار یہی سوال میرے دل میں پیدا ہونے لگا کہ کیا اس کے دائمی شباب کا تعلق اس کی کم خوری سے ہے؟ میں نے اس کے متعلق کسی قسم کا سوال اس سے نہیں پوچھا۔ صرف یہ خیال ہی میرے ذہن میں آیا تھا لیکن اتنے میں وہ میرے دلی خیالات کو بھانپ گیا۔ مسکرایا اور اپنی خوشنما چمکیلی آنکھوں سے بغور میری طرف دیکھ کر اور چہرہ پر آثار کی کوئی تبدیلی پیدا نہ کر کے اس نے کہا۔

"میرے دوست فاقہ کشی سے آدمی جوان نہیں ہوتا"

"تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اتنا کم کھاتے ہیں؟" میں اس سے پوچھنے پر مجبور ہو گیا۔

"اسلئے کہ مجھ کو عملی طور پر کبھی بھوک ہی نہیں لگتی" اس نے جواب دیا۔

اور اس کے تھوڑی دیر بعد وہ تقریر جاری رکھ کر کہنے لگا "جو بات میں تم سے کہتا ہوں اس کو غور کے ساتھ سنئے۔ جب کوئی آدمی جوان بننے کی کوشش کرتا ہے۔ تو وہ ضرور بڈھا ہونے لگتا ہے۔ اس دنیا کا ہمیشہ سے یہ اصول ہے کہ جب تم کسی چیز کو اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرو گے تو ضرور تمہارے دل میں اس کے کھوئے جانے کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا۔ یہی دہشت آدمی کے لئے زہر کا کام دیتی ہے۔ اب بلا سے وہ کسی طرح کی ورزش کرے یا کیسی ہی نعمت کھائے۔ اس کے بدن میں کوئی اصلاحی کیفیت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ زہر اپنا کام کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ درحقیقت یہی دہشت لوگوں کے شباب کو تلف کرنے کا ذریعہ ہے۔

"یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ زندگی میں ہر چیز ایک دوسرے سے کوئی نہ کوئی نسبتی تعلق رکھتی ہے یقینی معنوں میں حقیقی چیز کوئی بھی نہیں۔ انتہا یہ ہے کہ نیکی اور بدی کا بھی کوئی اصلی وجود نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ بات اس طرح بیان کی جا سکتی ہے کہ نہ کوئی چیز حقیقی معنوں میں اچھی ہے اور نہ بری۔ بھلائی اور برائی کا دار و مدار ہمارے طریق کار پر ہوتا ہے۔ پس جان لو کہ بعض خاص قسم کی مشق کرتے رہنے سے تم اپنے آپ کو جوان نہیں بنا سکتے۔ اگر ہمارے دل میں بڑھاپا طاری ہو گیا ہے تو پھر بدن میں کسی طرح جوانی قائم نہیں رکھی جا سکتی۔ نہ کسی قسم کی خوراک میں مدد دے سکتی ہے اور نہ کسی طرح کا عمل ہمارا معاون ہوتا ہے۔ اس سے آگے سوال پیدا ہوتا ہے کہ جوانی کیا چیز ہے؟ تو اس کی تعریف مختصر طور پر یوں کی جا سکتی ہے کہ ہر طرح کے تعصب سے پاک ہونا۔ رسمی خیالات سے آزاد رہنا۔ رسمی طریق زندگی سے بالاتر ہونا اس کا نام شباب ہے۔ جب تک ہم لوگ پر محبت۔ پر جوش اور ہر کام کو خوشی سے کرنے والے بنے رہتے ہیں۔ تب تک جوانی ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتی"

"لیکن یہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں یہ تو بالکل سہل اور سادہ ہے" میں نے انداز حیرت سے کہا۔ "اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ کوئی اس قسم کا معجز نما عرق پایا جاتا ہے جس کے استعمال سے آدمی ہمیشہ جوان رہ سکتا ہے"

"بیشک لوگوں کا خیال یہی ہے" اس نے جواب دیا "لیکن بدقسمتی سے ایسا کوئی اکسیری عرق جو شباب دائمی کا ذریعہ ثابت ہو اس عالم میں کہیں پایا نہیں جاتا"

پھر تھوڑے تامل کے بعد اس نے کہا "اگر میں دنیا کو اس کی حقیقی رنگت میں آپ کے روبرو پیش کرتا ہوں تو یہ نہ سمجھئے کہ میں کسی کی دل آزاری کرنا چاہتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی اکسیر شباب موجود ہوتی تو اس دنیا کا نقشہ پہلے سے بھی زیادہ بگڑ جاتا۔ اکثر لوگوں کی حالت میں دیکھا جاتا ہے کہ ان کی عمر کا بیشتر حصہ دوسروں کو نقصان پہنچانے میں بسر ہوتا ہے۔ وہ صرف گاہ بگاہ تھوڑی سی کوشش نیک بننے کے لئے کرتے ہیں۔ اور اس سے

آگے سمجھ لیتے ہیں کہ اگر ہم ساری عمر شرارتیں کرتے رہیں تو کچھ ہرج نہیں اسکے علاوہ ایک بڑا مسئلہ بیکاری اور ضرورت سے زیادہ آبادی کا بھی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی آنکھ سے ایک معنی خیز اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ میرے اندازہ سے بہت زیادہ حالات مغرب سے واقفیت رکھتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آواز میں افسردگی پیدا ہو گئی۔ بہرحال اس نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا "ایک ایسی دنیا جہاں آدمی آدمی کا دشمن بنا ہوا ہے۔ زندگی کی طوالت اور زیادہ بدامنی پیدا کرنے کے سوا کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں تبدیلی کی جائے۔ جب تک یہ نہ ہو اُن کی زندگی کا عرصہ لمبا ہونے سے دنیا کی تکلیف اور بدانتظامی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ سچ پوچھئے تو دُنیا کی ساری مشکلات صرف اس بات کا نتیجہ ہیں کہ ہر شخص غلط راہ پر چلتے ہوئے دوسروں کو تکلیف پہنچا کر اپنے لئے راحت تلاش کرتا ہے۔ قبل از وقت بڑھاپا دراصل اس عارضہ کی ایک علامت ہے۔ اگر ہم محض اس علامت کو دور کرنے کی کوشش کریں تو حالات میں بہتری پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہرچند کہ ہمیں خودغرضی کی علامتوں کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے صدیوں کا عرصہ گذر چکا ہے تو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں راحت کا نام ونشان نہیں بلکہ بے چینی۔ بے اطمینانی اور رات دن روز بروز بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔"

"لیکن کیا آپ خوش ہیں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

جب اس نے میرا یہ سوال سُنا تو اسکے گالوں پر آنسوؤں کی دھار بہ نکلی۔ اسی حالت میں زار زار روتے ہوئے اس نے کہا "افسوس نہیں۔ میری قسم کے آدمی اکثر تنہا رہنے پر مجبور ہیں۔ اور ان کی یہ تنہائی عموماً ان کو دل شکستہ کرنیکا موجب ہوتی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر خالص انسانی زاویۂ نظر سے دیکھا جائے تو مجھ ایسے آدمیوں کی زندگی سخت تنہائی میں بسر ہوتی ہے۔ میں بے شک دوسروں سے محبت کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ محسوس کرنے پر مجبور ہوں کہ میں اکیلا ان کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ان حالات کی تہ میں ایک سانحہ عظیم پوشیدہ ہے۔ میرے دل کو تب تک راحت نصیب نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ ساری دنیا خوشی حاصل کر سکے۔ اور اس منزل تک پہنچنے کے لئے ہماری نظروں کے سامنے ایک بہت لمبا اور دشوار گزار راستہ موجود ہے۔"

اس وقت مجھ کو یاد آیا کہ ایک موقع پر میری گفتگو ایک نہایت فاضل آدمی کے ساتھ جو معاملات مذہب کی نسبت گہری واقفیت رکھتا تھا دوزخ اور جنت کے سوال پر ہوئی تھی۔ اس کے خیالات کا ماحصل یہ تھا کہ اگر کوئی شخص ذاتی طور پر حصول جنت کی امید رکھتا ہو تو پھر اُسے دوزخ اور اس کے رہنے والوں کے بارہ میں ناحق اپنے آپ کو پریشان نہ کرنا چاہیئے۔ جائے غور ہے کہ اس کے اور اس خوار رسیدہ شخص کے خیالات میں کتنا بُعدِ عظیم تھا۔

دفعتاً میں نے اپنے گوشہ نشین دوست سے پوچھا "کیا آپ کی رائے میں زندگی درحقیقت بسر کرنے کے قابل ہے؟"

"کیوں نہیں" اس نے فوراً جواب دیا "یقینی طور پر ہے۔ زندگی ایک بڑی شاندار چیز ہے۔ زندگی میں ایک گہری عظمت پوشیدہ ہے۔ اگر آپ یہ محسوس کر سکیں کہ زندگی کو بچپن کی خوشی کے ساتھ بسر کر سکتے ہیں تو پھر اس کے برابر دنیا کی کوئی نعمت نہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ زندگی صرف اسی صورت میں بسر کرنے کے قابل سمجھی جا سکتی ہے کہ انسان زندہ رہ کر بچپن کی خوشیاں حاصل کرتا رہے۔ اس طریقہ پر اس کو بہت سے نئے نئے تجربات حاصل ہوتے ہیں اور ذاتی افضلیت محسوس کرنے کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ میں اپنے آپ کو غیر معمولی انسان نہیں کہتا۔ میں تو بنی نوع انسان کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ میری زندگی کا مقصد کل دنیا سے پریم کرنا ہے۔"

"اچھا یہ بتایئے۔ ہم دنیا کے لئے کونسی خدمات سرانجام دے سکتے ہیں" میں نے پوچھا۔

"ہماری سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اپنی زندگیوں کو آنے والی نسلوں کیلئے نشانِ راہ بنا کر دکھا سکیں تاکہ جو لوگ ہمارے پیچھے آنے والے ہیں ان کو اندھیرے میں ادھر اُدھر بھٹکنا نہ پڑے۔ لیکن اس میں ایک بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ ہماری عظمت ان کے دلوں میں اتنی زیادہ نہ ہو جانی چاہیئے کہ وہ ہماری پرستش کرنا ہی شروع کر دیں۔ اگر لوگ اس بات کا انتظار کرنے لگیں کہ نشاناتِ راہ خود بخود ان کی رہبری کرینگے تو وہی نشانات الٹا ان کی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرنے لگتے ہیں۔"

"لیکن یہ بتایئے کہ ہم دوسروں پر عملی طریقہ سے کیونکر اثر ڈال سکتے ہیں؟"

اس نے جواب دیا: "بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اکثر حالتوں میں حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے ... کسی نہ کسی طریقہ پر دنیاوی مشکلات و مصائب میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی صادق آدمی زیادہ سے زیادہ دنیا کی بہتری اور بہبودی کے لئے جو کچھ کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جس چیز کو وہ فضول سمجھے۔ اس میں شریک کار نہ ہو خواہ ایسا کرنے سے اس کے جان و مال کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچتا ہو۔"

اتنا کہہ کر اس نے کسی چنچل اور شریر لڑکے کی طرح زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔ اس کی طرف سے طفلانہ مسرت کا یہ غیر معمولی اظہار اس متانت سے کتنا مختلف تھا جس سے وہ چند منٹ پیشتر بات چیت کر رہا تھا لیکن یکایک میرے خیالات دلی کو سمجھ کر اس نے کہا: "میں لفظ مال کا استعمال کرتے ہوئے قہقہہ لگائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ میرے پاس ذاتی طور پر نہ کوئی مال ہے اور

نہ جائیداد۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اسلئے مجھ کو کسی نقصان کا اندیشہ نہیں۔"

"کیا آپ کی رائے میں لوگوں کو اس بات کی صلاح دینی چاہیئے کہ وہ دولتمندی کا خیال نہ کرکے غریبانہ زندگی بسر کریں؟"

"نہیں میرا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے۔ دولت کوئی نقصان نہیں پہنچاتی بشرطیکہ آدمی اس کے ساتھ لگ کر رہنا منظور نہ کرے۔"

"گویا آپ کے خیال میں طاقت اور مال و دولت کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھنا ترقی کی راہ میں پہلا قدم نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں۔ جب لوگ زندگی کا اصلی مقصد سمجھ لیتے ہیں تو یہ تمام باتیں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔"

"تو پھر آپ کی دانست میں ترقی کا پہلا قدم کیا ہونا چاہیئے؟"

"اپنے آپ کو پہچاننا سچ پوچھیے تو اپنے آپ کو جاننے کی نسبت دوسروں کو جاننا اور ان کی حقیقت کو سمجھنا ہمیشہ سہل ہوتا ہے۔ آپ نے خود بھی ملاحظہ کیا ہوگا۔ کہ کسی دوسرے شخص کے بچہ کی عادات کو سمجھنا اپنے بچہ کے حالات کو جاننے کی نسبت زیادہ سہل و آسان ہوا کرتا ہے۔ جتنا زیادہ ہم کسی معاملہ میں تعصب سے کام لیں گے اتنا ہی اس کو صحیح طور پر سمجھنا دشوار ہو جائیگا۔ یہی باعث ہے کہ ہم اپنی ذات کا صحیح اندازہ کرنا سب سے زیادہ مشکل پاتے ہیں۔ پس آپ کا پیغام دوسرے لوگوں کے نام یہی ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے آپ سے پوری طرح واقف ہونے کی کوشش کریں۔ وہ ہر وقت اپنے مقاصد کی صحیح طور پر چھان بین کرتے رہیں۔ اور وحشیانہ حد تک اپنے لئے پورے طور پر صاف گو ثابت ہوں۔ جب انسان خود اپنی کمزوریوں اور کمیوں سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے تو صحیح معنوں میں وہ اپنے آپکو پہچاننے کے عمل میں پہلا قدم اُٹھاتا ہے۔"

"اور اگر غور کرکے دیکھا جائے تو یہ عمل بالکل سہل اور سادہ ہے۔ آپ ساری مخلوقات سے پریم کریں۔ جتنا بھی زیادہ ممکن ہے پریم کریں۔ اس کے بعد اگر آپ کے اس پریم میں انانیت کا زہر نہ ہوگا تو پھر محض اس بنا پر کہ آپ سمجھنے کی زیادہ قوت رکھتے ہیں۔ اپنے اندر کسی طرح کی افضلیت محسوس نہ کرینگے۔ اگر حقیقی پریم کی مدد سے اپنی ذات کو اور دوسروں کے حالات کو سمجھنے کی طاقت پیدا ہو گئی تو پھر جان لو کہ اس میں روحانی غرور و تکبر کی کمزوری شامل نہ ہوگی۔"

میرا دوست ہر ایک کام اپنے لئے اپنے ہاتھ سے کرتا تھا چنانچہ جب کھانے کا وقت آیا تو اس نے خود ہی کھانا تیار کیا۔ میرے لئے اس نے تھوڑا سا جو کا دلیا تیار کر دیا۔ جسے میں نے نمک مُولی کے ساتھ کھایا۔ اسکو میں نے دیکھ کر جڑی بوٹیوں کے مرکب کے دو تین چھوٹے ٹیچے ہی کھانے کافی سمجھے۔ یہ بوٹیاں اس کا کوئی دوست اسے ہمالہ پربت سے لاکر دے گیا تھا۔

کہنے لگا: "یہ بوٹیوں کا ذخیرہ مجھ کو تین ماہ گذرے ملا تھا لیکن ابھی تک ان کی کافی مقدار موجود ہے۔"

"میرے خیال میں اہل مغرب میں ایسا کوئی آدمی آپ کو نہ ملے گا جو اتنی کم خوراک پر شاکر ہونا منظور کرے۔" میں نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا۔

"میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ ان لوگوں کو ایسی ہی غذا استعمال کرنی چاہیئے۔" اس نے فوراً جواب دیا: "ترقی تہذیب بجائے خود بُری نہیں۔ اس میں کئی ایک فائدے پائے جاتے ہیں مصیبت صرف یہ ہے کہ لوگ ان فائدوں کو صحیح طور پر سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں جتنی زیادہ کلیں وہ تیار کرتے جاتے ہیں۔ اتنی ہی زیادہ زندگی کی ضرورتیں پیچیدہ ہوتی جاتی ہیں۔ عملی نتیجہ ان سب باتوں کا یہ ہے کہ ہم جہاں سے پیشتر چلے تھے وہیں کے وہیں رہ جاتے ہیں۔ بہتری کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی۔"

پھر کچھ سوچکر اس نے کہا: "اگر کسی قسم کی مغربی کلیں اس جگہ استعمال کی جائیں تو مضائقہ نہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی مشین ایک کپڑے کو دس منٹ کے اندر سی سکتی ہے تو پھر اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ کوئی آدمی ان کپڑوں کو سینے میں ایک گھنٹہ روز وقت دیکر ایک مہینہ ضائع کر دے۔"

"اگر درحقیقت یہ بات ہے تو پھر کس لئے آپ ایسی ایک مشین یہاں نہیں منگا لیتے۔" میں نے اس سے کہا۔

"آہ آپ سمجھے نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "اگر میں اس جگہ کلوں کا استعمال شروع کر دوں تو ہر شخص کی نظریں مجھ پر پڑنے لگیں گی۔ اس کے علاوہ ایک خاص نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ تبت میں اہل مغرب کی دست اندازی بڑھتی ہی جائے گی۔ ابھی سے میں دیکھتا ہوں کہ ملک کی سرحد کے قریب نیز لاسہ کے بعض حصوں میں اس کا آغاز ہو چکا ہے۔"

"کیا ضلع لاسہ سے بھی آپ کا کوئی تعلق ہے؟" میں نے اندازِ حیرت سے پوچھا: "میرا اپنا خیال یہ تھا کہ سارے ملک تبت میں وہ ضلع سب سے الگ تھلگ واقع ہے۔"

اس نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا پھر کہنے لگا: "آپ اس بحث کو جانے دیں کہ مجھ کو یہ اطلاع کس طرح ملی ہے۔ بہرحال اگر کبھی آپ کو لاسہ جانے کا اتفاق ہوا تو آپ خود ہی میرے بیان کی تصدیق کرلیں گے۔"

"لیکن۔" اس نے دفعتاً رکتے ہوئے کہا: "آپ کو فی الحال وہاں نہ جانا چاہیئے ایسا کرنا محفوظ نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ کو ایک ایسے ضلع میں بھیس بدل کر سیاحت کرنی پڑے گی۔ جہاں باشندوں نے کئی گورے آدمیوں کو آپ سے پہلے دیکھ لیا ہے۔"

"اس صورت میں جب میں پانچ یا چھ سال کے عرصہ میں دوبارہ تبت آؤنگا

تو ضرور وہاں کی سیر کروں گا" میں نے کہا۔

میرے دوست آیندہ کے لئے تجویزیں سوچنے میں آپ کو اتنی جلدبازی نہ کرنی چاہیئے" اس نے جلدی سے کہا " کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کی سوچی ہوئی تجاویز کیا کیا نادیدہ رکاوٹیں پیدا ہوجائیں۔ اگرچہ ابھی تک کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی - سارا دارومدار ہمارے اپنے افعال پر ہے ایک نیک خیال ترازو کے پلڑے کو صحیح طرف کھینچ سکتا ہے"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ تبت میں مغربی تہذیب کے داخلہ میں آپ کو کونسی بُرائی نظر آتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مغرب کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ مادیت کو ہر چیز پر سب سے زیادہ افضلیت دیتا ہے۔ مقابلہ میں ہمارا اپنا ملک دوسری انتہا پر پہنچکر ایسی ہی غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ جہاں مغرب میں مادہ پرستی کا زور ہے - وہاں تبت میں روحانیت کو ہی سب کچھ سمجھا گیا ہے اگر کسی کی طرح کی کلیں یہاں لائی جائیں تو حالات برعکس ہوجائے گی۔ یعنی اس ملک کے لوگ بھی مادہ پرستی کی طرف مائل ہونے لگیں گے"

پھر اس نے زیادہ زوردار لہجہ میں تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا " دنیا کے ہر حصہ میں زندگی کا ایک نیا معیار قائم کرنے کی ضرورت ہے " اس وقت اس کے لہجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ خصوصیت کے ساتھ مجھ سے نہیں بلکہ کل بنی نوع انسان سے بات چیت کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں آگے چلکر اس نے کہا" جس طرح مغرب روحانیت سے دور بھاگتا ہے اسی طرح مشرق مادہ پرستی کو نزدیک نہیں آنے دیتا۔ اگر مغرب میں کچھ لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جنکو مذہب سے لگاؤ ہے تو ان کی حالت مشرق کے ان چند لوگوں سے ملتی جلتی ہے جو کسی قدر مادیت کے دلدادہ ہیں۔ لیکن حالات کا صحیح توازن نہ مشرق میں پایا جاتا ہے اور نہ مغرب میں"

پس سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ زندگی کا ایک بالکل ہی نیا خیال پیدا کیا جائے اگر یہ نہ کیا گیا تو پھر مشرق اور مغرب دونوں کی تباہی ہے ہماری دلی خواہش نئی طرح کے انسان پیدا کرنے کی ہے جو مادیت اور روحانیت دونوں کی طرف یکساں مائل ہوں۔ انہی لوگوں کو صحیح معنوں میں انسان کہا جا سکتا ہے ورنہ جو شخص مادہ سے دور بھاگتا ہے وہ بھی انسانیت سے اتنا ہی بعید ہے جتنا وہ آدمی

جذبات

مولوی محمد رفیق صاحب رفیق لکھنوی

نغمۂ دردِ حسن اور محوِ عنادل ہوجا
سعیٔ باطل کی طرح صورتِ باطل ہوجا
او مری عمر کو ناکام بنانے والے
آئینہ دیکھنے والے ترا دل آئینہ ہے
نہ ملا دیر میں بھی بار مجھے مثل حرم
اے غم دردِ محبت ترے قرباں جاؤں

جس میں دنیا ہے اسی رنگ میں شامل ہوجا
پہونچے منزل پہ تو گردِ رہِ منزل ہوجا
نکل آ پردہ سے اور زینتِ محفل ہوجا
پھینک دے آئینے کو اپنے مقابل ہوجا
سب یہ کہتے ہیں کہ پہلے کسی قابل ہوجا
اسقدر بڑھ کہ مری زیست کا حاصل ہوجا

شاید اس طرح ملے گوہرِ مقصود رفیق
مٹ کے اس راہ میں گردِ رہِ منزل ہوجا

جاتا ہوں ..... سلطانہ
تمہارے راحت بکنار شہر کی کیف آفریں فضاؤں سے مدہوش ہوکر
تمہارے جمالِ جہانتاب کے مخمور جلووں میں کھو کر
سلطانہ!
اپنی تمنائیں تمہارے حضور میں پیش کر کے
اپنی آرزوئیں تمہارے قدموں پہ نچھاور کر کے
جاتا ہوں ..... دور ..... بہت دور

تمہارے ساتھ گذرے ہوئے رنگین دنوں کی لطیف یادیں
اپنے سینے میں چھپائے
سدا بہار سرزمین پر بیتی ہوئی شیریں گھڑیوں کا جاں نواز تصور
اپنی سرشک آلود آنکھوں میں بسائے
جاتا ہوں ..... دور ..... تم سے دور
دھڑکتے دل ... اور ... تڑپتے جذبات کے ساتھ ... سلطانہ
اب بچھڑے دل کب ملیں، کون جانے ....

آل ورلڈ حجام کانفرنس

اولمپیا میں ہر دوسرے سال نائیوں کا ایک زبردست میلہ ہوتا ہے، اس میلے کو "آل ورلڈ نائی کانفرنس" کہنا بیجا نہ ہوگا اس دلچسپ اور اہم اجتماع میں ہر ملک کے نائی شریک ہو کر اپنے پیشے کی نمائش کرتے ہیں، اور اپنے متعلقہ معاملات و ضروریات پر غور و بحث بھی کرتے ہیں، بال سنوارنے کے بڑے بڑے ماہر اس میلے میں آکر بالوں کو ملائم، چمکدار اور حسین بنانے کے متعلق اپنے تجربات اور معلومات سے پبلک اور اپنے ہم پیشہ لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، دُور دراز ممالک اطراف سے ہیئر ڈریسر اور ہیئر کٹر بال سنوارنے اور بال تراشنے کے نئے نئے فیشن اور طریقے دیکھنے آتے ہیں۔ ان کاموں میں خاص مہارت اور تجربہ رکھنے والے میلے میں ہونیوالے مختلف مقابلوں میں حصہ لیکر بڑے بڑے انعامات حاصل کرتے ہیں۔

اولمپیا کا یہ نائی میلا یورپ بھر میں مشہور ہے۔ اس میں دُنیا کے کونے کونے کے لاکھوں زندہ دل شوقین اور فیشن پرست جمع ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے سیلونوں کے مالک ہاتھوں میں چیک بک لئے صرف اس لئے میلے کو دیکھتے پھرتے ہیں کہ اگر کہیں کوئی ہوشیار اور ماہر فن کاریگر مل جائے تو اُسے اپنے سیلون میں کام چلانے کیلئے لیجائیں۔

کچھ عرصہ پہلے یہ میلہ بہت مختصر پیمانے پر ہوتا تھا۔ اور ایک کاروباری نمائش کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن جب اس میں حسن کی افزائش اور ترقی کے طرح طرح کے طریقوں کی نمائش ہونے لگی۔ تو یورپ کی فیشن پرست اور شوقین مزاج عورتوں کو اس سے غیر معمولی دلچسپی ہوگئی، انہوں نے سنو، کریم، پاؤڈر اور اسی طرح کی دوسری چیزیں جو حسن و جمال کی افزائش و آرائش میں مدد و معاون ہو سکتی تھیں خریدنے کے لئے آکر اس میلے کو چمکا دیا۔

بہرکیف اب یہ میلہ بڑے شاندار پیمانے پر قائم ہوتا ہے۔ بڑے بڑے دکاندار آتے ہیں اور اپنی اپنی دُکانوں کو نہایت دلچسپ اور جاذب توجہ طریقوں سے آراستہ کرتے ہیں، کریم، سنو، تیل، صابن، عطر وغیرہ کی دکانیں خصوصیت کے ساتھ آتی ہیں۔

اس میلے میں جو عورتیں شریک ہوتی ہیں وہ بغیر قیمت نمونے کے طور پر عطر، پاؤڈر، تیل، کریم، سنو وغیرہ کافی مقدار میں دے جاتی ہیں۔ بلا معاوضہ بال سنوارنے اور افزائش حسن پر اہم اور معلومات افزا تقریریں سنتی ہیں، اور جو عورتیں زیادہ خوش قسمت ہوتی ہیں انہیں بال سنوارنے کی برقی لہروں کے لینے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ ذرا اس میں دقت یہ ہوتی ہے کہ دکاندار تماشائیوں کے سامنے کھلے عام بٹھا کر لہر لگاتا ہے۔ اس لئے ہر عورت لہر لینے کیلئے تیار نہیں ہوتی پھر بھی کچھ نہ کچھ ایسی دلیر اور من چلی عورتیں نکل ہی آتی ہیں جو اس طرح بھی لہر لینے کیلئے تیار ہو جاتی ہیں۔

لہر دینے کی مشین اور اُسکے عمل کی کیفیت بھی قابل ذکر ہے مشین میں بہت سے تار لپٹے رہتے ہیں لہر دینے کیلئے جس شخص کے سر پر وہ مشین رکھی جاتی ہے اسکی صورت عجیب طرح کی ہو جاتی ہے۔ بال کو گھنگرالا بنانے کی مشین بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہوتی۔ اس میں تار اور دھات کی پولی نلکیاں لگی رہتی ہیں۔ ایک ہائی پاور لیمپ بھی لگا رہتا ہے۔ جو شخص بال گھنگرالے بنوانا چاہتا ہے اُسے کرسی پر بٹھا کر اُسکے سر پر مشین باندھ دیتے ہیں۔ اور ہائی پاور کا لیمپ جلایا جاتا ہے۔ لوگ شوق کے نشے میں ان کاموں کے لئے بیٹھ تو جاتے ہیں مگر لوگوں کے سامنے احمق ہی بنتے ہیں ایک طرف تو گرمی کے مارے ان کا حال بُرا ہوتا ہے اُوپر سے تماشائیوں کے فقرے اور آوازے سننے پڑتے ہیں۔

نائیوں کے اس میلے میں یورپ کی بڑی بڑی فرمیں اپنی دکانیں بھیجتی ہیں۔ ان دکانوں میں تجربہ کار اور ہوشیار مردوں اور عورتوں کو کام کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ بال تراشنے اور سنوارنے کیلئے جدید سے جدید قسم کی مشینیں استعمال کیجاتی ہیں۔ دکاندار لوگ تماشائیوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے طرح طرح کی صورتیں کام میں لاتے ہیں وہ صرف اپنے حسن افزا طریقوں کی نمائش ہی تو کرتے ہی ہیں اس کے ساتھ طرح طرح کے مقابلے جاری کر کے بھی لوگوں کی بھیڑ جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ٹینس ٹورنامنٹ کی طرح بال کاٹنے اور سنوارنے والوں کا بھی ٹورنامنٹ ہوتا ہے اور جو شخص سب سے اچھے بال تراشتا یا سنوارتا ہے اُسے معقول انعام ملتا ہے اور اُسکے ساتھ ہی اسکی تنخواہ میں بھی دس پونڈ تک اضافہ کیا جاتا ہے۔ کافی شہرت اور ناموری حاصل ہو جانے کے باعث ان کا مستقبل چمک اُٹھتا ہے یہ کبھی بیکار تو رہنے ہی نہیں پاتے ہر سیلون اچھی سے اچھی تنخواہ پر اپنے ہاں رکھنے پر تیار رہتا ہے۔

۱۹۳۸ء میں سب سے زیادہ دیر تک قائم رہنے والی لہروں کے "ورلڈ چیمپین شپ" کیلئے ایک سو پونڈ انعام رکھا گیا تھا۔ اسی طرح ۱۹۳۹ء میں سب سے عمدہ ہیئر اسٹائل کے لئے "ڈرین ہولیس شیمپو" نامی کمپنی کی طرف سے سو پونڈ کا خاص انعام مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ کمپنی مذکور کی طرف سے چھوٹے موٹے متعدد اور انعامات بھی تھے۔

(بقیہ صفحہ ۴۹ پر دیکھو)

چاندنی رات میں

از حضرت سلطان [illegible]

مولوی احمد علی لڑائی اور جنگ میں اچھی شہرت رکھتا تھا وہ کئی جہادوں میں شریک ہو چکا تھا وہ دبلا پتلا اور بالکل منحنی مولوی تھا اس کے تخیلات بلند اور حیلہ سازی سے پاک تھے وہ عقائد کا بہت پکا تھا اور اس میں کبھی لغزش نہ ہوتی تھی۔ اسے راست بازی اور سچائی کے ساتھ یقین تھا کہ وہ اپنے خالق اور خدا کو پہچانتا ہے اور اسکی مرضی کے متعلق عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اچھا کرتا ہے۔ اور اس میں مخلوق کے لئے منفعت اور مصلحت ہوتی ہے۔

جب وہ اپنے گاؤں کی چھوٹی مسجد کی طرف جاتا تو اکثر راہ میں اُسکے دماغ میں اس قسم کے خیالات اور سوالات اٹھتے کہ "خدا نے ایسا کیوں کیا"؟ اسکے بعد خود ہی اس کا جواب سوچتا کہ خدا نے کا یہ جواب دیا ہوگا۔ اس کے دل کو تسکین ہو جاتی۔ کبھی کبھی وہ سوچتے سوچتے زور سے بڑبڑا اُٹھتا "اے میرے معبود! تیری کارسازی سب پر ظاہر ہے" پھر وہ اپنے آپ سے کہتا "میں خدا کا ناچیز بندہ ہوں یہ میرا فرض ہے کہ اس کے احکام کو عقل اور اسباب علل سے سمجھنے کی کوشش کروں اور اگر سمجھ بھی نہ سکوں پھر بھی ان پر عمل کروں"۔

نیچر کی ہر چیز اُسے ایسی معلوم ہوتا تھا کہ کسی منطقی استدلال کے ماتحت نظر بنائی گئی ہے "کیوں"؟ اور اس لئے وہ اس کا توازن قائم رکھتی ہے۔ صبح اس لئے بنائی گئی ہے کہ ہم خواب سے خوش بیدار ہوں . . . . دن اس لئے کہ وہ ہماری فصلوں کی پیداوار کو پکا کر تیار کرے۔ برسات انکی آبیاری کے لئے بنائی گئی ہے۔ شام سونے کی تیاری کے لئے اور اندھیری راتیں آرام کے لئے بنائی گئی ہیں۔ چار موسم زراعت کی پیداوار کو پورا کرتے ہیں اس لئے مولوی کبھی یہ خیال نہ کر سکا کہ نیچر کے تمام کام مصلحت پر مبنی نہیں ہیں اور کوئی کام غیر مفید ہو سکتا ہے۔ ہر ذی روح کو ان چیزوں کی بہت سخت ضرورت ہے خواہ وہ موسم ہو یا اور کوئی شے۔

لیکن اسے عورت سے سخت نفرت تھی اور یہ چیز بالکل غیر ارادی تھی کہ وہ کیوں اس ابنائے جنس سے نفرت کرتا ہے وہ اکثر ایک مشہور پیغمبر کے ان الفاظ کو دہرایا کرتا تھا "اے عورت مجھے تیرے ساتھ کیا کرنا چاہیئے تو میرے کس کام کی ہے تو نے حضرت آدم کو گندم کھلا کر جنت سے باہر نکلوایا۔ میرا خیال ہے خدا بھی عورت کو اپنے ہاتھ سے بنا کر سخت ناخوش ہوا ہوگا۔ عورت اسکے نزدیک ایک قابل نفرت چیز ہے عورت! جسکی شعراء اس قدر تعریف کرتے ہیں وہ پہلی ذات ہے جس نے سب سے پہلے آدمی کو گناہ آلودہ کیا اور اب تک اُسکی گمراہی جاری ہے وہ کمزور اور خطرناک ہونے کے علاوہ ایک معمہ بھی ہے جس طرح وہ اُنکے جسم سے نفرت کرتا تھا اسی طرح اُن کے محبت بھرے دل سے بھی از حد متنفر تھا"۔

اُسے اکثر اس کا احساس ہوا کہ عورتوں نے اُس سے اپنی محبت کا اظہار کیا مگر یہ جانتے ہوئے بھی اُس نے انکی طرف التفات نہ کی بلکہ اسے ان پر اور انکی محبت سے از حد غصہ آیا۔ اُسکے خیال سے خدا نے عورت کو اس لئے پیدا کیا تھا کہ وہ آدمی کو بہلا پھسلا کر بُرائی کی طرف راغب کرے اور انسان کا اسطرح امتحان ہوتا رہے ہر شخص کو اس کے پاس حملہ سے بچنے کے لئے تیار ہو کر جانا چاہیئے۔ کہ اسکی شکل مکروفریب کے جال سے ملتی جلتی ہے خصوصاً اس وقت جبکہ اُس کا منہ کھلا اور ہاتھ آدمی کی طرف پھیلے ہوں۔ گاؤں کی عورتیں اُس کی عزت کرتی تھیں مگر وہ ان سے دُور بھاگتا تھا۔

اسکی ایک بھتیجی تھی جو اس کی ماں کے ساتھ ایک پاس کے مکان میں رہتی تھی۔ وہ بہت خوبصورت تھی صنعت خداوندی کا بہترین نمونہ۔ جب مولوی اسکو پڑھاتا تھا تو وہ ہنسا کرتی تھی جب اسے غصہ آتا تو وہ گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ جایا کرتی۔ اسکی چہلوں سے مولوی کو ایک خاص قسم کا لُطف حاصل ہوتا اور وہ اپنا غصہ بھول جایا کرتا تھا۔ وہ اکثر اس سے اپنے خدا کا تذکرہ کیا کرتا تھا۔ اُسکے ساتھ بہکتا ہوا وہ بہت دُور تک نکل جاتا۔ وہ اسکی گفتگو مشکل ہی سے سنتی تھی زیادہ تر زمین یا آسمان کی طرف دیکھا کرتی تھی کبھی کبھی وہ تتلی پکڑ کے لاتی اور کہتی دیکھئے چچا یہ کیسی خوبصورت ہے میں اسے پیار کرتی ہوں۔ مولوی کسی چیز کو چومنا چاٹنا پسند نہ کرتا تھا اس سے اسے عورتوں کی عیارانہ محبت کی یاد آجاتی تھی۔

ایک دن مولوی کی ماما نے آہستہ سے اُسکے کان میں کہا کہ اُسکی بھتیجی سے ایک شخص محبت کرتا تھا۔ اسکے دل کو دھکا سا لگا اور جلد جلد سانس لینے لگا۔ وہ کوئی کتاب پڑھ رہا تھا جب ذرا اُس کے حواس ٹھکانے ہوئے تو اُس نے چلا کر کہا "تم جھوٹ اور غلط بکتی ہو"۔ ماما نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "سرکار اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ سے خدا سمجھے میں آپ سے سچ عرض کرتی ہوں کہ جب آپکی بہن سو جاتی ہیں تو وہ روز رات کو کہیں باہر جاتی ہے اور وہ دونوں دریا کے کنارے ملتے ہیں۔ اگر یقین نہ ہو تو آپ دس اور بارہ بجے کے درمیان بذات خود اُنہیں دیکھ سکتے ہیں"۔ اُس نے کتاب پڑھنا چھوڑ دی اور تمام دن بڑی مشکل سے

گذرا اور کسی سے بات چیت نہ کی اس کا غصہ دم بدم بڑھتا رہا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اب تک اسے دھوکا دیا گیا وہ اپنی بھتیجی کا سرپرست اور نگران تھا۔ اسے ذرا سی بچی نے دھوکا دیا اور چالبازی سے بغیر اس کی مرضی کے اپنا خاوند آپ پسند کر لیا ہے۔ اسے وہ برداشت نہ کر سکا۔ کھانے کے بعد اس نے کچھ پڑھنے کی کوشش کی مگر اس کا دل اس میں نہ لگا۔ رات کو جب گھڑی نے دس بجائے تو اُس نے اپنا موٹا عصا سنبھالا جس کو وہ سیر کے وقت ساتھ لے جاتا تھا اس نے مسکراتے ہوئے لکڑی پر نگاہ ڈالی اور دھمکاتے ہوئے گھمایا۔ فوراً کھڑا ہو گیا۔ دانت پیستے ہوئے روانہ ہوا مگر جب اس نے دروازہ کھولا تو خوبصورت و شاندار چاند کو چمکتے دیکھ کر اس کا تخیل خدا کی حمد و ثنا میں مشغول ہو گیا۔ اسے معلوم ہوا۔ واقعی شعراء چاندنی رات کی بیک تعریف کرتے ہیں۔ وہ کیف و سرور میں محو ہو گیا اس کا چھوٹا باغیچہ روشنی سے منور ہو رہا تھا۔ درختوں کی قطاریں اپنا ہلکا سایہ زمین پر ڈال رہی تھیں پھولوں کی بھینی بھینی لطیف خوشبو مشام جان کو محظوظ کر رہی تھی غرض ایک عجیب سماں تھا وہ زور زور سے سانس کھینچنے لگا گویا وہ ہوا کو اس طرح جذب کر رہا تھا جس طرح مست شرابی شراب پیتا ہے اور دھیرے دھیرے چلنے لگا وہ جس مقصد کے لئے گھر سے نکلا تھا اسے قطعی بھول گیا۔ جب وہ کھلے میدان میں پہنچا صاف و شفاف آسمان کو جو کہ اس وقت بادل سے خالی تھا دیکھنے کے لئے رُک گیا کہیں کہیں دُور پر مینڈک جھینگر اور درماندہ کوئل کی صدائیں خوشنما نغمے معلوم ہوتے تھے جو بیداری کی دنیا سے اُسے خواب کی طرف لیجا رہے اور ہوائی نغمے اسے بیتاب کئے دیتے رہتے تھے۔

مولوی دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کون و مکان سے بے خبر دل ہی دل میں صانع حقیقی کی تعریف کرتا جا رہا تھا جب وہ ایک چشمہ کے قریب پہنچا۔ چاند کی کرنیں شفاف پانی پر چاندی کی طرح بکھر رہی تھیں۔ چشمہ کا پانی ناگن کی طرح بل کھاتا بہہ رہا تھا۔ مولوی بیٹھ گیا اسکے دل میں جذبات و ہیجانات کا طوفان اُمڈ رہا تھا اور اُسکا دل پھر ایک پُرانے مسئلے کی طرف رجوع ہوا جس پر کہ وہ اکثر غور کر چکا تھا۔

خدا نے یہ سب کیوں اور کس لئے پیدا کیا ہے؟ جبکہ رات سونے اور آرام کرنے کیلئے بنائی ہے تو پھر بمقابلہ دن کے اتنی عمدہ اور خوبصورت کیوں ہے...... یہ شام سے اچھی کیوں ہے؟..... یہ چاند اور ستارے سورج سے زیادہ شعریت سے لبریز خوشنما اور خوشگوار کیوں ہیں؟..... پھر رات کو دن پر فضیلت کیوں حاصل ہے؟...... یہ خوبصورت گانے والے پرندے اور دوسرے پرندوں کی طرح آرام کیوں نہیں کرتے؟ رات کو خاموش کیوں نہیں رہتے کیا انکے چہچہانے کا صرف یہی وقت ہے...... رات ہی کو یہ خاموشی اور سکون کیوں ہوتا ہے؟...... رات کی یہ خوشنمائی کس کام کی ہے جبکہ سب لوگ آرام کرتے ہیں......

...... یہ شعریت رات ہی میں کیوں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ مولوی اسکو نہ سمجھ سکا۔

مگر وہ دیکھو اس میدان کے اس جانب درختوں کے جھنڈ میں دو سائے ساتھ ساتھ نظر آ رہے ہیں۔ آدمی ذرا کچھ لمبا ہے اور اپنی محبوبہ کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے وقتاً فوقتاً اس کی پیشانی کا بوسہ لیتا ہے اسکی وجہ سے اس خوشنما نظارہ میں اور بھی لطف پیدا ہو گیا ہے وہ دونوں ایک دل اور ایک جان ہو گئے ہیں۔ شب کو تمام رعنائیاں انہیں کی وجہ سے دی گئی ہیں...... یہ رات انہیں کیلئے بنائی گئی ہے...... مولوی کے سامنے اسکے سوال کا زندہ جواب خدا کی طرف سے موجود تھا اسکے دل پر یہ باتیں منکشف ہو گئیں۔ اُسکا دل بھر آیا اور دل ہی دل میں دھڑکن تیز ہو گئی اس نے خود سے کہا شاید خدا نے رات کو رومان کیلئے بنایا ہے وہ اس جوڑے کو دیکھنے سے لوٹنے لگا جو اس وقت سیر کر رہا تھا لڑکی یقیناً اسکی بھتیجی تھی...... مگر وہ خدا کی نافرمانی نہیں کر رہے کیا یہ ہو سکتا کہ یہ محبت خدا کے نزدیک جائز نہ ہو وہ فوراً گھبرا کر الٹا لوٹ پڑا اسے ندامت ہو رہی تھی کہ وہ ایسی عبادت گاہ میں کیوں چلا آیا جہاں آنے کا اُسے حق نہیں ہے۔

ہائے کیا ہونے کو ہے؟

از حضرت علامہ رسا ہمدانی ٹریل ایم اے

پھر مجھے اک چودھویں کا چاند آیا ہے نظر ... پھر ہوا درد جگر، پھر دل فدا ہونے کو ہے

کھُب گیا ہے دل میں میرے پھر کسی کا بانکپن ... پھر خرام ناز سے محشر بپا ہونے کو ہے

وہ لب گلرنگ۔ وہ مست آنکھ۔ وہ ترچھی نگہ ... پھر پشیماں اس کی شوخی سے حیا ہونے کو ہے

پھر جبیں پہ بل ہے۔ سُرخی رُخ پہ۔ ضد ہر بات میں ... حُسن کے پردے میں آغازِ جفا ہونے کو ہے

کچھ تبسم۔ کچھ جھجک، کچھ بے رُخی کچھ شوخیاں ... پھر پیام حُسن و اُلفت یوں ادا ہونے کو ہے

پہلے کیا کم سختیاں ہیں نے اُٹھائیں اے رسا

پھر جو میرا حال یہ ہے، ہائے کیا ہونے کو ہے

پریم نگر کو

افسانہ

غزالہ کی کشتیٔ حیات زندگی کے بحرِ بیکراں میں بھٹک رہی تھی۔ حوادثِ زمانہ کے تلاطم خیز تھپیڑوں اور بادِ غم کے ہلاکت آفریں جھونکوں نے اسے ساحلِ مراد سے بہت دور کر دیا تھا۔ سماج کے بنائے ناخداؤں نے خود ہی اپنی امیدوں کی کشتی کو بحرِ طوفان خیز میں غرق ہونے کو اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بالکل اس طائرِ مظلوم کی مانند تھی۔ جسے صیاد پنجرہ میں قید کر کے خود کہیں چلا گیا ہو۔ اُسے قفس کی آہنی دیواروں سے سر پھوڑنے کیلئے چھوڑ کر۔ اس کی زندگی کی تگ و دو اس شخص کی خدمت کرنے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی جس سے اسے اُنس تک نہ تھا۔ اس کی ازدواجی زندگی اس شخص سے وابستہ کر دی گئی تھی جو اس کیلئے کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ وہ ایک سازِ شکستہ تھی جس کے تاروں سے سوائے ٹوٹے ہوئے نغموں کے سماعت کو کچھ حاصل نہ ہوتا تھا۔ وہ اس کلی کی مانند تھی جسے کھلنے سے پہلے ہی بادِ سموم کے جھونکے نے آلودہ خاک کر دیا ہو۔ اس کی داستانِ حیات بہت یاس انگیز تھی۔ سماج کے اجارہ داروں نے اس شخص کو اس سے زبردستی جُدا کر دیا تھا جس سے اُسے محبت تھی۔ مگر ...... جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔

اس کا بچپن اپنے چھوٹے سے گاؤں میں نہایت مسرت و اطمینان سے گزرا مگر اس کا شباب اس کیلئے پیامِ مرگ لے کر آیا۔ اس کی زندگی کی چودھویں بہار پورے شباب پر تھی۔ وہ اس مینا کی طرح تھی جو چھلکنے کے قریب ہو۔ اس کا شباب اس کے ہر عضو سے پھٹا پڑتا تھا۔ اسکی حرکت حیرت انگیز تھی وہ حُسن و جوانی کی مکمل تصویر تھی۔

میرن پور گاؤں تو چھوٹا سا تھا مگر فطرت کی رنگینیوں کا مرکز۔ بہار کا موسم تھا۔ ہر پھول اور سبزہ آنکھ کو دعوتِ نظارہ دیتا تھا۔ گاؤں ایک حسین وادی کے مرکز میں واقع تھا۔ چاروں طرف خوبصورت پہاڑیاں تھیں جن میں سرد اور میٹھے پانی کے چشمے نہایت مترنم آواز میں بہتے تھے۔ گاؤں کی نوجوان دوشیزائیں ہر روز صبح سویرے ان چشموں سے پانی بھرنے ٹولیوں میں ہنستی کھلکھلاتی گذرتیں گاؤں کے رنگین مزاج نوجوان راستوں میں، چٹانوں کے عقب میں، درختوں کی اوٹ میں چھپے اُن کی شرارت آمیز اور معصوم باتوں سے لطف اندوز ہونے کیلئے چھپے رہتے۔

انہی دنوں وہاں ایک شہری نوجوان وارد ہوا۔ وہ مصور تھا اور شاعر۔ شہر کی ہنگامہ آرائیوں سے پناہ لینے وہ اس چھوٹی سی جنتِ ارضی میں آ مقیم ہوا۔ اسے اس جگہ کا سکون و خوبصورت وادی اور سب سے بڑھ کر وہاں کے جمالیاتی ماحول نے بہت پسند آئے۔ اس نے وہاں ایک ماہ بسر کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ وہ اپنے ایک شناسا کے یہاں جو مقامی سکول میں مدرس تھا، اقامت پذیر ہوا۔

اس کا روزانہ معمول تھا کہ وہ صبح سویرے سیر کرنے اور فطرت کی رنگینیاں دیکھنے گاؤں سے بہت دور نکل جایا کرتا تھا۔ وہاں کسی چٹان پر یا کسی چشمے کے کنارے بیٹھ کر شعر کہنے لگتا یا اگر کوئی بہت ہی حسین منظر پیش نظر ہوتا تو اس کو زینتِ قرطاس کرنے لگتا۔ گاؤں کی لڑکیاں اس کو دیکھتیں وہ قدرتاً اسکو دوسرے دیہاتی نوجوانوں سے مختلف پاتیں۔ اس کے متعلق آپس میں چہ میگوئیاں کرتیں۔ اور یا آخر اسی طرح چُہلیں کرتی گزر جاتیں۔ کلیم (یہی اس نوجوان کا نام تھا) یہ تماشہ ہر روز مشاہدہ کرتا۔ اسکی شاعرانہ روح کی بالیدگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا سامان ہو سکتا تھا۔ وہ اُن معصوم دوشیزاؤں کی ان طفلانہ حرکتوں سے ایک قسم کا حظ محسوس کرتا تھا۔ اُسے خبر نہ تھی کہ یہی حظ اُسے ایک دن برباد کر دیگا۔ آہ مستقبل کی کسی کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

ایک دن دوپہر کے وقت جب وہ اپنے کمرے میں بیٹھا غالب کی مشہور غزل

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟

دھیمے سُروں میں گنگنا رہا تھا تو یک لخت ایک کاغذ کا پُرزہ لے کر آئی اور دور سے اس کی طرف پھینک کر بھاگ گئی۔ کلیم فرطِ حیرت سے اُٹھا اور وہ پُرزہ اُٹھا لیا۔ پُرزے پر ایک شعر رقم تھا

جب سے دیکھا ہے تمہیں یہ دل بہلتا ہی نہیں

ہے نہ سحر محبوب آف تو کس بلا کا ہے میں

شعر کے نیچے لکھا تھا۔ غزالہ - ایک برقی رو تھی جو کلیم کے سر سے لے کر پیر تک دوڑ گئی۔ اوّل تو اسے کچھ سمجھ ہی نہ آیا۔ زمین و آسمان اُسے چکر لگاتے محسوس ہوئے۔ آخر کچھ دیر بعد جب حواس پر قابو پایا تو سوچنے لگا "یہ غزالہ کون ہے؟ ان چھوٹی سی بستی میں یہ کون سراپا شعریت ہے۔ میں نے تو اسے کہیں دیکھا بھی نہیں۔ پھر اس گاؤں کی دوشیزاؤں کا اُسے دیکھ کر آپس میں ہنسی مذاق اور چہ میگوئیاں کرنا یاد آیا۔ سوچا شاید انہی میں سے کوئی ہو۔ آخر جب سوچ سوچ کر تھک گیا تو دوست کا انتظار کرنے لگا۔ شاید اس سے کچھ معلوم ہو جائے۔ جب تین بجے کے قریب مدرس سکول سے واپس آیا تو اس سے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ تمام سبب پوچھ کر بولا "غزالہ تو اس گاؤں کے نمبردار کی اکلوتی بیٹی ہے۔ وہ کافی پڑھی لکھی ہے اور بہت حسین"۔ یہ الفاظ

کیا تھے۔ امرت کے قطرے تھے جنہوں نے پژمردہ اور خاموش کلیم میں ایک روح پھونک دی۔ بالکل اس طرح جیسے گرمیوں کی تیز دھوپ میں جھلسا ہوا پودا ساون کی بارش کے چند چھینٹوں سے جی اٹھتا ہے یا جس طرح قریب المرگ مریض کی رگوں میں تازہ خون داخل کرنے سے اس میں دوبارہ جان پڑ جاتی ہے۔ اس کا دوست نسیم چونکہ شادی شدہ تھا۔ اس نے ان بکھیڑوں میں الجھنے سے احتراز کیا اور ساتھ ہی کلیم کو سمجھا دیا کہ وہ اس خط کو کسی قسم کی اہمیت نہ دے۔ مگر کلیم کب باز آنے والا تھا۔ ایک بھوکے کو دعوت شیرینی دی جائے اور وہ انکار کرے بھلا یہ ممکن ہے۔ اس نے لو لگانا شروع کی۔ دوسرے دن صبح جب وہ سیر کو چلا تو راستے میں چاروں طرف دیکھتا رہا۔ شاید کہیں محبوب کا چہرہ نظر آجائے۔ اتنے میں اسے سامنے سے ایک لڑکی آتی دکھائی دی۔ اس کے ساتھ وہی کل والی بچی تھی۔ قیافہ شناس کلیم سمجھ گیا کہ یہی غزالہ ہے۔ غزالہ واقعی بلا کی حسین تھی۔ اسم بامسمیٰ۔ اس کی آنکھیں غزالی۔ بڑی اور مخمل جیسی نرمی لئے ہوئے شباب سے مخمور۔ کلیم (؟) مسحور کن پیکر رعنائی کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ دوشیزہ مسکرا دی۔ کیوپڈ نے کمان تان لی اور آن واحد میں کلیم کا دل مجروح کر دیا۔

تمام دن کلیم کا موئے قلم اک خیالی شکل کو زینت قرطاس کرتا رہا۔ نسیم کے سکول میں موسم بہار کی تعطیلات ہو گئی تھیں۔ اسلئے وہ اس دن دوپہر کی لاری سے اپنے گاؤں بال بچوں کے پاس چلا گیا۔ جاتے وقت بطور نصیحت کہنے لگا "خبردار کلیم کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھنا جس سے میری بدنامی ہو بلکہ بہتر ہوتا تم میرے ساتھ چلتے" کلیم بولا "نہیں یار میں کوئی بچہ ہوں تم کچھ فکر نہ کرو۔ کلیم اتنا کچا نہیں" آخر نسیم مجبوراً اکیلا ہی روانہ ہو گیا۔

شام ہوئی۔ رات آئی کلیم برآمدے میں چارپائی ڈالے خاموش بیٹھا تھا کسی کے تصور میں گم کہ اتنے میں آہستہ سے دستک ہوئی۔ کلیم نے ستے ہی بجلی کی سرعت سے اٹھا اور جا کر دروازہ کھول دیا۔ دیکھا وہی پیکر شباب سراپا حجاب بنی کھڑی ہے۔ کلیم نے راستہ چھوڑ دیا۔ اور غزالہ اندر داخل ہو گئی۔ کلیم نے دروازہ بند کر دیا اور لا کر پلنگ پر بٹھایا۔ غزالہ خاموش بیٹھ گئی۔ حیا سے پلکیں جھکی ہوئی۔ شرم سے چہرہ ارغوانی۔ دل میں ہزاروں ولولے مگر زبان خاموش۔ کلیم کی مسرت کی انتہا نہ تھی۔ دونوں خاموش۔ دل دھڑک رہے تھے۔ آخر کلیم نے خیریت پوچھی۔ جواب فقط شرمیلی مسکراہٹ سے دیا گیا۔ دونوں اک دوسرے کیلئے بالکل اجنبی۔ پہلی ملاقات۔ مگر محبت کی نامحسوس کارروائی کی بدولت یک جان، دو قالب ہو گئے۔ یہ محبت ہی تھی جس نے ایک دوشیزہ کو ایک اجنبی نوجوان کے پاس رات کے وقت بے دھڑک چلے جانے کی جرأت عطا کی۔ یہ محبت ہی تھی کہ ایک نوجوان نے ایک دوشیزہ کو رات کے وقت اپنے پاس اکیلے پایا۔ مگر کوئی ناپاک خیال یا سفلی جذبہ تک دل و دماغ میں پیدا نہ ہوا۔ سچ ہے محبت ہوتی ہی پاک ہے۔ ناپاک محبت، محبت کا نام پانے کی مستحق ہی نہیں۔ دونوں کچھ دیر بیٹھے رہے۔ اس تمام عرصہ میں بمشکل چار یا پانچ بار ہمکلام ہوئے ورنہ خاموشی ۔۔۔۔ سرور انگیز خاموشی۔ آخر غزالہ جانے کو اٹھی۔ کلیم نے روکا نہیں۔ دروازے تک رخصت کر کے واپس چلا آیا۔ بستر پر دراز ہو کر کچھ دیر مسرور کن خیالات میں محو رہا۔ آخر نیند آگئی اور سو گیا۔

اسی طرح ان دونوں کی ملاقاتیں ہر روز ہوتیں۔ غزالہ کچھ دیر باتیں کرتی۔ ادھر ادھر کی معصوم باتیں ۔۔۔۔ مستقبل کی باتیں ۔۔۔۔ آہ اس مستقبل کی جسے کوئی بھی نہیں جانتا۔ کلیم وہ پیاری معصوم باتیں سنتا رہتا۔ اس کی نظریں اس کے چہرے کا طواف کرتی رہتیں۔ جب وہ چپ ہو جاتی تو کلیم محویت سے چونک پڑتا وہ چاہتا یہ باتیں کبھی ختم نہ ہوں۔ وہ یونہی سنتا رہے وہ یونہی سناتی رہے۔ حتیٰ کہ زندگی کا یہ سفر اپنی مسافت ۔۔۔۔ طویل مسافت طے کر لے۔ وہ دونوں اکثر اپنا مستقبل سوچا کرتے ان کی گفتگو کے محبت کا بیشتر حصہ اسی موضوع کے متعلق ہوتا۔ غزالہ کہتی "یہ ہم کب تک یوں چھپ چھپ کے ملاقاتیں کرتے رہیں گے۔ جب آپ کے دوست نسیم آجائیں گے یا جب آپ چلے جائیں گے تو کیا ہوگا؟" کلیم اسے دلاسہ دیتا کہتا "نہیں میں تمام عمر یہیں گزار دونگا ۔۔۔ اگر کہیں گیا بھی تو تم کو بھی ساتھ لے جاؤنگا تمہارے بغیر میری زندگی دشوار ہو جائیگی۔ اس زندگی کے دشوار گزار راستوں کو ہم دونوں اکٹھے ہی طے کرینگے۔ کوئی طاقت ہم کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتی" یہ تھا ان کی تمام باتوں کا ماحصل۔ وہ یونہی باتیں کرتے رہتے حتیٰ کہ غزالہ گھر جانے کو اٹھ کھڑی ہوتی۔ کلیم اٹھ کر اس کے ہاتھ کو مؤدبانہ بوسہ دیتا اور وہ رخصت ہو جاتی۔

کلیم اب بجائے تصاویر بنانے کے زیادہ تر اشعار کہنے لگا۔ اب اس کے اشعار حقیقت کا پہلو لئے ہوئے تھے وہ جو کچھ لکھتا خود محسوس کر کے لکھتا۔ جب وہ محبت کی کیفیت بیان کرتا تو اس قدر حقیقت نما پیرایہ استعمال کرتا کہ حساس دل تڑپ کر رہ جائے۔ وہ عموماً حزینہ اشعار کہنے سے گریز کرتا۔ کیونکہ ان دنوں اسے محبوب کا قرب حاصل تھا۔

دن گزرتے گئے۔ ایک دن کلیم کو ایک تار وصول ہوا جس میں اس کی والدہ کی بیماری کا ذکر تھا۔ اور جلد پہنچنے کی تاکید کی گئی تھی۔ اب کلیم عجب کشمکش و پیچ میں تھا۔ ادھر والدہ کی محبت اس والدہ کی جس نے جاڑوں کی سرد اور تاریک راتوں میں خود سردی کھا کے اسے گرم کر کر کے پالا تھا۔ جس نے اس پودے کو اپنا خون پلا پلا کر پروان چڑھایا تھا۔ اور ادھر غزالہ ۔۔۔۔ وہ جس کی محبت اس کے رؤیں رؤیں میں جذب ہو گئی تھی۔ جسے وہ جان سے عزیز چاہتا تھا جس سے اس نے پاک اور بے لوث محبت کی تھی۔ کسی موہوم مستقبل کی امیدیں ۔۔۔۔ اسے گمان تک نہ تھا۔ کہ یہ امید جو بظاہر خوشنما تھی۔ اس قدر بھیانک صورت میں ظاہر ہوگی۔ اس کی

ساری تمناؤں کا خون کردیگی۔ اسے اسقدر صبر آزما آزمائش میں مبتلا کردیگی۔ اُسے ہرگز اس امر کی توقع نہ تھی۔ بہت دیر سوچتا رہا۔ ماں کو چھوڑ دوں یا محبوبۂ جان نواز کو۔ کچھ فیصلہ نہ کرسکا۔ آخر غزالہ کے انتظار میں رات کی آمد کے لمحے گنتا رہا۔

رات غزالہ حسب معمول اس کے خانۂ تاریک میں جلوہ بار ہوئی۔ آج میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی۔ کل سے میرا چچا زاد بھائی آیا ہوا ہے جس سے میری وہ کہتے کہتے رُک گئی اور رو دی۔ کلیم گھبرا گیا آخر بڑی دیر کے بعد اس نے بتایا کہ " فتح محمد سے میری نسبت کی بات چیت ہو رہی ہے۔ وہ بہت عیار آدمی ہے۔ میری کل رات کی چند لمحوں کی گھر سے غیر حاضری پر کچھ شک سا کر رہا ہے۔ والدین سے تو میں اپنی سہیلیوں شمسہ یا کچھ لرج کے پاس پڑھنے یا ملنے یا اور اسی طرح کے بہانے کرکے آجاتی رہی۔ مگر اُسے دھوکا دینا بہت دشوار ہے وہ صبح سے میری ہر حرکت کی کڑی نگرانی کر رہا ہے۔ خدا مجھے اس منحوس سے بچائے" یہ کہتے کہتے وہ رک گئی۔ کیونکہ باہر دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ غزالہ نے محسوس کیا کہ کوئی زبردستی اُسے کلیم سے ہٹائے لئے جا رہا ہے۔ وہ کلیم سے چمٹ گئی۔

اتنے میں دروازے پر زور سے دستک ہوئی۔ ساتھ ہی آواز بھی آئی " دروازہ کھولو" غزالہ کانپ گئی کیونکہ یہ اس کے چچا زاد بھائی فتح محمد کی آواز تھی۔ کلیم اُٹھا اور اُسے ایک کواڑ کے پیچھے چھپا رہنے کو کہکر دروازہ کھول دیا۔ فتح محمد نہایت غصہ کی حالت میں اندر داخل ہوا۔ پوچھا " سچ بتا غزالہ کہاں ہے نہیں تو ابھی جان سے ہاتھ دھونا پڑیگے" کلیم بولا " ذرا تہذیب سے بات کرو کیوں آپے سے باہر ہوئے جاتے ہو۔ غزالہ وزالہ یہاں کوئی نہیں، میں کسی کو نہیں جانتا۔" مگر فتح محمد کو کون سمجھائے " کیوں جھوٹ بکواس کرتے ہو وہ میرے سامنے یہاں داخل ہوئی ہے" اتنے میں اس کی نظر چھپی ہوئی معصومہ پر جا پڑی۔ فوراً لپک کر اُسے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا وہ مرد سفاک اُسے کلیم سے جدا کرکے لے گیا کلیم فرطِ غم سے غش کھا کر گر پڑا۔

قریباً رات کے بارہ بجے اُسے ہوش آیا۔ ہوش آتے ہی پھر گزشتہ واقعات آہستہ آہستہ اس کے ذہن نشین ہونے لگے۔ تمام واقعہ ...... غزالہ کا گھبراہٹ میں آکر اس سے باتیں کرنا۔ اس سیہ رُو کا آنا۔ اور غزالہ کو گھسیٹ کر لیجانا۔ یہ سب واقعات سینما کی متحرک تصاویر کی طرح اس کے پردۂ دماغ پر آئے۔ آخری سین سے اس کے دل کو ایک زبردست دھکا لگا۔ وہ بدحواس ہوکر ادھر اُدھر پھرنے لگا۔ ایک خیال آتا کہ چلکر دیکھنا چاہیئے۔ اس بیچاری کی کیا حالت ہے۔ پھر خود ہی اس کی بدنامی کے خیال سے رُک جاتا۔ آخر ہار کر چارپائی پر گر پڑا۔ اپنی بیچارگی اور اس کی بیکسی پر آنسو بہاتا رہا۔ آنسو بہاتے بہاتے صبح کردی۔

شکستہ دل حسب معمول سیر کرنے چلدیا۔ کہ شاید اس طرح ہی دل بہل جائے۔ جب غزالہ کے مکان کے پاس سے گذرا۔ تو اُسکی متجسس نگاہوں نے دیکھا۔ وہ غزالی آنکھیں ایک کھڑکی کے پٹوں کے درمیان سے جھانک رہی ہیں۔ یہ نظارہ تھا کہ جان نواز جس سے اس کے پژمردہ جسم میں ترو تازگی پھر عود کر آئی۔ اُسی وقت ایک چھوٹی سی کاغذی گولی اس کے قدموں کے قریب آگری۔ کلیم نے جلدی سے جھک کر اُسے اُٹھالیا۔ اور پھر اُنہی دزدیدہ نگاہوں کی طرف دیکھا۔ جو بغور دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آنسوؤں سے تر ہیں۔ کلیم تڑپ گیا مگر ان نگاہوں نے اُسے وہاں سے آگے چلے جانے کو کہا۔ کلیم تعمیل ارشاد بجالایا۔ آگے جاکر کاغذ کھول کر پڑھا لکھا تھا :۔۔۔۔

" پیارے کلیم ! رخصت ..... کل رات کے واقعے کی وجہ سے تمام گھر خلاف ہوگیا ہے۔ میری شادی فوراً کر دینے کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ سب کو میری عفت پر شک ہے۔ میں نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنی پاکیزگی کی قسم کھائی مگر پھر بھی مکمل طور پر یقین کسی کو نہیں آیا۔ نہ آئے۔ خدا تو جانتا ہے کہ ہماری محبت کتنی پاک تھی۔ رات سے اس کوٹھری میں بند ہوں۔ شکر ہے جیب میں پاکٹ بک تھی ورنہ اپنے پیارے کو آخری خط بھی نہ لکھ سکتی۔ میں حتی الوسع اس منحوس سے شادی نہ کرونگی۔ اور بفرض محال اگر ماں باپ کے کہنے سے یا سماج کے خوف سے کربھی لی تو میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میرا جسم اس کا ہوگا مگر روح تمہاری ہے اور تمہاری رہے گی۔ ہم اگر اس دنیا میں نہیں مل سکے تو ہماری رُوحیں دوسری دنیا میں ضرور ملیں گی۔ اس وقت ہمیں کوئی جُدا نہ کر سکے گا۔ میں التجا کرتی ہوں کہ تم اپنی زندگی کو برباد نہ کرنا۔ مجھے بھولنے کی کوشش کرنا اور سب سے بڑھ کر اس گاؤں سے آج ہی رخصت ہوجانا۔ فتح محمد تو تمہیں مارنے پر تلا ہوا تھا مگر اپنے خاندان کی بدنامی کے خوف سے باز رہا۔ تم مجھے بھول جانا میں یہی سمجھونگی کہ اک خواب دیکھا تھا۔ نہ بھول سکنے والا جسے بھولنے کی کوشش کرونگی۔ تم بھی اس پاک محبت کی تمثیل کو جو ہماری زندگیوں کی سٹیج پر کھیلی گئی ہے۔ اک خواب سے زیادہ اہمیت نہ دینا۔ خدا نے چاہا اور زندگی رہی تو جانے پھر محبت کی کشش ہم کو ملا ہی دے۔ اچھا رخصت۔ فقط تمہاری غزالہ

یہ خط تھا کہ اک بجلی جو کلیم کے خرمن ہوش و حواس پہ گری اور اُسے چشم زدن میں خاک کرکے چلتی بنی۔ کلیم۔ حرماں نصیب کلیم کے آنسو ضبط نہ ہو سکے اور دو موٹے موٹے آنسوؤں کے موتی آنکھ سے نکل کر پیوند خاک ہوگئے۔ آہ اُن موتیوں میں کتنی آرزوئیں تھیں کتنی تمنائیں تھیں۔ کتنے ارمان تھے جو سب خاک میں مل گئے۔

گھر آیا تو وہی بیمار ماں بستر پر پڑا نظر آیا۔ اُٹھایا ایک بار پھر پڑھا۔ آہ تصور نے بیمار ماں کی تصویر آنکھوں میں پھرادی جو اسے دونوں ہاتھوں سے بلا رہی تھی۔ کلیم سے یہ منظر برداشت نہ ہوسکا۔ محبوبہ کی محبت پر ماں کی محبت غالب آئی۔ سجدۂ شکر ادا کیا۔ کہ اس ابتلا سے ہدایت کی راہ نظر آئی۔ اسباب باندھا اور واپس

چل کھڑا ہوا۔

اُدھر بیچاری غزالہ کی شادی دوسرے ہی دن فتح محمد سے کر دی گئی۔ فتح محمد شادی کرنے پر بظاہر رضامند نہ تھا۔ کیونکہ اسے اس کی عصمت وعفت پر شک تھا۔ وہ شریف مرد جو نجانے کتنی عورتوں کی بے حرمتی کر چکا تھا۔ بڑی مشکل سے ایک "گنہگار محبت" سے عقد کرنے پر رضامند ہوا۔ رضامند ہونا ہی تھا کیونکہ اس رضامندی کے پردہ میں فضلداد نمبردار کی ساری جائیداد پر نظر تھی۔

اس معصوم اور باعصمت دوشیزہ کو زبردستی ایک ایسے شخص کی شریک زندگی بنا دیا گیا۔ جو انسان کی شکل میں سراپا حیوان تھا۔ جسے معلوم ہی نہ تھا کہ اس قیمتی ہیرے کو کیسے رکھا جاتا ہے۔ سماج کے قوانین سے مجبور غزالہ نے اُف تک نہ کی وہ شرابِ تلخ کو امرت سمجھ کر پی گئی۔ اس نے والدین کی رضامندی کی خاطر اپنی خوشی اپنی محبت۔ اپنی زندگی غرضیکہ اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

اب وہ تھی اور اس کی یاس انگیز ازدواجی زندگی فتح محمد نے کبھی سیدھے منہ اس سے بات نہ کی اس سے جو اگر اس کی منکوحہ بیوی نہ ہوتی تو اس جیسا ہوس پرست انسان اس کی جوتیاں چاٹنا باعث توقیر سمجھتا۔

کلیم کی والدہ کا اس کے پہنچنے کے دوسرے دن ہی انتقال ہو گیا اس دوسرے صدمے نے تو بالکل ہی اس کی طبیعت اچاٹ کر دی۔ تجہیز وتکفین میں تین چار روز لگ گئے۔ قدرت کی ستم ظریفیاں دیکھئے۔ ایک کی شادی ہو رہی ہے اور دوسرے کے گھر موت برا جمان ہے۔ جس کی شادی ہے وہ اپنے کو مُردہ سے بدتر سمجھ رہی ہے۔ وہ اس شادی کو اپنی بربادی کہتی ہے۔ واہ ری دنیا! تجھ میں کیا کیا نیرنگیاں وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں۔

والدہ کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہو کر شکستہ دل نامراد کلیم پھر میرن پور پہنچا۔ اس موہوم امید پر کہ شاید اکیا پھر اس کی شکل ہی نظر آجائے۔ مگر وا حسرتا معلوم ہوا کہ فتح محمد اپنی "بیوی" کو لے کر اپنے والدین کے یہاں چلا گیا ہے۔ بیچارہ ناکام واپس لوٹا۔ اُسے غزالہ کی آخری نصیحت یاد آئی جس سے دل کو یہ کہہ کر تسکین دی کہ کچھ بھی ہو وہ اگر آج میرے پاس نہیں تو اس کا خیال تو میرے پاس ہے وہ ہے تو میری ہی۔ اس کی رُوح تو میری ہی ہے۔

ان واقعات کو تین سال کا طویل عرصہ گذر گیا۔ کلیم اس تمام عرصہ میں غم غلط کرنے کی خاطر سیر وسیاحت میں مشغول رہا۔ اس کا معمول تھا کہ ہر گاؤں ہر قصبہ اور ہر شہر کو خوب چھانتا۔ گلی گلی محلہ محلہ پھرتا۔ اک موہوم امید پر ...... غزالہ کے ملنے کی۔ ایک دن وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچا موٹر کو گاؤں سے دُور ہی چھوڑ دیا۔ حسب معمول گاؤں کا چکر لگانا شروع کر دیا۔ ایک گلی میں چلتے چلتے اس کی نظر سامنے ایک شکستہ مکان کے شکستہ تر دروازہ پر پڑی۔ جس میں ایک عورت ایک بچہ لئے کھڑی تھی۔ کلیم کو شبہ ہوا کہ یہ غزالہ ہے جب ذرا نزدیک ہوا تو پہلے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اسے زمین وآسمان گھومتے محسوس ہوئے کیونکہ سامنے اس کے خیالوں کی ملکہ کھڑی تھی مگر عدار جہ کمزور و نزد۔ آج سے تین سال پہلے کی اور آج کی غزالہ میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔

غزالہ نے بھی کلیم کو دیکھا۔ عہد گزشتہ کی بھولی بسری پاک محبت یاد آگئی۔ بے اختیار منہ سے نکل گیا "کلیم" وہ گرا ہی چاہتی تھی کہ کلیم نے دوڑ کر پکڑ لیا۔ خوبیٔ تقدیر اس وقت آمنے سامنے کوئی نہ تھا۔ ورنہ اس طرح غزالہ کا ایک اجنبی مرد سے باتیں کرنے پر ضرور حاشیہ آرائی ہوتی۔ ذرا دیر بعد غزالہ سنبھلی بولی "تم یہاں کہاں" کلیم نے مجملاً جدائی کے دن سے آج تک کے واقعات سنائے کس طرح اس کی والدہ انتقال کر گئیں۔ کس طرح وہ تین سال سے مارا مارا پھر رہا ہے۔ سیاحت کے بہلنے سے مگر دراصل اس کی تلاش میں۔ آخر اس کے خاوند کا حال پوچھا۔ غزالہ دردی بولی "وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے ایک دن کہیں شراب بہت زیادہ پی لی جس کے نشہ کی وجہ سے حواس کھو بیٹھا اور راستے میں ایک کھڈ میں گر کر مر گیا۔ والدین بھی پچھلے سال طیگ کا شکار ہو گئے۔ اس کے والدین پہلے سے اس سے ناراض ہو کر الگ ہو چکے ہیں۔ اب میں ہوں اور میری حسرتناک زندگی۔ اسکی فوجی پنشن جو بارہ روپے ماہوار آتی ہے اسی سے گذر اوقات کرتی ہوں اور موت کی دُعا مانگتی ہوں۔ مگر پھر اس بچی کا خیال آجاتا ہے جس کی وجہ سے زندہ ہوں" کلیم نے بچی کو اس کی گود سے لے لیا۔ سینے سے لگا کر پیار کیا اور کہا "تم کچھ فکر نہ کرو۔ یہ تمہاری ہی نہیں میری بھی بچی ہے دنیا نے ہم کو علیحدہ کرنے کی تو بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ چلو تم میرے ساتھ چلو۔ شکر ہے خدا نے میری محنت اور دوڑ دھوپ ٹھکانے لگائی" غزالہ نے شرم وتشکر سے نگاہیں جھکا لیں اس کا دل کہہ رہا تھا "میں تمہاری ہوں اور تمہاری ہی رہوں گی اور تھی بھی تو تمہاری ہی"

کچھ دیر بعد کلیم غزالہ اور بچی صفیہ موٹر میں بیٹھے "پریم نگر" کی طرف اڑے چلے جا رہے تھے *

انجامِ حُسن

صبح مسرت تھی ...... تبسم گلاب کے شرابی لبوں پر رقصاں تھا۔

وہ غرور حُسن میں جھوم رہا تھا ...... انجام سے بے خبر بلبل اُس پر ترانے نثار کر رہا تھا ...... وفورِ انبساط سے محبوب کا منہ چوم چوم کر تا ل ہے بے نیاز ...... آخر کہاں تک ...... شام غم کی گھڑیاں آن پہنچیں رقصِ تبسم ختم ہو گیا۔ شگفتگی پژمردگی میں بدل گئی۔ بلبل کے آتشیں نغمے سرد پڑ گئے ★

★ وہ کملا گیا۔ سرنگوں ہو گیا۔ خاکدان دہر کو بوسہ دیا — اور ابدی خاموشی میں غرق۔ (اشرف کاظمی)

کسی کے آنے کی خبر سُن کر

از جناب ساحر قدوائی

نفس نفس کا سلام تجھ پر کہ تیرا مجھ تک سلام پہنچا
برنگِ سحر بہ روح پرور، حیات افزا پیام پہنچا
خوشا مقدر زہے نصیب آج تو مرے گھر یہ آرہا ہے
قسم تری بندہ پروری کی حریم دل جگمگا رہا ہے

ترے لئے اُلفتِ ملائک شناس باہیں کھلی ہوئی ہیں
تری قدم بوسیوں کو در پر مری نگاہیں بچھی ہوئی ہیں
جبینِ حُسنِ نیاز آگیں میں ذوقِ سجدہ مچل رہا ہے
عبودیت کا جنوں رگ و پے کے گرم سانچوں میں ڈھل رہا ہے

نفس کے سازوں پہ نُزہتیں گیت خیر مقدم کے گا رہی ہیں
جہاں کی رنگینیاں سمٹ کر نظر کے دامن میں آرہی ہیں
دیارِ دل کا ہر ایک ذرہ جمالِ فطرت لئے ہوئے ہے
نیاز خانے کا چپہ چپہ بہارِ جنت لئے ہوئے ہے

بکھیرتی نکہتیں زمیں پہ فلک سے پریاں اُتر رہی ہیں،
منڈیر چوں پر بصد تبسم نزاکتیں رقص کر رہی ہیں،
فضا کی رنگینیوں سے چھن کر برس رہے ہیں حسین جلوے
لطافتوں میں نکھر رہے ہیں غریقِ کیف و سرور نغمے،

خنک ہواؤں کے ساغروں سے چھلک رہی ہے شرابِ مستی
بحدِ امکان بن کے ماحول چھا گیا ہے شبابِ مستی
یہی ہے آنے کا وقت آجا کہ پھر یہ نقشہ بدل نہ جائے
وفورِ شوقِ طلب میں آنکھوں سے روح باہر نکل نہ جائے

طب جدید کے کرشمے!

ہم کبھی بڈھے نہ ہوں

کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے؟

قدرتی خوراک

آج سے بہت عرصہ پیشتر یعنی اس زمانہ میں جب لوگوں کو بدہضمی یا معدہ کی ترشی کی شکایتیں لاحق نہ ہوتی تھیں۔ جب کھانے کی چیزوں کو غیر معمولی طور پر صاف کرنے کے طریقے جاری نہ تھے۔ نیز لوگوں میں اس طرح کی بیماریاں پیدا نہ ہوتی تھیں جو صرف قلتِ غذا سے تعلق رکھتی ہیں۔ تو لوگ عام طور پر اپنی خوراک کو باغوں کھیتوں یا جنگلوں سے ان کی قدرتی حالت میں حاصل کر کے کھایا کرتے تھے اس طریقہ پر قدرتی حالت میں کھائی ہوئی خوراک جسے اسکی بالیدگی اور قدرتی ترقی کی حالت میں حاصل کر کے فراہم کیا گیا ہو بہترین ہے اور اس طرح کی کھانے کی چیزوں کے اندر سولہ قسم کے حیرت انگیز معدنیات۔ سات طرح کے وٹامن اور باقی وہ تمام چیزیں موجود پائی جاتی ہیں جو زندگی اور صحت کیلئے ضروری ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قدرت نے اب وہ اپنے پرانے طریقے چھوڑ دیئے ہیں۔ قدرت اب بھی خوراک کی چیزوں کو اس پرانے طریقہ پر تیار کرتی ہے۔ اس کے عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن انسان اپنی حماقت سے صفائی کے نام پر وہ چیزیں خوراک میں سے نکال دیتا ہے۔ جو ترقی صحت کے لئے ضروری تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بیمار پڑنے لگتا ہے اور اس حالت میں وہ اپنی صاف نفس دانی کے زعم میں اس کمی کو پورا کرنے کیلئے جو خوراک کے ضروری اجزا حاصل نہ ہونے سے پیدا ہوئی ہے مصنوعی طریقہ پر بنائے ہوئے وٹامن۔ ماکولات و مشروبات کی صورت میں اپنے معدہ میں داخل کرنے کی کوشش شروع کرتا ہے۔ جن معدنیات کی کمی ہے ان کو دواؤں اور طریقوں پر اپنے اندر ٹھونسنے لگتا ہے بڑی بڑی قیمتیں ادا کر کے ایسی چیزیں خریدتا ہے جن کی نسبت معلوم ہو جاتا ہے کہ گندم کا اصلی جوہر ہیں اور بعض حالتوں میں تو دیکھا گیا ہے کہ لوگ گندم کی بھوسی کو بطور دوا چمچوں کے حساب سے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن غور کر کے دیکھا جائے تو یہ سارا عمل اول سے آخر تک نہایت مضحکہ انگیز اور حماقت آمیز ہے۔ آخر کیوں ہم لوگ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اپنے آپ کو احمق اور نادان بنا رہے ہیں۔

ہمیشہ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ سوا اس کے اور کوئی چیز نہیں کہ آدمی کے جسم میں وہ تمام چیزیں پہنچیں جن کی اس کے بدن کو ضرورت ہے کھانے اور پینے کی اشیاء یا ہوا کے ذریعہ سے داخل ہوتی ہیں۔ قدرت نے وہ تمام اشیاء جو صحت کی معاون و مددگار ہیں ہمارے آس پاس غیر معمولی مقداروں میں مہیا کر رکھی ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اُن کو حاصل کرنے کے صحیح طریقے کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اگر قدرت کی بہم پہنچائی ہوئی چیزوں کو انکی اصلی صورت میں حاصل کیا جائے تو بدن یقینی طور پر صحت کی حالت میں رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ تمام چیزیں یا اُن میں سے بعض۔ یا کوئی ایک کھانے۔ پینے یا سانس لینے کے ذریعہ سے آدمی کے اندر نہ جائے تو بدن میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وہ نقص ہوگا اور جتنی مدت تک اس نقص کو بڑھنے دیا جائیگا اتنی ہی زیادہ شدید بیماری کا سامنا کرنا پڑیگا۔

صحت جسم انسانی کی ایک قدرتی حالت کا نام ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے نہ کسی دوا کی ضرورت ہے نہ علاج کی۔ نہ اور اور باتوں کی۔ اچھی صحت حاصل کرنے اور برقرار رکھنے کا ایک یقینی اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ قدرت کھانے کی چیزوں کو جس حالت میں مہیا کرتی ہے۔ ان کو اسی حالت میں استعمال کیا جائے کیونکہ اُن کے اندر بدنی ساخت کو ترقی دینے اور بدن سے اپنے افعال کو صحیح طور انجام دلانے کی خوبیاں موجود ہیں نیز اس کا جو خامیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ وہ بھی اس ذریعہ سے دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔

سر موریس ہیلے نے رائل سوسائٹی آف آرٹس کے ایک جلسہ صدر کی حیثیت میں کچھ ایسے الفاظ کہے تھے جو ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ یہاں پر اُن کی تقریر کا ضروری اقتباس رائل سوسائٹی آف آرٹس کے رسالہ مورخہ ۲۴ دسمبر سنہ ۱۹۳۷ء کے صفحہ ۱۳۴ سے نقل کیا جاتا ہے:-

"رفتہ رفتہ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے رہتے ہیں کہ روح اور جسم کا رشتہ غالباً اُس سے بہت زیادہ قریبی ہے جتنا سابق میں تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی معلوم کرنے لگے ہیں کہ ہماری روحیں نہ دوسروں کے جسم کو بے آرام کر کے اور نہ اپنے جسم کو ہی دکھ دے کر کوئی فائدہ حاصل کر سکتی ہیں۔ ماحصل کلام یہ کہ تمام باتوں میں توازن کی برقراری اور راہ وسط کا قائم رہنا ضروری ہے اگر جسم کی طرف سے غفلت برتیں تو ناممکن ہے کہ ہمارے ذہنی اور روحانی اجزا اپنے تقاضے پورا کر سکیں"

خوراک کا توازن

صحیح قسم کی خوراک کھانے کے بعض خاص اور مقررہ اصول ہیں۔ جیساکہ سطور بالا میں سر موریس نے کہا ہے سب سے بڑی ضرورت توازن کو برقرار رکھنے اور راہ وسط پر عمل پیرا ہونے کی ہے۔ ہماری جسمانی اور ذہنی تکمیل

نت سکے لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اجزائے خوراک جو برقرار ی
ت سکے لئے ضروری ہیں صحیح توازن قائم رکھتے ہوئے استعمال کئے جائیں۔
لوگوں نے علم غذا کا بغور مطالعہ کیا ہے ان کی رائے میں کسی بالغ شخص کیلئے
انہ خوراک کی نسبتی ضروریات حسب ذیل ہیں۔ دس فیصدی پروٹین۔ دس
دی چربیلے مادے۔ چالیس فیصدی کاربوہائیڈریٹ اور چالیس فیصدی
ریاں اور پھل۔ اس کے علاوہ معدہ میں کھردرا پن پیدا کرنے اور خوراک کی
دار بڑھانے کیلئے بھوسی وغیرہ کی بھی ضرورت رہتی ہے۔

ب سے پہلے پروٹین کو لیجیے۔ اجزائے خوراک میں یہ سب سے زیادہ ضروری ہے لیکن
کی مقدار بہت کم درکار ہوتی ہے اس لئے اس بات کا اندیشہ پیدا نہیں ہوتا
ی آدمی میں اس کی کمی رہ جائے گی۔ سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے
جو پروٹین بدن کو مہیا کی جائے وہ عمدہ قسم کی ہو۔ ہندوستان کے رہنے والے
چیز کو حسب ذیل اشیاء سے بخوبی حاصل کر سکتے ہیں۔ دودھ۔ دہی۔ انڈہ
اونس سویابین۔ یا ایک چمچہ بھر مغزیات۔ اگر کوئی شخص خوراک میں گوشت
تعمال نہیں کرتا تو ان میں سے کوئی ایک چیز کھانے سے وہ اپنے جسم کو عمدہ قسم کی
ٹین کافی مقدار میں مہیا کر سکتا ہے۔ مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ
لوگو بھی چقندر۔ کاہو اور حلوہ کدو (سیتا پھل) میں بھی عمدہ قسم کی پروٹین کافی
قدار میں موجود ہوتی ہے۔

ر کوئی شخص جسم کی حرارت اور قوت برقرار رکھنے کے لئے کافی مقدار میں کاربوہائیڈریٹ
ر چربیلی غذائیں استعمال کرتا ہو۔ تو خواہ وہ کسی قسم کا کام کرتا رہے پروٹین کی
روری مقدار میں زیادہ فرق نہیں پڑتا ڈاکٹر روز اپنی مشہور کتاب "کفایتی پروٹین"
کے صفحہ ۔۔ پر لکھتے ہیں:۔

ب ہم ورزش کرتے ہیں تو اس مشقت کی وجہ سے عضلات شکست و ریخت
یں ہوتے بلکہ مضبوط ہونے لگتے ہیں۔ ان کی ضخامت و طاقت بڑھتی ہے۔ اور
در اس طریقہ پر وہ اس پروٹین کو جو ہمارے اندر موجود ہو صرف کرنے کی بجائے
نی بناوٹ میں جمع کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ کوئی شخص خواہ
تنی ہی جسمانی مشقت کیوں نہ کرتا ہو۔ اس کی خوراک میں پروٹین کا ضروری حصہ
م و بیش ایک جیسا ہی رہتا ہے۔ اس بات کا پروٹین کی مقدار پر کچھ بھی اثر نہیں پڑتا
ہ شخص مذکورہ نشست کی زندگی بسر کرتا ہے یا کھلے میدانوں میں اسکو جسمانی مشقت
کا کام کرنا پڑتا ہے:

لبتہ اسی قسم کی خوراک جو ایندھن کا کام دیتی ہے یعنی کاربوہائیڈریٹ اور چربیلی
غذائیں وہ اپنی مقدار کے لئے اس کام پر دارومدار رکھتی ہیں جو شخص مذکور کرتا
ہو یعنی جس قسم کا کام وہ جس مقدار میں کرتا ہے۔ اتنی ہی مقدار میں اس قسم کی
کھانے کی چیزوں کی اس کو ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ پوری طرح سبزی خور نہیں ہیں یعنی گوشت وغیرہ کھاتے ہیں ان کو لازم ہے
کہ وہ حیوانی خوراک میں سے حاصل ہونے والے پروٹین مادوں کی مقدار جو گوشت
مچھلی مرغ یا انڈوں سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ چار اونس روزانہ سے نہ بڑھنے دیں۔
دوسری جانب وہ سبزی خور لوگ جو پروٹین کی ضروری مقدار دال لوبیا
وغیرہ سے حاصل کرتے ہیں ان کو بھی چار اونس روزانہ کی مقدار سے آگے نہ بڑھنا چاہئیے
مگر اسکے ساتھ ہی ان کو لازم ہے کہ وہ دو اونس کے قریب دہی یا ایک انڈہ اسکے
ساتھ استعمال کریں اور ان چیزوں کے علاوہ سبز پتے دار ترکاریاں کافی مقدار میں
استعمال میں لائیں دال کی اوسط مقدار جسے کوئی آدمی دن بھر میں پوری طرح ہضم
کر سکتا ہے چار یا پانچ اونس سے زیادہ نہیں۔ اگر اس سے زیادہ مقدار استعمال کیجائے
تو ہاضمہ کی نالی میں ضرور فتور پیدا ہو جاتا ہے اور بدن کے اندر جو زائد الکلی دار
مادے موجود ہیں ان کا ذخیرہ قائم نہیں رہتا۔

پروٹین خوراک کے متعلق ایک بات اور بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ کہ
اسکو ہضم کرنے کے لئے "اے" اور "بی" دونو قسم کے وٹامن درکار ہیں۔ اسلئے
ضروری ہے کہ سبز پتے دار ترکاریاں کافی مقدار میں استعمال کی جائیں۔ اور ان
میں سے بعض خام ہوں۔ ایک نہایت موٹا اصول یہ ہے کہ جتنی زیادہ پروٹین خوراک
استعمال کی جائے اتنی ہی زیادہ سبز پتے دار ترکاریاں اسکو ہضم کرنے کے لئے
مطلوب ہوتی ہیں۔ بدقسمتی سے یہ بات عموماً دیکھنے میں آتی ہے کہ لوگ پروٹین تو
بڑی مقدار میں استعمال کرتے ہیں لیکن سبز ترکاریوں کے استعمال میں بہت پس افتادہ پائے جاتے ہیں۔

اعلٰے قسم کی پروٹین حاصل کرنے کا نہایت اچھا ذریعہ تازہ انڈے۔ پنیر اور
دہی ہیں مغزیات میں خالص پروٹین ہی نہیں ہوتی البتہ انکے اندر اتنا نائٹروجن
دار مادہ ضرور ہوتا ہے کہ انکی بدولت پروٹین کی ضروری مقدار پوری ہو جاتی ہے

پروٹین کے دوسرے درجہ پر ہمارے جسم کو کاربوہائیڈریٹ مادوں کی
ضرورت ہے۔ یہ وہ مادے ہیں جو اپنے اندر نشاستہ دار اجزا رکھتے ہیں۔ مثلاً
چاول چپاتی۔ چنا۔ مکئی۔ جئی۔ آلو۔ سیویاں وغیرہ یہ چیزیں قدرت نے حرارت کے
ذخیرۂ عظیم کی صورت میں تیار کی ہیں اور وہ اس وقت بھی استعمال میں آ سکتی ہیں جب
فعل ہضم کی بدولت انہوں نے کاربوہائیڈریٹ کے آسانی سے جسم ہو جانیوالی
صورت اختیار کر لی ہو۔

غور کر کے دیکھا جائے تو آدمی کی حرارت جسمانی کا دارومدار کاربوہائیڈریٹ قسم کے
کھانوں پر ہی ہے اور اگر حرارت بدنی درجہ اوسط میں صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ
سمجھنا چاہیئے کہ آدمی کو اپنی روزانہ خوراک میں حرارت پیدا کرنیوالے کھانوں کی
محدود مقدار کی ضرورت ہے۔ ہر قسم کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر ہم
خوراک کا جدول زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک متوسط الفعل
آدمی کے لئے دس سے بارہ اونس تک کاربوہائیڈریٹ کھانوں کو کافی سمجھا جا سکتا ہے

لیکن جو لوگ نشست کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ اگر اس قسم کا کھانا مقدار میں کم استعمال کریں اور پھلوں اور ترکاریوں کی مقدار بڑھا دیں تو اُن کی حالت میں یہ طریقہ فائدہ مند ثابت ہوگا۔

نشاستہ دار چیزیں حرارت بدنی پیدا کرنے کا بہت اچھا ذریعہ ہیں لیکن دیکھا گیا ہے کہ جب ایسی خوراک میں آکسیجن سے مل کر ہضم ہوتی ہے تو جسم کے اندر تیزابی قسم کی راکھ اتنی زیادہ مقدار میں باقی رہ جاتی ہے جتنی اور کسی کھانے کی صورت میں باقی نہیں رہتی۔ اسلئے اس قسم کے مادوں کو ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے کے معاملہ میں ہر شخص کو محتاط رہنا چاہیئے۔

مسٹر میک کیریسن اپنی کتاب "خوراک" کے صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں کہ ہندوستانی کھانوں میں کاربو ہائیڈریٹ مادے سے زیادہ بھرے ہوتے ہیں لیکن ان سے بڑا نقص یہ ہوتا ہے اُس سے گیس (ریاح) بنتی ہے اور ترشی پیدا کرتا تیزابی مادے پیدا ہوتے ہیں۔

اگر ہر ایک کھانے میں صرف ایک قسم کی نشاستہ دار چیز جس میں اس قسم کا مادہ خوب اچھی طرح جمع ہو استعمال کی جائے تو ہاضمے کا فعل بہترین صورت اختیار کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ حکما کے نزدیک ایک ہی وقت میں روٹی اور چاول یا روٹی اور میوے یا روٹی اور آلو استعمال کرنے منع ہیں۔ اُن میں سے ایک ہی چیز دوسرے کھانوں کیساتھ ملا کر استعمال کیجائے۔ تو ہر طرح کافی ہے دوسرے کھانوں سے مراد پتے دار ترکاریاں والی دودھ یا اس قسم کی گرہ دار سبزیاں ہیں جو زمین کے اندر پیدا ہوتی ہیں

آدمی کے جسم کو چربیلے مادوں کی بھی ضرورت ہے۔ اس مطلب کیلئے بالائی، مکھن، گھی یا مختلف قسم کے تیل استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ جن کی مقدار کاربو ہائیڈریٹ اور چربیلے مادوں کی مجموعی میزان میں صرف دو اونس ہونی چاہئے۔ مکھن بہترین قسم کی چربیلی چیز ہے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفہ ۳۴ **آل ورلڈ جیم کانفرنس**) مختلف مقابلوں میں حصہ لینے کے لئے لوگ مہینوں پہلے سے تیاریاں کرتے ہیں یوں تو میلہ میں بیشمار چیزیں قابل ذکر ہوتی ہیں۔ لیکن ۱۹۶۰ء کے میلے کی دو چیزیں بالخصوص قابل تذکرہ ہیں۔ جسم اور چہرے کو خوشنما اور حسین بنانے کیلئے جتنی چیزیں بازار میں ملتی ہیں اُن کا رنگ و آب بالکل عارضی ہوتا ہے جو پانی پڑتے ہی خراب ہو جاتا ہے لیکن اس سال کے میلے میں ایک چیز ایسی آئی تھی جس کا رنگ غسل کے بعد بھی خراب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک چیز ایسی تھی جس کے لگانے سے بوڑھی عورت بھی جوان ہونے لگتی تھی۔ اور اس سے حسن میں بھی اضافہ ہوجاتا تھا۔

عشق اور مجبوری

جناب ساحر قدوائی
مدیر "ارشاد" بریلی

میں تجھے دل سے بھلا سکتا نہیں

تیری دزدیدہ نگاہی کی قسم | اپنی ناکردہ گناہی کی قسم
شامِ الفت کی سیاہی کی قسم | آرزوؤں کی تباہی کی قسم

میں تجھے دل سے بھلا سکتا نہیں

ہر نظر میں درد کا پیغام ہے | ہر نفس سازِ غم و آلام ہے
ہر سعی اب صبر کی ناکام ہے | لب پہ آتے ہی کو تیرا نام ہے

رازِ الفت اب چھپا سکتا نہیں

جوش پر ہیں دل کی آتش باریاں | شعلہ زن ہیں روح میں چنگاریاں
سانس لینے میں بھی ہیں دشواریاں | بڑھ چکیں حد سے سوا لاچاریاں

بارِ ہستی اب اُٹھا سکتا نہیں

چشمِ نم کی روشنی کم ہو چلی | نبض کی رفتار مدھم ہو چلی
بیم میں امید مدغم ہو چلی | بزمِ حسرت بزمِ ماتم ہو چلی

اب زیادہ غم اُٹھا سکتا نہیں

ہیں ترے حسنِ تغافل کے نثار | تا بہ امکاں لوٹ لے صبر و قرار
لیکن اے میری محبت کی بہار | ہیں تجھے ہونے نہ دوں گا شرمسار

حرفِ شکوہ لب پہ آ سکتا نہیں

حسنِ مجبورِ جفا کا واسطہ، | عشقِ پابندِ وفا کا واسطہ
اِک دلِ فرقت زدہ کا واسطہ | اپنی حیا تجھکو خدا کا واسطہ

میں تو تیرے پاس آ سکتا نہیں،

ئے میں اصواتی لحاظ سے قافیہ کو بالکل درست سمجھتا ہوں۔ کیونکہ قافیہ کا تعلق نغمہ سے ہے نہ کہ صرف ترتیب الحروف سے۔ جن حضرات کو اعتراض ہو وہ براہ راست مجھ سے خط و کتابت کریں ———— ساحر "دارالادب"، بریلی

تاثراتِ فراق

از پروفیسر رگھوپتی سہائے صاحب فراق گورکھپوری ایم اے

لطفِ ساماں عتابِ یار بھی ہے
مجرمِ عشق شرمسار بھی ہے

سست پیماں وہ بے نیاز سہی
حسن تصویرِ انتظار بھی ہے

کیا کرے وہ نگاہِ لطف، کہ عشق
شادماں بھی ہے سوگوار بھی ہے

گلشنِ عشق ہوں ۔ خزاں میری
وجہِ رنگینیٔ بہار بھی ہے

عقدۂ عشق کو نہ تو سمجھا
یہی عقدہ کشودِ کار بھی ہے

اپنی تقدیر اپنے ہاتھ میں لے
شاملِ جبر اختیار بھی ہے

آپ اپنا چڑھاؤ اپنا اُتار
زندگی نشہ ہے خمار بھی ہے

ان نگاہوں میں ہے شکایت سی
عشق شاید جفا شعار بھی ہے

دل سے ہے دُور بھی نگاہ تری
دل کے اندر ہے دل کے پار بھی ہے

سر بسر غرقِ نُور ہو لیکن
زندگی اکتسابِ نار بھی ہے

کون ترغیبِ ہوش دے کہ جنوں
بے خبر بھی ہے ہوشیار بھی ہے

خلوتِ حسن و عشق بھی ہے اُداس
سرد کچھ بزمِ روزگار بھی ہے

راز اس آنکھ کا نہیں کھُلتا
دل شکیبا بھی بیقرار بھی ہے

خود تجھے بھی ہوئی نہ جن کی خبر
اِن جفاؤں کا کچھ شمار بھی ہے

اِس میں لاکھوں نظامِ شمسی ہیں
یوں تو دل تیرہ روزگار بھی ہے

اِس کی ضو اسکی گرمیاں مت پُوچھ
زندگی نور بھی ہے نار بھی ہے

عشقِ ہجراں نصیب کا بھی ہے دھیان
ترے وعدے کا اعتبار بھی ہے

عشق ہی سے ہیں منزلیں آباد
کارواں کارواں پکار بھی ہے

کوئی سمجھا اِسے نہ دیکھ سکا
نگہِ شوخ شرمسار بھی ہے

(خاص)
اُس سے چھُٹ کر یہ سوچتا ہوں فراق
اس میں اپنا کچھ اختیار بھی ہے

ننگے بدن دھوپ تاپ کر

ایک ناگا پنتھی NUDIST کے قلم سے

مختلف آدمیوں میں مختلف چیزوں کا شوق پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ پرانے ڈاک کے ٹکٹ جمع کرتے ہیں بعض اور ہیں جنکو پرانے مصنفین کی کتابیں جمع کرنے کا خبط ہے۔ میں صرف ایک ہی چیز کا شوق کرتا ہوں یعنی سورج کی الٹرا وائیولٹ ——— (Ultra - violet) کرنوں کی زیادہ سے زیادہ مقدار میں حاصل کرنے کا جس شہر میں میری زندگی کے ابتدائی سال گزرے تھے وہاں کے لوگوں کو سب سے زیادہ شوق اسی چیز کا ہے۔ فی الحقیقت وہ لوگ "پرستاران آفتاب" یعنی سورج کی پرستش کرنے والے سمجھے گئے ہیں وہیں کوئی بیس سال گذرے کہ میں نے بھی اس جماعت میں پہلے پہل شرکت کی تھی۔

اسجگہ سمندر کے ریتیلے ساحل پر قریباً ایک سو گز چوڑا قطعہ زمین اونچی اونچی باڑ سے محصور ان لوگوں کیلئے مخصوص تھا جو سورج کی کرنیں اپنے بدن میں حاصل کرنا چاہتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ مشرقی باڑ کے ساتھ ساتھ (مخفی نہ رہے کہ سورج مغرب کی طرف ڈھلتا جا رہا تھا) قریباً ایک سو مرد برہنہ حالت میں۔ کچھ لیٹے ہوئے اور کچھ اکڑو بیٹھے تھے۔ اور ان میں سے نوے فیصدی اپنی برشتہ رنگت کی وجہ سے رنگدار قوموں کے لوگ نظر آتے تھے۔ ہر چند وہ برہنہ تھے تو بھی ننگے معلوم نہ ہوتے تھے کیونکہ اپنے بدن کو متواتر دھوپ میں رکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے کوئی لطیف قدرتی کپڑا پہن رکھا ہے لیکن میں جس وقت ان میں شامل ہونے کو آگے بڑھا تو اپنے آپ کو صحیح معنوں میں برہنہ محسوس کرتا تھا۔ فی الحقیقت یہ حالت میری تھی گویا برشتہ رنگت کے آدمیوں میں ایک زرد رنگ کا آدمی شامل ہو۔ اسی دن سے میں نے ارادہ کر لیا کہ اپنے بدن پر ان لوگوں کی طرح قدرت کا اپنا غلاف جو برشتہ رنگت کی صورت میں اس کی طرف سے دیا جاتا ہے اوڑھ لوں گا۔ چنانچہ تب سے لے کر اس وقت تک میں اس عہد پر قائم رہا ہوں۔

اس دن کے بعد میں متواتر اس مقام پر جاتا رہا اور رفتہ رفتہ میرے بدن کی بے رنگ سپیدی بھی بادامی رنگت اختیار کرنے لگی۔ رفتہ رفتہ مجھے ان لوگوں کے قوانین و ضوابط بھی معلوم ہوگئے۔ ان کا لیڈر رچرڈز نامی ایک شخص تھا جو اپنے سر پر کسی اخبار کو موڑ توڑ کر اس کو گول ٹوپی کی مانند پہن لیتا تھا لیکن اس کے سوا اس کے بدن پر اور کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ وہ موسیقی کا پروفیسر تھا لیکن اس مجمع میں سبھی طرح کے لوگ پائے جاتے تھے۔ جیسے کہ انگریزی کا ایک پروفیسر۔ پولیس کا ایک سپاہی ایک ساہوکار۔ کارخانہ میں کام کرنے والا ایک کاریگر۔ ایک اور آدمی جو اشتہارات کا کام کرتا تھا۔ ایک انجن چلانے والا اور ایک منڈو قیمی۔ یہ سب پہلو بہ پہلو دیکھے جاتے تھے۔

ان میں اس قسم کی گفتگو ہوتی رہتی تھی جو اپنے اندر غنودگی کا اثر لئے ہوئے ہو اور جس کا سلسلہ کہیں ختم ہی نہ ہوتا تھا کبھی ہم قانون۔ کبھی سائنس۔ کبھی آداب حکومت اور کبھی عورتوں کے متعلق بحث کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح جرائم کھیلیں۔ تاریخ اور دوڑ کے معاملات ہمارے درمیان زیر بحث آتے تھے۔ لیکن اس موقع پر کسی شخص کی طرف سے کسی قسم کا جوش و خروش ظاہر نہ ہوتا تھا بلکہ ہر ایک کی گفتگو میں گہری فلسفیانہ دانائی کی جھلک پائی جاتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ دانائی اور بردباری سورج کی پیدا کی ہوئی تھی۔ جیسے ہم اس کی دھوپ میں پڑے سینکتے تھے تو وہ آہستگی اور استقلال کے ساتھ ہم میں سے ہر ایک کے جوش۔ مزاج۔ غصہ تلخی یا فیصلہ یا رائے قائم کرنے کی جلد بازی ان تمام خرابیوں کو دور کرتا چلا جاتا تھا جو زمانہ حال کے بڑے شہروں کے باشندوں میں عموماً پائی جاتی ہیں۔

اس مختصر جماعت نے ضابطے محدود لیکن کافی حد تک کڑے تھے کوئی آدمی اس طرح کھڑا نہ ہوتا تھا کہ دوسرے کی دھوپ رک جائے۔ نہ کبھی کوئی آدمی چیخ مارتا تھا۔ نہ کبھی پرجوش گفتگو کرتا تھا۔ ایک دوسرے پر ریت پھینکنے کی خرابی بھی اس جگہ موجود نہ تھی۔ عملی تمسخر سختی سے بند کیا ہوا تھا۔ اور ایسا ہونا باعث حیرت بھی نہیں کیونکہ جب بدن آرام و آسائش کی حالت میں ہو تو عملی چھیڑ چھاڑ کا خیال ہی کسی کے ذہن میں نہیں آتا۔

موسم بہار اور گرمی کے دنوں میں یہی کیفیت رہی لیکن جب سردیاں آئیں تو ہم صرف ان موقعوں پر جمع ہوتے تھے جب مطلع ابر آلود نہ ہوا اور ہم نے دیکھا اس طرح کی حالت میں اگر باد تند نہ چلتی ہو تو کسی محفوظ کونے میں بیٹھ کر بڑی خوبی سے دھوپ کی گرمی حاصل کی جا سکتی تھی۔ ہمارے جسم کی برشتہ رنگت کچھ ہلکی پڑ گئی تھی یعنی وہ جو پہلے سرخ تانبے کی سی رنگت تھی اس میں ہلکی زردی آنی شروع ہو گئی۔ لیکن اس کے سوا اور کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ بڑے دن کی تقریب پر ہم نے تیراکی کی دوڑ لگائی۔ اخبارات کے رپورٹر یہ نظارہ دیکھنے کیلئے موجود تھے اور انہوں نے اس کی مفصل رپورٹ اخبارات میں شائع کی۔

حقیقت حال یہ ہے کہ اس زمانہ میں الٹرا وائیولٹ کا نام کبھی کسی کے سننے میں

نہیں آیا تھا۔ جتنے آدمی اس موقع پر جمع ہوتے تھے وہ سب ڈاکٹروں کے کہنے سے ہی جایا کرتے تھے۔ لیکن ڈاکٹروں کا مشورہ چاہے کچھ ہو۔ ہم ذاتی تجربہ کی بنا پر خوب سمجھتے تھے کہ اس عمل کا ہمارے جسم اور ہماری روحوں پر نہایت خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

جو کیفیت دھوپ حاصل کرنے سے ہمارے دلوں کی ہوتی تھی۔ اس کو نہ تو میں اس زمانہ میں بصورت الفاظ بیان کر سکا ہوں اور نہ اب کر سکتا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ صدہا مرد اور عورتیں ریت پر بیٹھے ہوئے سورج کی خوشگوار حرارت اپنے منفرز (؟) استخواں میں محسوس کرتے ہیں۔ ان کی حالت میں یہ ایک طرح کا نشہ ہوجاتا ہے جس کے خیرجی کی تسکین نہیں ہوتی۔ لیکن نشوں کے استعمال سے ہمیشہ اثرات مابعد ناخوشگوار محسوس ہوتے ہیں حالانکہ اس حالت میں کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ جو لوگ صحیح معنوں میں سورج کے پرستار ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اس کی حرارت کس حد تک حاصل کرنی چاہئیے۔ جب اس کی مقدار کافی ہوجائے تو انہیں خود بخود معلوم ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا اثر ناخوشگوار ہونے کی بجائے اعصاب کو سکون دینے والا درجی میں فرحت لانے والا ہوتا ہے۔

صحیح معنوں میں سورج کا پرستار بننے کے لئے وقت۔ صبر و استقلال و شخصی آزادی کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص کسی مکان یا دفتر میں کام کرتا ہو اس کے لئے بہترین اوقات میں سورج کی حرارت حاصل کرنا سخت دشوار ہوجاتا ہے ہم جتنے آدمی وہاں جمع ہوتے تھے۔ نسبتاً آزاد تھے۔ اور اگر بعض کو کسی طرح کی پابندیاں تھیں تو انہوں نے ان میں بھی ضرورت کے مطابق اصلاح کرلی تھی۔ اصل سب سے بڑی ضرورت ایک مکمل پرستار آفتاب بننے کے لئے جن چیزوں کی ہے وہ حسب ذیل ہیں — آزادی۔ اس قسم کا سر جو بہت جلد گرمی محسوس کرنے لگے۔ تن آسانی۔ اس بات کا یقین رکھنا کہ کاہلی میں بسر کرنے سے بدن

کو تقویت ہوتی ہے۔ گھڑی کی طرف دیکھنے کی خواہش نہ ہونا کپڑوں کے استعمال کو غیر ضروری سمجھنا وغیرہ۔

مجھے اس شہر سے آئے ہوئے جہاں میں نے سورج کا پرستار بننا شروع کیا تھا۔ کئی سال گذر گئے ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ جو کچھ میں نے اسی زمانہ میں سیکھا تھا اس کا اثر اب تک قائم چلا جاتا ہے۔ اب میں دنیا کے کسی بھی حصہ میں پہنچوں ضرور اپنے بدن کو وقتاً فوقتاً سورج کے سامنے خم کیا کرتا ہوں اور یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہ ہوگا کہ مجھے اپنے ہم خیال لوگ دنیا کے ہر حصہ میں ملتے رہے ہیں۔ ہماری جماعت ہر حصہ عالم میں پھیلی ہوئی ہے جب ضرورت پیش آتی ہے تو ہم برہنگی اختیار کرتے ہوئے پولس کے سپاہیوں کی بھی پروا نہیں کرتے۔

ایک بار میں نے ماسکو دریا کے کنارے پچاس ہزار کے قریب بہنوں اور بھائیوں کا مجمع دیکھا جو سب آفتاب کی پرستش کے لئے جمع ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض نے غسل کرنے کے سوٹ پہنے ہوئے تھے لیکن بیشتر اسی حالت میں تھے جس میں خدا نے ان کو بنایا ہے۔ یہ سب میرے ہم عقیدہ و ہم خیال لوگ تھے جن کی نظروں میں خدائی قانون اور خدائی طاقتیں انسان کے بنائے ہوئے ادنیٰ ضابطوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔

فی زمانہ برہنگی کی تحریک امریکہ میں حیرت انگیز تیز رفتار سے بڑھ رہی ہے لیکن یہ دیکھنا باقی ہے کہ وہ اسی طرح قائم رہیگی یا چند سال کے عرصہ میں لوگ اس پہلی حالت پر آجائینگے۔ لیکن میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ اگر ہم ملک کے اصلی باشندوں کی طرح قدرت کے اصول کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کردیں تو بڑے بڑے شہروں کی سکونت اور مشینوں کے ذریعہ زندگی بسر کرنے کی عادتوں کا انسداد یقینی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس تحریک کو زیادہ عام کیا جائے۔ بیشمار مقامات ایسے ہیں جہاں دھوپ پہنچتی ہے لیکن آدمی نہیں پہنچتے۔

ہندی شاعری کا ورق

ساحر قدوائی بریلوی

...بنا ندی اُمڈھی آئے ---
...رآئی ہے من ساگر میں ---
...سنکٹ سی کون نکالے ---
--- اس بپتا میں کس کو پکاروں
--- کون کرے نگار کشا موری

تجھ بن دُآتا، تجھ بن سوامی ---
کون مرا اس جگ میں ساتھی ---
دُنیا ہے مطلب کی ماتی ---
--- اِس بپتا میں کس کو پکاروں
--- کون کرے نگار کشا موری

من نیا منجدھار میں آئے ---
سگری نگری چکر کھائے ---
راجہ پرجا سب دیکھت ہیں ---
--- اِس بپتا میں کس کو پکاروں
--- کون کرے نگار کشا موری

آگ برہ کی من پھونکت ہے ---
کون دبائے، کون بجھائے ---
ساگر بیچ جلت ہیں سوامی ---
--- اس بپتا میں کس کو پکاروں
--- کون کرے نگار کشا موری

دوسری منزل کی دیوی

"تو اس نے خودکشی کرلی" منورما نے کہا۔ "بیان بھی تو لکھا گیا ہوگا؟"

"ہاں! اس نے بیان کیا کہ وہ خود جان دے رہی ہے۔ اس کی آخری تمنا پوری ہورہی ہے۔ وہ صرف ایک آرزو کیلئے جی رہی تھی۔ وہ پوری ہوگئی۔ اب زندگی میں کیا دھرا ہے؟"

جسٹس منوہر نے کہا "لوگ کہتے تھے ایکسال اس کو جیل میں آئے ہوگیا۔ نہ کسی سے بات کرتی تھی۔ نہ کسی نے کبھی ہنستے دیکھا۔ کھاتی پیتی بہت کم تھی۔ ہر وقت نڈھال پڑی رہتی لیکن جب کسی موٹر کی آواز سنتی یا کسی افسر کے آنے کی خبر پاتی تو نہ معلوم اسمیں کہاں سے طاقت آجاتی۔ کھڑکی کھڑکی پھرتی۔ کھڑکی میں سے اچک اچک کر دیکھتی۔ یا تو کسی سے بات نہ کرتی یا اب ہر ایک سے پوچھتی کون آیا ہے؟" ساتھ کی قیدی عورتیں کہتیں "ہے نہ طوائف۔ سوچتی ہے کہ کوئی افسر پسند کرلے تو یہ دن مزے سے کٹیں۔ یہ نہیں سوچتی کہ اب وہ پہلی سی جانکی کہاں۔ جس کی صورت دیکھنے کے اُمرا مشتاق تھے جس پر روسا دولت لٹاتے تھے۔ ہڈیوں کا ہار! پچکے ہوئے گال" جھریاں پڑی ہوئی" چھی چھی چھی"

"اچھا! تو وہ طوائف تھی۔ جی ہاں۔ پھر جیل ہے کن کیلئے۔ کہیں عیش کوش کے لئے تھوڑی ہے" پھر شوہر کی صورت دیکھکر "ارے تمہیں ہوکیا گیا ہے۔ تم نے نہ جانے کتنے پھانسی پاتے مجرم دیکھے ہیں۔ کتنوں کے بیان لئے ہیں۔ آخر یہ تم نڈھال کیوں ہوئے جاتے ہو؟" ہاتھ پکڑ کر "اٹھو چلو چائے پیو۔"

جسٹس منوہر نے بمشکل ایک پیالی چائے پی۔ اور کسی سوچ میں غرق ہوگیا۔ پھر ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "منورما! نہ جانے اس کی آنکھوں میں کیسی چمک تھی۔ اس نے آخر وقت تک میری طرف سے آنکھیں نہ ہٹائیں۔ ایکبار میں دوسری طرف کھڑا ہوگیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا رُخ میری طرف کرلیا خون اس کے سر سے بہ رہا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ مجھے اپنی چمکدار آنکھوں سے گھورتی ہوئی لیکن اس کے لبوں پہ ایک عجیب مسکراہٹ تھی۔"

"چھوڑو بھی ان خیالوں کو۔ بعض مُردوں کی شکل کا اثر ہو ہی جاتا ہے ..."

پھر رک کر "تم نے آج صبح اخبار بھی نہیں دیکھا اور آج کی ڈاک بھی نہیں چھوئی۔"

جسٹس منوہر اپنے مطالعہ کے کمرے میں گیا اور ڈاک دیکھنے میں مصروف ہوگیا۔ منورما سمجھی اب جی بہل جائیگا۔ اور وہ شام کے کھانے کی دیکھ بھال میں مصروف ہوگئی۔

پانچ بج گئے۔ چھ بھی بج چکے لیکن جسٹس منوہر ابھی کمرے سے باہر نہیں آئے۔

"ارے کیا سو گئے۔ اٹھو۔ دیکھو شام ہوگئی" منورما ایک چیخ مار کر گری اور بیہوش ہوگئی۔ اس کے ہاتھ نے ایک مُردے کو چھوا تھا جو اس کا محبت کرنے والا شوہر نہ تھا۔

اخباروں میں جسٹس کی موت جلی حرفوں میں لکھی جارہی تھی۔ بیوہ منورما کے پاس تعزیت کے تاروں اور خطوں کا انبار لگ گیا تھا۔ لوگ کہتے تھے بڑے آدمی ہمو ما سکتہ ہی سے مرتے ہیں

دن گذرتے گئے۔ کئی سال جسٹس کو دنیا کی تھہی سے سدھارے ہوئے ہوگئے بیوہ۔ سوگوار غمزدہ منورما زندگی کے یہ کٹھن ایام گزار رہی ہے۔ ایک خط ہے جو ہر وقت اس کے پاس رہتا ہے کبھی روتی ہے۔ اتنا کہ بیہوش ہوجاتی ہے۔ کبھی اس خط کو زور سے۔ کہکر پٹک دیتی ہے۔ "ذلیل طوائف کا خط۔ میرے شوہر کا جان لیوا۔ تجھے" وہ کہنے والا "پھر خط کو اُٹھا کر چومتی ہے اور کہتی ہے" ذلیل طوائف نہیں۔ بالاخانہ کی حور۔ دوسری منزل کی دیوی۔ تو مجھ سے بہت زیادہ منوہر کی مستحق تھی۔ تو نے پالیا۔ میں بھی تم دونوں کی خدمت کرنے آؤں گی۔ ایشور جانے کب۔"

خط کا لفافہ سرخ رنگ کا ہے۔ اندر کئی ورق ہیں۔ جن پہ جا بجا آنسوؤں کے نشان ہیں۔ لکھا ہے "میں نہیں جانتی کہ آپ کو کیا لکھوں۔ سوچا تو یہ تھا کہ اس راز کو دل ہی میں دبائے ہوئے رخصت ہوجاؤں۔ لیکن پھر سوچتی ہوں اگر ملزمہ کی روداد جج تک پہنچ جائے تو ایک بار اس کے دل میں رحم۔ ہمدردی۔ اور شاید محبت کا خیال گذرے اور یہی خیال اس کے لئے حیات دائمی ہو۔ یہ خط مرنے کے بعد آپ کو ملے گا۔ میں نے اپنی ایک ساتھن سے التجا کردی تھی کہ یہ خط اگلے ماہ کی تیرھویں کو ڈاک میں ڈال دینا۔ میں جانتی تھی۔ میں نے سُنا تھا کہ آپ جج ہوئیں کو ایک ملزمہ کی پھانسی کے سلسلہ میں یہاں آرہے ہیں میں چاہتی تھی کہ زندگی میں یہ خط آپکو کبھی نہ ملے۔ میری موت کے دن آپکو میری یہ مختصر اور شاید پُر درد کہانی معلوم ہو۔

آپکو شاید یاد ہوگا۔ کوئی پانچ برس ہوئے آپ کہا کرتے تھے۔ یہ طوائف کس قدر جھگڑتی رہتی ہے۔ اور ہماری ہی عدالت میں اسکے مقدمے کیوں آتے ہیں۔"

کمرۂ عدالت میں ایک بھیڑ لگی رہتی تھی کیونکہ میں آپ کے شہر کی ایک نامی طوائف تھی۔

آپ کا شاید یہ نظریہ ہو کہ طوائف کے محبت کرنے والا دل ہی نہیں ہوتا۔ آپکا خیال ایک حد تک ٹھیک بھی ہے اسلئے کہ وہ اتنی بار جھوٹ آیا کرتا ہے کہ کسی پہ سچ آجانا جانتا ہی نہیں۔

لیکن اس کو آپ جھوٹ آنا کہئے یا سچ۔ میں نے آپ کو ایکبار دیکھ لیا۔ یہ نہیں لکھوں گی کیسے اور کہاں، پھر کیا ہوا۔ ہوش و حواس رخصت ہو گئے۔ میں اب وہ " اچھلنے کودنے والی بلبل" (بقول نواب ننھے میاں) نہ رہی۔ ماں کہتی تھی تجھے کیا ہو گیا۔ میں خود بھی نہیں جانتی تھی اسے کیا بتاتی۔

آپ کو دل ڈھونڈھتا تھا۔ لیکن جہاں آپ رہتے تھے اسجگہ ہماری قوم کا گذر کہاں۔ وہاں 'سول لائنز' میں دیسی رقاصہ کہاں۔ وہی چینی کی گڑیوں کی اچھل کود۔ بے ہنگی اور بس۔

ایکبار کہیں آپ بالاخانہ کے سامنے سے گذرے۔ موٹر آہستہ آہستہ جارہی تھی میں نے کسی سے معلوم کر لیا کہ آپ ہائیکورٹ کے جج ہیں۔

وحشت بڑھنے لگی۔ آپ پھر نظر نہ پڑے۔

میں نے پھر وہ کیا جو آپ نے اکثر دیکھا۔ محبت نے چالاکیاں سکھائیں۔ بات بات پر مقدمہ پیدا کئے۔ آپکی عدالت ہوتی تھی۔ وکیل مقدمہ لڑتا ہوتا تھا اور میں عدالت کی کرسی پر صرف ایک صورت دیکھا کرتی تھی۔ مجھے کچھ بھی پتہ نہیں ہوتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میرے دل میں ہیجان ہوتا تھا اور میری روح پہ ایک کیف کا عالم طاری ہوتا تھا۔ میں دل میں کہا کرتی۔ کاش یہ عدالت شب و روز ہوتی۔"

مقدمہ لڑتے لڑتے برسیں گذر گئیں۔ اکثر بنے ہوئے ہوتے تھے۔ میں ہارا کرتی تھی۔ روپیہ تو تقریباً ختم ہی ہو گیا تھا۔ مفلس طوائف بنتی۔ طوائف بھی نام کی تھی۔ پیشہ تو ختم ہی ہو چکا تھا۔ لوگ مجھے جھگڑالو۔ فسادی اور مقدمہ باز کہا کرتے تھے۔

آخر میں بہت مختصر لکھوں گی۔ وہ ہوا جو ہونا تھا۔ میرے سامنے ایک وکیل نے آپکو برا کہدیا۔ کہ وہ انصاف ہی کرنا نہیں جانتا۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی ایک ہاتھ اس زور سے اس کے سر میں مارا کہ سونے کا کڑا جو زیوروں میں باقی رہ گیا تھا ایسا لگا کہ خون کی ندی بہ گئی۔ ایک مجسٹریٹ کے یہاں مقدمہ گیا۔ یہ کیسے کہتی کہ آپکو برا کہا تھا۔ نہ معلوم کیا جھوٹ سچ بکا۔ مقدمہ ہار گئی۔ چھ ماہ کی قید سخت ہوئی۔

میں تو آپ کے یہاں مقدمہ کرنے کی عادی تھی ہی اپیل کر دیا۔ ادھر مدعی نے اس امر کی نگرانی دائر کر دی کہ سزا کم ہوئی ہے۔ آپ مجھے جھگڑالو۔ مقدمہ باز تو سمجھا ہی کرتے تھے۔ ایک سال کی سزا کا حکم سنا دیا۔

آپ کے لبوں سے سزا کا حکم نکل رہا تھا۔ اور میں آپکی صورت دیکھ رہی تھی۔

میں خوشی خوشی چکی پیسا کرتی ہوں۔ میں اس زندگی سے بہت مسرور ہوں۔ کیونکہ یہ آپکا حکم ہے۔ آپ کے حکم سے میں قید کی گئی محبت کی اس سے بڑی معراج کیا ہو سکتی ہے۔

صرف ایک آرزو باقی ہے کہ آپ کا دیدار آخری بار ہو جائے۔ اسی تمنا میں جی رہی ہوں۔ مجھے اطمینان ہے کہ ضرور میری آرزو پوری ہوگی۔ پھانسی گھر سامنے ہے۔ آپ ضرور آئیں گے۔ یہ میری ایک سالہ زندگی کی رفیق چکی میرا ساتھ دیگی۔ ایک ٹکر اور بس۔ میرے گرد بھیڑ لگی ہوگی۔ اس میں ایک پیاری پیاری صورت بھی ہوگی۔ میں اپنے .... منوہر .... کے سامنے اسی کو بیان دے کر آخری سانسیں لیتی ہونگی۔ دیوتا کہتے ہوں گے۔ تجھے مکتی ملگئی۔ میں کہوں گی۔ مجھے منوہر چاہیئے۔

—— ایک مجرمہ

غریب کے آنسو

بوڑھے بھکاری نے امید بھری نگاہوں کے ساتھ لرزتے ہوئے ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"بابو جی۔ دو دن سے بھوکا ہوں —— کچھ دیا کیجئے"

بابو جی کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ گرج کر بولے۔

"مردود کہیں کے —— ہر وقت ہاتھ پھیلانے کے سوا کوئی کام ہی نہیں"

ٹمٹماتی شمع امید خاموش ہو گئی۔ بجھی ہوئی۔ مایوس آنکھوں سے دو موٹے موٹے قطرے زمین پر گر پڑے ادھر ادھر بکھر گئے —— ان کی کوئی قدر نہ تھی۔ یہ غریب کے آنسو تھے۔

"تم نے ابھی تک کرایہ ادا نہیں کیا۔ رمیا" سیٹھ جی نے کڑکتے ہوئے پوچھا۔

"ادا کر دوں گا —— سیٹھ جی۔ کچھ دن اور ٹھہر جائیے۔ دھیرے دھیرے آپ کی کوڑی کوڑی چکا دوں گا"، رمیا نے ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں بہت دن ٹھہرا ہوں اب ایک منٹ بھی نہیں ٹھہر سکتا" سیٹھ جی کا لہجہ پر زور تھا۔

"کچھ دیا کیجئے۔ ہم غریبوں پر —— سیٹھ جی" آواز میں درد تھا۔

"بس۔ کچھ نہیں۔ میرا مکان خالی کر دو" سیٹھ جی کے ہونٹ غصے سے کانپ رہے تھے۔ "س .. سیٹھ .. ج .. جی .." آواز بے طرح کانپ رہی تھی اگلے لمحہ ایک بارعب گرج ہوا میں لہرائی۔ اور دو قوی ہاتھوں نے ایک نحیف جسم کو باہر دھکیل دیا۔ آہ غریب کی آنکھوں سے دو موتی *

* ایسے قطرے زمین پر ٹپک پڑے۔ مگر ان میں کوئی چمک نہ تھی ...... یہ غریب کے آنسو تھے۔ (اشرف کاظمی)

مختصر سوانح
لیلا ڈیسائی!
مشہور نیو تھیئٹرز آرٹسٹ

مس لیلا ڈیسائی جنوری ۱۹۱۸ء میں امریکہ کے مشہور شہر "نیویارک" میں پیدا ہوئیں۔ اس حساب سے اس وقت آپکی عمر پورے ۲۲ سال کی ہے۔ آپ موزوں قد، خوبصورت آنکھوں، سیاہ چمکیلے بالوں اور ملیح رنگ کی مالک ہیں۔ آپکے والد صاحب سورت میں رہتے تھے۔ وہاں سے چیف میڈیکل آفسیر ہوکر رامپور (ایو-پی) آئے اور کچھ عرصہ بعد نواب صاحب رامپور کے طبیب خاص مقرر ہوئے۔ آپ کی والدہ سیتا بالا دیوی نسلاً بنگالی تھیں اور اپنے زمانے کی بہترین موسیقار سمجھی جاتی تھی۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور سے بھی آپکا رشتہ ملتا تھا۔

ملازمت چھوڑنے کے بعد کرنل ڈیسائی طبی تحقیقات کے سلسلہ میں رامپور سے امریکہ تشریف لے گئے۔ اور وہیں لیلا عالم وجود میں آئیں۔

نیویارک میں کرنل صاحب تو اپنے طبی تحقیقات میں منہمک رہے اور سیتا بالا دیوی امریکہ والوں کے ذوقِ موسیقی میں نمایاں تبدیلی پیدا کرتی رہیں۔ انہوں نے ہندوستانی موسیقی کی اشاعت تحریر و تقریر دونوں ذرائع سے ... کی اور کافی نام پیدا کیا۔ لیلا کی اسی ماحول میں پرورش ہوئی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کم سنی ہی میں ایک موسیقار ہوگئیں اور رقص و سرود کی محفلوں میں حصہ لینے لگیں۔ والد کے اچانک انتقال کے بعد آپ اپنی بیوہ ماں کے ساتھ کلکتہ واپس آئیں۔ اور "ہیتھون کالج" میں داخل ہوکر فن موسیقی اور رقص کی تکمیل کی۔ ۱۹۳۶ء میں اروِن کالج دھلی میں موسیقی کی پروفیسر مقرر ہوئیں۔ اسی زمانہ میں آپ کو ڈائرکٹر نتن بوس و ہیم چندر آف نیو تھیئٹرز سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جنہوں نے آپ کو فلمی دنیا میں شمولیت کی دعوت دی۔ جسے آپ نے بخوشی منظور کرلیا۔ اور سب سے پہلے نتن بوس کے ڈائرکشن کے تحت "پریزیڈنٹ" میں بحیثیت اداکارہ اسکرین پر نمودار ہوئیں۔ اس کے بعد متعدد فلموں میں کام کیا۔ آپ کا آخری فلم "کپال کنڈلا" ہے جو آپکا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ سنا جاتا ہے کہ آپ نیو تھیئٹرز سے معاہدہ کے بعد دوبارہ امریکہ تشریف لے جائیں گی۔

(ساحرہ قدوائی)

ناظرین خط و کتابت کے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ منیجر۔

خیر مقدم
صادق نیازی

سُنا ہے آج عذرا میرے کاشانے میں آئے گی

خوشا وہ وقت جب عذرا بہاریں ساتھ لائے گی
میرے ویراں کدے کو غیرتِ جنت بنائے گی
میرے غم خانۂ حسرت کی قسمت جگمگائے گی
میرے تن میں میرے دل میں میری جاں میں سمائے گی

سُنا ہے آج عذرا میرے کاشانے میں آئے گی

مجھے ماہِ درخشاں کی بلندی کو جھکانے دو
قدم لینے کی خاطر عرش والوں کو بلانے دو
ستارے آسماں سے توڑ کر نیچے بچھانے دو
اطاعت کیلئے حورانِ فردوسی کو لانے دو
وہ دنیا سے جدا ہوکر مجھے اپنا بنائے گی

سُنا ہے آج عذرا میرے کاشانے میں آئے گی

الٰہی میری عذرا مجھ تلک جس راہ سے آئے
زمیں سے آسماں تک کی فضا مدہوش ہو جائے
ترا ابرِ کرم اُس دم وہاں وہ کیف برسائے
کوئی بھی اس کے پائے ناز کی آہٹ نہ سُن پائے
کہ وہ معصوم ہے، کمسن ہے، دل میں خوف کھائے گی

سُنا ہے آج عذرا میرے کاشانے میں آئے گی

غریب کی دُنیا

از جناب عبدالرشید صاحب سول ہسپتال قصور

دیوالی کی رات تھی۔ تمام شہر چراغاں رعنائیوں میں کھویا ہوا تھا۔ فضائیں مسرتوں میں ڈوبی ہوئی تھیں رقص و سرود کی محفلیں گرم تھیں قسمت کی شطرنج پہ پانسے پھینکے جا رہے تھے۔ ہر رُوح نشاط و راحت کے خمار میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر ایک دل خوشیوں سے معمور۔ ہر آنکھ نُورِ مسرت سے پُر نور تھی۔ مگر دُور دو بے رونق آنکھیں اِن ہوشربا مناظر کو حسرتوں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ غریب کی آنکھیں تھیں۔

وہ اِن پُر کیف نظاروں کو دیکھتا۔ اور اسکی آنکھیں برس پڑتیں۔

وہ خوشیوں میں چُور دیوں کو دیکھتا۔ اور سر جُھکا کر گہری سوچوں میں غرق ہو جاتا۔

آج دیوالی کی رات تھی۔ خوشیوں سے بھر پُور رات۔ مگر اُسکی جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی آہ۔ اُس کے معصوم بچوں کی منتظر آنکھیں اُس کی راہ دیکھ رہی ہونگی۔

اُس کی بیوی کس شوق سے اپنے خاوند کا انتظار کر رہی ہوگی۔

جب اُسکے بچے مٹھائی کے لئے ضد کریں گے تو وہ کیا جواب دیگا۔

جب وہ اپنے تاریک گھر میں اُمیدوں کے سہارے بیٹھی رفیقۂ حیات کو دیکھے گا۔ تو وہ کتنا بے قرار ہوگا۔ ! وہ ایسی کشمکش میں مستغرق تھا۔ قرض بھی لے تو اُس کا اعتبار کون کرے۔ ہاتھ پھیلا کر مانگنے کی غیرت اجازت نہ دیتی تھی۔

وہ لاکھ غریب تھا۔ مگر سینہ میں ایک غیور دل رکھتا تھا۔

کیا کرے۔ وقت اُڑا جا رہا تھا۔ اور چراغوں کے شعلے اُسکے دماغ کو بھسم کر رہے تھے اُس نے کچھ سوچا۔ خمیدہ سر اُٹھایا۔ اُسکی آنکھوں میں ہولناک رونق تھی۔ اُس کے چہرے پر وحشیانہ خوشی تھی۔ شاید وہ مسئلہ کا حل پا چکا تھا۔ سامنے ایک عظیم الشان مکان تھا۔ گھر والے خواب راحت میں کھوئے ہوئے تھے غریب بڑھا۔ مکان پر پہنچا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی۔

پانی کے نل کے ذریعہ اُوپر چڑھنا شروع کیا۔ دوسری منزل پر پہنچا۔ سیٹھ جی سو رہے تھے۔ چابیاں لگا کر تجوری کھولی۔ دولت کا بے پناہ انبار۔ اُس نے دیوانہ وار سمیٹا۔ نل کے ذریعہ نیچے اُترنا شروع کیا زمین سے چار فٹ کا فاصلہ تھا۔ کہ دو قوی ہاتھوں نے اسکی گردن دبوچ لی۔ اور وہ کانسٹیبل کے ہاتھ تھے۔

اسی لمحہ ہاتھوں میں زنجیریں تھیں۔ اور وہ سر جھکائے کسی گہری سوچ میں مستغرق سپاہی کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ اور کہیں دُور چند قہقہے ہوا میں لہرا رہے تھے۔

فروغِ نشاط

از حضرت اُمید رضوی بریلوی

دل میں طوفانِ مسرت بیکراں پاتا ہوں میں
اُن کی نظروں کو نشاطِ قلب و جاں پاتا ہوں میں

مرکزِ حُسنِ نظر ہے ایک "فردوسِ جمال"
دیکھتا ہوں جس طرف رنگینیاں پاتا ہوں میں

اے زہے قسمت وہ نظریں اور مجھ پر مہرباں
زندگی پاتا ہوں میں اور جاوداں پاتا ہوں میں

میرے کام آئیں بالآخر یہ مری ناکامیاں
آج اک نا مہرباں کو مہرباں پاتا ہوں میں

پا رہا ہوں آج اُن کو بھی "پریشانِ وفا"
کامیابِ مدعا آہ و فغاں پاتا ہوں میں

جانے کیا کیا وہ بعنوانِ "تبسم" کہہ گئیں
آج اپنی آرزوؤں کو جواں پاتا ہوں میں

"کلبۂ احزاں" ہیں میرے اور وہ "پروینِ عرش"
اس زمیں کو رفعتوں میں آسماں پاتا ہوں میں

مجھ پہ اتنا "التفات" اور "التفاتِ خاص" پھر
اب ترے ہر ناز کو تسکینِ جاں پاتا ہوں میں

اب مری بربادیوں سے وہ پریشاں خود بھی ہیں
اب اُنہیں بھی ہمزبانِ ہمداستاں پاتا ہوں میں

تھا خزاں آلود باغِ زندگی جن کے بغیر
وہ بہاریں جانِ زیبِ گلستاں پاتا ہوں میں

تازگی سی دل کی کمسلائی ہوئی کلیوں میں ہے
رو کشِ دل خلد کی شادابیاں پاتا ہوں میں

مختصر یہ ہے "میری آغوش اور وہ تنویرِ بزمِ آرزو"
نشاطِ دو جہاں پاتا ہوں میں

برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین کے ہمنام

سلطنت برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر نیول چیمبرلین کو دُنیا کا بچہ بچہ جانتا ہوگا یورپ کی موجودہ جنگ نے انہیں اس دور کا مشہور ترین انسان بنا دیا ہے۔ لیکن ان کے ہمنام نیولی چیمبرلین ثانی سے شاذو نادر ہی کوئی واقف ہوگا۔ اگر وزیر اعظم صاحب کے ہمنام ایک مقدمے کے سلسلے میں عدالت میں پیش نہ ہو جاتے تو شاید میں اور آپ بھی ان سے ناواقف ہی رہ جاتے۔ اس مقدمے نے مسٹر چیمبرلین کی طرح ان کے ہمنام کو بھی دُور دُور تک مشہور کر دیا۔

مسٹر چیمبرلین وزیر اعظم برطانیہ کے ہمنام صاحب کے منظر عام پر آنے کی کہانی اس طرح شروع ہوتی ہے۔ ویسٹ منسٹر کی پولیس عدالت میں مجسٹریٹ نے ایک گواہ سے پوچھا "کیا آپکا نام نیولی چیمبرلین ہے"۔
گواہ نے جواب دیا "جی ہاں بدقسمتی سے"۔

عدالت سے باہر نکلتے ہی بہت سے پریس رپورٹر ان کے پیچھے لگ گئے وہ اس وقت پائجامہ پہنے ہوئے تھے اکثر پریس رپورٹر اسی حالت میں ان کا فوٹو لینے کے لئے تیار ہو گئے، انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا "جی! اس وقت تو مجھے فرصت نہیں ہے اس لئے معاف فرمائیے آئندہ پھر کبھی"۔

یہ چیمبرلین صاحب ثانی کافی بھاری بھرکم انسان ہیں، قد بھی خاصا لمبا ہے۔ ۳۴ برس کی عمر ہے، کمر زن فیشن پسند فرماتے ہیں اور پائپ سے تمباکو پیتے ہیں، میز کرسی بیچنے والی ایک دکان کے ایجنٹ ہیں، اور روزانہ صبح ساڑھے آٹھ بجے اپنی پرانی چھوٹی گاڑی میں میز کرسی بیچنے نارفاک یا شہر کی طرف نکل جاتے ہیں۔

ایک روز ایک اخباری نمائندہ چیمبرلین صاحب ثانی کی ملاقات کیلئے ان کے مکان پر گیا رات کے سوا سات بجے تھے وہ گھر پر موجود نہ تھے ان کی بیوی صاحبہ نے کہا، وہ ایک دوست کی شادی میں شریک ہونے کیلئے گئے ہیں۔ ۹ بجے تک واپس آجائیں گے۔

واپسی کے بعد چیمبرلین صاحب ثانی سے نمائندہ اخبار کی جو گفتگو ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ ان صاحب کا وزیر اعظم صاحب کے نام سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ ان سے کسی طرح کا رشتہ ہی ہے۔ البتہ ونیوٹ چیمبرلین جن کا تذکرہ تاریخوں میں پایا جاتا ہے وزیر اعظم صاحب کے دُور کے بزرگوں میں ہوتے ہیں۔

مسٹر چیمبرلین نے کھانا پکانے کی ایک کتاب سے اخبار کی ایک کٹنگ نکال کر دکھائی اور کہا کہ سر نیولی چیمبرلین جو کہ ہندوستان کے غدر کے زمانہ میں فیلڈ مارشل تھے انکے پردادا تھے۔ ان کے نام کو یاد رکھنے کیلئے ہی ان کا نام نیولی چیمبرلین رکھا گیا۔

اگرچہ چیمبرلین صاحب ثانی نے عدالت میں کہا تھا کہ بدقسمتی سے ان کا نام بھی نیولی چیمبرلین ہے لیکن درحقیقت یہ ان کی بدقسمتی نہیں بلکہ عین خوش قسمتی ہے خصوصاً اپنے کاروبار میں اپنے اس نام کی وجہ سے وہ بہت فائدے میں رہتے ہیں جہاں جاتے ہیں لوگ انہیں وزیر اعظم سمجھ کر انکی خوب قدر و منزلت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وزیر اعظم کو عام طور پر تو لوگوں نے دیکھا نہیں ہے۔ چنانچہ جہاں آپ پہنچتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں وزیر اعظم صاحب ہی تشریف لائے ہیں۔ میز کرسی کے جس دوکاندار کے آپ ایجنٹ ہیں وہ بھی آپ کے نام سے فائدہ اُٹھاتا ہے آپ دکان میں موجود ہوتے ہیں اور کوئی گاہک آتا ہے تو وہ کہتا ہے آئیے آپ کو نیولی چیمبرلین صاحب سے ملا دیں۔ اس طرح جب گاہک آپ سے ملتا ہے تو آپ دو ہی چار باتوں میں اُسے مال خریدنے پر تیار کر دیتے ہیں بھلا کون ایسا آدمی ہوگا جو وزیر اعظم صاحب کی بات نہ مان لے یہ اور بات ہے کہ ہمارے چیمبرلین صاحب وزیر اعظم نہیں ہوتے لیکن اس غریب کو اس کی کیا خبر!۔

اب تو خیر کچھ فائدہ مسز چیمبرلین کو بھی ہو جاتا ہے لیکن شروع میں بیچاری کو بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑیں، جب وہ پہلے پہل بازار میں نکلیں تو جس نے دیکھا اسی نے فقرہ چُست کرتے ہوئے کہا "یہ دیکھئے مسز چیمبرلین جا رہی ہیں"۔ لیکن اب تو خود مسز چیمبرلین صاحبہ ہی فرماتی ہیں کہ اس نام کی وجہ سے دودھ، مکھن، پنیر، انڈے ساگ سبزی والے کافی رعب میں آجاتے ہیں اور وہ کچھ سستے بھاؤ سے ہی سودا دیدیتے ہیں، البتہ ان کو پوسٹ آفس سے اس بات کی شکایت ہے کہ وہ حد درجہ کائیاں واقع ہوئے ہیں انہوں نے کبھی غلطی سے بھی بڑے دن کا کوئی اچھا تحفہ انکے پاس نہیں بھیجا وہ سب ایسی چیزیں سیدھے وزیر اعظم کی بیوی مسز چیمبرلین کے پاس ڈاؤننگ اسٹریٹ بھیج دیتے ہیں۔

سب سے زیادہ مصیبت ہمارے چیمبرلین صاحب ثانی کی لڑکی کو بھگتنی پڑتی ہے اسکول کے لڑکے بیچاری کو چڑاتے چڑاتے پریشان کر ڈالتے ہیں۔

وزیر اعظم چیمبرلین صاحب کے مقابلے میں ہمارے چیمبرلین صاحب کا مکان بالکل معمولی ہے۔ صدر دروازہ سبز رنگ کا اور مکان کے پیچھے ایک مختصر سا باغ ہے۔ مکان کی دیواریں سُرخ رنگ سے رنگی ہوئی ہیں ۲۳ شلنگ کرایہ ہے لیکن مسز چیمبرلین صاحبہ کا ارشاد ہے کہ وہ اس حال میں بھی وزیر اعظم چیمبرلین سے کچھ کم خوش نصیب نہیں ہیں۔

وزیر اعظم صاحب کو مہینے میں صرف ایک بار سیر و تفریح کا موقع نصیب ہوتا ہے لیکن ہمارے چیمبرلین صاحب کے جب جی میں آتا ہے اپنی چھوٹی گاڑی پر بیٹھ کر اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور وہاں پہنچکر خوب سیر سپاٹا کرتے ہیں۔

ے چیمبرلین صاحب چڑیوں کے شوق میں وزیر اعظم چیمبرلین سے کچھ کم نہیں ہیں، لی بیٹھک میں چڑیوں کے متعدد پنجرے لٹکے رہتے ہیں۔

آیئے ذرا دونوں چیمبرلین صاحب کے واقعات کا بھی سرسری مقابلہ کرتے چلیں

جس زمانے میں ہمارے چیمبرلین صاحب عالم وجود میں تشریف لائے یر اعظم چیمبرلین صاحب زندگی کی ۲۶ بہاریں دیکھ چکے تھے، اور ایک کاروبار کے سلے میں ۵۰ ہزار پونڈ کا نقصان اُٹھانے والے تھے۔

طرح جس زمانے میں وزیر اعظم صاحب نے جہاز کیلئے برتھ بنانے والی کمپنی میں ی کی اس وقت ہمارے چیمبرلین صاحب تین سال کے چلتے پھرتے کھلونے ے۔ اور جس زمانے میں وزیر اعظم صاحب کی شادی ہوئی ہمارے چیمبرلین صاحب ین ہی۔ کے ایک جہاز کے کارخانے میں ملازم ہوئے سنہ ۱۹۱۵ء کی جنگ عظیم میں رے چیمبرلین صاحب فوج میں بھرتی ہوئے اور وزیر اعظم صاحب کو ایک سرکاری بدہ مل گیا جس کے ذریعہ وہ پارلیمنٹ کے انتخاب میں کھڑے ہو کر کامیاب ہو گئے ن جنگ سے واپس آنے کے بعد ہمارے چیمبرلین صاحب مہینوں بیکار پڑے رہے

اور بڑی مشکل سے انکم ٹیکس کے ایک دفتر میں کلرکی کی ایک جگہ ملی۔

سنہ ۱۹۳۱ء تک ہمارے چیمبرلین صاحب کو اسکی خبر نہ تھی کہ انکے نام کا دُنیا میں کوئی اور آدمی بھی موجود ہے اس زمانے میں انگلستان میں سونے کا نرخ بہت کم ہو گیا، اور وزیر اعظم چیمبرلین جو قبل ازیں ایک بار محکمہ انکم ٹیکس کے چانسلر رہ چکے تھے دوبارہ اس عہدے پر مقرر کئے گئے اسوقت ہمارے چیمبرلین صاحب نے بڑے تعجب سے اخباروں میں پڑھا کہ انکے نام کا ایک اور آدمی موجود ہے۔ اور اقتصادیات کا ماہر ہے۔ ان دنوں کبھی ہمارے چیمبرلین صاحب کسی دیہات یا قصبے میں چلے جاتے تو لوگ انکو انکم ٹیکس کا چانسلر سمجھ کر پوچھتے حضور انکم ٹیکس کب تک کم کیجیے گا؟ جس کے جواب میں ہمارے چیمبرلین صاحب کو مجبوراً فرمانا پڑتا کہ اس شخص کے ٹیکس میں کمی نہیں ہو سکتی۔

ہمارے چیمبرلین صاحب کا ارشاد ہے کہ انہیں وزیر اعظم چیمبرلین کے حالات پڑھنے کی بالکل فرصت نہیں ملتی نہ وزیر اعظم کے حالات کچھ ایسے قابل مطالعہ ہوتے ہیں لیکن ہمارے چیمبرلین صاحب کو یہ خیال ضرور رہتا ہے کہ آیا وزیر اعظم انکے واقف نہیں ہیں ہمارے چیمبرلین ...

برسوں

از جناب محمد زمان خان صاحب زماںؔ وارثی لکھنوی

ستایا ہے مجھے میرے ستم ایجاد نے برسوں
مٹایا ہے مجھی کو خود مری فریاد نے برسوں

فقط اک شب جلی لے شمع تو بزمِ محبت میں
جلایا ہے مجھے سوزِ دلِ ناشاد نے برسوں

کبھی آئی نہ میری یاد اُس ظالم کو بھولے سے
رُلایا ہے مجھے جس بیوفا کی یاد نے برسوں

بصد حسرت دُعا دیتے ہیں چلتے وقت دنیا کو
ہمیں برباد رکھا اُس خراب آباد نے برسوں

حقیقت اُس سے پوچھو جا کے بیدادِ محبت کی
نہ دی ہو آہ کی فرصت جسے بیداد نے برسوں

زباں اب بند کر دی ہے مصیبت نے تو غم کیا ہے
مزے نغمے سُنے ہیں باغ میں صیاد نے برسوں

نگاہیں برق و باراں کی انہیں شاخوں پہ رہتی ہیں
کیا جن پر بسیرا طائرِ آزاد نے برسوں

فضائے عالمِ امکاں ہے شاید اُس مصیبت کی
کہ ڈھونڈھا ہے جگہ غم کو دلِ برباد نے برسوں

بہت چاہا کہ پُرسش ہو تو اپنا رازِ دل کہہ دیں
نہ پوچھا پر نہ پوچھا اُس ستم ایجاد نے برسوں

وہی مجمع وہی محفل وہی دنیا وہی عالم
ستایا دشتِ غربت میں وطن کی یاد نے برسوں

تمہیں حیرت ہوئی اے سننے والو تو تعجب کیا ہے
مجھے حیران رکھا خود مری روداد نے برسوں

اک ایسا وقت بھی گذرا ہے دنیائے محبت میں
کہ جنبش بھی نہ کی میرے لبِ فریاد نے برسوں

فلک کے ظلم نے گم کر دیا تھا اے زماںؔ ایسا
ہمیں ڈھونڈھا فضائے عالمِ ایجاد نے برسوں

کالج والوں میں آزارِ عشق

عشق گو ایک پرانا مرض ضرور ہے مگر آج کل یہ بھی زمانہ کے ساتھ ساتھ بہت ترقی کر گیا ہے۔ ایک فرانسیسی ڈاکٹر پال ڈیووڈنیل نے ثابت کیا ہے کہ عشق و محبت "ایک دماغی بیماری کا نام ہے۔" اس بیماری کی وجہ یہ ہے کہ چند کیمیائی ذرات دماغ میں جمع ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے محبوب اصل سے زیادہ خوبصورت معلوم ہونے لگتا ہے۔ جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے یہ مرض سب سے پہلے یونان اور روم سے شروع ہوا۔ اور آخر کار تمام دنیا میں پھیل گیا۔ اس کی ترویج اور ترقی کی تمام تر ذمہ داری شعرا اور عریاں اور فحش نگار مضمون نویسوں پر ہے۔ جنہوں نے عورتوں کو ایک ہوّا بنا دیا۔ گھٹیا رسالوں اور عریاں فلموں نے بھی اسکی ترقی میں بہت مدد کی۔ تعجب ہے کہ اب تک حکما نے اس کے روک تھام کیلئے نہ کوئی نسخہ تجویز کیا نہ کوئی گولی بنائی اور نہ کوئی ٹیکہ اس کیلئے نکالا البتہ حضرت فرحت نے "عشق کی گولیاں" ضرور بنائیں جن کو کھا کر عشق پیدا ہو جائے۔ ہماری گورنمنٹ نے بھی کوئی قانون یا دفعہ تعزیرات ہند میں ایسی نہ بنائی جس کی وجہ سے عشق کرنا جرم قرار دیا جائے تاکہ ہندوستان کے شریف لڑکے اور لڑکیاں تباہی اور ذلالت کے غار میں گرنے سے بچتے مگر اس کے بجائے مخلوط تعلیم رائج کر کے عشق و معاشقہ کا پروانہ آزادی عطا کیا جاتا ہے اور اس تعلیم کے واسطے بڑے دلچسپ منطقی استدلال پیش کئے جاتے ہیں۔ جائے غور ہے کہ کیا کبھی آگ اور پانی بھی ایک جگہ جمع ہوئے ہیں؟

سنیما اور خصوصاً برہنہ اور نیم برہنہ فلموں نے بھی اسکی ترویج میں بہت مدد دی ہے۔ موجودہ زمانے میں آپ کو پچانوے فی صدی طلبا ایسے ملیں گے جو کہ اس موذی اور متعدی مرض یعنی عشق میں گرفتار ہونگے۔ ان کی محبوبہ کوئی کالج کی طالبہ ہوگی یا اینگلو انڈین مس ورنہ کوئی مشہور فلم ایکٹرس جو باوجود تین چار بچوں کی ماں ہونے کے بھی مس رہتی ہے۔ بمبئی میں ایسے طلبا کی تعداد کافی ہے۔ جو گھر بار چھوڑ کر کسی فلم ایکٹرس کے عشق میں بمبئی پہنچے اور دربار تک رسائی بھی نہ ہوئی۔ اور خرچ ختم ہونے پر گھر آئے یا فلم کمپنی میں دس پندرہ روپیہ کی نوکری کر لی۔ عشق کرنا اور عاشق ہونا آجکل بہت سہل ہے۔ بیکاری کے ساتھ ساتھ عشاق کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے بقول حضرت احمق ؎

محبت آجکل اک شغل ہے بے روزگاروں کا
نہیں ملتی ہے جنکو نوکری وہ دل لگاتے ہیں

عشق کی کئی قسمیں ہیں جس پر بڑے بڑے ادیبوں اور فلسفیوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ جن کو میں یہاں بیان کرنا نہیں چاہتا۔ صرف چند علامتیں بتائے دیتا ہوں جن سے کم از کم آپ عشاق طلبا کو پہچان لینگے۔

طلبا کے گروہ اور ٹولیاں اسٹیشن۔ پارک۔ باغیچہ اور سیرگاہوں میں گھومتے ہوئے ملیں گے۔ جب کبھی کوئی کالج کی کسی خوبصورت حسین، مہ جبین نازنین کو دیکھ لیتا ہے تو فوراً اس کا اثر اس کے دل و دماغ پر ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو عاشق سمجھنے لگتا ہے اور پھر "زہر عشق" اور "لیلیٰ مجنوں" کا ورد شروع کر دیتا ہے۔ اسے اپنے بناؤ سنگار کی فکر ہو جاتی ہے۔ سوٹ، بوٹ، ہیٹ پوڈر، لونڈر وغیرہ کا استعمال کر کے اس کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی محبوبہ اسے پسند کرنے لگے۔ خطوط نگاری (Letter writer) جیسی کتابوں اور "معشوق عاشق کے قدموں پر" "جو جاہوگے ہو جائیگا" وغیرہ قسم کے تعویذ حب اور عملیات شروع ہو جاتے ہیں۔ کسی گہرے دوست کو رازدار بنایا جاتا ہے جو کہ دوسرے ہی دن سارے طلبا سے کہہ دیتا ہے اور سارے کالج میں ان کی اچھی خاصی شہرت ہو جاتی ہے۔ تمام دوست احباب ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور مدد دینے کا وعدہ کرتے ہیں اور عاشق ہے کہ ہر وقت آہ! آہ! وہ مجنوں اور فرہاد کو اپنے آگے ہیچ سمجھتا ہے۔

ایسے عشق و محبت کے دو ہی انجام ہوتے ہیں۔ اگر وہ لڑکی کسی اسکول یا کالج کی طالبہ ہے اور ناراض ہوگئی تو پرنسپل یا ہیڈ ماسٹر سے شکایت کرنے پر سزا۔ اگر کوئی مس یا ایکٹرس ہے تو عدالت میں ہتک عزت کا دعوےٰ تاوان اور جرمانہ۔ اگر لڑکی بھی کچھ رضامند ہے تو کچھ عرصے تک یوں ہی اکیلے میں ملاقاتیں ہوتی رہیں گی اور آخر شہر کے اخباروں میں یہ خبریں بڑے آب و تاب سے شائع ہونگی جنکی سرخیاں کچھ اس قسم کی ہونگی۔ (۱) "فلاں کالج کی لڑکی فرار ہوگئی" (۲) شہر کے فلاں معزز شخص کے صاحبزادے لڑکی کو (بھگا) اغوا کر لیگئے۔ (۳) فلاں کالج کی فلاں کلاس میں فلاں صاحب کی لڑکی اور فلاں صاحب کے لڑکے پڑھتے تھے۔ ہمارے نامہ نگار نے ہمیں اطلاع دی ہے (یا ہمیں معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے)

بقیہ صـ۶۰ پر دیکھو

جب عورت پیار کرتی ہے

...توں نے محبت کی قربان گاہ پہ جو قربانیاں پیش کی ہیں ان سے ...ام و ممالک کی تاریخیں معمور ہیں، عورت جس سے محبت کرتی ہے اس کیلئے جان تک ...بان کر دینے سے دریغ نہیں کرتی، ہندوستان کی عورتیں اس معاملے میں تمام ...نیا سے آگے رہ چکی ہیں عین عالم شباب میں زندگی کی تمام راحتوں اور مسرتوں ...آگ میں جھونک کر مردہ شوہر کے ساتھ جل جانا ہندوستانی خواتین میں ایک عام ...رواج تھا لیکن قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ یورپ کی عورتوں میں بھی جہاں آج عصمت اور رازدواجی زندگی ایک مہمل اور مبہم شے بن کر رہ گئی ہے، ایسی وفاشعار اور شوہر پرست عورتیں نایاب نہیں ہیں جنہوں نے اپنے شوہروں اور محبوبوں کیلئے اپنا سب کچھ نثار کر دیا، انقلاب فرانس کے زمانے میں سینکڑوں فرانسیسی عورتوں نے جذبہ محبت سے متاثر ہو کر خوش خوش اپنے گلے کٹوا دئے تاکہ وہ دوسری زندگی میں اپنے شوہروں سے مل سکیں۔

حقوق نسواں کی مشہور حامی خاتون میری کلوسٹون کرافٹ نے کیپٹن ایملے کو ایک بار لکھا تھا۔ اگر میرے مرنے سے آپکو راحت و خوشی ملے تو مرنے کو تیار ہوں مجھے آپ سے اس درجہ محبت ہے کہ میں اس سے زیادہ پسندیدہ زندگی کی خواستگار نہیں کہ آپکے سارے مصائب میں برداشت کروں۔ اور آپکی ساری تکلیفیں اپنی ذات پہ لے لوں۔ اور زندگی کے تمام حوادث سے آپکی حفاظت کروں۔ ان تمام باتوں کے معاوضے میں میں آپ سے صرف اس قدر چاہتی ہوں کہ آپ مجھ پر تھوڑی سی عنایت و توجہ رکھیں، کبھی کبھی مجھ سے ہنس کر بول لیا کریں اور اتنا کہہ دیں کہ اگرچہ آپ میری محبت کے عوض مجھ سے محبت نہیں کر سکتے، پھر بھی آپ میری محبت کو سمجھتے اور اسکی قدر کرتے ہیں۔

میری کلوسٹون کرافٹ کا یہ بے پناہ جذبہ ایثار و محبت ایک روز اسے کشاں کشاں دریائے ٹیمس کے کنارے لے گیا۔ جہاں اس محبت پرست عورت نے محض اس لئے اپنے کو ٹیمس کے حوالے کر دیا کہ کیپٹن ایملے کی جس محبت سے وہ محروم ہے اس سے دوسری عورت بہرہ یاب ہو سکے۔

چند سال قبل کا واقعہ ہے کہ ایک نوشادی شدہ عورت جس کا نام ونڈر تھا۔ وہ شہر کی زندگی کی تمام مسرتوں اور شادمانیوں کو خیرباد کہہ کر اپنے شوہر کے ساتھ ایک پہاڑی علاقے میں چلی گئی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کا شوہر روز بروز موت کے غار سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے پھر بھی وہ اپنے مایوس زندگی میں شوہر کے ساتھ صرف اس خیال سے مطمئن تھی کہ وہ اپنے پیارے شوہر کی شریک مصیبت ہے۔ وہ کہتی تھی "وہ محبت بھی کوئی محبت ہے جو رنج و راحت میں یکساں برقرار نہ رہے میں جب تک اپنے شوہر کے مصائب کو ہلکا کر سکتی ہوں پورے طور پر خوش ہوں اور مجھے اطمینان ہے کہ میں اپنے شوہر کے مصائب کے ہلکا کرنے میں حصہ لے رہی ہوں"۔

محبت کے لئے عورتیں تخت شاہی تک کو ٹھوکر مار دیتی ہیں، ملکہ اسپین ودوجے بلا ایک یوروپین سائل زادے پر عاشق ہو گئی، جس کا نام کارلوس مارفوری تھا، ملکہ اس محبت کے انجام سے ناواقف نہ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ایک سائل زادے کیلئے تخت شاہی کو خیرباد کہنا پڑیگا پھر بھی اس نے محبت کے میدان سے پیچھے قدم نہیں ہٹایا، چنانچہ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ء کا واقعہ ہے کہ ملکہ اسپین ودوجے وطن عزیز اور تخت شاہی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ کر اپنے گداگر محبوب کیساتھ اسپین سے نکل گئی۔

روس کی ملکہ الزبیتھ کا واقعہ بھی بالکل اسی طرح کا ہے۔ وہ ایک گڈریے کے بیٹے آلکس رجوم پر عاشق ہو گئی، یہ نوجوان ملکہ کے دربار کا مغنی تھا۔ ملکہ یہ خوب سمجھتی تھی کہ ایک گڈریا زادے کے ساتھ شادی کرنے سے اسکی رعایا اس سے متنفر اور بیزار ہو جائے گی اور تمام یوروپ اس پر ہنسے گا اور اس کا مذاق اڑائے گا۔ پھر بھی اس نے ان تمام باتوں کی مطلق پروا نہ کی، وہ اپنے محبوب کے ساتھ ایک چھوٹے سے گاؤں میں جس کا نام پرڈو تھا چلی گئی اور وہیں شادی کر کے اپنی تمام زندگی اس کے ساتھ گذار دی۔ الزبیتھ جس وقت بستر مرگ پر آخری سانسیں لے رہی تھی اس گڈریا شوہر کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ کہہ رہی تھی "میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے آپکی محبت کی مسرت و شادمانی عطا کی۔ آپکی محبت میرے لئے تاج شاہی سے زیادہ عزیز اور گرانقدر ہے"۔

بویریا کی شہزادی الزبیتھ پیدل فوج کے ایک لفٹنٹ مسٹر سفر ٹیر پر عاشق ہو گئی۔ اور ایک روز شاہی محل چھوڑ کر چپکے سے اس کے ساتھ فرار ہو گئی، اس نوجوان سے شادی کر کے اور اس کی شریک زندگی بن کر شہزادی کو جو راحت و خوشی حاصل ہوئی

اس کا اندازہ ذیل کے ایک خط سے ہو سکتا ہے جو شہزادی نے اپنی ایک سہیلی کو لکھا تھا "تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ میں نے رواج عام کے خلاف جو طرز عمل اختیار کیا اس کے لئے مجھے افسوس ہوا ہوگا، بلکہ مجھے اس سے بے انتہا خوشی حاصل ہوئی ہے میں تاج شاہی کے عوض اس نوجوان کی رفیقانہ زندگی کی ایک دن کی خوشی کو بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں، اور ہمیشہ کرتی رہوں گی۔

~~~

اسپین کے بادشاہ الفانسو کی پھوپھی آلفینٹا جوزیفائن کو ایک غیر معروف شاعر سے عشق ہو گیا جس کا نام گلیوزنٹی تھا، وہ ایک اخبار کا رپورٹر تھا اس کام سے اسے جو مختصر آمدنی ہوتی تھی اسی سے وہ اپنی زندگی گذارتا تھا، اسی زمانے میں وہ کیوبا کی ایک حسین رئیس زادی پر عاشق ہو گیا۔ اور اس کے باپ سے شادی کی درخواست بھی کردی۔ رئیس نے حقارت کے ساتھ جواب دیا "تمہیں ایسی گستاخانہ درخواست کی جسارت کیسے ہوئی۔ میرے سامنے سے چلے جاؤ میری بیٹی کو شوہر کی ضرورت ہوگی تو میں تمام دن قلم گھس کر بارہ آنہ پانیوالے کو تلاش نہ کرونگا"

وہاں سے ناکام ہونے کے بعد گلیوزنٹی اسپین چلا آیا، اور ایک عرصہ کی جدوجہد کے بعد اس نے ایک مشہور مصنف اور شاعر کی حیثیت حاصل کرلی۔ اس نے اپنی متعدد نظمیں شہزادی جوزیفائن کی خدمت میں پیش کیں۔ شہزادی نظموں کے مطالعہ سے بہت خوش ہوئی اور گلیوزنٹی کو اپنے محل میں طلب کیا۔ شہزادی نے شاعر کے کلام سے زیادہ شعریت شاعر میں دیکھی اور اس کی والہ و شیدا ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز شہزادی گلیوزنٹی کے ساتھ چپکے سے بھاگ گئی اور بلیڈ ولڈ میں جاکر اس سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئی۔

شہزادی کو اپنے اس فعل پر کبھی ندامت و پشیمانی محسوس نہیں ہوئی، اس لئے کہ اپنے محبوب کے ساتھ ٹوٹے پھوٹے مکان میں اسے جو راحت و خوشی میسر تھی وہ اسپین کے شاہی محل میں کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

~~~

اسٹرتھمور کے ارل ششم کی بیوہ جو اسکاٹ لینڈ کی مشہور ترین حسین عورتوں میں سے تھی اپنے سائیس پر جس کا نام جارج فارکس تھا عاشق ہو گئی، اور آخر میں اسی سے شادی کرلی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک روز کاؤنٹس نے سائیس کو بلاکر کہا۔

"میں بہت دنوں سے تم سے محبت کرتی ہوں اور تمہارے لئے بیچین ہوں۔ اب میرے لئے تمہاری بیوی بنکر رہنے سے زیادہ راحت و خوشی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی"

فارکس یہ سن کر حیران رہ گیا، اور تعجب سے آنکھیں پھاڑ کر کاؤنٹس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہا

محترمہ آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں میں ایک بے حیثیت اور غریب سائیس ہوں اور آپ یہاں کی رئیسہ اور مشہور حسینہ ہیں، میں تو آپکے قدم کی خاک کے برابر بھی نہیں"

کاؤنٹس نے جواب دیا "تم اس طرح نہ کہو، تم میرے لئے میری عزت اور دولت سے کہیں ارفع و اعلےٰ ہو میں اس راحت و خوشی کے مقابلہ میں جو مجھے تم سے حاصل ہو سکتی ہے ان تمام چیزوں کو محض ہیچ اور بے حقیقت سمجھتی ہوں"

آخر سائیس کو حسینہ کی تجویز منظور کرنی پڑی،

~~~

ایک یورپین حسینہ نے جس کا نام جین لیڈی ایلنبرو تھا، ایک شتربان عرب پر عاشق ہوکر اس سے شادی کرلی تھی، وہ اپنے اس صحرا نورد شوہر کے تمام کام انجام دیتی، وہ ریگستانی زندگی سے ہر طرح مطمئن اور خوش تھی وہ اس کی اونٹنی کا دودھ دوہتی، اس کے لئے کھانا پکاتی اور جب وہ کھانے بیٹھتا تو اس کی خدمت میں حاضر رہتی، غرض وہ اپنے شتربان شوہر کی جو اس کی جوتی کا فیتہ باندھنے کے بھی قابل نہ تھا ہر قسم کی خدمت بجالاتی اور انتہائی فرحت و انبساط محسوس کرتی تھی۔

(بقیہ صفحہ) کالج والوں میں آزارِ عشق، کہ وہ دونوں پرسوں سے غائب ہیں وغیرہ وغیرہ

ریاست گوالیار میں میرے دوستوں میں بہت سے حضرات عاشقی کا دم بھرتے تھے۔ ایک صاحب ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ فلاں لڑکی کی انگریزی بہت اچھی ہے اور فلاں کی ہسٹری۔ ان کے معشوقوں کی تعداد ہزاروں پر پہنچتی ہے۔ دوسرے صاحب کانن دیوی اور تیسرے صاحب سلوچنا پر عاشق تھے اور دونوں میں خوب خوب بحث ہوتی تھی ہر ایک اپنی محبوبہ کو دوسرے پر فوقیت دیتا تھا ایک اور صاحب ہمیشہ اپنی محبوبہ کے حسن کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے کہ بھئی واللہ آنکھیں نرگس سے بہتر رشک غزالیں چشم بیمار۔ ناک ستواں۔ خد و خال موزوں۔ کمر پتلی۔ صراحی دار گردن چہرہ مہرہ درست، چال ڈھال انتہائی نستعلیق وغیرہ وغیرہ جب دو چار دوست یکجا جمع ہوئے اور آپکا لیکچر شروع ہوا پھر کیا مجال جو چپ ہو جائیں چاہے کوئی سنے یا نہ سنے آپ اپنی بکواس بند نہ کرتے۔

آخر الذکر صاحب کی حالت تو عجیب تھی سچ مچ عاشق صادق ہوکر رہ گئے تھے صورت شکل سے بھی خدا کے فضل سے مجنوں نہیں تو اس کے چھوٹے بھائی ضرور معلوم ہوتے تھے۔ کوئی شخص انہیں "مجنوں" یا میاں عاشق کہہ کر مخاطب کرتا تو بہت خوش ہوتے تھے۔ ہم لوگوں نے اکثر فرضی پیغام لاکر بارہا ان سے مٹھائی کھائی کھلانے پلانے کے معاملہ میں بہت اچھے آدمی تھے۔ ان کی معشوقہ واقعی لیلیٰ کی ہم شکل یعنی کالی کلوٹی اور نہایت بدشکل لڑکی تھی اور وہ آٹھویں جماعت میں تعلیم پاتی تھی۔ یار لوگوں نے اس کا نام کلو عرف بلیک جاپان (Black Japan) رکھ دیا تھا۔ میاں مجنوں اس پر اکثر ناراض ہو جاتے اور فرماتے "لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید" سب کو انہیں چھیڑنے میں بہت لطف آتا تھا۔ اکثر ناراض ہوکر مارنے دوڑتے تھے۔ کہ حضرات آخر میں میری خدا سے یہ دعا ہے کہ سب لکھوں پڑھوں اور خصوصاً کالج والوں کو اس موذی مرض سے محفوظ رکھے۔ آمین ۔
~~~

تم یاد مجھے آتے ہو معلوم نہیں کیوں

از جناب مولوی محمد رفیق صاحب رفیق لکھنوی

مہجور کو ترساتے ہو معلوم نہیں کیوں ۔۔ دل کو مرے تڑپاتے ہو معلوم نہیں کیوں
ہر شے میں نظر آتے ہو معلوم نہیں کیوں ۔۔ پھر ملنے سے شرماتے ہو معلوم نہیں کیوں

تم یاد مجھے آتے ہو معلوم نہیں کیوں

جب چلتی ہیں وہ میکدہ بر دوش ہوائیں ۔۔ گھر گھر کے جب آتی ہیں سر چرخ گھٹائیں
عالم کی بدل جاتی ہیں جس وقت فضائیں ۔۔ کرتی ہیں پریشان مجھے میری وفائیں

تم یاد مجھے آتے ہو معلوم نہیں کیوں

تنہائی ہے قسمت میں تو تنہا ہی رہوں میں ۔۔ پوشیدہ کسی گوشے میں بیٹھا ہی رہوں میں
بیگانۂ آثار تمنا ہی رہوں میں ۔۔ اس بیکسی و درد کا شیدا ہی رہوں میں

تم یاد مجھے آتے ہو معلوم نہیں کیوں

جب صبر ہی باقی ہے نہ کچھ تاب ہی باقی ۔۔ ہے دل سا نہ وہ گوہر نایاب ہی باقی
آرام ہی باقی ہے نہ وہ خواب ہی باقی ۔۔ غمخوار ہی باقی ہیں نہ احباب ہی باقی

تم یاد مجھے آتے ہو معلوم نہیں کیوں

اک دن جو رفیق ان کو کسی بزم میں پاؤں ۔۔ تو تھام کے دامن کو وہاں بیٹھ ہی جاؤں
جیسے وہ ستاتے ہیں انہیں میں بھی ستاؤں ۔۔ وہ ہنستے رہیں اور میں رو رو کے سناؤں

تم یاد مجھے آتے ہو معلوم نہیں کیوں

غیرت

ایک نفسیاتی و جذباتی افسانہ

از جناب طاہر صاحب گورکھپوری

رامولکڑیوں کا ایک بھاری گٹھا لئے محنت کے پسینے میں شرابور گورکھپور اسپتال کے سامنے کچی اینٹوں کی ایک ٹوٹی ہوئی دیوار سے سہارا لئے کھڑا ہانپ رہا تھا چند منٹوں کے بعد اپنی لمبی اور تھکی سانس برابر کر چکا تو ہمت کر کے گٹھا سر پہ اُٹھا لیا اور نئے شرابی کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے دو چار قدم آگے بڑھا لیکن تھکاوٹ نے ہمت پر غلبہ پا لیا اور وہ پھر اسی دیوار پہ گٹھا رکھ کر پسینہ پونچھتے ہوئے نزدیک ہی املی کے ایک بوڑھے درخت کے سائے میں سڑک کے بائیں طرف بیٹھ گیا۔ گرمی کے موسم کی املی کی گھنی چھاؤں اور ہوا نے اس پہ غنودگی طاری کر دی اور وہ لمبی لمبی جھپکیاں لینے لگا۔ اس طرح اس کا سر کئی بار زمین سے لڑتے لڑتے بچا۔

شفیع تانگہ لے کر اسی سڑک سے گذر رہا تھا جہاں رامو خیالات کی دُنیا اُجاڑنے میں مشغول تھا۔ جب تانگہ رامو کے نزدیک پہنچا تو وہ چونک پڑا اور گھبراہٹ میں ٹھوکر کھا جانے سے بال بال بچ گیا۔ شفیع پچھلی سیٹ پر پاؤں پھیلائے بیٹھا

"یا الٰہی مٹ نہ جائے دردِ دل"

زور زور سے الاپ رہا تھا اور اُس کا گھوڑا سیدھا گھر کی طرف بھاگا جا رہا تھا تانگے والے اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتے۔ شفیع نے رامو کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

مزدور کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے اس کو وہ کسی قیمت پر بھی خرچ نہیں کر سکتا۔ تھوڑا وقت تو راموجھپکیوں میں گنوا چکا تھا۔ یہ سوچتا ہوا اُٹھا "چلوں سامنے کوٹھی والے بابو سے پوچھوں شاید ان کو لکڑیوں کی ضرورت ہو" ــــ لکڑی کی ضرورت تو سب کو ہوتی ہے اور وہ تو ایک مشہور حکیم تھے جنکے وہاں ہر وقت "عرق بادیان" "عرق گاؤزبان" کھنچا کرتا تھا۔ میز پر رکھی ہوئی کاغذات کی کالی فائل کھولتے ہوئے حکیم صاحب نے رامو کی طرف دیکھا اور پھر بے پروائی سے دوسرے کاغذات دیکھنے لگے۔ انہیں اس سے کیا غرض کہ رامو سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس کے جیسے سینکڑوں انسان نما حیوان حکیم اور ڈاکٹر کے دروازوں کی خاک چھانا کرتے ہیں ــــ اور وہ وقت بھی تو مریض دیکھنے کا نہیں تھا جو حکیم صاحب اسکی طرف مخاطب ہوتے۔ جب حکیم صاحب نے حکیم ہوتے ہوئے بھی غریب رامو کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور یہ نہ پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے تو غریب رامو کا دل بیٹھ گیا اس نے کوٹھی کی باہری دیواروں کو رشک آمیز نظروں سے دیکھا اور اسکی اندرونی زیبائش پر حسد آمیز خیالات کی آگ میں جلتا ہوا گٹھے کی طرف اُداس واپس آیا ــــ وہ صبح پانچ بجے ہی سے گٹھا لئے مارا مارا پھر رہا تھا اور اُس کے ساتھ کی آئی ہوئی نوجوان عورتیں لکڑیاں بیچ کر کبھی کی جا چکی تھیں ــــ جب بارہ بجے کے قریب رامو بنگالی ٹولہ[1] میں پہنچا تو ایک کنجوس بنیا پورے گٹھے کی قیمت دو آنے دینے لگا۔

چھ آنے کے مال کو رامو دو آنے میں کیسے دیدیتا ــــ اگر دیدیتا تو اُسکے بچے بھوکوں مر جاتے۔

شہر کی ہنگامہ پرور شام ہو چکی تھی۔ حکیم صاحب اپنی کوٹھی سے نکل کر ایک پتلی چھڑی گھماتے ہوئے ٹاؤن ہال[2] کی طرف جا رہے تھے ان کے پیچھے پیچھے رامو بھی خیالات کی دنیا بساتا اور اُجاڑتا جا رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ اُسکی لکڑی کا گٹھا کوئی جلد سے جلد خرید لے وہ ہر راہ چلنے والے کو لکڑی کا ضرورت مند سمجھتا تھا۔ اس نے بیتاب ہو کر حکیم صاحب سے پوچھا "سرکار لکڑی لیجئے گا۔"

حکیم جی سیر کرنے جا رہے تھے نہ کہ لکڑیاں خریدنے۔ ان کو رامو کے اس سوال نے برآفروختہ کر دیا۔ انہوں نے غصہ میں بھری آواز میں کہا۔

"تمہاری لکڑیاں گیلی ہیں اور مجھے ضرورت بھی نہیں ہے"

وہ سوچ میں پڑ گیا نہ جانے لکڑیاں گیلی ہیں لیکن انہیں لکڑیوں کو تو میں نے کل بیچا تھا وہ تو سوکھی تھیں آج یہ گیلی کیسے ہو گئیں۔ آخر ایک ہی جنگل کی تو کل لکڑیاں ہیں کچھ کل بیچیں کچھ آج لایا ہوں۔ یہ مان سکتا ہوں کہ ان لکڑیوں کو میں نے گھر میں رکھ دیا تھا ہو سکتا ہے کہ گھر میں سیلن ہے اس کی وجہ سے لکڑیوں میں نمی آگئی ہو ــــ اگر امیروں کو ان کی ضرورت نہیں تو پھر کیا غریب جلائیں گے۔ کیا غریبوں کیلئے اُپلے اور پیال سے بڑھ کر یہ لکڑیاں ہو سکتی ہیں۔ ــــ اس نے پھر گٹھا سر پر اُٹھا لیا اور سڑک کی داہنی پٹری پر چلنے لگا۔ چل تو رہا تھا لیکن یہ بھی سوچتا جا رہا تھا کہ رات ہو چکی ہے گاؤں جانا ٹھیک نہیں ہے۔ بچے بھوکے پیچھے راہ دیکھتے ہونگے میں تو بھوکا بھی سو سکتا ہوں اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ بغیر کھائے ہوئے مزدوری کی ہے ــــ

ابھی تو پار ہی سال مکھیا کا کھیت دو روز بھوکوں رہ کر کاٹا تھا اور میری بیمار بیوی سکھیا بھی تو ساتھ ہی ساتھ کٹنی کر رہی تھی۔ وہ تو کبھی بھوک سے بلک بھی پڑتی تھی ــــ آہ اس پر بھی قصائی مکھیا نے سکھیا کو مارا۔ یہ

عا مسلمان بنگالیوں کا محلہ۔ عا۲ گورکھپور کا پرانا پارک۔

سب باتیں اُسکے دماغ میں چکر کھا رہی تھیں اس کا سر چکرانے لگا اور گٹھا زمین پر ٹپک کر بیٹھ گیا ——

"آج سڑک ہی کے کنارے "فٹ پاتھ" پر سو رہونگا اور کل اس کو بیچکر نندپور[3] جاؤنگا"۔ وہ یہ سوچکر مسکرا اٹھا مگر فوراً ہی "بیوی اور بچوں کی بھوکی صورتیں" آنکھوں کے سامنے پھر گئیں اور وہ بیقرار سا ہوگیا۔ سر کا چکر کم ہوا تو رامو نے سوچا جیتے جی بیوی بچوں سے الگ رہنا بڑی نامردی ہے۔ رات ہوگئی ہے تو کیا ہوا لکڑی نہیں بکی بلا سے نہیں بکی۔ میں بھی بچوں کے ساتھ بھوکا سو رہونگا میں نہیں جاؤنگا تو وہ اور بھی پریشان ہونگے۔

~~~~~~~~~~~~

سکھیا جب رامو کی راہ دیکھتے دیکھتے تھک گئی تو سکھیا کے بڑے لڑکے "پریم" کے پاس گئی جو باپ سے الگ دوسرے گاؤں میں رہتا تھا سکھیا نے کل چاول کھلیان سے اُٹھا کر ٹال میں رکھا تھا اور پریم نے آج پیسے دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن جونہی مکان کے اندر داخل ہوئی پریم نے گالیوں کی بارش شروع کردی اور وہ الٹے پاؤں واپس آئی —— وہ ابھی اپنی مزدوری بھی تو نہیں مانگنے پائی تھی۔ ابھی تو دیوڑھی کے دروازہ پر ہی جاکر کھڑی ہوئی تھی —— اگر پریم کے پاس پیسے نہیں تھے تو نہ سہی لیکن اناج تو تھا۔ سکھیا تو اناج ہی چاہتی تھی کہ بچے بھوک کی آگ میں جل رہے ہیں کسی طرح ان کے پیٹ کی آگ بجھائے

~~~~~~~~~~~~

ابھی گسوش[4] کمیٹی کے چوراہے پر کنھیا حلوائی کی مٹھائیوں کی دوکان بجلی کی روشنی میں چمک رہی تھی اور برفیوں کے پر لگے ہوئے چاندی کے ورق نگاہوں کو دعوت نظارہ دے رہے تھے کہ اتنے میں مشن اسکول[5] میں پارٹی ہے کا "ہم عمر" چپراسی جھکڑی[6] نے آکر کنھیا سے کہا "کل اسکول میں پارٹی ہے" مٹھائیوں اور پوریوں کی ضرورت پڑیگی۔ ہمارے اسکول کے ایک بہت ہی لائق ماسٹر تم نے سُنا ہوگا۔ مسٹر فرر[7] انگلینڈ جا رہے ہیں۔ بڑے اچھے آدمی تھے۔ بچوں پر بڑے مہربان تھے۔ کنھیا نے مکھیاں ہانکتے ہوئے کہا "ہاں ہاں جانتا کیوں نہیں۔ وہی بڑے صاحب نابولال کوٹھی[8] میں رہتے ہیں۔ "ہاں وہی" جھکڑی نے کہا اور دو سودی کی بات چیت کرکے چلا گیا۔ جھکڑی کے چلے جانے کے بعد کنھیا کو خیال آیا۔ کہ لکڑیاں نہیں ہیں، وہ پریشان سا ہوگیا۔ صبح کو پارٹی کے لئے پوریاں اور مٹھائیاں دینی ہیں کیسے دے سکے گا۔ رات کو لکڑی بھی تو نہیں مل سکتی۔ اتنے میں رامو لکڑیاں لئے ہوئے اُسکی دوکان کی طرف سے گذرا۔ کنھیا خوشی سے اُچھل پڑا اور لکڑیاں رامو سے مول لے لیں۔ اُدھر غمگین رامو بھی خوش ہوگیا اُسکی خوشی کا اندازہ وہی آدمی کرسکتا ہے جس کی تمنائیں پامال ہونے کے بعد بارآور ہوئی ہوں۔ جب رامو لکڑیوں کی قیمت پاکر خوش خوش گھر جانے لگا تو خیالات نے اُسے گھیر لیا وہ سوچنے لگا۔ کہ اب ساری لکڑیاں سوکھ گئیں ہیں۔ ابھی تو لیک بابوجی نے کہا تھا کہ تمہاری لکڑیاں گیلی ہیں —— نہیں! نہیں! یہ حلوائی تھا اسکو سوکھی اور گیلی سب لکڑیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اُسے ضرورت بھی تو تھی جب ہی تو اُس نے کہا تھا "بڑے موقع سے آگئے یار تم" رامو متواتر خیالات کی رو میں بہتا جا رہا تھا وہ بھول گیا کہ اُسے گھر بھی پہنچنا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ "عورتوں کی لکڑیاں اتنے جلد کیسے بک جاتی ہیں"؟ اور اگر میری نینی بھی لکڑیاں بیچے تو اُس کی لکڑیاں بھی جلد بک جایا کرینگی۔ اور اس طرح ہماری مصیبت دُور ہوجائیگی۔ کیوں نہ کل سے اسی کو شہر بھیج دیا کروں۔ —— رامو پیسوں کی عزت کیوں نہ کرتا اب اس نے طے کرلیا کہ کل نینی کو بھی جنگل لکڑیاں کاٹنے لے چلوں گا اور شہر بیچنے بھی —— انہیں خیالات میں اُلجھا ہوا جب وہ اپنے ٹوٹے ہوئے چھپر میں داخل ہوا تو سکھیا کا حسین لیکن غریب چہرہ جو بچوں کو لئے کودو کے پیال پر منہ جھکائے بیٹھی ہوئی تھی شگفتہ ہوگیا۔

~~~~~~~~~~~~

دوسرے دن صبح کو نینی اور رامو دونوں "جنگل نکاسی" کے محصول ٹینٹ میں رکھکر "توررا بازار"[9] چل پڑے۔ نینی کو خلاف معمول جنگل جاتے دیکھکر سکھیا نے اعتراض کیا اور سختی سے روکا کہ وہ جنگل نہیں جائے گی لیکن رامو نے سمجھا دیا۔ کہ ہم دونوں مل کر زیادہ لکڑیاں لا سکتے ہیں اور شہر بیچنے بھی ساتھ ساتھ جائیں گے۔ سکھیا کی شوہر کے سامنے چل ہی کیا سکتی تھی خاموش ہوگئی وہ غریب تھی اور اُسے پیسوں کی ضرورت بھی تھی کیونکہ دوالی میں دیا جلانے کے لئے تیل خریدنا تھا اور پوجے کا سامان۔

شام ہوتے ہوئے نینی اور رامو نے دو بڑے بڑے گٹھے لاکر ٹپک دیئے اور اپنے "پڑوسی برگد" کے سائے میں بیٹھ کر سستانے لگے۔ سکھیا دوڑ کر کنوئیں سے پانی بھر لائی رامو نے ہاتھ منہ دھوئے لیکن نینی نے جو عادت نہ ہونے کیوجہ سے بہت زیادہ تھک گئی تھی اور پیاس سے بیتاب ہو رہی تھی لوٹے کو منہ سے لگا لیا اور "گھٹ گھٹ" پانی پینے لگی۔ ماں نے روکا بھی لیکن وہ نہیں مانی خالی پیٹ پانی کلیجے سے "لگ گیا" وہ بیہوش ہوکر گر پڑی۔ رامو گھبرا گیا۔ سکھیا رونے لگی۔ پڑوسن نے جلدی سے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے اور سر پر کئی لوٹے پانی ڈالے تب کہیں نینی کو ہوش آیا۔

نینی اور رامو نے مل کر لکڑیوں کے چھوٹے چھوٹے کئی بوجھ بنائے اور صبح کو نینی اور رامو دوسری عورتوں کے ساتھ لکڑیاں لیکر شہر بیچنے چلے گئے۔

ابھی صبح کی خاموشی اپنی چادر بھی نہ اُٹھا سکی تھی کہ یہ لوگ اسی دیوار پر اپنی لکڑیاں رکھ کر محلے کے اندر پوچھنے چلے گئے کہ لکڑیوں کی کسے ضرورت ہے جہاں کل شام کو رامو نے املی کے نیچے گٹھا رکھ کر دم لیا تھا —— رامو

[3] ایک قریب گاؤں [4] پڑوس کا مشہور چوراہا [5] شہر کا قدیم انگریزی ہائی اسکول [6] عیسائی چپراسی [7] غیر شادی شدہ انگریز [8] شہر کی خوبصورت کوٹھی [9]
~~~~~~~~~~~~

ادر نینی اب بھی اسی طرح دیوار کے سہارے بیٹھے رہے لیکن کب تک جب تھوڑی دیر کے بعد دوسری عورتیں اپنے اپنے بوجھ لیکر محلے میں چلی گئیں تو نینی اور راموبھی سر پر گٹھا رکھ کر حکیم صاحب کی کوٹھی کی طرف سے جانے لگے ——— حکیم صاحب نے نینی پر ایک حریصانہ نظر ڈالتے ہوئے پوچھا کیا لکڑیاں بیچے گی، نینی تو شرما گئی لیکن رامو نے جلدی سے کہا ہاں بابوجی کیوں نہیں بیچنے ہی کے لئے تو جنگل سے لایا ہوں حکیم صاحب نے دونوں گٹھے رکھوا لئے اور انہیں زیادہ پیسے بھی دیئے ——— رامو سوچ میں پڑ گیا کل میری ہی لکڑیاں بکی نہیں آج سوکھی کیسے بک گئیں

آج راموادر نینی دونوں دوسری عورتوں سے پہلے ہی لکڑیاں بیچ کر گھر پہنچ گئے۔

~~~~~~~~

پیسوں کی محبت کسے نہیں ہوتی۔ جب مکھیا نے دیکھا کہ آج لکڑیاں سویرے ہی بک گئی ہیں تو وہ روزانہ نینی ہی کو شہر بھیجنے لگی۔ رفتہ رفتہ رامو نے بھی شہر جانا چھوڑ دیا اور نینی شہر جاکر لکڑیاں بیچنے لگی۔ نینی نے کوئی دوسرا گھر نہیں دیکھا تھا۔ وہ روزانہ حکیم صاحب کے وہاں جاتی اور لکڑیاں دیکر گھر چلی آتی۔ وہ اتنی نادان بھی نہیں تھی جو یہ نہ جانتی کہ حکیم صاحب لکڑیاں کیوں خرید لیتے ہیں۔ لیکن وہ مجبور تھی کر ہی کیا سکتی تھی۔

اب مکھیا کے پاس دیوالی کے سامان کے لئے پیسوں کے بجائے روپے آگئے تھے مٹی کے برتن کے بجائے پیتل اور پھول کے برتن لڑ رہے تھے "گیلٹ کے گہنوں کے بجائے چاندی کے گہنے بن گئے تھے اب گھر کا نقشہ ہی بدل چکا تھا غریبی امیری میں تبدیل ہو گئی تھی۔ عاجزی غرور سے باتیں کرنے لگی تھی۔ اور دولت گھر کے کونے کونے میں انگڑائیاں لیتی ہوئی پھر رہی تھی۔ رامو نے اس سے پہلے کی دیوالیوں میں کوڑیوں سے جوئے کھیلے تھے لیکن آج تو اُسکے ہاتھ میں روپے تھے۔ آج بھی وہ کھل کر جوا نہ کھیلے گا تو مرنے کے بعد الشیوری جانے اُسے کیا سزا ملے۔ اسلئے اُس نے شہر کے مہاجنوں کیساتھ جوا کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ اتفاق کی بات ہے رامو نے دیوالی کے روز ایک اچھی "رقم" جیتی اور یہی خوش نصیبی اُس کی بربادی کیوجہ ہوئی۔ اب رامو کی مستقل عادت پڑ گئی اور وہ ہمیشہ گھر والوں سے چھپ چھپ کر جوا کھیلنے لگا۔ زمانہ گذرتا گیا اور یہ عادت بھی ترقی کرتی گئی۔ یہانتک کہ اب وہ دن دن بھر شراب پی کر جوا کھیلتا رہتا اُسے نہ تو اب اپنی غریبی کا خیال رہا اور نہ اپنی پچھلی حالتوں کا۔

نینی کی عصمت پر کئی بار شہر کے منچلوں نے حملے کئے اور حکیم صاحب نے تو اکثر چاہا کہ وہ انکی ہو جائے لیکن وہ ہمیشہ بچتی رہی ——— لیکن جوانی کب تک بچنے دیتی۔ ایک روز صبح کو اُس کا شیشۂ عصمت شہر کے ایک نوجوان نے چور کر دیا۔ پہلے تو نینی نے اس کو بھلانے کی کوشش کی لیکن دنیا والوں کی آنکھوں کو دھوکہ کیسے دیتی ——— دوسرے ہی دن نینی کے خلاف چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں ایک کنواری لڑکی کے لئے یہ چہ میگوئیاں زہر سے زیادہ تلخ تھیں لیکن نینی سنتی تھی اور ٹال جاتی۔

وقت جاتے دیر نہیں لگتی اب نینی کو بھی احساس ہونے لگا تھا کہ اس نے بُرا کیا جو ماں باپ کا کہنا مانا ——— اگر وہ پہلے ہی لکڑیاں بیچنے شہر میں نہ جاتی تو شاید یہ نوبت نہ پہنچتی۔

مرد غریب ہونے کے باوجود بھی غیرت مند ہوتا ہے جب رامو نے نینی کی یہ حالت دیکھی تو ایک رات جبکہ وہ سو رہی تھی اس کا گلا گھونٹ دیا اور خود اپنے گلے میں رسّی کے پھندے لگا کر جان دیدی۔

راز و نیاز

طبع زاد

از کنور ریجی

کیوں الجھتی ہو ——— اِن
خار دار نوکیلے ——— پھولوں سے
ان کی ظاہری رعنائی،
اور بھین پہ نہ جاؤ ——— دیکھو
ان جاؤ ——— کہیں ساری
کا آنچل نہ اُلجھ جائے ———
بے فیض ہیں یہ رنگ رنگ کے
شوخ پھول ———

~~~~~~

ستار کی تشنہ رجیریں،
اکثر تمہیں قریب دیتی ہیں
ہاں ——— !
یہ تو ایک معمولی سی بات ہے،
سبھی جانتے ہیں ——— سبھی سمجھتے ہیں

تم کیوں رُٹھ گئیں؟! ———
میرے منع کرنے پر خفا ہو گئیں!؟
——— بولو ——— بولو!!!
پگلی ——— ہوں ———
سمجھا ———
جان!! ———
بتلاؤ تو بھلا ———
پپیہے کی "پی کہاں" ———
کوئل کی ——— "کوکو" ———
بلبل کی ——— "نغمہ سرائی" ———
پروانوں کا ——— سوز ———
یہ سب کس کیلئے ہوتا ہے!
جانتی ہو!
ایک ——— کسی ——— "اپنے"

اور صرف "اپنے" ——— کے لئے!
اپنے "محبوب"، کو سب ہی
جان سے زیادہ سمجھتے ہیں!!
تمہیں معلوم ہے ———
تمہاری خفیف سی ———
آہ! ——— میرے "سازِ حیات" کے
تاروں کو ——— المیہ بنا دیتی ہے!
سوچو!
تم کانٹوں سے الجھو ———
اور میں ———
دامن کو ترسوں!! ———
کیسے ہو سکتا ہے؟ ———
تم میری ہو ——— قریب چلی آؤ
——— آ جاؤ ———

میری آغوش میں ——— تاکہ
میرے پہلو کی سرد کم ہو ———
ہاں ——— اور قریب ———
چلی آؤ ——— اور قریب
کہ ——— میں ———
تمہارے نفس کی گرمی ———
محسوس کر سکوں ———!
پیوست ہو جاؤ ———
میرے قلب سے ——— کہ میں
دل کی دھڑکن سن لوں!!
لبوں کو ملا دو ——— تاکہ
لمس کی گرمی سے ——— ہم دونوں
بیخود ہو جائیں ——— ہاں بس ———
مجھے مدہوش ہو جانے دو!!!

نسوانی دُنیا

سلسلہ کیلئے اگست ۱۹۳۹ء کا شمارہ دیکھئے

چہرہ کو خوبصورت اور دلکش بنانے کا راز

ایک امریکن خاتون کے قلم سے

اگر آپ انتا بھی کر سکیں کہ دن کے وقت اتنے عرصے کیلئے کہ آپ علیحدہ اور تنہا رہتا ہو غازہ وغیرہ استعمال نہ کریں۔ تو یقینی طور پر آپ اس طرح قدرت کی مدد کر سکیں گی اور اسکے لئے اپنا عمل جاری رکھنے میں سہولت ہو جائیگی۔ اگر درحقیقت آپ اس بات کی عادی ہیں کہ کوئی گندہ اور کثیف مرکب اپنے چہرہ پر تھوپے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں رکھ سکتیں تو میں آپ کو اس کام سے باز رہنے کی ہدایت نہیں دیتی۔ البتہ میں اتنا ضرور کہتی ہوں کہ آپ دن میں چند گھنٹے اور رات کو تمام رات اپنی جلد بدن کو صاف رہنے کا موقع دیں تاکہ ہوا اُس کے مسامات کو اچھی طرح چھو سکے۔ اور پسینہ خارج ہونے کا عمل قدرتی حالات میں پورا ہوتا رہے۔

حُسن کے اکثر ڈاکٹر اپنے مریضوں کو اس عرصہ کے لئے کہ وہ زیر علاج ہوں سوسائٹی کا میل جول ترک کر کے علیحدہ رہنے پر مجبور کیا کرتے ہیں۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ آپ کو لامحدود عرصہ کے لئے سونے کے کمرہ میں رکھوں۔ اگر آپ اتنا ہی کر سکیں کہ زیادہ سے زیادہ ممکن عرصہ کیلئے غازوں کا استعمال ترک کر دیں تو یقینی طور پر آپ قدرت کو اُس کے کام میں مدد دینے کا ذریعہ ثابت ہو سکیں گی۔

بہت سے لوگ ذہنی علوم کو مذہبی علوم کی شاخ سمجھا کرتے ہیں، لیکن سچ پوچھئے تو ان دونوں میں بھاری اختلاف ہے۔ مذہبی علوم کا معیار بہت بلند اور عمل کے دائرہ سے باہر ہوتا ہے حالانکہ ذہنی علوم کو فقط منطقی بنا پر تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ ثابت کر کے دکھایا جا سکتا ہے۔ واقع میں اُس کا تعلق صرف قوت خیال سے ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اگر ہم خیال کی طاقت سے کام لیں تو جو کام کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

اس مختصر مضمون میں لمبی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ تو بھی لاتعداد مثالیں ایسی پیش کی جا سکتی ہیں کہ لوگ کسی بیماری سے نہیں بلکہ محض اُس بیماری کی دہشت سے مر گئے۔ اس کے علاوہ یہ بھی امر مُسلمہ ہے۔ کہ بہت سے مریض ڈاکٹروں کی انتہائی کوششوں اور بہترین معالجات کے باوجود صرف اسلئے مر جاتے ہیں کہ انہوں نے جان دے دینے کا مصمم ارادہ کر رکھا ہوتا ہے۔ اسی طرح کئی شخصوں کی حالت میں یہی دیکھا گیا ہے کہ ایک آدمی کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہے ڈاکٹر بھی اُس کی بیماری سے بے آس ہو چکے ہیں لیکن چونکہ اسکی قوت ارادی نہایت مضبوط ہے اور اُس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ خواہ کچھ ہو میں ضرور زندہ رہونگا اسلئے وہ مرتے مرتے بھی بچ جاتا ہے۔

اسی طرح اگر آپ دُنیا کے مالدار اور کامیاب لوگوں کو دیکھیں تو لازمی طور پر اس نتیجہ پر پہنچنا پڑیگا کہ بے خبری میں فقط اُنکے من کی قوت ان کی کامیابی کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ وہ اس بات کا مقصد مصمم کر لیتے ہیں کہ ہم کامیابی حاصل کریں گے اُن کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ خواہ کتنی ہی عظیم کوششیں کیوں نہ کرنی پڑیں ہم کامیابی حاصل کئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ ان کی نظروں میں ناکامی کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا دہشت یا خوف کو وہ اپنے نزدیک نہیں آنے دیتے۔ پس سچ پوچھیں تو وہ لوگ اپنی خواہشوں میں صرف اس وجہ سے کامیاب ہوتے اور منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں کہ اُن کی لغت میں ڈر، دہشت یا ناکامی کے الفاظ یا وہ ایک چھوٹا سا لیکن بڑا بھیانک لفظ "اگر" بالکل وجود نہیں ہوتے وہ یہ نہیں کہتے "اگر میں نے کامیابی حاصل کر لی" بلکہ ان کے الفاظ ہمیشہ یہ ہوتے ہیں کہ "میں کامیابی حاصل کر کے رہوں گا" اور وہ یقینی طور پر کامیاب ہو جاتے ہیں۔ میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ دُنیا میں ہر شخص کامیاب ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ قانون قدرت کا پابند ہو اور اس قسم کے حالات و اثرات پیدا کرے جو قدرت کی راہ میں مزاحم ہونیکی بجائے اسکی امداد کا ذریعہ ثابت ہوں۔

پس جان لو کہ اگر تم خوبصورت اور صحت ور بننا چاہتی ہو تو یقینی طور پر بن سکتی ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتیں کہ اپنی آزاد حالت میں قدرت کی ہر ایک چیز کتنی خوبصورت اور صحت ور ہے۔ آپ چرند پرند وحوش، طیور، حیوانات، نباتات غرض کسی چیز کو دیکھیں اپنی قدرتی حالت میں وہ آپ کو بے حد خوشنما دکھائی دے گی اور اسکی صحت میں بھی کوئی نقص نہ ہوگا یہ انسان کا اپنا قصور ہے کہ اُس نے پاپ، رنج وغم، مفلسی اور بدنمائی کے متعلق غلط اعتقاد کو دل میں جگہ دے کر اپنے لئے خود بخود ایسی فضا پیدا کر لی ہے جو ان حالات کی مددگار ہے۔ جس طرح آدمی نے یہ غلطیاں کی ہیں اسی طرح وہ اگر چاہے تو صحیح حالات پر چل کر حُسن اور صحت کو اپنے لئے حاصل کر سکتا ہے۔

چہرہ کی خوبصورتی

اور دلکشی کے لئے

خوشبودار غازے

نیش فینسی کریم

پاؤڈر اور لونڈر

وغیرہ قطعاً

بیکار چیزیں ہیں

اگر تم دولتمند بننا چاہتی ہو تو دولت تمہاری باندی ہے۔ یہ وہ چیز ہے کہ جو مانگے اُسی کو فوراً ملتی ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ مانگنے کا صحیح طریقہ یاد ہو میرے کہنے کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ فقط "دولت" "دولت" کہنے یا اس کی طلب کرتے رہنے سے وہ آپ کی جھولی میں آگرے گی۔ نہیں دُنیا میں کوئی چیز کام کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اگر آپ دولتمند بننا چاہیں تو اُسکے لئے بھی کام کرنے کی ضرورت ہے البتہ کام کرنے کے طریقوں میں فرق ضرور ہے ایک آدمی کام کرتے ہوئے بھی ناکامیاب رہتا ہے دوسرا صحیح رستہ پر چلکر کامیاب ہو جاتا ہے میں جو کچھ کہنا چاہتی ہوں یہ ہے کہ اپنے کام کو اس طریقہ پر کرنا کہ آپ نقصان کی بجائے نفع حاصل کرتی رہیں۔ یہ آپ کے اپنے بس کی بات ہے۔

جو چیز آپ کے پاس موجود ہی نہیں وہ آپ کسی دوسرے کو کیونکر دے سکتے ہیں؟ اسی طرح اگر آپ کے اندر طاقت اور بل نہیں۔ تو آپ کسی دوسرے کی امداد بھی نہیں کر سکتے۔ اگر ان سطور کے پڑھنے والوں میں سے کوئی ایک آوارہ گرد اور ناکارہ۔ بگڑا ہوا مرد یا عورت ہو تو میں پوچھتی ہوں کہ اس کے وجود سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ لیکن اس کے برعکس جن کو طاقت صحت۔ زندگانی اور راحت یہ تمام چیزیں حاصل ہیں وہ جہاں کہیں جاتے ہیں۔ خدا کا اپنا نور پھیلانے کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔

سطور بالا میں جو باتیں علوم ذہنی کے مقاصد کے بارہ میں پیش کی گئی ہیں ان کا درحقیقت جلد بدن کی رنگت کی تبدیلی یا اصلاح سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ تو بھی چونکہ عمدہ اور نفیس رنگت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ علوم ذہنی ہی ہیں۔ اسلئے یہ جاننا اشد ضروری ہے کہ اس علم کا مقصد اور دائرہ اثر کیا ہے یہ کیا کرکے دکھا سکتا ہے؟ اور اس کے معتقدوں کے خیالات کیا ہیں؟ امریکہ میں ہزارہا شخصوں نے اس علم کی بدولت فائدہ حاصل کیا ہے اور اب یہ رفتہ رفتہ انگلستان میں ترقی پذیر ہے گو اکثر جاہل لوگ اس وقت تک اس پر نفرت اور حقارت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں ایسے آدمی قابل معافی ہیں کیونکہ اس دُنیا میں جب جب نئی اور عظیم دریافتیں عمل میں لائی گئیں ایسے شخصوں کی طرف سے اسی طرح نفرت، حقارت کا اظہار ہوتا رہا۔ ورنہ اتنی زبردست طاقت قوت ذہنی کے اندر موجود ہے کہ بہت سی حالتوں میں شدید و خطرناک امراض کا علاج صرف اس طاقت کے ذریعہ سے ہو گیا۔ حالانکہ ڈاکٹر لوگ اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود علاج میں کامیابی حاصل نہ کر سکے تھے اور انہوں نے فیصلہ دے دیا تھا کہ مرض لاعلاج ہے۔ تجربہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ من کی قوت آدمی کی صحت دل کی خوشی چہرہ کی خوبصورتی یا بدصورتی ان تمام باتوں کو پیدا کرنے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ اسی لئے میں بار بار زور دے کر کہتی ہوں کہ اگر آپ اس قوت سے صحیح علمی طریقہ پر کام لیں تو اسکی بدولت بڑی آسانی کے ساتھ نئی جلد بدن مل سکتی ہے۔

اس قسم کی وارداتیں دیکھنے میں آئی ہیں کہ کسی بیمار کو رسولی تھی یا تپ دق کا آغاز تھا یا اور کوئی خطرناک بیماری لگی ہوئی تھی۔ مگر یہ تمام حالتیں صرف من کی قوت کے ذریعہ سے اس طرح اصلاح پذیر ہو گئیں کہ گویا اسکے اندر جادو کی طاقت بھری ہوئی ہو۔ پس اگر مقابلہ کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس عظیم طاقت کی بدولت ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام پاجاتے ہیں اُس کی مدد سے جلد کا نیا ہو جانا یا رگوں اور لحمی ریشوں کے اندر قوت بخش صحت ور نئے خون کی بہم رسانی کا کام ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔

یاد رکھو یہ کوئی جادو کا عمل نہیں بلکہ صحیح قدرتی عمل ہے اس طریقہ سے کام لیتے ہوئے ہم قدرت کو اس کے اپنے پراسرار طریقوں پر اصلاحی عمل جاری رکھنے کا موقع دیتے ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ کام ایک رات کے عرصہ میں ہو جاتا ہے نہیں! اس کیلئے استقلال اور قوت ارادی کی ضرورت ہے۔

جب ایک مرتبہ آپ نے اپنے خیالات کو صحت ور رکھتے ہوئے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا لیا تو پھر آپ کو کسی طرح کی دقت یا دشواری کا سامنا نہ ہوگا۔ اسکے بعد جب تک آپ صحیح رستہ پر چلتی جائیں گی آپ کی جلد بدن تازہ صاف اور عہد شباب کی جھلک دکھانے والی رہے گی۔

اس عمل کے ذریعہ سے آپ اپنے بالوں کی قدرتی رنگت قائم و برقرار رکھ سکتی ہیں اس صورت میں نہ تو آپ کو خضاب لگانے کی ضرورت رہتی ہے نہ بال دھونے کیلئے خاص مصالحے درکار ہیں نہ بالوں کی مصنوعی ٹوپیاں پہننے کی حاجت ہوتی ہے۔

چہرے پر جو بدنما جھریاں اور لکیریں پڑ جاتی ہیں اُن کو بھی اس ذریعہ سے دور کیا یا باز رکھا جا سکتا ہے۔ اگر آپ نے یہ عمل جاری رکھا تو پھر آپکی آنکھوں کے گرد ویسے ہی خوشنما خطوط تو بیشک نظر آئیں گے جو ہنسنے یا مسکرانے سے پیدا ہوا کرتے ہیں اور جن کی موجودگی چہرہ کو نہایت اچھی آب دیتی ہے۔ لیکن انکے سوا اور کوئی بُری علامات بالکل پیدا نہ ہوں گی۔

اس عمل کے ذریعہ سے آپ اپنی جسمانی گدازی کو بھی مناسب حدود کے اندر رکھ سکتی ہیں۔ زیادہ موٹاپا اتنا ہی معیوب ہے جتنی حد سے بڑھی ہوئی لاغری۔ آپ کو اپنے جسم کی برائیوں اور نقصوں کو چھپانے کے لئے جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یا درزی سے کپڑوں کی تیاری میں جن باتوں کا خیال رکھوانا پڑتا ہے تاکہ جسمانی نقص ظاہر نہ ہونے پائیں یہ تمام باتیں ہمیشہ کے لئے دور ہو جائیں گی۔ اور اگر آپ کا بدن سوکھا ہوا اور استخوانی ہے تو اس میں گوشت اور پوست بھر جائے گا ابھری ہوئی ہڈیاں دکھائی دینی بند ہو جائیں گی۔

اس قدر تفصیلی حالات سننے کے بعد مجھ کو یقین ہے کہ آپ یہ ماننے پر مجبور ہو جائیں گی کہ یہ حیرت انگیز علم واقعی آزمائش کے قابل ہے اگر کوئی عورت صحیح طریقوں پر

بقیہ صفحہ ۶۹ پر دیکھو

بے وفا عورت کی پہچان

میں جس زمانہ میں نیویارک گیا ہوا تھا۔ ع۔ م۔ ایک رسالہ کے ایڈیٹر نے جو زیادہ تر عورتوں کے معاملات سے دلچسپی لیتے ہے مجھ سے یہ سوال پوچھا۔

آپ کی رائے میں کتنی علامتیں ایسی ہیں جن سے یہ بات جانی جا سکتی ہے کہ کوئی عورت اپنے شوہر سے بیوفائی کر رہی ہے؟

"اگر آپ صحیح تعداد پوچھنا چاہتے ہوں میں نے بڑا ہمت لیکر یہ جواب دیا" تو لکھ لیجئے۔ ان کی کل تعداد ایک کروڑ چالیس لاکھ ۲۰ ہزار پانچ سو تریسٹھ ہے"

ایڈیٹر صاحب کے چہرہ پر ہوائیاں سی چھٹنے لگیں۔ شاید وہ سوچ رہے تھے کہ ان سب کو درج کرنے کے لئے رسالہ میں سالہا سال کے لئے ایک سلسلہ شروع کر دینا پڑے گا۔ بہرحال سنبھل کر کہنے لگے آپ کی رائے میں جو بین نشانیاں سب سے بڑی ہیں ان کو خلاصہ کر کے میرے رسالہ کے لئے لکھ دیجئے"

میں نے اُس وقت ان کی بات ان سُنی کر دی لیکن بعد ازاں چونکہ انہوں نے خط کے ذریعہ سے اصرار کرنا شروع کیا اسلئے میں نے مجبوراً یہ بیس نشانیاں لکھ دیں میری طرف سے کھلی اجازت ہے کہ اور بھی جس اخبار یا رسالہ کے مہتمم چاہیں ان کو نقل کر لیں:-

۱۔ اس قسم کی بیوی ہمیشہ وقت کی پابندی نہ رہنے اور بعض اوقات بیشتر وقت پر مکان پر نہ آنے کی عادات رکھنے کے باوجود یکا یک گھڑی کی طرح پابند اوقات ہو جاتی ہے حتےٰ کہ جب شوہر مکان پر آتا ہے تو اسکو ملامت آمیز لہجہ میں کہتی ہے ارے آپنے کتنی دیر کر دی! میں تو ایک گھنٹہ سے راہ تک رہی ہوں۔ خدا کے لئے اتنی دیر نہ کیا کرو میں برداشت نہیں کر سکتی"

۲۔ ایسی عورت جب مکان سے باہر جاتی ہے تو خوب بنا ٹھنا کر کے جاتی ہے لیکن واپسی پر اس کا حسن پامال، سنگار بگڑا ہوا اور حالت بُری نظر آتی ہے

۳۔ ایسی عورت اپنے شوہر کے ساتھ ضرورت سے زیادہ پیار و محبت کا سلوک کرتی ہے وہ اکثر اس کو مخاطب کر کے کہتی ہے پیارے تم کتنے تھکے ماندے نظر آتے ہو میں تو خیال کرتی ہوں تم اپنی جان ہلکان کر رہے ہو" یا کوئی اس طرح کا فقرہ کبھی تھوڑا سا وقت تو میرے پاس بیٹھنے کے لئے بھی نکالا کرو" اگر شوہر کو سردی لگ جائے تو ایسی عورت جھٹ اس کو نمونیہ قرار دینے لگتی ہے اور غیر معمولی تندہی سے اس کی خدمت کرتی ہے اکثر حالتوں میں اسکے دل کو کچھ چکر افسوس ہوتا ہے کہ شوہر کو کوئی بھی بیماری لاحق کیوں نہ ہوئی تاکہ ایسی عورت میں وہ اور زیادہ محنت سے خدمت کر سکتی۔

۴۔ ایسی عورت یکایک یہ شکایت کرنے لگتی ہے کہ میری مصروفیتیں اتنی بڑھی ہوئی ہیں کہ نہیں جانتی کہ ان سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکوں گی۔ مجھ کو بزاز کے ہاں جانا ہے۔ جوتا خریدنا ہے۔ سنار کی کچھ متفرق چیزیں بھی آنیوالی ہیں۔ نیز میرے دانت میں تکلیف ہے۔ دندان ساز کے ہاں بھی ہوتی آؤنگی۔ میری سہیلیوں میں سے ایک نے کسی خیراتی کام کے لئے جلسہ کیا ہے وہاں نہ گئی تو بُری کہلاؤں گی میری ایک اور سہیلی بیمار پڑی ہے اسکی مزاج پرسی کیسے نہ کروں؟ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے کام میرے لئے اکٹھے جمع ہو گئے ہیں۔

۵۔ ابھی دسمبر یا جنوری کی سردیاں بھی ختم ہونے نہیں پاتیں کہ وہ اگلی گرمیوں میں کسی پُر فضا مقام پر جانے کا ذکر لے بیٹھتی ہے اور اس سلسلہ میں کسی خاص مقام کی تعریف کرنے لگتی ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وقت پر کسی دوسرے ہی مقام کا رُخ کر لے۔

۶۔ ان ایام میں ایسی عورت لوگوں کا یکساں طور پر ملازمت پیشہ لوگوں سے ہمدردی ہونے لگتی ہے مثال کے طور پر وہ کہہ دیگی" بیچارے پانی میں شوفر بیچارے کو دن بھر موٹر چلانی پڑتی ہے" چنانچہ اس ہمدردی کا عملی ثبوت دینے کیلئے وہ بار ہا اُسے موٹر سمیت واپس کر دیتی ہے اور خود کچھ عرصہ کے بعد کرایہ کی موٹر پر سوار ہو کر واپس آتی ہے۔

۷۔ ایسی عورت بے پرواہی سے کوئی نہ کوئی چیز کسی دوکان پر چھوڑ آتی ہے کبھی ہاتھ میں پہننے کی چوڑی کبھی کلائی پر باندھنے کی گھڑی۔ لیکن اس سے اگلی شام کو وہ فخریہ کہنے لگتی ہے کہ کھوئی ہوئی چیز مل گئی اور میرے پاس آ پہنچی ہے

۸۔ وہ بار بار اپنی کسی سہیلی کا نام لیکر اس بات کی شکایت کرنے لگتی ہے کہ بڑی جھوٹی اور گپ باز ہے حالانکہ پیشتر کبھی اس نے اس کا ذکر بھی نہ کیا تھا۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ جب وہ سہیلی اُس کی خفیہ کارروائیوں کے متعلق کوئی راز افشا کرنے لگے تو شوہر اس کو جھوٹا سمجھ کر اسکی بات کو بالکل ہی اَن سُنا کر دے۔

۹۔ جس مرد سے اس کے دَرپردہ تعلقات ہیں وہ اس کا ذکر آنے پر چپ نہیں رہ سکتی۔ بلکہ بلا ضرورت اُس کی بُرائی کرنے لگتی ہے اور مبالغہ آمیز لفظوں میں کہتی ہے کہ مجھے اسکی رتی بھر پرواہ نہیں۔ انتہا یہ ہے کہ کسی وقت جوش کی حالت میں وہ یہاں تک کہہ گذرتی ہے کہ اگر تقدیر اُسے اور مجھ کو کسی ویرانہ میں لیجا کر چھوڑ دے اور وہاں ہم دونوں موجود ہوں تو میں اُسکے

سایہ تک سے گریز کروں (پروفیسر فرائیڈ کا بیان ہے کہ جو عورت ایسا کہے اس کی نسبت جان لو کہ وہ اپنے دل میں مرد مذکور کے ساتھ علیحدہ رہنے کی انتہائی خواہش رکھتی ہے)۔

۱۰۔ ایسی عورت پیشتر کسی جلسہ و دعوت کی تقریب پر خود مہمانوں کی فہرست مرتب کیا کرتی تھی لیکن اب وہ اس فرض کو اپنے شوہر کے ذمہ ڈال دیتی ہے۔ اور اُمید کرتی ہے کہ وہ محض اتفاقاً اُس مرد کو بھی شریک ہونے کی دعوت دیگا جس کو وہ بطور خود مدعو کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ جہاں اس کا شوہر جانا چاہتا ہے وہ اُس کے ساتھ وہاں جانے سے تھوڑا ہچکچاتی ہے لیکن انجام کار ساتھ چلنے کو آمادہ ہو جاتی ہے۔ (لیکن یہ اسی حالت میں ہوتا ہے کہ عورت کو یقین ہو کہ وہ جس سے اسکی محبت ہے وہاں موجود ہوگا۔)

۱۱۔ جب کبھی اُسکا شوہر کوئی قیمتی تحفہ اُسے دیتا ہے مثلاً کسی قسم کا زیور یا فر کا بنا ہوا کوٹ یا کوئی اور چیز تو وہ مبالغہ آمیز پیرایہ میں اس کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ پیشتر وہ جس صادق پیرایہ میں خوش ہوا کرتی تھی اب وہ بات اس میں نظر نہیں آتی اس طرح کے موقعوں پر وہ عموماً یہ کہتی سی جاتی ہے "تم میرے لئے ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے لگے ہو"

۱۲۔ وہ مختلف فوٹوگرافروں سے آئے دن نئے نئے فوٹو کھچواتی رہتی ہے۔

۱۳۔ وہ نئی نئی باتیں دریافت کرنے لگتی ہے مثلاً یہ کہ وہ عورتیں کتنی خوش ہیں جن کے بہت سے بچے ہیں "کبھی کہتی۔ "کاش میں مرد ہوتی" کبھی کہنے لگتی ہے کہ "اس زندگی میں کسی کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا" یا "عورتیں بُری ہیں مرد ان سے بدتر" لیکن جو بات وہ اکثر کہتے سُنی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ "عرصہ زندگی حد درجے مختصر ہے۔"

۱۴۔ وہ دفعتاً کسی سہیلی کے ساتھ غیر معمولی محبت کرنے لگتی ہے۔ حالانکہ پیشتر وہ اس سے بے پروائی برتا کرتی تھی تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ان کی ٹیلی فون پر باتیں ہوتی رہتی ہیں وہ اپنی سہیلی کے پاس بسا اوقات ملنے کے لئے جاتی ہے لیکن وہ بہت کم اُس کے مکان پر آتی ہے ایسی عورت یہ کہتے سُنی جاتی ہے کہ میں تو پیشتر جانتی بھی نہ تھی کہ وہ اتنی شریف و پاکباز ہے یا اتنی باوفا سہیلی ثابت ہو سکتی ہے۔

۱۵۔ وہ چٹھیاں کم لکھتی ہے لیکن اس کے باوجود اس کا سامان نوشت روز بروز کم ہوتا چلا جاتا ہے۔

۱۶۔ وہ سابق کے مقابلہ میں کھانا کم کھاتی ہے البتہ سگرٹ زیادہ پیتی ہے۔ (یہ سب کچھ مغربی عورتوں کے متعلق ہے)

۱۷۔ اگر اسکا شوہر کبھی برسبیل تذکرہ یہ کہہ دے کہ فی زمانہ طلاق کی وارداتیں بڑھ رہی ہیں تو وہ جھٹ کچھ الفاظ اس مطلب کے کہہ دیتی ہے "خدا جانے وہ کیسی عورتیں ہیں جو طلاق لیتی ہیں میں تو کبھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں" یا "خدا کا شکر ہے کہ تم مجھے مل گئے"۔

۱۸۔ پیشتر اگر اس کا شوہر کبھی غلطی سے چٹھی کھول لے تو وہ سخت ناراض ہو جایا کرتی تھی لیکن اب وہ خود اپنے شوہر سے درخواست کرتی ہے کہ تم میری چٹھی کھول کر پڑھ لو مجھے تو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی۔

۱۹۔ اگر اس کو لیٹے لیٹے اخبار پڑھنے کی عادت ہے تو وہ ضرور اخبار کا وہ صفحہ پڑھنے لگے گی جس پر پُرجوش رقابت کے کسی واقعہ یا سانحہ کا ذکر ہو۔ یہ بات دوسرے دن اخبار کے اُلٹے ہوئے ورق کو دیکھ کر معلوم کی جا سکتی ہے۔

۲۰۔ اب اس کو معمولی قسم کے فیشن ایبل گیت پسند نہیں ہوتے بلکہ وہ پیانو پر بیٹھ کر اعلیٰ قسم کی موسیقی بجانا پسند کرتی ہے اس سلسلہ میں مشاہدہ سے قبیل باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اگر وہ چوپن کی کوئی گت بجانے لگے تو سمجھ لو کہ وہ کسی غیر مرد سے آنکھ لڑانے لگی ہے اسکی طرف سے محتاط رہنا چاہیئے گریگ کی گت بجاتی ہے تو ضرور کسی سے محبت کر رہی ہے۔ اگر شومن کی موسیقی کی دلدادہ ہے تو پھر کسی غیر مرد سے اس کی اندھا دھند محبت ہو چکی ہے رچرڈ اسٹراس کی موسیقی پسند کرنے کی صورت میں جان لو کہ معاملات نے انتہائی صورت اختیار کر لی۔ مینڈلسن بجانے پر سمجھ لو کہ وہ عجب کشمکش میں مبتلا ہے اور اگر انجام کار پھر چوپن بجانے تو یہی سمجھنا چاہیئے کہ دونو کا معاملہ ٹوٹ گیا۔

بس یہاں پر وہ بیس علامتیں ختم ہو گئیں جن کا ذکر میں نے کیا تھا ان میں میں نے ایک علامت قصداً شامل نہیں کی جبکہ بیوی اپنے شوہر سے رقابت کرنے لگتی ہے میرے خیال میں یہ اتنی پُرانی علامت ہے کہ ہر شخص اس سے واقف ہوگا۔

خاتمہ پر صرف چند باتیں قابل ذکر ہیں ایک یہ کہ مذکورہ بالا عورت کی بیوفائی کی فیصلہ کن یقینی علامات نہیں ہیں بیشمار اور علامات ایسی ہیں جو کبھی مرد کی نظر میں نہیں آئیں۔ اسی لئے داناؤں نے کہا ہے کہ عورت کے دل کا حال کب کسی نے جانا ہے +

(بقیہ صفحہ ۲۱ **چہرہ کو خوبصورت اور دلکش بنانے کا راز**) چلتے ہوئے ان ہدایات کی پیروی کرے تو وہ صحیح معنوں میں خوبصورت اور شاندار عورت بن سکتی ہے جسے اپنے چہرہ اور بدن کی نقصوں کو چھپانے کیلئے کسی بھی صنعت یا بناوٹ کی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر سچ پُوچھئے تو میں اتنا ہی نہیں چاہتی کہ آپ جوان سطور کو پڑھتی ہیں ایک تنی جلد حاصل کر لیں بلکہ میری خواہش تو یہ ہے کہ آپ کا جسم اور من بنا ہو آپ طاقتور بن جائیں اور اپنی ذات پر بھروسہ کر سکیں۔ کیونکہ جب ایک مرتبہ وہ تمام چیزیں آپ کے اندر آ گئیں جو خوشی کے لئے لازم ہیں تو پھر آپ کا طاقتور اور پُر اعتماد بننا ذرا بھی دشوار نہ ہوگا۔ ان ہدایات پر عمل کرتے ہوئے نہ آپکو کسی حسن کے ڈاکٹر کے پاس جانے کی حاجت رہے گی نہ کسی پیشہ ور یا عطائی مالش کرنے والے کے پاس +

شاعر کا تبسّم

از جناب سید منظر حسن صاحب منظرؔ

نسمانی فضا کے ذرّات منوّر ہو رہے تھے۔ تاروں پر وجدانی کیفیت طاری تھی۔ مسرت کی یہ حالت تھی کہ لاتے اصول رفتار بھول جاتے تھے۔ مسرت آمیز بے حسی چھا گئی۔ چاند نکلا، پوری متانت اور سنجیدگی کیساتھ۔

"چاند کے حُسن کا تدبّر چاندنی میں منتقل ہونے لگا" تاروں کی مستی سنجیدہ ہو گئی"

"فضائی ذرات چاندنی کے مست شباب کا حُسن لُوٹ لُوٹ کر حسین بننے لگے"

"حسین چاند کے حُسن کی سُنہری ہوتی دلفریب لہریں، بل کھا گئیں"

کمبخت "گھٹا" نے یہ ظلم ڈھایا تھا۔

پ کیا تھا۔ اِدھر جذبۂ نفرت جاگ اُٹھا اور اُدھر ظلم و ستم کے دیوتا نے نگڑائی لی۔ "چاند چھپا گا جا رہا تھا اور سیاہ گھٹا رنگ بدل رہی تھی" چاند دُور نکل چکا تھا۔ گھٹا تھک کر تاروں سے بدلہ لے رہی تھی۔

ئے چلپل مچ گئی۔ تاروں کی دُنیا میں کہرام برپا ہو گیا۔

اروں کے سردار نے گھٹا کو بڑی تیکھی نگاہ سے دیکھا۔ حکم ہوا: "چاند ہے، نہیں تو احترام کس کا۔ ظالم گھٹا کا چھپ جاؤ۔ چمک اور روشنی کو بھی چھپا لو۔ بھٹکنے دو کمبخت گھٹا کو؛ اس تاریکی میں خود آنکھیں کھُل جائنگی"

رہبر کی آواز تھی۔ حکم کے الفاظ ابھی فضا میں پُوری طرح منتشر بھی نہیں ہوتے تھے کہ عمل شروع ہو گیا۔ بچہ تارا۔ چھوٹا تارا۔ جوان تارا۔ بوڑھا تارا۔ ہر تارا چھپنے لگا۔ رہبرِ قوم کی منور اور دُور بین نگاہوں نے جب دیکھ لیا کہ ہر دل میں جذبۂ خودی موجود ہے، تو اُسے سکونِ قلب نصیب ہوا۔ اور سب جدا پنے نورانی جمال و جلال کے ساتھ، گھٹا کی نظروں کے سامنے ہی غصّہ میں تھرتھراتا ہوا غائب ہو گیا۔

اب تاریکی تھی۔ پُوری تاریکی۔ اندھیر گھُپ۔ گھٹا اس تاریکی میں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی تھی، مگر کہیں بھی ٹھکانا نہ ملا۔ بجلی سے طالب امداد ہوئی "بجلی کی ایک ہی کڑک پر، خوف سے تھرّا کر ناچتی ہوئی بھاگی" پہاڑ کی چوٹی کے سامنے رحم و کرم کے لئے روئی۔ مگر اسکے مرتبہ اور عروج سے گھبرا کر ٹکرا گئی۔ "شدید زخمی ہوئی اور بھاگی"

اب کیا کرتی۔ سیہ بختی کی گھٹا چھا گئی تھی۔ مگر۔ خیر۔ "فطرت" نے رحم کھایا۔ بجلی اور پہاڑ کی چوٹی نے حکم دیا: "اے گھٹا! جا اور جا کر رو۔ پھر اپنی خطا کی معافی مانگ۔ اتنا رو کہ دُنیا کا چپہ چپہ بھیگ جائے۔ اور فطرت گواہی دیدے کہ ہاں گھٹا اپنی ذلیل حرکات پر نادم ہوئی تھی۔ اور رو ئی تھی"

گھٹا آئی۔ پہلے تاروں سے مخاطب ہوئی۔ تارے خوش ہو کر سُن رہے تھے۔ پھر گھٹا روئی۔ اور خوب خوب قطراتِ اشک گرے۔ زمین پر اُگے ہوئے سبز پودوں نے کہا۔ "ہاں" روئی تھی گھٹا۔ کسان نے بھی کہا۔ ٹھیک ہے۔ شرمائی تھی گھٹا۔ اور شرم کے مارے پانی پانی ہو گئی تھی"

شاعر کے معصوم لبوں پر تبسّم رقصاں تھا۔ تاروں کو شُبہ پیدا ہو گیا۔ تاروں نے اشاروں سے شاعر سے پُوچھا۔

"اے شاعر! یہ مُسکراہٹ کیسی؟۔ اے مستقبل کے حالات کی ترجمانی کرنے والا! کیا گھٹا کے آنسو جھُوٹے تھے"؟

نہیں۔ سچے آنسو تھے۔ اور اب ایسا نہیں کریگی" شاعر نے کہا۔

"پھر تو مُسکرا کیوں رہا تھا"؟ تاروں نے پوچھا۔

"میں فلسفۂ ظلم و ستم اور اسکے "نتائج" پر غور و فکر کر رہا تھا کہ تیری معصوم پریشانی کی دلفریبی نے دل میں ایک گدگدی پیدا کر دی، اور میں مسکرا پڑا" شاعر نے ہنسکر جواب دیا۔

تاروں نے پھر پُوچھا۔ "تو کسی کی مصیبت پر مسکراتا ہے"؟

شاعر نے منتشر بالوں کو درست کرتے ہوئے کہا "شاعر مجبور ہے۔ ہر حال میں مسکراتا ہے"

تاروں نے گھٹا کی خطاؤں کو بخش دیا۔ گھٹا شرمائی ہوئی بھاگی جا رہی تھی۔ چاند تاروں کے لشکر کے ساتھ فضا کے وسیع میدان میں حکمراں تھا۔

ہر تارا اپنی اپنی جگہ پر حسبِ دستور مشغول کار ہو گیا۔

کائنات حُسن و جمال کا گلشن بن گئی۔ صحن میں بیٹھا ہوا بوڑھا شاعر مسکرا رہا تھا۔ ایک ضعیف تارے نے کسی نوعمر تارے سے کہا۔ دیکھا۔ شاعر نے سچ کہا تھا کہ "شاعر ہر حال میں مسکراتا ہے" نوعمر تارا جس کی چشمِ تخیل کے سامنے گذشتہ انقلاب کے خوفناک اثرات، اب تک صبح فرسا نظارے پیش کر رہے تھے۔ اور جو ایک گھبرایا سا اور کچھ کھویا سا تھا، مسکرانے لگا۔

مُسکراہٹ عام ہو گئی۔ ہر تارا متبسم ہو گیا۔ تاروں کے ساتھ ہی کائنات مرکزِ تبسّم بن گئی۔

بوڑھے شاعر کے تبسّم نے سحر کاری شروع کر دی، اور شاعر کا معصوم دل اپنے ضعیف آقا کی کامیابی پر رقص کر رہا تھا۔

"شاعر برابر مُسکرا رہا تھا۔ اور کائنات تقلید کر رہی تھی" (فقط)

دنیا کا منحوس ترین ہیرا

ٹیورنیر سترھویں صدی کا ایک مشہور فرانسیسی سیاح گزرا ہے۔ زندگی میں صرف دو باتوں کا اسکو شوق تھا ایک سیر و سیاحت کا اور دوسرے قیمتی جواہرات کو فراہم کرنے کا۔ آخری مطلب کیلئے وہ کسی بڑے سے بڑے طریقہ کو عمل میں لانے سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔ اگر جواہرات کی قسم سے کوئی چیز غیر معمولی اس کو نظر آجائے اور وہ اس کو پسند کرنے لگے تو پھر وہ اس پر قبضہ پانے کیلئے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے کوشش کر کے ضرور اسے پا لیتا تھا۔ فرانس کے دربار شاہی میں اس کو خزانچی کا عہدہ حاصل تھا جسکی اسے معقول تنخواہ ملتی تھی لیکن جواہرات کو جمع کرنے کا شوق جو پہلے دن سے اس کے دل کو لگا ہوا تھا۔ اس نے کبھی اس کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ حتیٰ کہ اسّی سال کی عمر میں وہ اپنا عہدہ چھوڑ کر صرف اسلئے سیاحت عالم پر روانہ ہوا کہ دنیا دیکھے اور اس میں جو نادرات دستیاب ہوں ان کو جمع کرتا چلا جائے۔ یہی وہ یادگار شہر تھا جس میں اس نے دنیا کے ایک نہایت بیش قیمت اور لاثانی جواہر کو پانے میں کامیابی حاصل کی۔

وہ سفر کرتے کرتے ہندوستان پہونچا یہاں اس زمانہ میں شاہان مغلیہ کی حکومت تھی بادشاہ نے اس کا بڑا پر تپاک خیر مقدم کیا۔ اس کے اعزاز میں شاہی پیمانہ پر ایک عظیم دعوت دی گئی جس کے بعد خاص رعایت کے طور پر اس معزز مہمان کو وہ کان الماس دیکھنے کا موقع دیا گیا۔ جس کی دید کا پیشتر کسی یورپین کو موقع نہ ملا تھا اتنا ہی نہیں بلکہ بادشاہ نے اس تقریب پر ٹیورنیر کو ایک نہایت آبدار ہیرا بطور تحفہ پیش کیا۔ جسے دیکھکر اس نامور جوہری کی آنکھیں کھل گئیں۔ جس وقت بادشاہ نے بڈھے فرانسیسی کو اس ہیرے کی تعریف کرتے سُنا جو اُس نے اس کے حوالہ کیا تھا تو وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا "اگر تم اتنے پر ہی خوش ہوئے جاتے ہو تو میں نہیں جانتا کہ نیلگوں الماس دیکھکر تمہارا کیا حال ہوگا"۔

ٹیورنیر نے جب یہ بات سُنی تو اس کے سینہ میں آتش شوق بے طرح مشتعل ہوگئی ہے۔ ہر لحظہ یہ خیال دامنگیر رہنے لگا کہ اس نادر الماس کو ایک نظر دیکھنا تو چاہیئے۔ بادشاہ سے کئی کئی طریقوں پر سوالات پوچھکر وہ اتنا معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ الماس مذکور ایک نہایت قدیم مندر میں رکھی ہوئی دیوتا کی مورتی کی پیشانی میں جڑا ہے اور کوئی اسے پا نہیں سکتا۔

ٹیورنیر نے اس وقت سے اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا کہ ایک نظر اس عجوبۂ روزگار الماس کو دیکھنا ضرور چاہیئے۔ اس کے بعد اگر وہ اتنا ہی نادر اور انمول ثابت ہوا جتنا بادشاہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر اس بات کا فیصلہ کرنا میرے ذمہ ہوگا کہ اسے کیونکر حاصل کرنا چاہیئے۔ اس ارادہ کو لیکر وہ اس مندر کی طرف روانہ ہوا اور چونکہ بادشاہ سلامت کا مہمان تھا اسلئے شہر کے باشندوں اور مندر کے پجاریوں نے اس کی خوب ہی آؤ بھگت کی۔ کسی طرح کی رکاوٹ ان کی طرف سے اس راہ میں پیدا نہ کی گئی۔

ان لوگوں کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ یہ بھی کسی مغربی ملک کا حکمران ہے۔ ان حالات میں ان کا خیال تھا کہ اگر اس کو مندر میں رکھی ہوئی مورتی دیکھنے کا موقع دیا جائے تو کچھ برائی نہ ہوگی۔ ٹیورنیر بڑا مکار اور عیار فرانسیسی تھا۔ جونہی اس نے ہیرے کی چمک دیکھی آنکھوں میں خیرگی آگئی اور سینہ میں حرص کی آگ بھڑکنے لگی وہ قصداً مورتی کے سامنے ادب سے زانو خم کر کے بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کو اس طرح چھپا لیا گویا سچ مچ ڈرتا تھا کہ دیوتا کا قہر اس پر نازل ہوکر اس کو وہیں بھسم نہ کردے لیکن درحقیقت اس نے منہ کو چھپانے کے بہانے سے انگلیوں کی درزوں کی راہ سے بغور مورتی کی طرف دیکھنے اور یہ معلوم کرنے کا موقع پیدا کر لیا کہ ہیرا کتنا بڑا ہے۔ اس کی شکل و صورت کیسی ہے اور وہ کس طریقہ پر مورتی کے اندر جڑا ہوا ہے۔ اس میں فائدہ یہ تھا کہ جتنے پجاری اس کے آس پاس کھڑے تھے وہ اس کے ارادہ سے لاعلم ہی رہے۔ ٹیورنیر نے جو کچھ معلوم کرنا تھا کر لیا۔ پجاری یہی سوچتے رہے کہ وہ رعب کے مارے منہ چھپا کر بیٹھا ہے۔

کچھ عرصہ اسی طرح عجز و انکسار کی حالت میں بیٹھے رہنے کے بعد ٹیورنیر جس کے بدن میں اسی خیال سے جوش کی تھرتھری پیدا ہو رہی تھی کہ میں انجام کار اس ہیرے کو پا کر کتنا مالدار ہو جاؤنگا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور اوسط درجہ کا ایک جوہر مندر میں چڑھانے کیلئے پجاریوں کو پیش کیا۔ اس کا یہ فعل دیکھکر سادہ لوح پجاریوں کے دل میں کسی طرح کا شک و شبہ اس کے فاسد ارادہ کے متعلق نہ رہا بلکہ اگر کوئی بدگمانی پیشتر ان کو تھی تو اب وہ بھی زائل ہوگئی۔ اس کے بعد ایک دن عیار فرانسیسی نے موقع پا کر رات کے وقت اپنا نوکر ساتھ لیا اور مندر میں پُراسرار طریقہ پر داخل ہوگیا۔ دونوں نے ملکر ان چند پجاریوں کی جو مندر کے اندر موجود تھے مشکیں کس کر باندھ دیں اور ان کے منہ میں کپڑے ٹھونس دیئے۔

.وہ شور وغل نہ مچا سکیں۔ یہ کہہ کے ٹیورنیر نے وہ بیش بہا نیلمی ہیرا موورتی کی پیشانی
ے نکالا اور اس کے بعد جسقدر جلد ممکن ہوسکا فرار کی ٹھانی۔

ایت مشہور ہے کہ موورتی نے اس وقت سراپ دیا کہ یہ ہیرا جس کے پاس
یگا اس پر دنیا بھر کی مصیبتیں نازل ہونگی۔ یہ روایت صحیح ہو یا غلط لیکن اس
ں شک نہیں کہ اس دن کے بعد وہ منحوس ہیرا جس کسی کے ہاتھ آیا اس پر
صائب نازل ہوئے۔ چنانچہ سب سے پہلے خود ٹیورنیر آفت کا شکار بنا۔
رچہ وہ اس ہیرے کو لیکر ہندوستان سے رخصت ہونے میں کامیاب ہوگیا۔
تاہم اس کے چند سال بعد جب وہ ایک اور مہم پر جا رہا تھا تو بڑی
یانک موت مرا۔ کہا جاتا ہے کہ جنگلی درندوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے
ر دئے اور پھاڑ کر کھا گئے۔

انس پہنچنے کے بعد ٹیورنیر نے یہ ہیرا اس ملک کے بادشاہ لوئس چہاردہم کو پیش
۔ تاریخ شاہد ہے کہ خاندان شاہی کے کئی افراد عرصہ قلیل میں ہی لقمۂ اجل
گئے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو یہ اس ہیرے کی نحوست کا ہی اثر تھا کہ خود لوئس کی
رگی کا سلسلہ پیش از وقت منقطع ہوگیا اور اُسے اپنی موت سے پہلے بڑی ذلیل کن
رطوں پر دشمنی کے ساتھ صلح کا عہدنامہ کرنا پڑا۔

ناہی نہیں بلکہ بادشاہ کے منہ لگے احباب اور خواتین میں جس کسی کے پاس یہ
نحوس جواہر پہنچا وہی مبتلائے مصیبت ہوا۔ میڈ لوازم ڈی مونٹس پام نے صرف
ودن اس کو پہنا تھا کہ اتنے ہی میں بادشاہ جو عرصہ دراز سے اس پر مہربان
ہلا آتا تھا خفا ہوگیا۔ اسی طرح نامی فضول خرچ نکولس فوکٹ پر کئی طرح کی
فتیں نازل ہوئیں جب اس نے وازکے مقام پر اس خیال سے اس ہیرے
ی نمائش کی کہ بادشاہ سلامت مجھ پر اتنے مہربان ہیں کہ مجھ کو یہ نادر روزگار
یرا مستعار دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ انتہا یہ ہے کہ ایک اور شخص کولبرٹ
نے فوکٹ پر ایک نہایت سنگین الزام عاید کیا جس کے سلسلہ میں بادشاہ کے
لکم سے اس کو گرفتار کر لیا گیا اور وہ مدتوں ہیں ٹیل کے مشہور جیل خانہ میں
ڈدرہا جہاں آخرکار اس کی موت سکتہ سے واقع ہوئی۔

فتہ رفتہ یہ منحوس ہیرا بدنصیب بادشاہ لوئس شانزدہم اور اس کی ملکہ میری انٹائنٹ
ک پہنچا۔ دنیا جانتی ہے کہ انقلاب فرانس کے موقعہ پر گلوٹین کے ذریعہ سے
ن دونوں کے سر قلم کئے گئے۔ بادشاہ اور ملکہ کی ہلاکت کے بعد اس کمیٹی نے
و اپنے آپ کو امن کا محافظ قرار دیتی تھی جواہرات شاہی پر قبضہ کرلیا۔ انہی
ں یہ ہیرا بھی شامل تھا چنانچہ ان تمام چیزوں کو کمیٹی کی طرف سے ایک محفوظ
قام پر رکھوا دیا گیا۔ لیکن وہاں ایک دن نقب زنی کی واردات ہوئی اور
یلے ہیرے سمیت جتنے بھی جواہرات تھے غائب ہوگئے۔ کسی کو معلوم نہ تھا
ہ ہیرا کس کے قبضہ میں آیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ سراپ جو اس کے

سلسلہ میں ملا ہوا تھا۔ زائل نہ ہوا جس کا عملی ثبوت اسکے بعد جلد ہی مل شروع ہوگیا۔
ہوتے ہوتے ایک دن معلوم ہوا کہ یہ ہیرا ایمسٹرڈم پہنچ چکا ہے
چنانچہ فلاں نام کا ایک جوہری اس کام کیلئے مامور ہوا کہ اس کے پہلو تراش کر
اس کی چمک تیز کردے۔ یہ شخص مہینوں ہیرے کی درستی میں لگاتار محنت کرتا رہا
اور انجام کار جب وہ اس کو جلا دینے میں کامیاب ہوگیا تو اس کا اپنا بیٹا ہیرا
چرا کرلے گیا۔ اس کمبخت نے جاتے ہی ہیرا بیچ ڈالا جو آمدنی اس سے ہوئی
اس سے خوب رنگ رلیاں منائیں اور جب رقم خرچ ہوگئی تو خودکشی کرکے مرگیا۔

اس کے بعد یہ ہیرا ایک اور فرانسیسی فرنیک بولیو کے ہاتھ آیا پہلی
مصیبت تو اس کو یہ پیش آئی کہ مال مسروقہ جانتے اور اس حقیقت کو تسلیم
کرتے ہوئے کہ ایک ایسے نادر الماس کو کسی سے چھپا کر نہیں رکھا جا سکتا
وہ نہ تو اس کو پیرس میں نہ ایمسٹرڈم میں فروخت کرنے کی جرأت کرسکا کوئی
چارۂ کار نہ دیکھ کر اس نے کسی جوہری سے اس ہیرے کا ذرا سا ٹکڑا کٹوایا اور
اس سے جو آمدنی ہوئی اس سے رودبار عبور کرکے انگلستان پہنچا لیکن گو وہ
اس ارادہ سے چلا تھا کہ لندن پہونچکر اس کو فروخت کردونگا تاہم جب اس
شہر میں وارد ہوا تو جی کو دہشت لگ گئی کہ اگر کسی نے پہچان لیا کہ یہ وہی ہیرا
ہے جو دو مقامات سے چرایا گیا تھا تو مجھ پر آفت آجائے گی۔ ہیرا اس کے پاس
تھا لیکن روزگار کی اور کوئی سبیل نہ تھی۔ اسلئے بدنصیب شخص ہیرے کو فروخت
کرنے کی جرأت نہ کرتے ہوئے برسوں اس کو اپنی جیب میں چھپائے ذلیل سے
ذلیل کام کرتا رہا حتیٰ کہ مدت دراز تک اس نے لندن کی ..... سڑکوں
کی خاکروبی کی۔ روز بروز اس کی حالت بگڑتی ہی چلی گئی۔ یہاں تک کہ جب
آخرکار کھانے کیلئے ایک چھدام بھی اس کے پاس نہ رہا تو فاقہ کشی سے
تنگ آکر اس نے کہا خواہ کچھ ہو ہیرے کو بیچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بڑی
کشمکش و پیچ کے بعد وہ ایک جوہری کے پاس گیا الیاسن جس کا نام تھا۔ اور
الماس اس کو دکھا کر پانچہزار پونڈ قیمت طلب کی۔ الیاسن نے کہا ایسی مہنگی
چیز خریدنے سے پہلے میں غور کرنا چاہتا ہوں۔ ناچار بولیو بدنصیب کو مایوس
ہوکر اپنے مکان پر واپس جانا پڑا۔ اسکے چند دن بعد جب الیاسن نے روپے کا
انتظام کرلیا تو وہ ہیرا خریدنے کی غرض سے فرانسیسی کے مکان پر پہنچا۔ دیکھا
تو وہ چارپائی پر مرا پڑا تھا۔ معلوم ہوا کہ اتنی قیمتی چیز اپنے قبضہ میں رکھتے
ہوئے اسے محتاجی اور فاقہ کشی کی موت مرنا پڑا۔

جب سے ٹیورنیر اس ہیرے کو لیکر یورپ پہنچا تھا اس وقت کے بعد اب
دوسری مرتبہ اس کو پھر ایک بار تراشا گیا۔ پہلا ٹکڑا جسے بولیو نے پیرس میں
ایک ایسے آدمی کے ہاتھ فروخت کیا تھا جو چوری کا مال خریدا کرتا تھا اس نے
اسے سٹریٹر نام کے ایک انگریز کے ہاتھ فروخت کیا اور دوسرا ٹکڑا ڈیوک آف

برنزوک نے خریدا جس نے اس کا نام "برنزوک کا نیلا الماس" رکھا لیکن الماس کا بڑا ٹکڑا الیامن کے قبضہ میں ہی رہا جس نے انجام کار سنہ ۱۸۳۰ء میں اس کو نوّے ہزار پونڈ کے عوض ایک شخص کے ہاتھ بیچا جس کا نام ٹامس ہنری ہوپ تھا۔ باپ کے مرنے پر ہیرا اس کے بیٹے لارڈ فرانسس ہوپ کو ملا جس نے چند ہی سال کے عرصہ میں اپنی ساری دولت برباد کر دی اور جیسا کہ اس طرح کی حالتوں میں عموماً ہُوا کرتا ہے۔ اسکے دوست بھی ایک ایک کر کے جواب دے گئے۔

اس شخص نے سٹیج پر کام کرنے والی ایک ایکٹرس مے یوہی سے شادی کی تھی لیکن وہ اتنی فضول خرچ ثابت ہوئی کہ انجام کار ہوپ کو سنہ ۱۹۰۲ء میں اسے طلاق دے دینا پڑا۔ طلاق کے کچھ عرصہ بعد اس نے ہیرا فروخت کر دیا اور اسی طریقہ پر یہ منحوس چیز اس خاندان کے قبضہ سے نکلی جس کے نام سے اس کا نام مشہور ہُوا ہے۔

اس وقت سے لیکر ہوپ ہیرا کئی شخصوں کے ہاتھوں سے گزرا لیکن یہ بات ہر موقع پہ دیکھی گئی کہ جس آدمی کے ہاتھ وہ آیا اس پہ نادیدہ مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو گئیں۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں پرنس پوئیا ٹوسکی نے جس کے پاس یہ ہیرا پہنچ چکا تھا اسے اپنی داشتہ فرانسیسی ایکٹرس میڈ لوازم لادیوک کے حوالے کیا وہ اسے پہنکر فولیز برگری نامی تھیٹر میں کام کرنے لگی۔ جب سٹیج پہ آئی تو اس نے یہ ہیرا اپنے بدن پر سجا رکھا تھا تاکہ حاضرین دیکھیں اور عش عش کریں لیکن جہاں صدہا اشخاص نے میڈ لوازم کے حسن بے تمثال کو اس ہیرے کی آب سے اور بھی زیادہ لاجواب ہوتا دیکھ کر صدائے تحسین بلند کی وہیں ناگاہ ایک بھیانک واقعہ بھی پیش آیا۔ تھیٹر کی ایک بکس سیٹ میں پولینڈ کا ایک شہزادہ بیٹھا تھا وہ بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کسی طرح کا اضطراب ظاہر کئے بغیر اس نے پے در پے تین گولیاں چلائیں جنہیں کھا کر بدنصیب ایکٹرس وہیں سٹیج پہ ڈھیر ہو گئی!

اس قتل کے چند دن بعد شہزادہ ایک روز پیرس کے بازار سے گذر رہا تھا کہ کسی نے دن دہاڑے اس کو بھی قتل کر دیا!

تیسرا بدنصیب جو اس سلسلہ میں مرا وہ ایک جوہری تھا جس نے یہ ہیرا پرنس کے ہاتھ بیچا تھا اور چونکہ پرنس نے ابھی تک اس کی قیمت ادا نہ کی تھی اس لئے اس کی ہلاکت کے بعد جوہری یہ سوچکر کہ میں بالکل تباہ و برباد ہو گیا ہوں خودکشی کر کے مر گیا۔

اب یہ منحوس ہیرا قسطنطنیہ پہنچا جہاں ایک یونانی جوہری نے اس کو سلطان عبدالحمید کے پاس فروخت کیا جس کا حشر ہر شخص کو معلوم ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ جوہری بھی اس کی نحوست سے نہ بچا۔ وہ اپنے اہل و عیال کو لیکر قصر شاہی میں گیا تھا خود جسوقت وہ اندر گیا تو اس کی بیوی اور بچے گاڑی میں بیٹھکر اس کا انتظار کرنے لگے۔ اسی حالت میں یکایک گھوڑے اٹھے اور بے تحاشہ بھاگنے لگے گاڑی چکنا چور ہو گئی اور جتنے آدمی جوہری کے کنبہ کے اس کے اندر موجود تھے سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

اس کے بعد کچھ عرصہ تک معلوم نہ ہو سکا کہ یہ ہیرا کہاں گیا حتیٰ کہ انجام کار اس کا سراغ امریکہ میں ملا جہاں وہ اب تک موجود ہے۔ مسز میکلین نے جس کے پاس وہ ہیرا ان دنوں موجود ہے اپنی لکھی ہوئی ایک کتاب میں اس کے متعلق وہ تمام حالات درج کئے ہیں جن میں وہ اس کے قبضہ میں آیا تھا اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسز میکلین نے جس کا شوہر اخبار "واشنگٹن پوسٹ" کا مالک اور نامور کروڑ پتی گذرا ہے اس شرط پر اس کو خریدا تھا کہ اگر اس ہیرے کی موجودگی سے خود اس کو یا اس کے کنبہ کے کسی فرد کو گزند پہنچا تو اسکو اختیار ہوگا کہ ہیرا واپس دے کر اس کی ادا کی ہوئی قیمت وصول کر لے۔

ہیرے کی خرید کے ایک ہی سال بعد سنہ ۱۹۱۲ء میں مسز میکلین کا اکلوتا بچہ ونسن نوکرانی کے ساتھ سیر کرنے گیا۔ نوکرانی کا بیان ہے کہ اس نے دفعتاً اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھڑا لیا اور دوڑ کر اسی طرف کو بڑھا جدھر سے ایک موٹر کار بے تحاشہ دوڑی چلی آتی تھی چشم زدن میں وہ اس کی جھپیٹ میں آ گیا جب بچے کو موٹر کے نیچے سے نکالا گیا تو معلوم ہوتا تھا اسے کوئی شدید چوٹ نہیں آئی حتیٰ کہ وہ نوکرانی کے ساتھ پیدل چلکر مکان تک آ گیا۔ لیکن اس کے بعد دفعتاً رعشہ کی علامات نمودار ہونے لگیں اور اس سے اگلی صبح کو وہ دو بجے کے قریب مر گیا۔

لیکن ہیرے کی نحوست ابھی ختم نہ ہوئی تھی اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد مسٹر میکلین نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی خود فی الحال امریکہ کے ایک پاگل خانہ میں بند ہے۔ جہاں وہ کئی کئی طرح کی واہیات باتیں بکتا رہتا ہے۔ بیوی کے پاس جتنی دولت تھی وہ اس کے باپ نے کاروبار میں لگا کر تباہ و برباد کر دی۔

اپنے عزیز بیٹے ونسن کی موت کے بعد مسز میکلین نے شاذ و نادر ہی اس ہیرے کو پہنا ہے یار ہا اس کے جی میں آتی ہے کہ اس منحوس سنگریزے کو یا تو اسی مورتی کی پیشانی میں لگوا دے جہاں سے ٹیورنیئر اس کو لایا تھا یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر کسی عجائب گھر میں رکھوا دے۔ لیکن ابھی تک اس نے کوئی پختہ ارادہ نہیں کیا۔ فی زمانہ وہ اس ہیرے کو فروخت کرنیکی تجویز سوچ رہی ہے۔

ہیرا اب بھی اتنا ہی آبدار اور خوشنما ہے جتنا تین سو سال پیشتر اس زمانہ میں تھا جب ٹیورنیئر اس کو مورتی کے ماتھے سے نکال کر لایا تھا۔ مانا کہ نحوست نے کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا اور جس کسی کے پاس وہ گیا اس پر مصیبتیں اور آفتیں ہی نازل ہوتی ہیں تاہم یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ لوگ پچھلے واقعات سے عبرت حاصل کر چکے ہیں یا آئندہ اس ہیرے سے واسطہ رکھنا نہیں چاہتے۔ اب بھی بلا تعداد آدمی ایسے موجود ہیں جو اسکی خریداری یا اسکی فروخت پر کمیشن حاصل کرنے کی خاطر ہر طرح کے خطروں کو نظر انداز کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اسکی

ہندوستان میں کالا جادو عامل

اور انکی پراسرار طاقت کے محیر العقول مظاہرے

جملہ حقوق محفوظ

ایک انگریز سیاح کے مشاہدات

زمانہ حال کے لوگ یوگ کے کرشموں اور روحانیت کے معجزوں کی ہنسی اڑایا کرتے ہیں۔ لیکن جب وہی باتیں سائینس کے پردہ میں رونما ہوتی ہیں تو وہ بڑی خوشی سے ان کی صداقت ماننے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ جہالت کی ایک صورت ہے۔ ورنہ یوگ اور روحانیت سائنس ہی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیان کرے کہ اس نے کسی ہندوستانی یوگی کو ایک قسم کا پتہ کان میں رکھ کر نظروں سے غائب ہوتے دیکھا۔ تو دنیا اس کی ہنسی اڑانے لگے گی۔ لیکن اگر آج کوئی ماہر فن سائنس دان اس بات کا دعوے کرے کہ اس نے ایک خفیہ کیمیائی مرکب ایسا دریافت کیا ہے جس کے استعمال سے آدمی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے تو کسی کو اعتراض نہ ہو گا۔ کیونکہ پہلی صورت میں لوگ اس بات کو فراموش کر چکے ہیں کہ روحانیت کے امکانات کتنے وسیع و لامحدود ہیں۔ حالانکہ آخری صورت میں ہر شخص یہ ماننے لگا ہے کہ سائنس کے کمالات عجیب حیرت انگیز ہیں اور اُن کے سامنے کوئی بات ناممکن نہیں۔

لیکن جن لوگوں کو تجربہ اور مشاہدہ سے حیرت انگیز ظہورات دیکھنے کا موقع ملا ہے وہ مجبوراً اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ روحانیت اور یوگ کے باکمال شخصوں کے دعوے فرضی یا غلط نہیں عیب صرف اتنا ہے کہ بہت سے پاکھنڈی لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو غلط دعوے کر کے خلقت کو بدگمان بنا دیتے ہیں۔

ابھی حال ہی میں نامور سیاح اور مصنفہ لیڈی ڈوروتھی ملز نے افریقہ کے جادوگروں کا حال لکھتے ہوئے ایک تو تسلیم کیا ہے کہ میں جادو۔ سحر وغیرہ باتوں کا ذکر سن کر ہنسا کرتی تھی اور یہ بات کبھی عقل میں نہ آ سکتی تھی کہ ایسی باتیں کسی بیدار مغز یورپین کو بھی قائل کر سکتی ہیں۔ لیکن جو واقعات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں انہوں نے مجھ کو لاجواب کر دیا ہے اب مجھے کسی کی ہنسی اڑانے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔"

جو بات افریقہ پر صادق آتی ہے وہی ہندوستان کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے۔ مغرب کے مادہ پرست لوگ بڑی مشکل سے روحانیت کے قائل ہوتے ہیں۔ اور جب تک انہیں اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ کوئی نظری دھوکا یا شعبدہ بازی کا کرشمہ نہ تھا۔ ہرگز کسی نئی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے لیکن ذیل کے مضمون سے جو چھاؤنی سکندرآباد دکن کے ایک ذمہ دار انگریز مسٹر تھیوڈور لاٹوش کا لکھا ہوا ہے اور جس کی تصدیق مختلف سرکردہ اخبارات نے کی ہے۔ معلوم ہو گا کہ ہندوستان میں کالے جادو کے عامل کتنے ذی اقتدار ہیں اور وہ کیسی کیسی حیرت انگیز باتیں کر کے دکھا سکتے ہیں۔

عرصہ قریباً دس سال کا گذرا نظام حیدرآباد کی حکومت کو ایک عرضداشت موصول ہوئی جس پر شہر بیدر کے صدہا باشندوں اور معزز شخصوں کے دستخط ثبت تھے۔ بیدر جیسا ناظرین کو معلوم ہو گا اسی نام کی ایک قدیم سلطنت کا صدر مقام اور آباد شہر ہے اور فی الحال ریاست حیدرآباد میں ایک اچھا آباد قصبہ گنا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے عرضداشت بھیجی ان کے بیان کا خلاصہ یہ تھا کہ ہمارے شہر میں بعض مردم آزار نا خدا ترس مجرموں نے ایک جماعت قائم کر لی ہے جس کے افراد کالے جادو سے کام لے کر امن پسند باشندوں کو سخت پریشان کرتے اور مبتلائے مصیبت بنا رہے ہیں۔

عرضداشت میں سوسائٹی کے ہر طبقہ کے لوگوں کے نام درج تھے۔ جو اس تیرہ دل جماعت کے مظالم کا تختۂ مشق بن چکے تھے عرضی کے مضمون سے پایا جاتا تھا کہ جادوگر جماعت کی سختیاں امن پسند باشندوں پر اتنی شدید اختیار کر چکے ہیں کہ کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر وہ آخر کار سرکاری امداد طلب کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے کوئی مہذب گورنمنٹ کالے جادو کی قسم سے کسی فوق الفطرت طاقت کو ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتی۔ اس لیے حکومت نظام نے بھی اسی پہلو سے عرضداشت کو کوئی وقعت نہ دی تاہم چونکہ شکایت نامہ پر صدہا معززین کے دستخط تھے اس لئے ان کی شکایات کی جانچ اور تحقیقات کرنا حکومت کا فرض تھا پس کارکنان ریاست کی طرف سے

برطانی پولیس کے ایک سرکردہ اور ذمہ دار افسر مسٹر ایل بی گوڈ کی خدمات اس مطلب کے لئے حاصل کی گئیں کہ وہ تحقیقات کر کے دیکھے کہ اس معاملہ کی تہ میں کن لوگوں کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور وہ ایذا رسانی کے کون سے طریقے ہیں جنکی بدولت خلقت میں اتنی پریشاں حالی پھیل گئی ہے۔

یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ پولیس کے اہلکار خواہ وہ ہندوستانی ہوں یا انگریز۔ یا دنیا کے کسی اور حصہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ صرف عملی اور مادی معاملات کے قایل ہوتے ہیں۔ دور از قیاس فرضی یا وہمی باتوں سے اُن کو کچھ بھی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ اس لئے کہ اُن کو آئے دن حقیقی واقعات سے واسطہ پڑتا ہے۔ مسٹر گوڈ بھی اس قاعدہ کے پابند تھے۔ ان کا کالے جادو یا پیلے جادو پر کچھ بھی اعتقاد نہ تھا پس تحقیقات کا آغاز کرتے ہوئے انہوں نے اس خیال کو ذہن میں جگہ دے لی کہ کچھ جرائم پیشہ لوگ ہیں جو اس بہانہ سے لوگوں کو تنگ کر رہے ہیں انہی کا کھوج لگانا چاہیئے۔

لیکن جب مسٹر گوڈ کی تحقیقات کا سلسلہ آگے بڑھا تو کئی ایسی باتیں دیکھنے میں آئیں جن کی تشریح کسی طرح ممکن نہ تھی۔ جن لوگوں پر جادو کیا جاتا تھا انہیں اتنی شدید تکلیف و اذیت پہنچتی تھی کہ اُن کی حالت دیکھی نہ جا سکتی تھی۔ اسی طرح کی بعض باتوں کے عملی ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جنکی اصل حقیقت فہم سے باہر تھی۔ مسٹر گوڈ کو بھی انجام کار اس نتیجے پر پہنچنا پڑا کہ کوئی نامعلوم خفیہ طاقت ان معاملات کی تہ میں کام کرتی ہے اور اس کا سختی سے انسداد کرنے کی ضرورت ہے۔

اس تمام علاقہ میں گھوم پھر کر ایک لمبی تحقیقات کے بعد مسٹر گوڈ نے حکومت حیدر آباد کے روبرو ایک جامع رپورٹ پیش کی۔ اگر اس رپورٹ کو بجنسہ چھاپا جائے تو اس کا مضمون کسی حیرت انگیز افسانہ سے بھی بڑھ کر دلچسپ ثابت ہو لیکن جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے حکومت نے بعض مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر ان کی اشاعت ضروری نہیں سمجھی تو بھی اس میں شک نہیں کہ مسٹر گوڈ نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کے علاوہ شنید کی بنا پر کئی ایسے واقعات اس میں لکھے ہیں جن کو پڑھ کر عقل چکر میں آتی ہے۔

اتنا ہی نہیں۔ بلکہ رپورٹ مذکور میں ان لوگوں کا طریق کار بھی لکھ دیا گیا ہے جو اس جادوگر جماعت سے تعلق رکھتے تھے انتہا یہ ہے کہ ان کے منتر بلکہ ان چیزوں کے نام تک درج کر دئے گئے جن سے وہ کام لیا کرتے تھے رپورٹ میں شامل کئے گئے ہیں۔

لیکن رپورٹ کی اشاعت کو روکنے کے سوال کی اہمیت سے قطع نظر اس میں کلام نہیں کہ جو معلومات اس کے ذریعہ سے پیش کی گئی ہیں وہ بھی حیرت انگیز و سبق آموز ہیں۔ ان معلومات کی بنا پر حکام کا یہ فرض ہے کہ وہ اس قسم کے طریق کار کے انسداد کی مناسب صورت سوچیں۔

کیونکہ جیسا کہ پولیس کی مابعد کی رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے۔ اس طرح کی وارداتیں جیسی کہ رپورٹ میں درج ہیں اب بھی گاہ بگاہ پیش آتی رہتی ہیں۔

اسی ہی رپورٹ کا حسب ذیل فقرہ خاص طور پر معنی خیز ہے۔

"حدود ریاست کے اندر لوگوں میں یہ اعتقاد عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ جادو برحق ہے اور اس اعتقاد کا یہ نتیجہ ہے کہ اس کے سلسلہ میں براہ راست یا بالواسطہ آئے دن سنگین جرائم ہوتے رہتے ہیں" اتنا ہی نہیں بلکہ بہت سے ایسے آدمی جن پر جادو کیا گیا ہو اور جو اس کے اثر سے مبتلائے تکلیف و اذیت ہوں۔ گاہ بگاہ صدر مقام ریاست کے دارالشفا میں لائے جاتے ہیں جہاں ان کے علاج کے لئے سرکاری طور پر ایک ماہر فن ڈاکٹر معین ہے

مگر داستان کے اس حصہ کو آگے لے جانے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس جادو کی نوعیت اور وہ علامات جو اسی کے سلسلہ میں ظاہر ہوتی ہیں کسی قدر اجمال کے ساتھ بیان کر دی جائیں۔ علامات کے متعلق یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ وہ افریقہ کے کالے جادو کی علامتوں سے بڑی حد تک ملتی جلتی ہیں جس کا مطلب یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ دو دور افتادہ براعظموں میں ظہور پذیر ہونے کے باوجود ان حیرت انگیز واقعات کی تہ میں کچھ ایسی طاقتیں کام کرتی ہیں جن میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہیں۔

عام طور پر مشہور ہے کہ اس فرقہ کے لوگ گورو گورکھ ناتھ کو اپنا رہبر مانتے ہیں چنانچہ اس کا نام ان منتروں میں اکثر آتا ہے جن سے یہ لوگ کام لیتے ہیں۔ لیکن انصافاً یہ بات کہنی پڑے گی کہ گورو گورکھ ناتھ نے اس علم کی بنا خلقت کی ایذا رسانی کے لئے نہیں بلکہ بہتری اور بہبودی کے لئے ڈالی تھی اس کا مطلب اسی ذریعہ سے عوام کی بھلائی کرنا تھا۔ کم از کم اس کے ہاتھ میں یہ علم کالا جادو نہیں بلکہ سفید جادو تھا مگر افسوس اس کے مقلدوں نے غلط راہ پر چل کر اس کو بالکل ہی بگاڑ لیا۔

فی الحال جو لوگ اس طریقہ پر کاربند ہیں وہ سب اس جادو کو بُرے مطالب و ادنےٰ اغراض کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جو لوگ اس علم کے جاننے والے ہیں ان کے پاس خلقت صرف اس لئے جاتی ہے کہ یا تو ادنےٰ جذبات کی تسکین اس ذریعہ سے کی جائے۔ یا اپنے دشمنوں سے انتقام لیا جائے یا کسی شخص کو روپے کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے۔

اس بحث میں نہ پڑتے ہوئے کہ اس جادو کا دستور العمل اب بھی وہی ہے جو پیشتر تھا یا کوئی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس فن کے جاننے والے موجودہ "استاد" جادو سے کام لیتے ہوئے اس طرح کی گندی اور مکروہ رسمیں ادا کرتے ہیں کہ کوئی نیک خو و خوش اعمال آدمی ان کو دیکھنے کے بعد اس فرقہ سے تعلق

رکھنا گوارا نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ جن بدنصیبوں پر اس قسم کا جادو کیا جاتا ہے وہ سخت ہی درد و تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں اور اُن کی اس تکلیف کا عرصہ گو معین نہیں تاہم اُس شخص کو جو عامل ہو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ اس میعاد کو اپنی منشا کے مطابق لمبا یا مختصر کر دے۔ علامات گوناگوں ہیں۔ کبھی جادو کے زور سے اس بدنصیب کے کپڑوں میں آگ لگ جاتی ہے جس کے خلاف اُسے برتا گیا ہو کبھی اس کے مکان پر کسی نامعلوم سمت سے اینٹوں اور پتھروں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز وہ بیٹھ کر کھانے لگتا ہے۔ وہی گندگی کی صورت

فی الحقیقت جن حالتوں میں اس قسم کا عمل ذاتی نفع کے لئے کیا گیا ہو اور عموماً اسی طرح ہوتا ہے، تو استاد اور جھڑ دیا دونوں مل کر کام کرتے ہیں اسی طرح ایک دوسرے سے مشترک کام کرنے میں ان کو یہ فائدہ حاصل ہے کہ ایک کا بھید دوسرا ظاہر نہیں کر سکتا۔ وہ اس طریقہ پر لوگوں سے کھینچ کر کے ان سے معقول رقمیں لیتے ہیں اور اپنے جی میں یہ سوچ کر خوش ہوتے ہیں کہ تعزیرات ہند یا ضابطہ فوجداری کی کوئی ایک دفعہ بھی ایسی نہیں جو انہیں اپنی گرفت میں لے سکے۔

واقعات سے یہ بات پایۂ تصدیق کو پہنچ چکی ہے کہ کسی طبقہ کسی فرقہ یا کسی نسل کے آدمی "استاد" کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہپناٹزم کرنے والوں کے خلاف کالے جادو کا عامل موقع پر اپنی غیر معمولی طاقتوں سے کام نہیں لے سکتا۔ یعنی جو کچھ اُسے کرنا ہو۔ وہ اُسے فوراً نہیں کر سکتا بلکہ جادو کو اثر پذیر بنانے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ پہلے بہت سی پیچ در پیچ رسمیں ادا کرے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ جب کسی ایسے جادوگر استاد کو گرفتار کرنے کے بعد پولیس اس کو حوالات میں کر دیتی ہے تو وہ عارضی طور پر بالکل بے بس ہو جاتا ہے اور حیرت انگیز طاقتیں رکھنے کے باوجود ... طور پر ... [illegible]

اختیار کر لیتی ہے اور ایسی ہی کئی تکلیف دہ پریشان کن علامتیں اس جادو سے وابستہ ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی ان کا ماخذ سمجھ نہیں سکتا۔ یہ معلوم کرنا سخت ہی دشوار ہوتا ہے کہ ان علامات کی تہ میں کون سے اسباب کام کرتے ہیں۔

جس بدنصیب پر اس قسم کا جادو کیا گیا ہو وہ پہلے تو انسداد کی اور ترکیبیں استعمال کرتا ہے لیکن جب کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا تو پھر کسی جھاڑ پھونک والے کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ایسا آدمی درحقیقت اسی استاد سے ملا ہوا ہوتا ہے جس نے جادو کیا ہو۔ اسکی جھاڑ پھونک سے جادو کا اثر زائل ہونے لگتا ہے اور جو فیس اس طریقہ پر جھاڑ پھونک والے کو ملتی ہے اسکی تقسیم میں وہ استاد کو حصے دار بنا لیتا ہے۔

ہندوستان کے دیہات میں کالے جادو کے سلسلہ میں کئی طرح کے عجیب و حیرت انگیز واقعات سننے میں آتے رہتے ہیں اسی قسم کی وارداتیں بارہا سننے میں آئی ہیں کہ گاؤں کی ساری آبادی جادو سے تنگ آ کر کوئی چارہ کار نہ دیکھتے ہوئے قانون اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور ہو گئی یعنی گاؤں والوں نے مل کر بعض ایسے شخصوں کو پکڑ لیا جن کے بارہ میں اُن کا خیال تھا کہ جادوگر ہیں اور انہیں مارتے مارتے مار ڈالا۔ اس سے ضمناً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لوگ اس فن کے عاملوں کو بحیثیت مجموعی کتنا قابل نفرت خیال کرتے ہیں۔



یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس قسم کے جادو کی وارداتیں ریاست حیدر آباد کی حدود میں ہوتی رہتی ہیں کم و بیش ویسی ہی ساحل مالابار پر بھی ہوتی ہیں اس علاقہ میں استاد کو "اودیا" کہتے ہیں اور یہ بات گورنمنٹ مدراس کے سرکاری اخبار میوزیم بلیٹین میں جگہ پا چکی ہے کہ ایسے "اودیان" کو ہر قسم کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ اگر چاہے تو عوام کی نظروں سے غائب ہو سکتا ہے یا جیسا کہ ... بعض ... کے متعلق ... گیا ہے کہ ... اپنی مرضی سے کسی خوفناک ... صورت اختیار کر ... ہیں

... بالا میں اس ... رپورٹ کا ذکر کیا گیا ہے ... انہ ... [illegible]

دربار حیدرآباد کو پیش کی تھی اس کے مضمون کو سمجھنے کے لئے ذیل کا ایک واقعہ بطور نمونہ مشتے از خروارے پیش کیا جاتا ہے۔

چار آدمیوں کا چالان صاحب مجسٹریٹ شہر بیدر کی عدالت میں کیا گیا جن پر تکلیف مجرمانہ اور استحصال بالجبر کے الزامات عاید تھے۔ ان چاروں کے نام یہ تھے (۱) بالو ہنونت (۲) سدھو رام جی۔ (۳) باپو رام جی اور … انکے متعلق بیان کیا گیا کہ وہ کالے جادو کے عامل ہیں اور کس ذریعہ سے لوگوں کو پریشان اور تنگ کرتے ہیں۔

پولیس کا بیان یہ تھا کہ ان چاروں نے مل کر ایک شخص حامد علی کی بیوی پر جادو کیا اور وہ عورت اس جادو کی وجہ سے سخت مبتلائے تکلیف ہے۔ حامد علی مذکور نے عورت کے بہت سے علاج معالجے کئے لیکن افاقہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تنگ آکر اس نے ایک فقیر کی خدمات حاصل کیں جس کا خیال تھا کہ دعا اور دوا کے ذریعہ سے مریضہ کو شفا دی جاسکتی ہے۔ لیکن وہ جو مثل مشہور ہے

ع مژدہ باد اے مرگ عیسےٰ آپ ہی بیمار ہے

فقیر صاحب آئے تو تھے مریضہ کا علاج کرنے۔ لیکن خود اس سے شدید تکالیف میں مبتلا ہو گئے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ انکے پیٹ میں اچانک بڑے زور کا درد ہونے لگتا کبھی کسی پراسرار بیماری کے دورے پڑنے لگتے اور فقیر بیہوش ہوکر گر پڑتا۔ ایسی حالتوں میں اسکو سخت ہی تکلیف ہوتی اور اسکی اذیت دیکھی نہ جاتی۔ کبھی اسکو استفراغ ہونے لگتا۔ اور اسکے منہ سے جلی ہوئی گٹھلیاں اور کانٹے نکل کر گرتے۔ پولیس نے اس مضمون کی شہادت بھی پیش کی کہ چاروں ملزموں نے اپنے ایک کارکن کے ذریعہ سے حامد علی کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ ہمارے جادو کا اثر کسی فقیر یا اسکے باوا سے بھی دور نہ ہوگا۔ تم لاکھ کوشش کرو اس اثر کو باطل نہ کر سکو گے البتہ اگر ہم سے رجوع کرتے ہو تو ایک سو روپے دو۔ ہم اپنا جادو واپس لے لیں گے اور تمہاری بیوی بہت جلد تندرست ہو جائیگی۔ اپنی حیرت انگیز طاقتوں کا عملی ثبوت دینے کے لئے ملزموں میں سے ایک نے یہ بھی کر کے دکھایا کہ کچھ منتر پڑھنے کے بعد حامد علی کی بیوی کے ہاتھ میں ایک لیموں دیدیا اسکے ساتھ ہی اس کے درد کی تکلیف مٹ گئی اور پانچ دن تک نہ ہوئی۔

حامد علی بیچارے کے پاس چونکہ دینے کو اتنا روپیہ نہ تھا اسلئے وہ ان بدمعاشوں کو رضامند نہ کر سکا اور انہوں نے ازسرنو ایذا رسانی شروع کر دی۔ بدنصیب عورت سخت مبتلائے تکلیف تھی کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ اسکی انگلیوں میں بیشمار سوئیاں چبھی ہوئی ہیں۔ کبھی نظر نہ آنے والے ہاتھ اسکے سر کے بال کتر دیتے۔ اسکے علاوہ کالے پیلے داغ اس کے بدن کے مختلف حصوں پر خود بخود نمودار ہو جاتے اور ایک عرصہ تک قائم رہنے کے بعد خود ہی مٹ جاتے تھے۔

اس مضمون کی شہادت بھی پیش کی گئی کہ ملزموں میں سے ایک نے ایک چھوٹا سا چوبی صندوق اپنے ساتھی کو برائے حفاظت دیا تھا اور اس صندوق کے اندر عجیب و غریب ساخت کی گڑیاں کانٹے اور گدھے کے کان۔ دُم اور سُم یہ چیزیں رکھی ہوئی تھیں یہ صندوق معہ چیزوں کے پولیس نے گواہوں کی موجودگی میں ملزموں کے مکان سے برآمد کیا تھا اور اسکو بطور اگزیبٹ عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ کئی اور عجیب و غریب چیزیں جو ملزموں کے مکانات سے پولیس کی دستیاب ہوئی تھیں وہ بھی عدالت میں حاضر کی گئیں۔

عدالت کا فیصلہ یہ تھا کہ "گواہوں کی شہادت کی بنا پر استغاثہ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ملزموں نے جادو کا عمل کر کے بہت سے لوگوں کو تکلیف و پریشانی دی اور خود ہی ان پر جادو کر کے اور خود ہی بعد ازاں معالج بننے کا دعوےٰ کر کے ان سے روپیہ اینٹھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں"۔ چنانچہ ان تینوں شخصوں کو مجرم قرار دیا گیا اور ہر ایک کو ایک ایک سال قید با مشقت کی سزا ہوئی

یہ اپنی قسم کا ایک واقعہ ہے مگر ایسے ہی کئی واقعات رپورٹ میں درج ہیں چنانچہ اسکے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ ایک مقدمہ میں وکیل ملزموں کے خلاف فریق ثانی کی طرف سے پیش ہوا تو انکے جبر و ستم کا نشانہ بنا۔ مزے داری کی بات یہ ہے کہ سارا واقعہ بھری عدالت میں اس وقت پیش آیا جب کہ وکیل مذکور مجسٹریٹ کے سامنے تقریر کر رہا تھا۔ کمرہ عدالت میں بیشمار لوگ جمع تھے ان میں سے ہر ایک نے اپنی آنکھوں سے یہ کیفیت دیکھی۔

مقدمہ کے حالات مختصر طور پر یہ ہیں کہ ایک شخص لکھنڈو جی نے اپنے بعض دوستوں کے ساتھ مل کر ایک اور شخص بالو جی اور اسکے ساتھیوں پر مقدمہ دائر کیا جس کی سماعت بیدر کی عدالت میں ہوئی لکھنڈو جی نے اپنے مقدمہ کی پیروی کیلئے ایک وکیل کی خدمات حاصل کیں جس کا نام محمد ملتانی صاحب تھا۔

اس واقعہ کی خبر جب بالو جی اور اسکے ساتھیوں کو پہنچی (جن کے خلاف بعد ازاں مقدمہ چلا تھا) تو انہوں نے ملتانی صاحب کو یہ کہہ کر دھمکایا کہ اگر آپ نے ہمارے خلاف کسی قسم کی کاروائی کی یا ہماری مخالفت میں پیش ہوئے تو یاد رکھئے اس کا خمیازہ بُری طرح بھگتنا پڑے گا۔ ملتانی صاحب نے جیسا کہ قدرتی تھا۔ ان دھمکیوں کو لغو سمجھا اور حقارت سے نظرانداز کر دیا۔ اس نے اگر کچھ کہا تو صرف یہ کہ کتوں کے بھونکنے سے چاند اپنا عمل چھوڑ نہیں دیتا۔ اس پر ایک آخری تنبیہ اُسے اور کی گئی کہ اب بھی سنبھل جاؤ پچھتاؤ گے۔ اور یہ وقت ہاتھ نہ آئیگا لیکن ملتانی صاحب نے ان ساری باتوں کو ان سنا کر دیا۔

تاریخ مقررہ کو مقدمہ کی پیشی ہوئی لیکن جب ملتانی صاحب بالو جی پر جرح کرنے کے لئے اُٹھا تو یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ اُسکے سامنے اینٹوں کی دیوار کھڑی ہے اور بالو جی کہیں غائب ہو گیا عدالت میں اور جتنے آدمی موجود تھے وہ سب اسکو صحیح طور پر دکھائی دے رہے تھے لیکن بالو جی نظروں سے پوشیدہ تھا ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اس واقعہ سے وکیل صاحب کو کتنی پریشانی ہوئی ہوگی۔ لیکن یہ پریشانی اس وجہ سے

ی بڑھ گئی کہ صاحب مجسٹریٹ اور اُنکے علاوہ جتنے آدمی کمرہ عدالت میں حاضر ہ سب کے سب ملتانی صاحب کی گھبراہٹ کو دیکھ کر اور اس کا مطلب نہ سمجھ کر مسکراتے ۔ کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر وکیل نے علالت طبع کا بہانہ کیا اور اس طرح مقدمہ کی عت ملتوی کر دی گئی۔

ن جب وکیل صاحب عدالت سے چل کر اپنے مکان پر پہنچے تو وہاں کئی اور اچنبے کی ں دیکھنے میں آئیں پہلی بات تو یہ ہوئی کہ جب وہ رات کو سونے کیلئے لیٹنے گئے تو کو گہرا اضطراب لاحق ہوگیا۔ اب وہ لاکھ کروٹیں بدلیں اور آنکھیں بند کرنے کی شش کریں لیکن کیا مجال کہ آنکھ جھپک جائے۔ اسی طرح بیداری کی حالت کئی بار ایسا معلوم ہوا کہ کمرہ کی دیوار کے ساتھ ساتھ کوئی لمبا سانپ سرسراتا چل رہا ہے لیکن جب کبھی ملتانی صاحب اُٹھ کر بغور دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ ں کچھ بھی نہیں ہے۔

وہ رات جوں توں کر کے کٹی صبح جب وہ بستر سے اُٹھ کر کمرہ سے باہر آئے ی نے حیرت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "اباجی یہ آپ کی ناک کو کیا ہو گیا ں پر سیاہی کیسے لگ گئی؟" وکیل صاحب نے آئینہ ہاتھ میں لیکر دیکھا تو ناک کالی ں! اُنہوں نے سیاہی کو مٹانے کی بہت کوشش کی کپڑا گیلا کر کے ناک کو رگڑا بون لگا کر دھونے کی کوشش کی لیکن سیاہی کا داغ ایسا نہ تھا کہ ان چیزوں سے مٹ جاتا!

بیچارے ملتانی صاحب کیلئے ناک کے سیاہ داغ کی آفت ہی کیا کم تھی تھوڑے عرصہ کے بعد وہ جب غسل کرنے لگا تو کیا دیکھتا ہے کہ ویسے ہی کالے کالے مان سانپوں بھوتوں چڑیلوں کی شکلوں کے اسکی گردن کندھوں اور چھاتی پر جا بجا نے ہیں۔ اب بیچارے وکیل صاحب کی طاقت شکیب بالکل جواب دے گئی وہ طرح گھبرا گیا اور اسی وقت پولیس کو اور صاحب مجسٹریٹ کو سارے حالات اطلاع دی اور حیرت زدہ مجسٹریٹ کے دل میں کوئی خیال اُسکے مختل الحواس بننے کے متعلق پیدا ہوا ہی۔ تو ملتانی صاحب نے اپنے بدن پر بنے ہوئے وہ پراسرار سیاہ نشان دکھا کر فوراً اس کو رفع کر دیا۔

وجی اور اسکے ساتھیوں پر اب ایک اور مقدمہ ملتانی صاحب کی تخویف مجرمانہ بلایا گیا اور اس موقع پر پولیس نے کئی آدمیوں کی شہادتیں اس بارہ میں پیش کیں، لزموں نے اس طریقہ پر بیشمار شخصوں کو تنگ اور حیران کیا تھا اور وہ ایسی ہی دھمکیوں ے ذریعہ سے لوگوں کو مرعوب کیا کرتے تھے مجسٹریٹ کا فیصلہ اب تک سرکاری فذات میں محفوظ ہوگا۔ جو شخص چاہتا ہے دیکھ لے اُس نے ملزموں کو سزا دیتے ہوئے اپنے فیصلہ میں یہ الفاظ لکھے تھے کہ ان کا طریق کار عجیب پُراسرار و بعید از فہم ہے۔

ہم نے سطور بالا میں مسٹر لاٹوش کے مضمون کا خلاصہ درج کیا ہے یکن کوئی سمجھے کہ اُس میں کسی طرح کی مبالغہ آرائی کی گئی ہے تو ذیل میں ایک اور بیان سٹر میک مانس کا لکھا ہوا جو شالا پور کے محکمہ تار کے افسر ہیں درج کیا جاتا ہے

ان کا بیان کئی پہلوؤں سے لاٹوش کے بیان سے ملتا جلتا ہے۔

مسٹر میک مانس کا دعوٰے ہے کہ واقعات جو میں نے لکھے ہیں وہ سرتاپا صحیح اور حقیقی ہیں اگر کوئی شخص چاہے تو وہ محکمہ تار کے ایک اور افسر مسٹر کلسیانو سے انکی تصدیق کر سکتا ہے وہ واقعات کیا ہیں بسطور ذیل سے واضح ہوگا۔

ایک ایسے ملک کے اندر جہاں بیشمار لوگ جادو ٹونے کے قائل ہیں اور بھوت پریت وغیرہ بدی کی طاقتوں پر کامل اعتقاد رکھتے ہیں وہمی خیالات کے لوگوں کو اس بات کا یقین دلانا بہت مشکل ہوتا ہے کہ جو باتیں ان کو فوق الفطرت نظر آتی ہیں وہ ممکن ہے نہایت سادہ اور قدرتی اسباب پر مبنی ہوں خود مجھکو بارہا کئی طرح کے عجیب پراسرار حالات سننے کا موقع ملا ہے لیکن عموماً ایسا ہوا ہے کہ جب میں نے اُنکے بارہ میں تحقیقات کی تو بات کچھ اور نکلی جو نہایت معمولی اور قدرتی اسباب سے تعلق رکھتی تھی یہی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ ایسی باتوں کو شک آمیز نظروں سے دیکھتا رہا ہوں جو ما فوق الفطرت نظر آتی ہوں۔ جب کوئی اس طرح کا واقعہ میرے سننے میں آتا ہے تو میں اول سے آخر تک بدگمانی ظاہر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کرتا ہوں کہ کوئی حقیقی ثبوت پیش کیا جائے۔ اب جو واقعات میں بیان کرنے لگا ہوں اُنکے متعلق بھی میں نے ثبوت تلاش کرنے کا کوتاہی نہیں کی۔ اور گو میں اب تک اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ ان غیر معمولی واقعات کا تعلق ما فوق الفطرت اثرات سے ہے تو بھی اتنا ضرور کہنا پڑتا ہے کہ دو سال کی مسلسل چھان بین کے بعد میں کسی ایسے تسلی بخش نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا جو میرے لئے اطمینان بخش ہوتا لیکن میں نہیں چاہتا کہ اس تمہید کو لمبا کروں۔ اس لئے جو واقعات جس رنگ میں پیش آئے تھے اسی طرح بیان کرتا ہوں، ناظرین کو اختیار ہے وہ اُنکے متعلق جو رائے چاہیں قائم کریں۔

ایک دن جب میں حسب معمول صبح کے وقت اپنے دفتر میں پہنچا تو چپڑاسی جو پہلے سے آیا یا کرتا تھا کہیں نظر نہ آیا۔ اور جب آخرکار وہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اسکی پگڑی ماتھے پر نیچے کو جھکی ہوئی اور عام حالت بھی غیر تھی۔ میں نے اُس سے اس کی پریشان حالی کے متعلق سوالات پوچھے مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ پاسکا۔

لیکن جب وہ رخصت ہونے لگا تو مجھے اسکی پیشانی پر صلیب کی شکل کے تین کالے نشانات دکھائی دئے۔ چونکہ اس قسم کے نشان نہ پیشتر اُس کے ماتھے پر نہ کسی دوسرے آدمی کے بدن پر میرے دیکھنے میں آئے تھے۔ اس لئے مجھکو بڑا تعجب ہوا اور میں نے اُسے واپس بلا کر اُسکے متعلق سوالات پوچھے۔

چپڑاسی تھوڑی دیر چپ چاپ کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اس کے بعد پریشان ہو کر کہنے لگا "صاحب یہ نشان کسی دشمن کے لگائے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عداوت سے مجھ پر کالا جادو کرا دیا ہے۔ کل رات میں بھلا چنگا سویا

تمادرمیان میں ایک بار آنکھ کھلی تو ایسا معلوم ہوا گویا مجھے پیشانی پر کچھ جلن سی محسوس ہوتی ہے لیکن میں نے اس کا زیادہ خیال نہ کیا مگر جب دن نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ماتھے پر یہ تین نشان موجود ہیں۔ میں نے ان کو بہتیرا دھویا اور رگڑا لیکن وہ مٹتے ہی نہیں

ہر چند اس شخص کا لہجہ یقین دلانے والا تھا تو بھی جیسا میں نے لکھا ہے میں زود یقین آدمی نہیں ہوں میرا اس بارہ میں اطمینان نہ ہو سکا کہ وہ حقیقت حال بیان کرتا ہے۔ بہرحال اس واقعہ پر ہمارے دفتر کے عملہ میں بہت کچھ بات چیت ہوتی رہی اور ایک بات جو میں نے خصوصیت کے ساتھ دیکھی یہ تھی کہ عملہ میں جتنے ہندوستانی کام کرتے تھے ان میں سے کسی کو ان حالات سے تعجب نہ ہوا۔ بلکہ انہوں نے پُراسرار طریقہ پر سر ہلا کر یہی کہا کہ بیشک کالا جادو برحق ہے۔ ضرور اسکا کوئی دشمن کسی جادوگر کے پاس گیا ہوگا اور اس سے کہہ سُنکر اُس نے اس پر یہ وار کرایا ہے جس کے سلسلہ میں پُراسرار نشان پیدا ہوئے ہیں۔ جب ان نشانات کو مٹانے کا سوال زیر بحث آیا تو سب نے یہی کہا کہ اسکی ایک ہی صورت ممکن ہے یعنی بدنصیب چپڑاسی کسی ایسے جادوگر کو تلاش کرے جو اپنے فن کا ماہر ہو وہ جب مخالفانہ منتر پڑھے گا اور بعض رسوم ادا کرے گا تو پھر دوسرے جادوگر کی طرف سے کوئی مزید ایذا رسانی نہ ہوگی بلکہ یہ نشانات بھی مٹ جائیں گے۔



میں نے ان باتوں کو لغو اور فضول سمجھا اور یہ سوچکر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا کہ ہندوستان میں گو مغربی تعلیم کی بدولت کافی روشنی پھیل چکی ہے تاہم بیشمار ہندوستانی اس قسم کے توہمات کے پابند اب بھی دیکھے جاتے ہیں۔

مگر آپ میرے تعجب کا اندازہ کر سکتے ہیں جب اسکے دوسرے دن چپڑاسی دفتر میں آیا تو میں نے دیکھا کہ ویسے ہی تین اور نشان اسکے بدن پر موجود تھے! ایک ایک دونوں رخساروں پر اور ایک ٹھوڑی پر۔ جب میں نے اس سے پوچھا تو اس نے وہی کل والا جواب دیا یعنی کوئی نامعلوم دشمن مجھے کالے جادو کے زور سے تنگ کرنا چاہتا ہے میں نے اس کو بہت سمجھایا کہ یہ تمام فضول باتیں ہیں اور نشان کسی آدمی نے بنائے ہوئے ہوں گے نشان گو اَمٹ ہیں تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی انسان ان کو بنا نہیں سکتا۔ رات کو سونے لگو گے تو مکان کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لو پھر دیکھو ایسے نشانات کیونکر بنتے ہیں۔

اُس نے وعدہ کیا کہ ضرور ایسا کروں گا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ احتیاط بھی کارگر نہ ہوئی کیونکہ جب اس کے اگلے دن صبح کو وہ دفتر میں آیا تو تین نئے نشانات اس کی گردن پر موجود تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ جلد بدن کا حصہ بنے ہوئے ہیں کیونکہ نہ صابن نہ پانی اور نہ کسی چیز کی رگڑ ان کو مدخفیف تک ہی مٹا سکتی تھی۔ جب میں نے ان پراسرار نشانوں کو اس رفتار سے بڑھتے ہوئے دیکھا اور ساتھ ہی بدنصیب چپڑاسی کی گھبراہٹ پر غور کیا تو دل میں اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا کہ میں اس بات کی تہ تک پہنچے بغیر نہ رہوں گا۔ میرے دل میں ابتک یہ خیال باقی تھا کہ یہ آدمی کسی خاص مطلب کیلئے فریب کر رہا ہے تاہم میں یہ معلوم کر کے چھوڑوں گا کہ وہ کیوں ایسا کرتا ہے۔

پس میں نے اُس سے کہا کہ میں حکم دیتا ہوں آج رات یہیں دفتر کے اندر سونا یہ تمہارے اپنے بھلے کے لئے ہے۔ اس جگہ سونے سے کوئی ایسا نشان تمہارے بدن پر پیدا نہ ہوگا اور ہم تمہاری حفاظت کرتے رہیں گے جب وہ اس کیلئے رضامند ہو گیا تو میں نے اپنے دوست مسٹر کلیانو سے ملکر صلاح کی کہ ہم باری باری رات بھر جاگ کر دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے وہ اس کے لئے آمادہ ہو گیا۔

اس رات ساڑھے نو بجے کے عمل پر چپڑاسی کام کاج سے فارغ ہو کر دفتر میں واپس آگیا۔ جہاں ہم دونوں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر

ہم نے اس کو یقین دلایا کہ ہمارے ہوتے کوئی تمہارا کچھ نہیں
لنا۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی معلوم کریں گے کہ یہ عجیب نشان
نہ پہنچتے ہیں۔ لیکن گو ہیں نے ان الفاظ کے ذریعہ سے اس کی
حوصلہ افزائی کرنی چاہی۔ تاہم چپڑاسی کے انداز سے پایا جاتا تھا
اطمینان نہیں ہوا۔ وہ یہی سمجھے ہوئے تھا کہ ہماری عمل میں لائی
تیاطیں لاحاصل اور بے سود ہیں لیکن اس پر بھی اس نے کسی طرح
مت نہ کی اور بات طے ہو گئی۔

ہونے لگا تو ہم نے اس کے کپڑے اتروا کر بڑی احتیاط کے ساتھ اس کے
ہر ایک حصہ کا معائنہ کیا اور دیکھا کہ ان نشانات کے سوا جو پیشتر مذکورہ
ہیں اور کوئی نشان بدن کے کسی حصہ پر موجود نہ تھا۔ اس سے
ہم نے اس کی چارپائی کمرہ کے وسط میں بچھا دی اور وہیں اسکو
نے کے لئے کہا تاکہ ہم اسکی پوری طرح نگرانی کر سکیں۔ ہر چند گرمی کافی
ہم نے احتیاط مزید کے طور پر سب کھڑکیاں اور دروازے بند
کیونکہ ہم نہ چاہتے تھے ہماری ذراسی غفلت سے سارا انتظام
ہو جاتے۔ اس سے فارغ ہو کر ہم نے لالٹین کی روشنی
اور ایک کونے میں بیٹھ کر واقعات
رنے لگے۔

ہونے لگیں محض کچھ کہنے کی غرض سے میں نے دبی آواز میں اپنے دوست سے کہا
"اگر کوئی بات ہونیوالی ہے تو میرے خیال میں عنقریب ہو جائیگی۔ کیونکہ سُنتے ہیں کہ
بدی کی طاقتیں آدھی رات کے قریب ہی مصروف کار ہوتی ہیں"
مشکل سے پانچ منٹ گذرے ہونگے کہ چپڑاسی چیخ مار کر اٹھا اور چارپائی سے
اُٹھ کر بے تابانہ کہنے لگا۔ "صاحب! صاحب! پھر وہی بات ہوئی!"
ہم دوڑے دوڑے اس کے پاس گئے کیا دیکھتے ہیں کہ اسکی چھاتی پر تین نئے نشانات
حال کے بنے ہوئے موجود ہیں دیکھنے سے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا کسی نے جلد کو جلا کر بنائے ہوں۔
ان نشانات کو دیکھکر جو کیفیت ہمارے دلوں کی ہوئی اس کا حال تحریر سے
زیادہ تخیل میں بہتر جانا جا سکتا ہے۔ عجب طرح کی سراسیمگی اور دہشت ہم پر طاری ہو گئی۔
سردی کی لہر مجھے اپنی پیٹھ کی طرف اُترتی معلوم ہوئی اور ٹانگیں لڑکھڑا گئیں۔ اسمیں
شک نہیں کہ ہم دونوں اس وقت تک جاگتے رہے تھے اور ہمارے سامنے کوئی اندر
نہ آیا تھا۔ دروازے اور کھڑکیاں بھی جوں کی توں بند تھیں اور ہم اس بات کا حلف
لینے کو تیار تھے کہ چپڑاسی اپنی جگہ سے سر مو نہیں ہلا۔ لیکن یہ نشانات اس بات
کا فیصلہ کن ثبوت تھے کہ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش ضرور آیا ہے۔ کس طرح؟ کس ذریعہ
سے؟ اور کب! یہ ایسی باتیں تھیں جن کا کوئی جواب ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا۔
اسکے اگلے دن چپڑاسی چھٹی لیکر اپنے گاؤں کو روانہ
ہو گیا واپسی پر اُس نے بتایا کہ میں ایک
جادوگر سے ملا تھا۔ اس کو
میں نے سارے حالات
سے واقف کیا
اس نے کئی طرح
کے منتر
پڑھے
اور کئی
قسم کی
اپدیش
رسمیں
ادا کیں
ان کے بعد
اس نے مجھکو بتایا
کہ آئندہ کے لئے
تمہیں اس قسم کی تکلیف
بالکل نہ ہوگی۔



کے اندر چپڑاسی
ے سو گیا اور
کی طرف
ن
مژ
ی
ماری

معاملے کا سب سے عجیب پر اسرار پہلو یہ ہے کہ اس دن کے بعد آج تک پھر کبھی ایسے نشانات پیٹر اسی کے بدن پر نمودار نہیں ہوئے اور اس سے بھی بڑا اچنبھا یہ ہے کہ اگلے نشانات اب رفتہ رفتہ مدھم ہو کر مٹتے جا رہے ہیں۔ اس بات کا فیصلہ کہ اس پُر اسرار واقعہ میں کونسی طاقت کام کرتی تھی میں ناظرین پر چھوڑتا ہوں کیونکہ میں کوئی ذاتی رائے قائم نہیں کر سکتا۔

اس سلسلہ میں تیسرا قابل ذکر واقعہ احمد نگر سے تعلق رکھتا ہے۔ جو ریاست حیدرآباد کے قریب انگریزی علاقہ میں ایک چھاؤنی ہے۔ اس واقعہ کا حال بھی مسٹر لاٹوش نے ہی لکھا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ واقعہ مذکورہ کے چشم دید گواہ موجود ہیں جن میں سے ایک احمد نگر کا نامی وکیل اور دوسرا وہاں کا کوئی جاگیردار ہے ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کسی واقعہ کی فرضی تصدیق کیلئے آمادہ نہیں ہو سکتے۔

مسٹر لاٹوش کا بیان ہے کہ احمد نگر میں ایک زمیندار رہتا ہے مکٹ بھاری دوبنے جس کا نام ہے اس کا ایک شادی شدہ بیٹا باپ کے پاس رہتا ہے اور وہیں اُس بیٹے کی بیوی مع اپنے تین بچوں کے سکونت رکھتی ہے۔ گذشتہ دو سال کے اندر ایک جوان عورت کو کسی نظر نہ آنے والے ذریعہ سے بیشمار تکالیف پہنچ رہی ہیں کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نظر نہ آنے والے ہاتھ رسّی کی مدد سے اس غریب کا گلا گھوٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کبھی اس کے جسم کے بالائی حصہ پر جا بجا ویسے ہی کالے داغ اور نشانات جیسے اوپر مذکور ہوئے ہیں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اہل شہر کا بیان ہے کہ کوئی غیر معمولی طاقت اس معاملہ کی تہ میں کام کرتی ہے لیکن وہ طاقت کیا ہے اور وہ کس لئے اس عورت کے درپے آزار ہے اس کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ وکیل مذکور نے اپنی آنکھوں سے بارہا دیکھا ہے کہ عورت اس طرح تڑپتی اور سسکتی ہے گویا اس کو سخت تکلیف پہنچائی جا رہی ہو لیکن ایسے موقعوں پہ کوئی چیز نظر نہیں آتی جو اس کی ایذا رسانی کا موجب سمجھی جا سکے۔



اس کا یہاں تک بیان ہے کہ میری نظروں کے سامنے کسی نظر نہ آنے والے ہاتھ نے اسکے سر کے بہت سے بال کتر دئیے اور اسکے منہ سے کئی طرح کی سلی ہوئی گٹھلیاں نکلیں۔ معاملے کا سب سے عجیب حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ جب کبھی اس قسم کا دورہ ہوتا ہے تو عورت بے ہوش نہیں ہوتی بلکہ پوری طرح ہوشمند رہتی ہے یہ دورہ ہمیشہ ہلال اور بدر کے دو موقعوں پر ہوتا ہے یعنی دوج اور پورنماشی کو۔ جس سے اس بات کا خیال اور بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں کالا جادو کام کر رہا ہے۔ کئی بار تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دم گھٹ کر مر جائے گی۔ حالانکہ دیکھنے میں کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ کوئی پوشیدہ طاقت ہی اس کا گلا گھوٹنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسکے شوہر اور بچوں پر بھی اس جادو کا تھوڑا بہت اثر ہے یعنی محض اتنا کہ کالے رنگ کے نشانات گاہ بگاہ ان کے بدن پر بھی نظر آ جاتے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ یہ اپنی قسم کا ایک ہی واقعہ نہیں ہے۔ بیشمار لوگ اور ہیں جن کے ساتھ ایسی ہی وارداتیں ہوتی ہیں اور بہت سے بدنصیبوں کو ان کے مظالم سے بچنے کے لئے بڑی بڑی رقمیں چڑھاوے کے طور پر دینی پڑتی ہیں۔ ایک مسلمان عورت کا واقعہ قابل ذکر ہے کہ چار سال کے اندر اسکے چار بچے پیدا ہوئے لیکن ہر دفعہ کوئی نامعلوم طاقت بچے کو اسکی چارپائی سے اُٹھا کر لے گئی کوئی معلوم نہ کر سکا کہ ایسا کیوں ہوا۔ یہ واقعہ دکن میں پوری طرح مشہور ہے اور وہاں کے اخبارات میں اس کے متعلق بارہا مضامین لکھے جا چکے ہیں۔

سطور بالا میں مسٹر گوڈ کی پیش کردہ رپورٹ کا جو حوالہ دیا گیا ہے اسکے دوران میں موصوف نے کئی اعلےٰ طبقہ کے ہندوستانی و یورپین اصحاب کی فیصلہ کن شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔ جن میں سے بعض کو خود کالے جادو

کا شکار ہو کر مصائب برداشت کرنا پڑے اور بعض نے دوسروں کو اسکی وجہ سے مبتلائے مصیبت دیکھا۔ ان میں سے دو نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ایک کوئی رومن کیتھولک عقیدہ کا پادری ہے اور دوسرا کوئی ہندوستانی امیر جو کچھ عرصہ پہلے تک کونسل کا ممبر تھا۔

آخر الذکر ایک اعلٰے درجہ کا تعلیم یافتہ اور برطانی یونیورسٹی کا ڈگری یافتہ گریجویٹ ہے۔ اُس کا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ پہلے اُس کے مکان کے مختلف حصوں میں جا بجا پُراسرار طریقہ پر آگ لگتی رہی علاوہ مختلف کمروں میں پتھر آ آ کر گرتے رہے اور ایسی ہی کئی اور باتیں پیش آئیں جن کا ظاہری کوئی سبب نظر نہ آتا تھا۔

جب لوگوں نے کہا کہ اس معاملہ کی تہ میں جادو کام کرتا ہے تو اُس نے بات کو ہنسی میں اُڑا دیا اُس کا خیال تھا کہ گھر کے نوکروں میں سے کوئی اس قسم کی شرارت کر رہا ہے چنانچہ اُس نے ملزم کا پتہ لگانے کی کئی طریقوں پر کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر مجبور ہو کر اُسے اس نتیجہ پر پہنچنا پڑا کہ یہ ظہورات غیر طبعی اور فوق الفطرت ہیں۔

ایک اور انگریز کا بیان ہے کہ نہر سویز کے مشرق کی طرف عجیب و حیرت انگیز واقعات آئے دن ظہور میں آتے رہتے ہیں جن کی تہ کا حال جانا نہیں جا سکتا۔ صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے واقعات پیش آ رہے ہیں۔ ممکن ہے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد بھی کئی لوگ کالے جادو کو فضول و لغو تصور کریں اور اُسے بعض لوگوں کے جوش میں آئے ہوئے تخیل کا نتیجہ قرار دیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ان حیرت انگیز واقعات کو جن کا حوالہ پیشتر دیا جا چکا ہے کسی ممکن طریقہ پر واضح نہیں کیا جا سکتا تو کوئی آدمی اُنکے متعلق اُسکے سوا اور کیا رائے قائم کر سکتا ہے کہ اُن کا سبب غیر طبعی اور فہم انسانی سے بالاتر ہے۔ خاتمہ پر اقتباسات اخبارات سے لیکر شائع کئے جاتے ہیں جن میں سے ایک ہندوستان اور دوسرے برطانیہ کے سرکردہ اخبار سے تعلق رکھتا ہے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان اخبارات کے نامہ نگاروں نے جھوٹ لکھا ہوگا۔

ذیل کی خبر مدراس کے روزنامہ انگریزی اخبار "ہندو" مورخہ ۲۸ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی تھی جو شخص چاہے اخبار کے فائل میں اب بھی اسکو دیکھ سکتا ہے

کڈاپہ ۲۷ جنوری۔ اس جگہ کے وکیل مسٹر پی سوباراؤ کے مکان پر عجیب و حیرت انگیز واقعات ظہور میں آ رہے ہیں کبھی مکان کے کسی حصہ سے پانی کی دھار نکلنے لگتی ہے جس سے مسٹر سوباراؤ کے بڈھے ماں باپ تر بتر ہو جاتے ہیں کبھی مکان کی مختلف چیزوں میں پتھر آ آ کر لگتے ہیں اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نظر نہ آنیوالی طاقت برتن اُٹھا کر کنوئیں میں پھینک دیتی ہے۔ یکایک بغیر کسی ظاہری وجہ کے مکان کے کسی حصہ میں آگ لگ جاتی ہے اور کئی چیزیں جل جاتی ہیں ابھی کل کا ذکر ہے کہ ایک الماری میں آگ لگ گئی جس میں وکیل صاحب کے قانونی کاغذات رکھے تھے اُس کے علاوہ ایک دھوتی جو خشک ہونے کے لئے ٹنگی ہوئی تھی جل کر راکھ ہو گئی۔

آج صبح کا ذکر ہے کہ آپ کا نامہ نگار یہاں کے کلکٹر مسٹر نرسنگھم نیتو اور کئی دوسرے شخصوں کے ہمراہ وکیل صاحب کے مکان پر گیا اور دیکھا کہ کاغذات اور کپڑے جلے ہوئے پڑے تھے اور کئی پتھر کے ٹکڑے بھی جو آ آ کر مکان میں گرتے رہے تھے موجود تھے معلوم ہوا ہے کہ ایک پتھر دیوار میں لگے ہوئے کلاک پر آ کر لگا تھا۔

معاملے کا ایک نہایت عجیب پہلو یہ ہے کہ اس قسم کے پُراسرار واقعات پوجا کے کمرہ میں پیش نہیں آتے جس میں مورتیاں رکھی ہیں اور پوجا کا سامان بھی رکھا رہتا ہے۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ یہ واقعات اوقات مقررہ پر نہیں ہوتے بلکہ وقفوں میں ہوتے رہتے ہیں۔ گھر کے رہنے والے بہت خوف زدہ ہیں کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے ایک بڑی مصیبت مسٹر سوباراؤ کو یہ درپیش ہے کہ بےشمار مرد اور عورتیں دن بھر اسکے مکان میں گھسی رہتی ہیں۔ کہ دیکھیں یہ واقعات کس طرح ظہور میں آتے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ چند دن ہوئے ایک بھکاری مسٹر سوباراؤ کے مکان پر آیا تھا جب اُسے رخصت ہونے کیلئے کہا گیا تو اُس نے ضد کی کہ مسٹر سوباراؤ کے بڈھے باپ نے اُسے گالیاں دیں اور اُسے واپس کر دیا۔ اُس وقت کے بعد سے ہی یہ واقعات ظہور میں آ رہے ہیں گو خدا کو بہتر معلوم ہے کہ ان کا تعلق اس فقیر کی مدعا سے ہے یا نہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ بدی کی طاقتیں اس مکان پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔

دوسرا اقتباس لندن کے اخبار "رائز نگ سن" سے لیکر شائع کیا جاتا ہے جو حسب ذیل ہے۔

سنگھم بوم (بنگال) یکم فروری۔ خبر موصول ہوئی ہے کہ بعض شخصوں نے جو کالا جادو کرتے ہیں ایک یورپین مسٹر فورڈ ہیم کی قبر کی بے حرمتی کی مسٹر فورڈ ہیم کا انتقال سنہ ۱۹۲۹ء میں بمقام کلکتہ ہوا تھا۔

کالے جادو کے عامل جو زیادہ تر دیوی کالی کے پرستار ہیں اس بات کے معتقد پائے جاتے ہیں کہ اگر وہ اپنی پُراسرار رسوم کو مردہ آدمی کے گوشت و ہڈیوں سے ادا کریں تو انہیں اپنے مقصد میں ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔ فی الحقیقت یہ لوگ انسانی گوشت بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ اُن لوگوں کا دعوےٰ ہے کہ کبھی آدمی کی لاش کو جلا کر اس سے اپنے مندرجہ مطلب کام لے سکتے ہیں۔ خیال ہے کہ کالے جادو کے عاملوں نے اس امید پر قبر کھودی تھی کہ اس میں سے مسٹر فورڈ ہیم کی لاش برآمد ہوگی لیکن چونکہ مسٹر فورڈ ہیم کی اپنی وصیت کے مطابق انکی لاش انکے انتقال پر جلا دی گئی تھی اسلئے قبر کھودنے پر جو چیز ان لوگوں کے ہاتھ آئی وہ محض ایک مٹی کے برتن میں رکھی ہوئی کچھ راکھ تھی اور لوگ کہتے ہیں کہ بالکل ممکن ہے کہ انہوں نے قبر کے پہچاننے میں غلطی کی ہو بہرحال یہ واقعہ ہے کہ پچھلے سال ایک اور انگریز مسٹر شارپلے کی قبر اسی طرح پُراسرار حالات میں کھودی گئی تھی اور انکی لاش عدم پتہ ہو گئی تھی۔ مسٹر شارپلے کے متعلق ناظرین کو یاد ہوگا کہ وہ سنہ ۱۹۲۷ء میں ایک حادثہ میں ہلاک ہو گئے تھے۔ جس قبرستان میں یہ واردات ہوئی ہے وہاں اس سے پہلے بھی مختلف اوقات میں ایک دو واقعات ہو چکے ہیں۔ ان دو اقتباسات کو پڑھنے کے بعد ناظرین خود ہی اس بات کا بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ معاملہ کہاں تک حقیقت پر مبنی ہے۔

انسان تو بھی انسان میں بھی

تجھکو خدا نے آقا بنایا | مجھکو خدا نے بندا بنایا
رحمت سے تجھکو دولت عطا کی | حکمت سے مجھکو غربت عطا کی

لیکن نہ سمجھا تو راز اس کا

دیکھ اس کی قدرت کھول آنکھ دل کی | انسان تو بھی انسان میں بھی

مدہوش ہے تو مغرور ہے تو | اپنی حقیقت سے دور ہے تو
ایذا رسانی ایمان تیرا | ظلم و جفا پر ہے دھیان تیرا

دکھیا کے دل کو تڑپا نہ ظالم

دیکھ اس کی قدرت کھول آنکھ دل کی | انسان تو بھی انسان میں بھی

حرص و ہوا کا بندہ ہے کیوں تو | جور و ستم کا پتلا ہے کیوں تو
ڈرتا نہیں کیا روز جزا سے | باز آ ستم سے باز آ جفا سے

رکھ دھیان دل میں ہر وقت اسکا

دیکھ اس کی قدرت کھول آنکھ دل کی | انسان تو بھی انسان میں بھی

دو دن کی دولت دو دن کی ثروت | دو روز پیچھے ہے خاک عزت
مجبور بن کر نادار بن کر | گھر گھر پھرے گا بے یار بن کر

برباد ہوگا ناشاد ہوگا،

دیکھ اس کی قدرت کھول آنکھ دل کی

انسان تو بھی انسان میں بھی،

[illegible]

[illegible]

قدیم اہل مصر کی بیجان ممیاں

ایک خدا رسیدہ مصری درویش نے مشہور عالم سیاح مسٹر پال برنٹن سے کیا کہا؟

نامور سیاح پال برنٹن کا نام ہمارے ناظرین کے لئے نیا نہیں۔ اس سے پہلے بھی ان کے فاضلانہ رشحات قلم وقتاً فوقتاً ان صفحات کے ذریعہ سے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے رہے ہیں ذیل کا مضمون اس وجہ سے اپنے اندر ایک خاص اہمیت اور دلچسپی رکھتا ہے کہ اس میں فاضل مصنف نے مصر کے بسنے والے ایک ماہر روحانیات کا وہ پیغام درج کیا ہے جو وہ اس نامور سیاح اور محقق کے ذریعہ سے یورپ کے سائنس دانوں اور ماہرین آثار قدیمہ کو پہنچانا چاہتا تھا اس کے سلسلہ میں اس نے لوگوں کو ان خطرات سے آگاہ کیا ہے جو قدیم مصری قبروں کو کھودنے اُن کی حنوط کردہ لاشیں اکھاڑنے اور دفن شدہ متفرق سامان نکال کر لے جانے سے پیدا ہو سکتے ہیں اس پیغام کی ناصرا ہمیت اس طرح بھی ظاہر ہوتی ہے کہ بعض حالات میں جن لوگوں نے مصری قبروں کو کھودا۔ یا اُن کے دفن شدہ خزائن کو نکالنے اور دنیا کے مختلف حصوں میں لیجانے کا حماقت انگیز فعل کیا ان سب پر طرح طرح کی مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوئیں۔ اخبار بین حضرات کو ابھی طرح یاد ہوگا کہ پہلے دنوں بعض واقعات ایسے ہی پیش آ سکے تھے کہ جن لوگوں نے مصری قبروں کو کھودا وہ یا تو کسی نادیدہ آفت کا شکار ہوئے یا اُن کی جان سانحی حالات میں ضائع ہوئی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ رنگسا جوشپ یعنی اُس شخص کا جس نے مندرجہ ذیل پیغام اہل یورپ کے نام بھیجا ہے یہ بھی خیال ہے کہ دنیا میں جو عظیم جنگ جدل ہو رہی ہے اور قومیں ایک دوسرے کی بربادی پر تلی ہوئی ہیں۔ ان تمام باتوں کا تعلق انہیں مصری قبروں کی بے حرمتی سے ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ناظرین واقعات حال کی روشنی میں اس پیغام کو خاص دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔ (ایڈیٹر)

ہماری دوسری ملاقات کشور کے قدیم مندر کے کھنڈرات میں ہوئی میں تھیو کی ایک بہت بڑی سل پر بیٹھا تھا جس پر طرز قدیم کے مصری حروف تصاویر کی صورت میں کندہ تھے اور وہ مرد فاضل مجھ سے تھوڑی دور اس پتھر پر میری طرف منہ کئے پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے یادداشت کی کتاب کھول کر ہاتھ میں لے لی تھی اور کلام اس کے منہ سے نکلتے ہوئے الفاظ کو ساتھ ساتھ تحریر میں لانے کو تیار تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اسکے دیئے ہوئے پیغام کو سفید کاغذ کے تختوں پر بیسویں صدی کی اس طرز تحریر کے مطابق جو بنیادی اصول میں قدیم مصریوں کی تصویر نویسی سے ہی ملتی ہے۔ قلمبند کر لوں۔ میرا اشارہ مختصر نویسی کی طرف ہے

رنگسا جوشپ نے مبادیات میں وقت ضائع نہ کرتے ہوئے براہ راست اصل مطلب کی طرف آنے کی کوشش کی اور اپنا پیغام اس طریقہ پر لکھوایا۔

جن لوگوں نے مصر قدیم کے مقبروں کو توڑا۔ انہوں نے ایسی طاقتوں کو آزاد کر دیا جن کی بدولت دنیا کو کئی طرح کے خطرات کا سامنا ہو رہا ہے۔ عہد گذشتہ کے کفن کھسوٹوں کی طرح زمانہ حال کے ماہرین مصریات بھی بے جھجک ان لوگوں کی قبریں کھود ڈالتے ہیں جو کالے جادو کے عامل تھے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ تاریخ مصر کے آخری دور میں ماہرین علوم کی صف میں ابتذال عظیم پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا اور اس زمانہ کے پجاری زیادہ تر جادو سحر اور فنون سیاہ کے عامل تھے جب آئین کی وہ نورانی روشنی جس سے مصری مذہب کی مظہر تھی دھندلی پڑ گئی اور اس کی جگہ پُر کرنے کو بھونڈے غلط مادہ پرستی کے پُر شور عقائد پیدا ہو گئے تو لاشوں کو حنوط کرنے کا طریقہ رائج ہوا اور اس کے ساتھ ہی کئی طرح کے پیچیدہ مراسم نے لوگوں کے دلوں میں جگہ کر لی۔ لیکن اس غلط اور گمراہ کن مکر آمیز تعلیم کی تہ میں جو اس عمل کی حامی تھی خفیہ عزیمتی کا ایک ایسا عنصر شامل تھا جو لاش کو حنوط کرنے کے عمل کے ذریعہ سے عالم طبیعی کے ساتھ ایک نیا جسمانی رشتہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔

سچ پوچھئے تو یہ عمل شروع میں مصر کے ان عزیزوں کے فاضل بادشاہ کے لئے مخصوص سمجھا گیا تھا جو زمانہ تاریخ سے پیشتر ہو گذرے ہیں۔ یا ان کے علاوہ یہ طریقہ ان ترقی یافتہ اعلیٰ طبقہ کے پجاریوں کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا جو اپنے ترقی روحانی کے ذریعہ سے خدا رسیدہ ہو چکے تھے مطلب اس سے یہ تھا کہ ان کے مادی اجسام قوت معدیں کا اثر قبول کر کے عرصہ دراز تک قائم اور دائم رہیں اور اُن کی راہ سے

دنیا کے اطراف میں طاقت و قوت کی شعاعیں پھیلیں۔

اسکے علاوہ ایک طرح کی سلف پرستی بھی شروع ہو گئی جس کے ماتحت مرنے والوں کی لاشوں کو محض رسمی طریق پر اس لئے مصالحوں میں بسا کر رکھا جاتا تھا کہ آئندہ نسلیں دیکھ لیں کہ انکے گذرے ہوئے بزرگوں کی صورتیں کیسی تھیں۔ درحقیقت لاشوں کو حنوط کرنے کے اس طریقہ کی یہ ایک ادنےٰ نقل تھی جس کو مصر قدیم کے ابتدائی زمانہ میں نیک بادشاہوں اور پجاریوں کی یاد قائم رکھنے کے لئے عمل کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس عہد تاریک میں جو بعد ازاں مصر پر نازل ہوا۔ جب انکی حقیقی روحانی روشنی، موقوف ہو گئی اور دوسری دنیا کی جتنی طاقتیں ان لوگوں کے ذریعہ سے نکالی گئیں جو علم رکھتے ہوئے رحم کی صفت سے معرا تھے تو حکمران اور پجاری جماعت کے تعلیم یافتہ لوگوں نے اپنی لاشوں کو حنوط کرانا شروع کر دیا بعض اوقات یہ عمل کالے جادو کے سلسلہ میں کیا جاتا تھا بعض اوقات بغرض در پیش ہوتی تھی کہ موت کے بعد جب روح کو اعراف سے گذرنا پڑتا ہے تو وہاں اسکے تلف ہونے کا امکان باقی نہ رہے اور بعض حالتوں میں یہ عمل صرف جہالت کے زیر اثر روا ہوتا تھا کم و بیش بر حالت میں لوگ مرنے سے پہلے زندگی میں ہی اپنی قبر تیار کرا لیا کرتے تھے اس قسم کی قبر تیار کرانے کے بعد ایسے آدمی یا تو خود اپنی خواہش کے ذریعہ سے یا کسی عالم پجاری کی وساطت سے ایک روحانی وجود یا ایک عنصری مخلوق تیار کراتے تھے۔ جو محسوسات جسمانی سے کچھ لگاؤ نہ رکھتا تھا یہ روحانی وجود کبھی کبھی نیک لیکن بسا اوقات بدی کی طاقتوں سے مملو ہوتا تھا اور مطلب اس کی تخلیق کا یہ تھا کہ جس شخص کی لاش حنوط کر کے قبر میں رکھی جائے وہ اسکی حفاظت اور نگرانی کرتا رہے۔

ان حنوط کردہ لاشوں کی مزید حفاظت کے لئے پہلے تو مقبروں کو بڑی احتیاط کے ساتھ چھپایا جاتا تھا اسکے بعد عوام میں یہ خیال پھیلایا جاتا تھا کہ جو شخص ان قبروں کی بے حرمتی کرے گا روحانی طاقتوں کی طرف سے اسکو نہایت عبرتناک سزا دی جائے گی۔ لوگ چونکہ اس بیان کو سچ تسلیم کرتے تھے اس لئے کوئی ان قبروں کو بالکل نہ چھیڑتا تھا لیکن جوں جوں پجاری اور حکمران طبقہ کو زوال آیا۔ لوگوں کا اعتقاد ان وہمی باتوں سے اٹھ گیا۔ اور کئی لوگوں نے اسلئے قبروں کو کھدانا شروع کر دیا کہ ان جواہرات پر قبضہ کر سکیں جو ہر شخص کی حنوط کردہ لاش پر پائے جاتے تھے جس کی لاش کو کسی طرح کی خاص اہمیت حاصل ہو۔

یہ امر واقعہ ہے کہ جن حالتوں میں حنوط کردہ لاش کسی ایسے شخص کی ہوتی تھی۔ جو فنون سحر کی رموز سے واقف ہو یا کوئی ایسا ماہر فن شخص اس لاش کی حفاظت اور رہبری کو اپنے ذمہ لیتا تھا تو روحانی طاقتیں ان قبروں کی نگرانی پر مامور کر دی جاتی تھیں۔ اور ان کا یہ فرض ہوتا تھا کہ جو لوگ ان قبروں کی بے حرمتی کریں ان کو سزا دیں اور نگہداشت کے عام فرائض سر انجام دیتے ہیں۔ یہ روحانی طاقتیں اکثر اوقات نہایت خطرناک و تباہ کن ہوتی تھیں۔ اپنے روحانی عناصر کی وجہ سے وہ بند قبروں کے اندر رہ سکتی تھیں اور ہزارہا سال تک بند رہنے سے بھی ان کی طاقت میں فرق نہ آتا تھا یہی وجہ ہے کہ زمانہ حال کے ماہران عصر حقیقت حال سے بے خبر ان قبروں کو کھودنے کی کوشش کرتے ہیں جن کی نگرانی ایسی ارواح کی طرف سے ہو رہی ہے وہ خود اپنے پیروں کلہاڑی مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لیکن اس موقع پر ایک بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے اگر سوال ماہران عصر اور انکے متعلقین کی حفاظت کا ہی ہوتا تو میرے بیان کو چنداں اہمیت حاصل نہ ہوتی لیکن دراصل ایسا نہیں ہے واقعہ میں اس سوال کا تعلق سارے عالم کی حفاظت اور سلامتی سے ہے۔

ان بےشمار بڑے اور چھوٹے آدمیوں کی قبروں میں جن کو یہ لوگ جا کر کھودتے ہیں بہت سی قبریں ایسی بھی ہیں جن کی حفاظت کا انتظام بیان کردہ روحانی طریقہ پر کیا جاتا تھا۔ جب کبھی ایسی قبر کو کھودا جاتا ہے تو اس طبعی دنیا پر رکھی ہوئی ارواح بد کی لامحدود طاقتیں موج طوفان کی طرح حملہ آور ہوتی ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ہر ایسی حنوط کردہ لاش جسے آپ کے ہم وطن قبر سے نکال کر یورپ یا امریکہ کے عجائب گھروں میں لے جاتے ہیں اپنے ساتھ ہی ارواح بد کے وہ روحانی اثرات جن کا ذکر کیا گیا ہے لے جاتی ہے جو وہاں اپنا ہیبت ناک اثر پھیلانا شروع کرتے ہیں۔ یہ اثرات دنیا کو مختلف قسم کے نقصانات کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اور انکی نحوست اتنی وسیع و عظیم ہے کہ بعض اوقات قوموں کے مستقبل خطروں میں پڑ جاتے ہیں آپکے مادہ پرست مغرب کے پاس ان چیزوں کے بچاؤ کا کوئی حربہ موجود نہیں اور گو یہ طاقتیں آپ کو نظر نہیں آتیں تاہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ کچھ کم مؤثر ہیں۔

اس میں تو شک نہیں کہ جلدی یا بدیر آپ کے مغربی ملکوں کے لوگ بھی یہ محسوس کرنے پر مجبور ہونگے کہ ارواح بد اکثر قبروں میں مقید ہیں۔ لیکن ایسا ہونے کے وقت تک موقع ہاتھ سے نکل جائے گا پھر حفاظت کی کوئی تدبیر باقی نہ رہے گی۔ اس وقت تک کم و بیش تمام قبریں جا چکیں گی اور وہ شیطانی مخلوقات جو ان کی نگہبان ہیں نکل کر فضا پر محیط ہو جائیں گی۔

ان کی دوسری صفات بد کے علاوہ بین الاقوامی غداری کا وصف بھی ان میں پایا جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قدرت کے قوانین اٹل ہیں۔ جو شخص ان قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے قدرت کبھی اس کو معاف نہیں کرتی۔ نہ اس کا یہ عذر قابل قبول سمجھا جاتا ہے کہ جو کچھ اسکی طرف سے ہوا وہ لاعلمی کی حالت میں ہوا تھا اسی اصول کے مطابق اگر زمانہ موجودہ کے مغربی لوگ بدی کی طاقتوں یا عظیم سحری قوتوں کے اثر و اہمیت کے قائل نہیں ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس سزا سے محفوظ رہ سکیں گے جس کے سزاوار وہ ان بری طاقتوں کو جگا کر ہو رہے ہیں

؎ دراصل اسی خیال سے ہمزاد کی تخلیق ہوئی جس کے متعلق قدیم مصریوں کی کتاب میں جا بجا ذکر آتا ہے ۔

یہ مصنوعی طریق پر بنائی گئی عنصری ارواح جن کا ذکر کیا گیا ہے ۔

موجودہ صدی کے اندر اتنی کثیر تعداد میں غلطی سے آزاد کی جا چکی ہیں کہ وہ اپنے طبقہ روحانی سے سارے عالم میں دہشت پھیلا رہی ہیں اس میں شک نہیں کہ عام نظریں ان کو دیکھ نہیں سکتیں ۔ تاہم اس سے ان کے وجود میں فرق واقع نہیں ہوتا اور وہ زندہ انسانوں کے بالکل قریب رہ کر ان پر آسانی اثر ڈالتی رہتی ہیں ہم لوگ جو بنی نوع انسان کی روحانی بہتری اور ترقی کے قائل ہیں ان تاریک قوتوں سے ان کے اپنے حربوں کی مدد سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے ہیں لیکن قوانین قدامت ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم اپنی ہستی کو ہی تلف کر دیں ۔ ہم ایسا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے جس طرح کسی کو اس بات کا اختیار حاصل نہیں ہے کہ ان زندہ انسانوں کو تلف کر دے جن کا وجود سوسائٹی کے لئے خطرناک سمجھا جا سکتا ہے ۔ ہمیں اس قدر اختیارات حاصل ہیں کہ اپنی خاص حفاظتی تدابیر کے ذریعہ سے افراد اور اداروں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں ۔

مخفی نہ رہے کہ جو متفرق چیزیں ان حنوط کردہ لاشوں کے ساتھ ساتھ قبروں سے نکالی جاتی ہیں مثلاً جواہرات ۔ تعویذ مختلف قسم کا سامان اور متفرق نشانات ۔ یہ سب اُن قبروں کے اثر نحس کو اپنے ساتھ ہی ساتھ دوسرے مقامات پر لیجاتی ہیں ۔ اگر ان چیزوں کا اُن ارواح بد سے کوئی رشتہ یا تعلق نہ ہوتا جو ان قبروں کی حفاظت پر معین ہیں تو ان چیزوں پر کسی کے قبضہ کر لینے سے کوئی خاص نقص پیدا نہ ہو سکتا تھا ۔ لیکن چونکہ انکے تعلقات باہمی مضبوط ہیں ۔ اسلئے جب کبھی ان چیزوں کو قبروں میں سے نکال کر اپنے قبضہ میں لایا جاتا ہے تو وہ حسب موقع مصیبت تباہی اور بربادی پیدا کرنے کا موجب ثابت ہوتی ہیں ۔ عام طور پر ماہران عصر نیز وہ لوگ جو معاملات مصر سے گہری دلچسپی لیتے ہیں ان امور سے سراسر بے خبر ہیں ۔ اور دونو چیزوں میں کسی طرح کے اختلاف کو نہ سمجھتے ہوئے وہ ان میں اندھا دھند ہاتھ ڈالنے سے دریغ نہیں کرتے ۔ لیکن دُنیا والے میرے پیغام کو سن کر اس پر عمل کریں یا نہ کریں ۔ میں بہر حال اُن کو اپنا پیغام پہنچا دینا ضروری سمجھتا ہوں ۔ جو یہ ہے کہ کوئی شخص ان قبروں میں دست اندازی نہ کرے جن کی روحانی نوعیت کا حال اس کو معلوم نہیں ۔ اہل عالم کو چاہئیے کہ ان قبروں کو کھاڑنا بند کر دیں ۔ یا کم از کم اس عمل کو اس وقت ملتوی رکھیں کہ اُن کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ وہ کرنے لگے ہیں اس کا نتیجہ کتنا خطرناک ہو سکتا ہے ۔

زمانہ قدیم کے بیشتر بادشاہ کسی نہ کسی حد تک روحانی طاقتیں اپنے اندر رکھتے تھے گو یہ دوسری بات ہے کہ وہ طاقتیں نیکی کے لئے کام دے سکتی تھیں ۔ یا بدی کے لئے ۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے کامل پجاریوں کے ذریعہ سے ان اسرار سے واقف ہو چکے تھے ۔ آغاز میں اس قسم کی سحری طاقت ابتر دو منزلہ گزر پہنچے یا تو اپنی حفاظت کے لئے استعمال کی جاتی تھی یا یہ اہم پیشہ لوگوں کی روک تھام کے لئے لیکن جب مصر اپنے کمال عروج سے گر پڑا تو یہ علم بھی مبتذل ہو گیا ۔ لوگ اس سے غلط کام لینے لگے مثلاً یہ کہ فاصلہ پر سے دشمنوں کو ضرر پہنچانا یا جو شخص کسی کی راہ میں حائل ہو اُسے اسی طاقت کی مدد سے اسکے مقام سے ہٹا دینا ۔ یہی وہ علم تھا جس سے مقبروں کی حفاظت کے لئے بھی کام لیا گیا ۔

ان حالات میں یہ امر ہر طرح قرین قیاس ہے کہ جب کوئی شخص کسی قدیم مصری قبر کو کھودنا شروع کرتا ہے ۔ تو بے خبری کی حالت میں وہ خطرناک قسم کی نظر نہ آنیوالی طاقتوں کو بیدار کر دیتا ہے ۔ عین ممکن ہے کہ کھودنے والا کسی ایسے نیکدل بادشاہ کی قبر کھودے جو بذات خود پاک باز تھا اور نیکی کی طاقتیں اپنے اندر رکھتا تھا ۔ لیکن اس حالت میں بھی شخص نادانستہ اسکی قبر کھودنے سے دُنیا کو بھاری نقصان پہنچ سکتا ہے

مثال کے طور پر شاہ طوطن خامن[1] ایسا ہی آدمی تھا ۔ اس کی روح حقیقی روحانیت کے اثر میں ڈوبی ہوئی تھی اور وہ روحانیت تامہ رکھتا تھا ۔ لیکن جب اُسکی قبر کھودی گئی تو نہ صرف کھودنے والوں بلکہ نامعلوم طریقوں پر عام دُنیا کے حق میں بھی اس کے اثرات مضر ثابت ہوئے ۔ میرا عقیدہ ہے کہ آئندہ چند سال کے عرصہ میں دُنیا کو صرف اسوجہ سے بہت سی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا کہ لوگوں نے مصر کے قدیم مردوں کی بے حرمتی کی ۔

پس میں جس بات پر خاص طور سے زور دینا چاہتا ہوں یہ ہے کہ غیر ملکی لوگ دبے ہوئے خزانہ کے لالچ سے ۔ یا اس رفع استعجاب کی خاطر جسے علمی تحقیقات کے فرضی جامہ میں لپیٹ کر پیش کیا جاتا ہے کسی ایسے قدیم ملک کے مُردوں کی بے حرمتی نہ کریں ۔ جس کے رہنے والے جادو کے طریقوں کو لکھتے اور اُن پر عمل کیا کرتے تھے مصر کے قدیم مقبروں کی طرح تبت کے مقام لاسہ میں بھی بڑے بڑے لاماؤں کی خفیہ قبریں موجود ہیں اور سچ پوچھئے تو اس وجہ سے اہل تبت غیر ملکی لوگوں کو اپنے حدود میں داخل ہونے سے روکے رکھنا چاہتے ہیں ۔ اسکے باوجود غالباً وہ رفتہ رفتہ جب لوگوں کو اُن قبروں کے دیکھنے اور اُن میں دخل انداز ہونے کا موقع مل جائیگا ۔ اور اُس سے لازمی طور پر مصیبت اور تباہی نازل ہوگی ۔

عہد قدیم میں مصر میں جادو کے علم و عمل کا زور تھا ۔ ہر دو قسم کے جادو یعنی سفید و سیاہ یا نیک و بد کے فن میں مصر ہندوستان سے بدرجہا آگے بڑھا ہوا تھا ۔ زمانہ گذشتہ میں جو زبردست روحانی طاقتیں کھلی چھوڑ دی گئی تھیں وہ آج بھی اس ملک اور اسکے باشندوں پر اثر انداز ہیں یہ دوسری بات ہے کہ وہ انکی ترقی میں مدد دیتی ہیں یا انکے حق میں آفات و مصائب پیدا کرتی ہیں آخری قسم میں بعض بیماریاں بھی داخل ہیں ۔ انہی میں سے ایک وہ جلن دار پھنسیاں بھی ہیں جن کو جزہ کہتے ہیں ان سحری اثرات کا نتیجہ ہوتی ہیں جو ملک کے طول و عرض پر طاری ہیں ۔

میں چاہتا ہوں آپ اپنے قلم سے لوگوں تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں اب آپ یہ بھی سمجھ گئے ہونگے کہ ہم ایک دوسرے سے کس لئے ملے ہیں ۔ اگر لوگ میرے اس پیغام کو

[1] یہ لفظ اصل میں طوت زنخ اموں ہے ۔

نظر حقارت سے دیکھ کر بالکل نظر انداز بھی کر دیں تو بھی میں سمجھونگا کہ ہم نے اپنا فرض بہر حال ادا کر دیا۔ یہ تو میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ قدرت کسی شخص کو اسکی لاعلمی کی بنا پر قانون شکنی کے لئے معاف نہیں کرتی اس صورت میں عذر بھی باقی نہ ہوگا۔

بس یہاں پر رانک ہوٹپ کا پیغام ختم ہو گیا میں نے اُسکے الفاظ جوں کے توں درج کئے ہیں۔ اور اس بات کا فیصلہ عوام پر چھوڑتا ہوں کہ اس کے یہ الفاظ کس حد تک قابل غور یا قابل قدر ہیں۔

اُس کے بعد میری اس مرد فاضل سے چند مرتبہ اور ملاقات ہوئی۔ پھر مجھکو اپنی سیاحت کے سلسلہ میں جنوب کی طرف روانہ ہونا پڑا۔ ہر ایسی ملاقات پر جو ہمارے درمیان ہوتی تھی وہ بیشمار خیالات اس پر اسرار برادری کے متعلق جس سے اُسکا تعلق تھا۔ میرے روبرو ظاہر کرتا۔ ایک بار میں ہندوستان کے بارہ میں اپنے تجربات بیان کر رہا تھا۔ ذکر کسی یوگی کا آگیا جس کا دعوے یہ تھا کہ اس کا گورو ۲۰۰ سال سے بھی زیادہ عمر کا ہے میرے اس بیان کو سُن کر رانک ہوٹپ نے کسی طرح کا تعجب یا حیرت ظاہر کرنے کی بجائے بڑی متانت سے ایک ایسی بات بیان کی جو اُلٹا مجھے حیرت زدہ کرنے اور چونکا دینے والی تھی یعنی اُس نے مجھکو بتایا کہ بعض ایسے فاضل لوگ جو قدیم مصر میں گذرے ہیں ابتک زندہ اور بیا حیات ہیں!

اُسکے بیان کو سن کر میرے منہ سے بے اختیار کلمہ حیرت نکلا۔ اور سچ کہتا ہوں کہ میں اپنی اس وقت کی حالت کو آسانی فراموش نہ کر سکونگا۔

بعد ازاں تفصیلات میں پڑنے سے معلوم ہوا کہ یہ فاضل لوگ جن کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا بعض خاص مصری قبروں میں ظاہرا مردہ لیکن درحقیقت زندہ اور بیہوش پڑے ہیں۔ آج تک ان قبروں کا پتہ کوئی نہیں لگا سکا اور رانک ہوٹپ نے فاخرانہ یہ بھی کہا کہ "کوئی درجہ اوسط کا ماہر آثار قدیمہ ان مقبروں کا پتہ لگا بھی نہ سکے گا۔"

تقریر جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا "ان مقبروں کی حفاظت کا انتظام اتنا مکمل ہے کہ اُن کو پانا دشوار بلکہ غیر ممکن ثابت ہوگا علاوہ بریں وہ قبریں مردوں کی قبریں نہیں بلکہ زندہ آدمی اُن میں رہتے ہیں۔ اُن قبروں کے اندر حنوط کی ہوئی لاشیں موجود نہیں بلکہ فاضل لوگوں کے جاندار وجود ایک عجب طرح کی حالت میں رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں زندگی کے آثار موجود ہوتے ہوئے بھی کسی طرح کی حس نہیں پائی جاتی آپ نے ہندوستان میں دیکھا ہے کہ سادھو لوگ اپنے بدن کو سکتہ کی حالت میں لاکر تھوڑے یا بہت عرصہ کے لئے زندہ دفن ہونا قبول کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جب تک وہ دفن رہتے ہیں اُن کا سانس بھی معطل ہو جاتا ہے۔ ایک خاص حد تک وہ مصری بھی جن کا ذکر کر رہا ہوں اسی حالت میں ہیں دونو میں فرق محض اتنا پایا جاتا ہے کہ مصریوں کا علم بہت زیادہ وسیع ہے اور وہ تھوڑے عرصہ کے لئے نہیں بلکہ اپنے آپ کو سکتہ کی حالت میں لاکر ہزار ہا سال تک زندہ رہ سکتے ہیں۔

اُس کا اشارہ اس گفتگو کی طرف تھا جو میں نے ایک موقع پر اُس سے ہندوستانی یوگیوں کے بارہ میں کی تھی۔ اُسکے متعلق مفصل حالات اپنی دوسری کتاب میں لکھ چکا ہوں یہاں پر میں کچھ اور تفصیلات مناسب سمجھتا ہوں جنہیں میں نے سر کلاڈ کے سرکاری بیان سے اخذ کیا ہے۔

فقیر کو ایک صندوق میں زندہ بند کیا گیا تھا اور پھر وہ صندوق فرش زمین سے تین فٹ کی گہرائی میں گاڑ کر فوجی سپاہیوں کی ایک گارد پہرہ دینے کو متعین کر دی گئی تھی رات دن کے ہر حصہ میں چار سنتری برابر پہرہ دیتے رہتے تھے اور اُن کا کام ہر دو گھنٹے کے بعد ختم ہو جاتا تھا دو گھنٹوں کے بعد نئے سپاہی انکی جگہ آپہنچتے تھے۔ مطلب اس سے یہ تھا کہ کسی پہرہ دار کی بے خبری میں کوئی آدمی باہر سے وہاں نہ آپہنچے نہ کوئی اور غیر معمول واقعہ پیش آئے۔

سر کلاڈ کا اپنا بیان ہے کہ جب ہم نے صندوق کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ فقیر کو جس طرح سپید کپڑے کے تھیلے میں بند کر کے اس تھیلے کا منہ رسی سے باندھ دیا گیا تھا وہ اسی حالت میں بندھا ہوا پڑا ہے آخر ش اس رسی کو کھول کر فقیر کو باہر نکالا گیا اور ایک نوکر نے شیر گرم پانی اسکے بدن پر ڈالنا شروع کیا ہم نے دیکھا کہ اسکی ٹانگیں اور بازو سکڑے ہوئے اور سخت تھے۔ البتہ چہرہ پُر تھا لیکن سر اس طرح کندھے کی طرف جھکا ہوا تھا جیسے کسی لاش کا ہوتا ہے۔ تب میں نے اس ڈاکٹر کو بلایا جسے پہلے اس کام کے لئے تیار رکھا گیا تھا اُس نے بدن کا معائنہ کیا اور بتایا کہ نہ دل نہ کنپٹیوں میں اور نبض کے کسی حصہ میں دھڑکن پائی جاتی ہے۔ صرف دماغ کے طبقہ پر تھوڑی سی گرمی ایسی موجود تھی جو بدن کے اور کسی حصہ میں نہ پائی جاتی تھی فقیر کو ہوش میں لانے کے پہلے اس پر گرم پانی ڈالا گیا۔ پھر مالش شروع ہوئی اُس نے نتھنوں اور کانوں کے سوراخوں میں موم لگی ہوئی روئی کے جو ٹکڑے رکھے تھے انہیں نکالا گیا پپوٹوں پر گھی کی مالش کی گئی اور نہایت عجیب عمل یہ ہوا کہ قریباً ایک انچ موٹی گندم کی روٹی گرم حالت میں اُسکے فرق سر پر باندھی گئی۔ روٹی باندھنے کا یہ عمل جب تیسری مرتبہ ہو چکا تو بدن میں ایک زوردار تشنجی حرکت پیدا ہوئی۔ نتھنے پھولنے شروع ہوئے۔ سانس چلنے لگا اعضا نے اپنی قدرتی صورت اختیار کی لیکن نبض اُس وقت تک انتہا درجے منہدم تھی۔ اسے فقیر کی زبان پر گھی کی مالش کی گئی۔ اُسوقت آنکھ کے ڈھیلوں میں تپلیاں پھیلتی معلوم ہوئیں۔ انکی اصل رنگت عود کر آئی فقیر نے حاضرین کو پہچانا اور بات چیت شروع کی۔

مجھے ایک اور نہایت بڑھے ہندوستانی کا واقعہ بھی یاد تھا جس کے سامنے ایک یوگی کو ستائیس دن تک زندہ دفن کیا گیا تھا۔ اس نے چشم دید حالات کی بنا پر مجھکو بتایا کہ جب ہم نے یوگی کو حالت دفن سے نکال کر ہوش میں لانے کی کوشش کی

تو ہوا بڑے زور سے سیٹی کی مانند آواز پیدا کرتے ہوئے اسکے پھیپھڑوں میں داخل ہوئی لیکن خیر تو یہ ایک جملہ معترضہ تھا ذکر اُس گفتگو کا تھا جو رالمک ہوٹپ کے ساتھ ہو رہی تھی اُس نے مجھ کو بتایا کہ ہندو فقیروں اور مصری فاضلوں میں ایک بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ ہندو یوگی دفن کئے جانے کی حالت میں بالکل بیہوش ہوجاتے ہیں اور انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ پھر کب بیدار ہونگے۔ اگر ان میں کچھ لوگ صاحب کمال ہوں تو وہ لوگوں کے سامنے ایسے کرتب کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے لیکن مصری فاضل ایسی حالتوں میں بالکل ہوشمند رہتے ہیں۔ اور گو انکے بدن بے حس و حرکت ہوجاتے ہیں۔ تاہم انکی روح آزاد ہوکر کام کرتی رہتی ہے۔ ہندوستان میں آپکی ملاقات مدراس کے قریب رہنے والے اُس رشی سے ہوئی تھی جو کبھی نہیں بولتا اور جب پہلی بار آپ نے اُسے دیکھا تو وہ اس طرح بے حرکت تھا کہ آپ نے شک کیا کہ شاید وہ مر چکا ہے لیکن آپکو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ اُس کا من پوری طرح بیدار تھا کیونکہ جب دوسری بار آپ اُس سے ملنے گئے تو اُس کو نہ صرف آپکی آمد کا حال معلوم تھا بلکہ اُس نے اس بات پر بھی اعتراض کیا کہ آپ نے اُس کا فوٹو اتارنے کی کوشش کی تھی۔ در حقیقت ایسے لوگ جو جسم بدن کے ذریعہ سے عالم طبعی میں کام لے سکتے ہیں جن مصری فاضل شخصوں کا حال میں بیان کرتا ہوں انکی ذہنی کیفیت بیش و کم ویسی ہی ہے۔ اگرچہ اُن پر سکتہ کی حالت طاری رہتی ہے لیکن اُن کی روح میں حرکت و سیاحت کر سکتی ہیں۔ انکے من بے خبری کی حالت میں غور کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور اُن کو یہ خاص فائدہ حاصل ہے کہ وہ مادی اور روحانی دونوں دنیاؤں کے حالات سے واقف رہتے ہیں۔

فی الحال انکے بدن ایسی قبروں میں دفن ہیں جنکا حال کوئی معلوم نہیں کر سکتا اور اُسی جگہ وہ اپنی روح کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایک دن آئیگا جب اُن کی روح انکے بے حس بدن کو از سر نو ذی جان بنادیگی اور وہ دوبارہ خارجی دنیا میں نکل آئیں گے۔ اُن کو دوبارہ ذی حیات بناکر سب کام کرنے کے قابل بنانے کا فرض واقف شخصوں کو ادا کرنا پڑیگا جن کو اس بارہ میں ضروری حالات معلوم ہیں "اس موقع پر انکی بیداری کے لئے جو عمل کیا جائے گا اُس کا ایک حصہ یہ بھی ہوگا کہ طاقت کے بعض خفیہ الفاظ ان سے کہے جائیں گے۔ بات ہر چند عجیب معلوم ہوگی تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ انکے جسم ظاہرا حنوط کردہ لاشوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اُن پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں اور انکو صندوقوں میں رکھا گیا ہے لیکن ایک معمولی حنوط کردہ لاش میں اور اُن میں ایک فرق پایا جاتا ہے کہ پہلی صورت میں دل کاٹ کر باہر نکال لیتے ہیں حالانکہ اُن کے دل بدستور قائم ہیں۔ اُن کے تمام اعضائے رئیسہ صحیح حالت میں ہیں۔ البتہ معدے سکڑ گئے ہیں کیونکہ جب سے اُن پر سکتہ کی حالت طاری ہوئی ہے انہوں نے کوئی چیز نہیں کھائی۔ ایک اور فرق انکی حالتوں میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ انکے چہروں پر اور بدن پر موم کی تہ چڑھا دی گئی ہے یہ تہ اُس وقت چڑھائی گئی تھی۔ جب اُن پر سکتہ کی حالت طاری ہوچکی تھی۔

اُن کی قبریں بڑی احتیاط کے ساتھ چھپا کر رکھی گئیں ہیں اور اُن کی تعداد بیحد قلیل ہے اور ایسا ہونا باعث حیرت بھی نہیں کیونکہ صرف وہی لوگ جو انتہائی روحانی عروج حاصل کر چکے ہیں اس حالت کو اختیار کر سکتے ہیں اور اُن میں سے بھی سارے آدمی اس عمل کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ میں نے اس سلسلہ میں سکتہ کا لفظ صرف مجبوراً استعمال کیا ہے۔ ورنہ یہ لفظ اُن پر در حقیقت عاید نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے کچھ غلط معنے لے جا سکتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے۔ کہ مجھے کوئی اور موزوں اور قابل استعمال لفظ نہیں آتا غور کر کے دیکھا جائے۔ تو اُن لوگوں کی حالت ایسے شخصوں سے بالکل مختلف ہے جن پر ہپناٹزم کا عمل کیا گیا ہو۔ یا جو روحانی میڈیم کا کام دیتے ہوں۔ واقعہ میں سکتہ کی بھی بعض ایسی عمیق اور انتہائی حالتیں ہیں جنکو زمانہ حال کے لعد صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتے۔ جن کیفیتوں کا حال عہد حاضرہ کے محققوں کو معلوم ہے۔ وہ محض ظاہری اور سطحی ہیں۔ مصر کے جن فاضلوں کا حال میں بیان کرتا ہوں اور جو زندہ و باحیات قبروں کے اندر بند ہیں۔ انکی حالت دوسروں سے بالکل ہی مختلف ہے۔ در حقیقت اس بے حسی کی حالت میں بھی وہ بہت کچھ تحریک کر رہے ہیں۔ دنیا لفظ سکتہ کے جو معنی سمجھتی ہے۔ وہ اُن کیلئے استعمال نہیں ہو سکتے۔

"ایسا ایک شخص سنہ ۲۶ء قیام سے قبر کے اندر بند ہے ایک اور سنہ ۳ء قیام سے چلا آتا ہے۔ ایک اور ہے جس کو اس حالت میں پڑے دس ہزار سال گذر چکے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ وہ لوگ اپنی بے حسی کی حالت میں بھی بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے سرگرمی سے کوشاں ہیں۔ اُن کو یہ بھی معلوم ہے۔ کہ سارے عالم میں کیا کیا واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ حالانکہ اُن کے بدن زمین کے اندر بند ہیں۔ تاہم وہ ہر لحاظ سے مکمل ہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انکے بدن کو چھو نہیں سکتا۔ اُن کے بے حس اجسام سے روحانی طاقتیں اس تیزی اور کثرت کے ساتھ خارج ہوتی رہتی ہیں۔ کہ جراثیم یا انکے پاس تک پھٹکنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ علاوہ اس کے اُن کا روحانی تعلق ہمیشہ عہد حال کے بعض زندہ فاضل شخصوں کے ساتھ رہتا ہے جن کے بدن عملی حرکات کر سکتے ہیں جو روحانی خزائن قدیم مصری فاضلوں نے محفوظ رکھے ہوئے ہیں وہ درجہ داران زندہ فاضلوں کے سپرد ہوتے چلے جاتے ہیں جب انکو بیدار کرنے کا وقت آئیگا تو آخر الذکر میں سے ہی کوئی شخص وہ رسوم ادا کریگا جو انکی بیداری کے عمل کا لازمی حصہ ہیں۔"

خمخانۂ فطرت!!

تحفۂ شباب

از جناب **صہبا** لکھنوی

حسن کی سرکار میں!!!

ہر وادیٔ نسریں کہ ہے فردوس بداماں!
ہر غنچۂ سیمیں کہ ہے، اک شمع شبستاں!
ہر لالۂ رنگیں کہ ہے، خورشید درخشاں!
"یہ موجِ نظر ہے کہ تجلی کے ہیں شرارے"!!
"فردوس نظر" بن گئے ہستی کے نظارے!!

وہ دامنِ مشرق کہ بس اک چشمۂ زریں،
وہ ابرِ خرامیدہ میں اک جلوۂ رنگیں،
رشحاتِ درخشاں کا وہ اک جامِ بلوریں،
جلوے کہ تڑپتے ہوئے دریا کے کنارے
"فردوس نظر" بن گئے ہستی کے نظارے

ہر چشمۂ سیمیں کہ وہ خورشید جبینی!
گلگشتِ قمر کی دمِ شب ابر نشینی!
جگنو کی فضاؤں میں وہ یاقوت نگینی!
بھیگی ہوئی راتوں میں جھلکتے ہوئے تارے"!
"فردوس نظر" بن گئے ہستی کے نظارے!!

یہ صبحِ بہاراں ہے کہ، تصویرِ مسرت،
شامِ چمنستاں ہے کہ، تنویرِ صباحت،
بادِ طرب آگیں ہے کہ، پیمانۂ عشرت،
راتیں کہ حسیں جیسے کوئی بال سنوارے!!
"فردوس نظر" بن گئے ہستی کے نظارے!!

کاشانۂ راحت ہے شبستانِ تمنا!
میخانۂ عشرت ہے خمستانِ تمنا!
شاداب مسرت ہے گلستانِ تمنا!
وہ کیفِ خرامیدہ کے خاموش اشارے!!
"فردوسِ نظر" بن گئے ہستی کے نظارے!!

وہ چاندنی راتوں میں تبسم کے قرینے!
وہ کیف، وہ دریا کے دھڑکتے ہوئے سینے!
پانی پہ جھلکتے ہوئے گردوں کے نگینے!
جیسے کوئی آئینہ پہ تصویر اتارے!!
"فردوس نظر" بن گئے ہستی کے نظارے!!

ہر غنچۂ نورس میں چٹکنے کی وہ مستی،
شبنم ہے کہ اک عشرتِ شگفتہ پرستی،
اونچے پہ پپیہے کی صداؤں کی وہ پستی
جیسے کہ مری روح کہیں مجھکو پکارے"!
"فردوس نظر" بن گئے ہستی کے نظارے!!

طفلی کی بہاریں وہ جوانی کے زمانے!
وہ عشق کے چرچے، وہ محبت کے ترانے!
تابندہ خیالات میں تابندہ فسانے!
سینوں میں مچلتے ہوئے ارمان ہمارے!!
"فردوس نظر" بن گئے ہستی کے نظارے!!

"عالم ہمہ" تیرنگیٔ خوابیدہ ——— نغمہ!
ہر "موجِ نظر" جلوۂ ممدیدہ ——— نغمہ!
ہر "تارِ نفس" گرمیٔ شوریدہ ——— نغمہ!
وہ کشتیٔ دل موجِ ترنم کے سہارے!!
"فردوس نظر" بن گئے ہستی کے نظارے!!

حرامزادے کی سرگذشت

یعنی ایک شریف بدمعاش کی عیاریاں

بتیسویں ۳۲ قسط

اُسکی گناہوں سے لبریز زندگی کے سرتاپا دلچسپ عجیب و غریب اور عبرتناک واقعات اسی کی زبانی سُنیے

اُردو میں اپنی قسم کا پہلا اور سو فیصدی سچا افسانہ

نئے پڑھنے والے یہاں سے شروع کریں - جافری سپنسر انگلستان کا مشہور بدمعاش اس وقت جیل میں ہے اُس کو پادری فیسن کے قتل کی پاداش میں پھانسی کا حکم مل چکا ہے۔ صرف چند دن کی میعاد باقی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ مرنے سے قبل اپنے حالات زندگی دُنیا والوں کے لئے چھوڑ جائے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ میرے والد نے مجھے جس سکول میں بھیجا وہاں کے انچارج پادری فیسن کی صحبت میں رہ کر میرے چلن حد سے زیادہ خراب ہو گئے جسکے نتیجہ کے طور پر میں نہ صرف بورڈنگ ہاؤس اور سکول سے نکال دیا گیا بلکہ پرنسپل نے میری آوارگی کا کچا چٹھا میرے والد کو لکھ بھیجا۔ چونکہ گھر میں بھی میرے لئے کوئی ٹھکانا نہ تھا اس لئے میں نے جہازی نوکری اختیار کرلی۔ بونو آئیرس شہر میں ایک پرجمال لڑکی ڈوروتھی کی جان بچانے کے صلہ میں اس کا باپ سٹین ہوپ بسلسلۂ ملازمت مجھے اپنی اسٹیٹ میں لے گیا مگر وہاں میری شیطانی سیرت رنگ لائی اور ایک رات ڈوروتھی کے دامنِ عصمت کو تار تار کرکے میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور ولنگٹن پہنچکر ایک تھیٹریکل کمپنی میں ملازم ہو گیا جو چند دن بعد سڈنی جا رہی تھی۔ سڈنی میں پہلی مرتبہ اس مکمل حُسن سے میری ملاقات ہوئی جس کا نام کلیرس تھا۔ کلیرس عورت نہیں آسمانی حُور تھی، وفا کی پتلی تھی آنکھیں چار ہوتے ہی تیرِ عشق دونوں کے دل میں ترازو ہو گیا۔ کلیرس کی شادی کو اگرچہ ۲ سال ہو چکے تھے مگر اس کا شوہر فلذ نامرد شرابی اور خود نما انسان تھا۔ اس نے کلیرس کے ساتھ شوہروں کا سا سلوک یا اظہارِ محبت کبھی نہ کیا۔ کلیرس کو پاکر مجھے گویا کھوئی ہوئی دولت مل گئی۔ میں نے کوشش کرکے اپنی کمپنی میں بطور رقاصہ اس کو ملازم کرا دیا۔ چونکہ کمپنی دوسرے شہر کو جا رہی تھی۔ اس لئے وہ برائے نام شوہر سے اجازت لے کر میرے ساتھ چلی آئی۔ اور اگلے چند مہینے ہم نے بڑی مسرت سے بسر کئے۔ مگر حمل گر جانے کے باعث کلیرس جانبر نہ ہو سکی۔ اور چند دن بیمار رہ کر اُس نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ کلیرس کی ناگہانی موت کا صدمہ میرے لئے ناقابلِ برداشت تھا اور عین ممکن تھا کہ میں پاگل ہو جاتا۔ مگر خوبیٔ تقدیر سے اُنہی دنوں ایک عجیب و غریب شخص جیس سے میری ملاقات ہو گئی جو ہاتھ کی صفائی سے جوا کے بہلنے دوسروں کی جیبیں خالی کرنے کے فن میں مشاق تھا۔ اس نے مجھے شریک کار بنا کر میرا غم غلط کر دیا۔ ایک مرتبہ جہازی سفر کے دوران میں جبکہ جیس کنڈی میں میرا منتظر تھا۔۔۔ حسین و جمیل ایڈنا سے میری ملاقات ہوئی جو گھر سے فرار ہو کر تن تنہا سفر کر رہی تھی۔ میں نے محبت کا رنگ دیکر اپنے فریب کا جال اس پر پھینکا تو وہ جھٹ پھنس گئی۔ اور اپنی خوشی سے میرے ساتھ رہنے کو آمادہ ہو گئی جیس ایڈنا اور میں پہلے جاپان گئے اور وہاں کے سب سے بڑے قمار خانہ میں ایک ہی رات میں دو لاکھ ڈالر ہم نے جیت لئے مانٹی کارلو کے قرب و جوار میں پہنچے اور لاٹربی کے دامن میں ایک کوٹھی کرائے پر لے کر رہنے لگے۔ شدہ شدہ ایڈنا کی بدولت اچھے اچھے گھرانوں سے ہمارا میل جول ہو گیا۔ اور دو عورتوں کے بہلنے جوا بھی چلنے لگا۔ لاٹربی کی سب سے بڑی ٹریجڈی مشہور خاتون میڈم ڈابران کی ایڈنا کے ہاتھ سے اتفاقیہ موت اور سنسنی خیز واقعہ بزنس وان برہل کے بیش قیمت الماس کے سیٹ کی چوری کا تھا۔ اول الذکر کی لاش کو ہم نے اس خوبی کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچایا کہ پولیس کو کبھی اصل مجرم کا پتہ نہ لگ سکا اور مؤخر الذکر کو چوری کا مال خرید کرنے والے جوہری ہیری شیرٹین کے ہاتھ فروخت کرکے میں نے معقول رقم حاصل کرلی تھی۔ ریورا اور لاٹربی کے قیام میں ہم میں سے ہر ایک نے کم و بیش ستر ہزار پونڈ کی زریں فصل کاٹی تھی۔ اس لئے روپے پیسے کی تنگی کسی کو نہ تھی جیس آسٹریا چلا گیا اور میں اور ایڈنا جینوا کو روانہ ہو گئے مگر کچھ عرصہ سے ایڈنا کو بدخوابی کی شکایت

بہنے لگی تھی اور میں رات رات بھر گھر سے غائب رہ کر داد عیش و نشاط دیا کرتا تھا ایک دن گھر آیا تو ایڈنا کو اسباب سفر باندھتے ہوئے بالکل تیار پایا۔ وہ میرے طرز زندگی سے دل برداشتہ اور بیزار ہو کر میکے جا رہی تھی۔ میں نے ریل پر سوار کرا دیا۔ ایڈنا کا آخری خط مجھے پیرس میں ملا جو جینوا ہو کر آیا تھا۔ وہ شادی کی خواہشمند تھی۔ بشرطیکہ میں اپنی موجودہ طرز زندگی کو خیرباد کہہ کر شریفوں کی طرح رہنے لگوں۔ مگر یہ بات میرے بس کی نہ رہی تھی۔ اس لئے خاموش ہو رہا۔ پیرس میں میڈم اور موسیو لاوینو میرے خاص دوست بن گئے۔ اور میڈم لاوینو کی صحبت میں رہ کر میں نے تو بے داد عیش دی۔ اُن دنوں ملکی خدمت کا جذبہ زوروں پر تھا میں نے اسی خیال کے زیر اثر اپنا نام بھی بھرتی کرا لیا۔ لگاتار دنوں ہفتوں بلکہ مہینوں مجھ کو فوجی قواعد کی کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا اور اسکے بعد میدان جنگ میں بھیجا گیا۔ میدان جنگ میں میں نے جو کارہائے نمایاں کئے تھے اُنکی بدولت مجھے اعلٰے فوجی درجہ دیا گیا۔ مگر ماں کے انتقال کی خبر سُن کر میں بالکل ہی دل برداشتہ ہو گیا۔ اس لئے چند یوم کی رخصت لیکر میڈم لاوینو کے یہاں اور انجر چلا گیا۔ وہاں چند دن تو بڑے لطف سے کٹے۔ مگر روانگی سے ایک دن قبل خلاف اُمید اُس کا شوہر واپس آ گیا۔ اور ظالم نے ہمیں خلوت میں محو اختلاط دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا ہمارے تعلقات ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گئے سنڈہرسٹ کے مقام بم پھینکنے کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں دوبارہ میدان جنگ میں بھیجا گیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اچانک ہاں بے طرح زخمی ہو کر عالم بیہوشی میں ہسپتال بھیجا گیا۔ ہسپتال میں کئی دن تک بیمار رہنے کے بعد جب میرے ہوش ٹھکانے ہوئے تو میں نے کیا دیکھا؟ جو کچھ دیکھا اُس کا پہلے پہل آنکھوں کو یقین نہ آیا۔ لیکن دوبارہ آنکھیں مل کر دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جیمس میری طرح میدان جنگ سے زخمی ہو کر میرے سامنے بستر مرگ پر پڑا تھا۔ اور ایڈنا راہبہ کا لباس زیب تن کئے ہوئے بطور نرس اُس کی تیمارداری کر رہی تھی۔ جیمس مرد شہید کی طرح جاں بحق ہو گیا۔ اور میں پھانسی کے تختہ پر لٹکائے جانے کے لئے بچ رہا۔ ایڈنا سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ میری بچی پجارن تھی۔ میں نے اُس سے کہا کہ میں آئندہ نیکی کی زندگی اختیار کروں گا۔ بشرطیکہ تم اپنی زندگی کے بقیہ ایام میرے ساتھ رہ کر گذارو۔ مگر اس نے یہ کہتے ہوئے معذوری ظاہر کی کہ اب میرا وجود قوم کی امانت ہے اس لئے کہ میں راہبہ کی زندگی اختیار کر چکی ہوں۔ سنہ ۱۹۱۸ء کے موسم گرما میں سیر و سیاحت کرتا ہوا مارسلز پہنچا تو ایک حسین و جمیل دوشیزہ جینٹ لیسن کو بطور ملزمہ عدالت سیشن میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ پبلک کو مختلف ذرائع سے لوٹنے کے الزام میں ایک مرد ریاکا کا آلہ کار بنکر وہ اسی کے ساتھ ماخوذ ہوئی تھی۔ وکیل صفائی نے بڑی دھواں دھار تقریر میں جینٹ کو بے گناہ ثابت کرتے ہوئے مرد کو ہی جُرم کے لئے ذمہ دار ٹھہرایا۔ چونکہ جیوری وکیل صفائی کی رائے سے متفق تھی اس لئے عدالت نے مرد کو چار سال قید سخت کا حکم سناتے ہوئے جینٹ کو صاف بری کر دیا۔ جینٹ اب یکہ و تنہا تھی۔ کیونکہ دُنیا میں اُس کا کوئی رشتہ دار نہ تھا میں اُسے اپنے ہمراہ ہوٹل میں لے آیا۔ باتوں باتوں میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور ازاں بعد مل کر ایک نیا کاروبار جاری کرنے کی تجویز پختہ کر لی۔ مگر وہ میرے ساتھ اس شرط پر کام کرنے کو تیار تھی کہ ہم دونوں بھائی بہن بن کر رہیں گے۔ جسے میں نے منظور کر لیا۔ ہم بھائی اور بہن کی حیثیت میں امریکہ گئے اور وہاں شہر سنسناٹی کے قریب ایک کوٹھی ہوٹل کے لئے خریدی۔ بادی النظر میں وہ ایک ہوٹل تھا مگر بہ باطن بدمعاشی اور حرام کاری کا اڈہ اور اس ہوٹل کی منتظمہ تھی۔ جینٹ لیسن۔ میں بطور Sleeping Partner کے تھا۔ شروع شروع میں ہمارا کام خوب چمکا مگر آخرش جب اخبارات ہمارے خلاف لکھنے لگے تو پولیس کو شک ہو گیا۔ اور اس کے بعد ہمیں اپنی آمدنی کا کثیر حصہ پولیس والوں کو نذر کرنا پڑتا تھا۔ اس کے باوجود ہماری آمدنی دن بدن بڑھتی ہی گئی۔ ہیل وائٹ ایک کروڑپتی بڈھا اپنی نفسانی خواہشات کی سیری کے لئے اکثر ہمارے قحبہ خانہ میں آیا کرتا اور رات رات بھر داد عیش و نشاط دے کر چلا جاتا تھا۔ بڈھے کروڑپتی کے مکان کے نچلے حصہ میں ایک لوہے کا کمرہ لاکھوں روپیہ کے جواہرات اور نقدی وغیرہ سے بھرا پڑا تھا۔ ایک دن شومئی قسمت سے میں نے جینٹ کے ذریعہ بڈھے کو شراب میں بیہوشی کی دوا پلا دی۔ اور اسکے جیب سے کنجیوں کا گچھا اُڑا کر ہر ایک کنجی کا عکس موم پر لے لیا۔ اور گچھے کو جوں کا توں بڈھے کی جیب میں رکھدیا۔ تجویز قرار پائی۔ کہ میں دوسرے شہر میں جاکر کنجیاں تیار کراؤں۔ اور دوبارہ جب بڈھا کروڑپتی ہوٹل میں شب بسری کے لئے آئے تو نقاب پہن کر اسکے مکان میں جاؤں اور جس قدر جواہرات اور نقدی اُڑا سکوں اُڑا لاؤں۔ تمام کام بطور احسن سرانجام ہو گیا۔ لیکن بڈھے نے لوہے کے کمرے میں خطرہ کے وقت خود بخود بجنے والی گھنٹیاں لگا رکھی تھیں۔ رات کے پچھلے پہر جونہی میں کمرے میں داخل ہوا خطرہ کی گھنٹیاں زور زور سے بجنے لگیں اور پیشتر اس کے کہ میں فرار ہو جاؤں لوہے کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آگئی اور میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور عدالت سے مجھے ۵ سال کیلئے قید سخت کی سزا دی گئی جینٹ بیوفا ثابت ہوئی اور جلد ہی کسی دوسرے مرد سے محبت کرنے لگی۔ لیکن میرے حصہ کا روپیہ اس نے میرے بنک میں جمع کرا دیا تھا۔ ۵ سال کی اذیت ناک اور ناقابل برداشت ~~~~~~~~~~~~

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

بتیسواں باب ۳۲

قید طویل سے رہائی پانے کے بعد جو غیر معمولی خوشی میرے دل کو حاصل ہوئی تھی وہ دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ اس کیفیت کے گذرنے کے ساتھ ہی پھر ایک بار عجب و خویشتن بینی کا دور شروع ہوگیا۔ ترش روئی اور تلخ گفتاری نے مسرت کے نیک اثرات کی جگہ لےلی۔ اس وقت کے بعد جس آدمی سے میری ملاقات ہوئی اُس نے مجھکو حیرت آمیز نظروں کے ساتھ دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگ میری بددماغی اور زود رنجی سے بے حد متعجب تھے لیکن مجھے کسی کے خیالات یا محسوسات کی ذرا پروا نہ تھی۔ میں نے اس خیال کو ہمیشہ کے لئے دل سے نکال دیا تھا کہ لوگ میری نسبت کیا رائے رکھتے ہیں کم ازکم میں اُن سب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا اور ان سے حقارت کا سلوک کرتا تھا اور یہ محض اس لئے کہ اُن لوگوں نے میرے برابر تکالیف نہ جھیلیں تھیں۔ کچھ اس طرح کی عجب کیفیت میرے دل کی اس زمانہ میں تھی کہ میں اپنی حراست اور قید سے عبرت پذیر ہونے کی بجائے تہ دل سے اس بات کا خواہشمند تھا کہ یہ جتنے متبسم و مسرور چہرے مجھکو دکھائی دیتے ہیں یہ سب قید خانہ کی سلاخوں کی پشت پر نظر آئیں اور مجھے ان کو چھیڑنے اور اُن کی ہنسی اُڑانے کا موقع نصیب ہو۔ آپ لوگ جو اس داستان کو پڑھتے ہیں یقیناً میری اس کیفیت سے متعجب ہونگے اور خود مجھکو تسلیم ہے کہ بچپن سے لیکر میں ایک عجیب الخلقت لڑکا ثابت ہوا ہوں۔ لیکن طفلی کی بات جانے دیجئے۔ جیل خانہ سے نکلنے کے بعد میرے ذہن و دماغ کی کیفیت بالکل ہی انوکھی و غیر معمولی تھی۔

میں نے اپنا سامان اس مقام سے حاصل کیا تھا جہاں پر جینٹ نے اسکو رکھوا دیا تھا۔ اور اسکے بعد آوارہ گردی کرنے لگا نہ کسی بات پر دل جمتا تھا نہ میں آئندہ کے بارہ میں کوئی خاص تجویز سوچنے کی قابلیت رکھتا تھا اگر کوئی خواہش ان دنوں میرے دل میں تھی تو محض یہ کہ نئی نئی عورتوں سے لطف صحبت حاصل کرتا رہوں اور امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس کام کو اتنی بے غیرتی اور بدنفسی کے ساتھ جاری رکھا کہ انجام کار خود اپنی کورباطنی اور فرومائیگی سے آشکارا ہونے لگا۔ میں ذلیل و حقیر تو بیشتر ہی بن چکا تھا لیکن اب حالات مجھکو جس قعر مزلت میں گراتے چلے جا رہے تھے اس کی کوئی تھاہ نہ تھی۔ پس میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنے آپکو روک لوں۔ ورنہ خدا کو بہتر ہی معلوم تھا کہ میری حالت اس طرح بد سے بدتر ہوتی ہوئی تباہی اور بربادی کی کس انتہا پر لے جاتی۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس ذہنی کیفیت کے عالم میں میری ملاقات اس شخص کے ساتھ ہوئی جس سے میں دنیا جہان کے سب آدمیوں سے بڑھکر نفرت کرتا تھا۔ اگر یہ ملاقات کچھ عرصہ بعد ہوتی جبکہ میری ذہنی کیفیت تبدیل ہو جاتی۔ جب میں اپنے آپ کو سنبھالنے کے قابل ہو گیا ہوتا تو میرا خیال ہے کہ واقعات کچھ اور ہی رنگت اختیار کرتے۔ کم از کم میں اس قسم کی ذہنی حالت میں ہوتا کہ کسی فعل کو جوش جنوں کی حالت میں کرنے کی بجائے اس کے سارے پہلوؤں کو بڑے غور کے ساتھ سوچ لیتا۔ مگر اس عالم اسباب میں ہوتا وہی ہے جو قدرت کو منظور ہو۔ واقعہ اس قسم کے حالات میں پیش آیا جب میں سرتاسر تیار تھا میں نے جوش کی حالت میں سب کچھ کیا اور . . . لیکن مجھکو چاہیئے واقعات کو ان کی مسلسل صورت میں پیش کروں اسلئے میں اگر کی شرط و جزا چھوڑ کر اپنی سرگزشت حسب معمول بیان کرتا ہوں۔

جیل خانہ سے نکلنے کے چھ ماہ بعد میں اضلاع متحدہ امریکہ کے مختلف حصوں کا گشت کرتا پھرا میرے پاس روپے کی فراوانی تھی میں نے زر نقد کو پانی کی طرح بہایا اور دنیا کا کوئی گناہ کوئی بدی ایسی نہ تھی جس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ جہاں کہیں میں جاتا میرے ہم خیال۔ گناہ میں ڈوبے ہوئے لوگ مرد اور عورتیں میرے گرد جمع ہو جاتے۔ اسی طرح کے یاران بیوفا جو دستر خوان کی مکھیوں کی طرح ذاتی منفعت کی غرض سے جمع ہو جایا کرتے ہیں۔ لیکن جن کو شورہ پشتی میں ڈوبا ہوا انسان ان کی صحیح حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ میری زندگی کا بدترین عرصہ یہی تھا جس کا ذکر میں اس وقت کر رہا ہوں۔

اپنی اس لمبی سرگذشت کے دوران میں میں نے اپنی غلط طریقہ پر بسر کی ہوئی زندگی کا کوئی واقعہ چھپانے کی کوشش نہیں کی یہ میری غفلت کیشی تنگ ظرفی اور فرومائیگی کی ایک زندہ تصویر ہے جسے میں نے اسکے صحیح رنگ میں کھینچنے کی کوشش کی ہے لیکن ایسا کرتے ہوئے مجھکو ایمانداری کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جو جو حرکات قبیحہ مجھ سے دوبارہ آزادی حاصل کرنے کے بعد سرزد ہوئیں وہ اس قابل نہیں کہ ان کو صفحۂ قرطاس پر پیش کیا جا سکے۔ وہ اس قسم کی برائیاں اور خرابیاں ہیں جن کو مہذب اور شستہ خیال مرد اور عورتیں تصور میں بھی نہیں لا سکتیں نہ میں اپنے اس دور زندگی کو عریاں کرکے کسی کے جذبات کو مجروح کرنا

چاہتا ہوں مختصر یہ ہے کہ اس زمانے کے حالات انتہا درجہ شرمناک ہیں۔ اتنے کہ میں خود بھی ان کو سوچ کر شرم محسوس کرنے لگتا ہوں اسی زمانے میں میں امریکہ کے مقام سیٹل میں قیام پذیر تھا۔ چنانچہ ایک دن اپنے بداندیش بدسگال اور ناحق شناس ظالم بد دوستوں اور رفیقوں اور عیش پرست ساتھیوں کو الوداع کا ایک لفظ تک کہنے کے بغیر میں نے رخت سفر باندھا اور چپکے سے جہاز پہ سوار ہو کر ونکوور روانہ ہو گیا۔

میں نے تھوڑا تھوڑا فاصلہ طے کر کے کینیڈا کا سفر طے کیا کچھ عرصہ کل گیری آبینا اور ونی پیگ میں رہا اور انجام کار کوئبک پہنچکر لورپول روانہ ہو گیا۔ جہاز کے سفر میں پھر ایک مرتبہ میں نے تاش کے کھیل سے قسمت آزمائی کرنی چاہی۔

زیادہ تر اس لئے کہ میں تحقیق کرنا چاہتا تھا کہ اپنے ہنر کو بھول تو نہیں گیا ہوں۔ اور مجھکو یہ جان کر بچپن کی سی خوشی حاصل ہوئی کہ میں درحقیقت اس فن کو بھولا نہیں۔

اس کے باوجود مجموعی طور پہ جہاز کے دوسرے مسافر مجھ سے میری ترش روئی اور کبیدہ خاطری کی وجہ سے دور دور رہا کرتے تھے۔ گو مجھے اس میں بھی ایک طرح کا حظ حاصل ہوتا تھا۔ جن لوگوں سے میں کھیل میں شریک تھا وہ بھی حتی الوسع مجھ سے پرے پرے رہتے تھے۔ صرف تاش کھیلنے کی میز پر میرے ساتھ گوارا کرتے اور یہ بھی سخت مجبوری کی حالت میں! اس کا بدلہ میں اس طرح ان سے لیا کرتا تھا کہ اپنی عیارانہ چالوں کی مدد سے اُن کا روپیہ خوب ہی اُن سے چھینتا۔

لورپول پہنچکر میں جہاز سے اُترا اور ایک ٹیکسی کرایہ کر کے ایڈلفی ہوٹل کو روانہ ہوا۔ اتوار کا دن تھا اور بظاہر کوئی بہت بڑی مذہبی رسم ادا ہو رہی تھی کیونکہ بازاروں میں آمد و رفت ایک عظیم جلوس کی وجہ سے رکی ہوئی تھی جو کسی طرف کو نکالا جا رہا تھا میں بے صبری کی حالت میں اسکے گذرنے کا انتظار کرنے لگا لیکن اس قسم کی نمائش اور دکھاوے کے باعث میرے دل کو سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی اور میں حقارت آمیز پیرایہ میں اس کے خلاف کچھ کچھ بڑبڑا تا رہا لیکن دفعتاً میں بڑے زور کے ساتھ چونکا اور آگے جھک کر انداز حیرت سے ایک طرف کو دیکھنے لگا واقعہ اتنا عجیب و غیر متوقع تھا کہ مجھے اپنی قوت باصرہ پہ یقین نہ آتا تھا اور میں خیال کرنے لگا کہ شاید کسی طرح کا خواب دیکھ رہا ہوں۔ میری حیرت کی وجہ یہ تھی کہ اس جلوس کی مرکزی صورت یعنی وہ شخص جسکی خاطر یہ جلوس نکالا جا رہا تھا درحقیقت وہی مرد ناہنجار تھا جسکی بدولت میری زندگی تباہ ہوئی اور جس نے آغاز ہی میں مجھکو بربادی کی سڑک پہ ڈالا۔ اس میں شک نہیں اس کی دراز قامت اب قدرے خمیدہ ہو گئی تھی اور ہوا میں لہراتی ہوئی داڑھی کے بال بالکل سپید تھے تاہم شکل و صورت وہی تھی جسے میں لاکھوں کے اندر بڑی آسانی کے ساتھ پہچان سکتا تھا۔ غصے کی تیز پرجوش لہر میرے بدن میں بھر گئی اور مجھے اپنے آپ پر قابو پانے کے لئے عظیم کوشش سے کام لینا پڑا۔ ایک غیر معمولی گہرا اضطراب مجھ پہ لاحق ہو گیا تھا جو دبائے نہ دب سکا اور جس نے میرے بدن میں ایک سر تا پیر زلزلہ طاری کر دیا۔ جلدی سے موٹر سے اُتر کر میں پولیس کے ایک سپاہی کے پاس گیا اور اس بڈھے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو تھوڑے فاصلہ پر جلوس کے اندر چل رہا تھا میں نے پوچھا "کیا بتا سکتے ہو یہ آدمی کون ہے؟"

"جی ہاں" اس نے جواب دیا "آپ کا نام پادری فبسن ہے۔ اور وہ ان اطراف میں خاص شہرت رکھتے ہیں"۔ اپنی زندگی میں میں نے صرف دو غلطیاں کی ہیں ایک وہ جس کی بدولت مجھکو ہیل وانٹ کے تہ خانہ میں گرفتار ہونا پڑا تھا دوسری یہ میری زندگی کی آخری غلطی!۔

میں کانپتا ہوا . . . . . فرط جوش سے کانپتا ٹیکسی میں واپس آ گیا۔ بے شک وہ ہی تھا! میری نگاہ نے قطعاً غلطی نہ کی تھی۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد جلوس ایک طرف کو چلا گیا اور موٹر اپنی راہ پہ چلنے لگی مجھ پہ ایک عجب طرح کی کیفیت طاری ہو گئی تھی مجھے بالکل معلوم نہ تھا کہ ہم کن بازاروں سے گذر رہے ہیں۔ انگلستان کی واپسی اب میرے لئے کسی طرح کی دلچسپی رکھتی تھی۔ میرے خیالات کا مرکز وہی ایک آدمی تھا جسے میں نے جلوس کی مرکزی صورت کی حیثیت میں دیکھا تھا وہ آدمی جسے پچھلے بیس سال کے اندر کسی موقع پر دیکھنے کا مجھے اتفاق نہ ہوا تھا اور جس کی ہلاکت کی تجویزیں اب میرے دماغ میں پیدا ہو رہی تھی۔

شام کا باقی حصہ میں نے اسکے قتل کی تیاریاں کرتے ہوئے بسر کیا اور یہ کام میں نے اس قدر سکون کی حالت میں کیا کہ اب بھی سوچکر حیرت ہوتی ہے۔ رات کو خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور بعد ازاں ہوٹل کے قریب ٹہلنے چلا گیا۔ دس بجے کے عمل پر میں ایک کرایہ کی موٹر پہ سوار ہو کر سیفٹن پارک کی سمت میں جا نکلا کیونکہ اس سے پیشتر میں اپنی محتاط دریافتوں کے ذریعہ سے معلوم کر چکا تھا کہ بڈھا فبسن فی الحال وہیں رہتا ہے اس کے مکان سے تھوڑی دور ورے میں نے موٹر والے کو رخصت کر دیا اور باقی ماندہ فاصلہ پیدل ہی طے کیا کٹ وہ زمین کے اندر ایک بہت بڑی عمارت بالکل علیحدہ اور تنہا بنی ہوئی تھی آس پاس کے رہنے والوں کو اس کا حال کچھ معلوم نہ ہو سکتا تھا۔

رات اندھیری تھی اور ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی تھی اس لئے رستہ میں کوئی آدمی مجھکو نہ ملا یا اگر کوئی فاصلے پہ آتا نظر آیا۔ تو میں نظر بچانے کے لئے ایک طرف کو ہٹ گیا اس طرح انتہائی احتیاط سے کام لیکر میں اس مکان کے پاس جا پہنچا جس میں فبسن کی سکونت تھی بالائی منزل پہ کئی کھڑکیوں میں روشنی نظر آتی تھی لیکن نچلی منزل پر صرف ایک ہی کھڑکی کے اندر روشنی کی چمک دکھائی دیتی تھی۔ اس کا مطلب میں نے یہ سمجھا کہ نوکر چاکر اپنے کام دھندوں سے فارغ ہو کر سونے کے لئے اوپر کی منزل پہ چلے گئے ہیں اور اکیلا فبسن اپنے کمرہ میں نچلی منزل پہ یا تو بیٹھا کچھ پڑھ یا کوئی کام کر رہا ہے جس وقت میں نے اوپر کی منزل کے روشن کمروں کی طرف نظر ڈالی جن کے سامنے جھلملیاں

لگی تھیں تو پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ کام جو میں کرنے لگا ہوں کتنا خطرناک ہے۔ اول تو یہی ممکن تھا کہ اس عرصہ میں فیبسن کی شادی ہو گئی ہو۔ اور اسکی بیوی بھی اسکے پاس ہو۔ اس میں شک نہیں کہ مکان کے اندر جانے میں کسی دشواری کا احتمال نہ تھا۔ اس کے متعلق میں ہر قسم کی ضروری تیاریاں مکمل کر کے آیا تھا۔ لیکن دقت صرف اس بات کی نظر آتی تھی کہ اگر میری توقع کے خلاف بڈھا فیبسن کمرہ میں تنہا نہ ہوا اور مجھے دو یا زیادہ آدمیوں سے واسطہ پڑ گیا تو کیا ہو گا؟ تھوڑی دیر تک میں ان حالات پر غور کرتا رہا آخری تجویز جو میرے ذہن میں آئی یہ تھی کہ پھر کسی دن ایک پرانے دوست کی حیثیت سے اس سے ملوں اسے باتوں میں لگا کر کسی دور افتادہ مقام پر لے چلوں اور وہیں اس کو ہلاک کر دوں۔ لیکن اس میں صرف کئی دن کی تاخیر ممکن تھی اور میں اپنے فعل شنیع پر اس درجے آمادہ و تیار ہو چکا تھا کہ ایک پل کی تاخیر بھی گوارا نہ تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے شیطان ایسے کاموں میں گنہگاروں اور مجرموں کا خود مددگار بن جاتا ہے واقعات ایسے پیش آئے کہ جو باتیں میری راہ میں مزاحم تھیں وہ اچانک دور ہو گئیں اور کام کا میدان صاف نظر آنے لگا۔

قریباً ایک گھنٹہ میں مکان کے باہر کھڑا انتظار کرتا رہا اوپر کی منزل میں روشنیاں ایک ایک کر کے گل ہوتی چلی گئیں اس کے بعد میں کسی خاص نتیجہ پر نہ پہنچکر باول ناخواستہ وہاں سے رخصت کی تیاری کرنے لگا تھا کہ ناگاہ اس قسم کی آواز سنائی دی گویا کسی کھڑکی کا چوبی تختہ اوپر کو اٹھایا جا رہا ہے۔ جہاں تک ممکن تھا قریب پہنچکر میں ایک مقام پر چھپ کے دیکھنے لگا معلوم ہوا نچلی منزل کی اس کھڑکی کے پاس جس کے اندر روشنی تھی کوئی آدمی کھڑا ہے اور کھڑکی کا نچلا پٹ اٹھا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ بارش تھم گئی یا نہیں؟ میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ فیبسن ہے۔ دبے پاؤں اور آگے بڑھ کر لیکن جہاں تک ممکن تھا اس روشنی سے پرے رہ کر جو کھڑکی سے خارج ہو رہی تھی میں نے دزدیدہ نظروں سے کمرہ کے اندر نظر ڈالی میرے لئے یہ دیکھنا غیر ممکن ثابت نہ ہوا کہ کمرہ اس قسم کا ہے جیسا مطالعہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے اس عرصہ میں فیبسن دوبارہ کھڑکی بند کر کے اپنی جگہ پر بیٹھ چکا تھا یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ اسکے اندر فیبسن کے سوا کوئی دوسرا موجود نہیں میں نے جرأت سے کام لیکر باہر کھڑے کھڑے کھڑکی پر ہلکی دستک دی اور اسکے بعد نتیجہ کا انتظار کرنے کے لئے ایک طرف اندھیرے میں ہٹ گیا۔ کھڑکی کا پٹ پھر کھلا اور میں نے شیشہ کی پشت پر کھڑے ہوئے بڈھے پادری کی ظاہرا فیض اثر صورت کو بغور دیکھ لیا۔ اسکے ساتھ ہی ہر قسم کا تامل دور کر کے میں اندھیرے سے نکلا اور کھڑکی کے پاس جا پہنچا پادری نے مجھ کو باہر کھڑے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں شک اور بدگمانی کے آثار پیدا ہو گئے۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال پوچھتا میں نے خود ہی جہاں تک ممکن تھا اپنی آواز کو پُر سکون بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں کیا اندر آنے کی اجازت ہے؟"

"یہ ملاقات کا نہایت عجیب وقت ہے" اس نے لرزتی ہوئی آواز سے کہا۔ معلوم ہوتا تھا وحشت کا احساس بے اختیار اسکے دل کو بھرنے لگا ہے۔

"بیشک" میں نے تسلیم کیا لیکن کام اشد ضروری تھا اس لئے میں کل تک انتظار نہ کر سکا"

وہ ایک لحظہ کیلئے متامل نظر آیا پھر فیصلہ کن لہجہ میں بولا "اچھا ٹھہرو میں دروازہ کھولتا ہوں"

"آپ ناحق تکلیف کرتے ہیں میرے اندر آنے کیلئے یہی کھڑکی کافی ہے"

اس سے پیشتر کہ وہ مجھے باز رکھنے کی کوشش کرتا میں اچک کر کھڑکی کی راہ سے کمرہ کے اندر داخل ہو گیا اور دروازہ کو احتیاط کے ساتھ بند کر کے اسکی طرف مڑا ساتھ ہی بھیانک انداز سے مسکرایا وہ مجھے اس طرح زبردستی اندر آتے دیکھ کر الٹے پاؤں پیچھے کو ہٹنے لگا حتیٰ کہ میز کے پاس پہنچکر اسکے دوسری جانب میرے عین بالمقابل کھڑا ہو گیا اور گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف تکنے لگا اسکے چہرہ کی رنگت پیلی اور اس پر دہشت کے آثار نمایاں تھے۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" اس نے لرزتی ہوئی آواز سے پوچھا۔

"کیا آپنے مجھکو اب تک نہیں پہچانا؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"اس نے میرے خط و خال کو بڑے غور کے ساتھ دیکھا لیکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ پھر بھی مجھکو شناخت نہیں کر سکا کیونکہ انجام کار اس نے صورت انکار سر ہلایا اور کہنے لگا۔

" افسوس میں اب تک معلوم نہیں کر سکا کہ آپ کون ہیں"

"اچھا تو بیٹھ جائیے میں آپ کو بتاتا ہوں"

وہ ضعف جانی کی حالت میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور میری طرف حیرت آمیز نظروں سے تک رہا تھا کہ میں نے ایک دوسری کرسی اسکے بالکل قریب سرکالی اور اس پر بیٹھ گیا کوئی بات کہنے سے پیشتر میں نے کمرہ کے چاروں طرف نظر ڈالی ایک بہت کشادہ کمرہ تھا جس کی وسطی میز بلوط کی بنی ہوئی کتابوں اور کاغذات سے ڈھکی ہوئی تھی ایک جانب دیوار پر کوئی مذہبی تصویر لٹکی تھی دیواروں کے ساتھ تین طرف بڑی بڑی الماریوں میں بھاری بھاری مجلد کتابیں رکھی تھیں فرش پر آسائش دہ لیکن کسی قدر استعمال شدہ قالین بچھا تھا تین سادہ اور دو آرام کرسیاں کمرہ کے اندر موجود تھیں آتشدان میں آگ جل رہی تھی اور اسکی وجہ سے کمرہ کی فضا آرام دہ اور گرم معلوم ہوتی تھی۔

آخر کار جب میں کمرہ کے سامان کا جائزہ لے چکا تو وہ مجھے اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر بولا "آپ مہربانی سے یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں اور اس پر اسرار طریقہ پر میرے پاس آنے کا درحقیقت کیا مطلب ہے؟"

اس کی آواز دہشت کا اثر لئے تھی اور وہ سر تا پا گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔

"افسوس ہے کہ آپ نے مجھے اب تک نہیں پہچانا" میں نے سرد لہجہ میں جواب دیا "ذرا اپنے حافظہ پر زور ڈال کر سوچئے۔ جافری سپنسر نام کا کوئی نوعمر لڑکا ایسا تھا جسے آپ کسی زمانہ میں جانتے تھے؟"

جواب پانے سے پہلے ہی میں نے اسکے چہرے کے انداز سے معلوم کر لیا کہ یہ نام اُسے اب تک یاد ہے، اس کے ساتھ ہی دہشت کے آثار جو پیشتر اسکے چہرہ پر نمایاں تھے گھٹ گئے۔

"بیشک ... مجھکو یاد ہے۔ اس نام کے ایک نوجوان سے میں اچھی طرح واقف تھا" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"تو جان لیجئے میں وہی ہوں" میں نے پُرسکون لہجہ میں کہا۔

وہ پھر ایک مرتبہ گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کے چہرہ کے آثار میں تبدیلی ہوئی۔ دہشت زائل ہو گئی سکون و دلجمعی نے اس کی جگہ لے لی مُسکراتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ مصافحہ کیلئے آگے نکالا۔

"جافری میرے عزیز" اس نے کہا "تم سے ملکر مجھے بیحد خوشی ہوئی ہے۔ بیشک اب میں تمہیں اچھی طرح پہچان گیا لیکن تمہاری صورت پہلے کی نسبت کتنی بدلی ہوئی ہے"۔

"لیکن آپ تو ذرا نہیں بدلے" میں نے اسکے آگے نکلے ہوئے ہاتھ کو ان دیکھا کر کے کہا "داڑھی بے شک سپید ہے اور کمر میں ہلکا سا خم پیدا ہو گیا ہے لیکن اس کے سوا کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی"۔

"خیر تم سے دوبارہ ملکر مجھے بیحد خوشی ہوئی ہے" اس نے میرے ہتک آمیز سلوک کو قصداً نظر انداز کر کے کہا لیکن یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آتی کہ تم اس طرح چھپ کر کیوں میرے پاس آئے؟ ہماری ملاقات کیلئے اس سے بہتر وقت تلاش کیا جا سکتا تھا"

"یہ بیشک صحیح ہے لیکن میری مرضی اسی طرح تھی"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ آج سے انیس ۱۹ برس پیشتر جو بدی تم نے میرے حق میں کی تھی میں اس کا انتقام لینے کے لئے آیا ہوں"

میرے الفاظ نے میرے کڑے لہجہ سے ملکر پھر ایک بار اسکی بدگمانیاں تازہ کر دیں۔

"میرے عزیز تم معموں میں باتیں کر رہے ہو" اُس نے مُسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "آخر میں نے تم سے کیا بُرائی کی تھی جس کا تم انتقام لینا چاہتے ہو؟"

"دیکھو انجان نہ بنو" میں نے دبے ہوئے لہجہ مگر تلخ آواز سے کہا "اگر تم تھوڑی دیر کیلئے میری باتیں کان لگا کر سننا منظور کرو تو میں سارا حال بیان کرنے کو تیار ہوں۔ جب اوّل مرتبہ میری ملاقات تم سے ہوئی تو میں چال چلن کے لحاظ سے ہر طرح پاک صاف تھا۔ اس وقت اگر مجھے سیدھی راہ پر ڈالا جاتا۔ اگر مجھکو غلط رستے کی بُرائیوں اور خرابیوں سے وقت پر آگاہ کر دیا جاتا۔ تو یقین ہے آج میری ہستی نہ صرف میرے اپنے بلکہ میرے متعلقین کے لئے بھی موجب فخر ہوتی۔ لیکن غور کر کے سوچو اور یاد کرو کیا وہ تم ہی نہ تھے جس نے مجھکو بدی کی راہ پر ڈالا اور میری سیرت کو ہمیشہ کیلئے گندہ کر دیا؟ تم نے میرے ذہن میں زہریلے خیالات کا بیج بویا اور میری اخلاقی حس کو تباہ و برباد کر دیا۔ محض تمہاری وجہ سے وہ تمام نیک خیالات جو قدرتی طور پر میرے اندر پیدا ہونے لازم تھے آغاز ہی میں دب کر رہ گئے۔ میں بدچلن بدقماش اور بے ایمان بنا۔ نیکی اور ایمان داری کی زندگی بسر کرنے کی خواہش مٹ گئی اور خیالات اتنے گندے ہو گئے کہ میں پاک صاف زندگی بسر کرنے کے قابل نہ رہا۔

شاید تم کو معلوم ہے یا نہیں میری ان عادات بد کی وجہ سے ہی جو میں نے تم سے سیکھی تھیں مجھے مدرسہ سے خارج کر دیا گیا لیکن اگر یہ بات تم کو پیشتر معلوم نہ تھی تو اب بتاتا ہوں کہ تم نے میرے سینہ میں جو شہوانی اثرات پیدا کئے تھے اور میرے خیالات میں جو پراگندگی داخل کی تھی اسکی وجہ سے مجھکو سکول سے خارج ہونا پڑا۔ اسکے بعد جیسا کہ لازم تھا میں نے اپنا گھر بار چھوڑا اور بحری زندگی اختیار کی۔ اس دوران میں تمہارا ہی ایک ساتھی مجھکو اور مل گیا جس نے بدی کی وہ تعلیم جس کا آغاز تم نے کیا تھا ہر طرح مکمل کی۔ اس وقت کے بعد میرے دل کو ہر لحظہ نفسانی خواہشات نے گھیرے رکھا ہے میں نئی نئی عورتوں کا طلبگار رہا ہوں۔ میرے گندے خیالات اس درجہ تیز اور پُرجوش ہو چکے ہیں کہ ان کو ضبط کرنے کی انتہائی کوشش کے باوجود میں ان کو دبانے کے قابل نہیں ہوا۔ میرے دوسرے معلم نے مجھے تاش کے کھیلوں میں دھوکے بازی کی تعلیم دی۔ چونکہ میری سیرت گناہ پر مائل ہو چکی تھی اس لئے میں اس آدمی کے روبرو بھی انکار نہ کر سکا۔ بلکہ اسکے کہنے کے مطابق تاش کے کھیل میں دھوکے بازی کا فن سیکھ کر اس کا ساتھی بنا جرم و گناہ کا رستہ اتنا ڈھلوان ہے کہ جب ایک بار آدمی اس پہ قدم رکھدے تو اس کے لئے آگے ہی آگے بڑھتا چلے جانا ذرا بھی دشوار نہیں رہتا۔ میں نے پتے بازی شروع کی تو اسکے بعد جعلسازی اور چوری کا سبق بھی جلدی ہی سیکھ لیا۔ میری زندگی کا وہ تمام عرصہ جرم و گناہ میں بسر ہوا ہے، جس کی تھوڑی سی تلافی میں نے دورانِ جنگ میں خدمات کر کے بیشک کی۔ لیکن جب میں زخمی ہونے کے بعد وہاں سے سبکدوش ہوا تو پھر جرم بدنفسی اور بدکاری کی زندگی بسر کرنے لگا حالانکہ یہ بات میرے اختیار میں تھی کہ ایمانداری کے ساتھ شائستہ زندگی گذارتا۔ امریکہ میں رہتے ہوئے میں نے ایک خرابات خانہ

یا ... میرے خیال میں تفصیل کے بغیر ہی تم جان گئے ہوگے کہ وہاں کیا کار ہوا
ا تھا۔ اسی دوران میں نقب زنی کا مرتکب ہوا اور مجھکو پانچ سال قید با مشقت کی سزا دیگئی"
میں دم لینے کیلئے ذرا سی دیر ٹھیر گیا مگر اب جو میری نگاہ اسکے چہرہ کی طرف
، تو معلوم ہوا کہ دہشت سے آنکھیں چوڑی ہوگئی ہیں اور منہ کھلا ہوا ہے۔ وہ اپنی جگہ
ے بالکل نہ ہلا تھا اور بدحواسی کے سے عالم میں میری طرف دیکھ رہا تھا۔
ہیں جانتے اور نہ جان سکتے ہو کہ جیل خانہ کی زندگی انسان کو کتنا ذلیل و پست
دیتی ہے۔ میں نے تقریر جاری رکھ کر کہا لوہے کی سلاخیں چھوٹی تاریک
ٹھڑیاں۔ پتھر کی بنی ہوئی دیواریں۔ بھیانک وردیاں۔ حیوانوں کی سی زندگی۔
فظوں کی بدسلوکی۔ انسان کی شخصیت کا اس حد تک مٹ جانا کہ نام کے
لے وہ صرف نمبر سے جانا جاتا ہے۔ ان سب اور صدہا ایسی ہی اور باتوں نے
ری طبیعت پر گہرا اثر پیدا کر کے مجھے انتہا درجے ذلیل حقیر اور قابلِ شرم
دیا لگاتار پانچ سال کے عرصہ تک میں نے وہ وہ تکلیفیں جھیلیں جو شاید
نگار انسانوں کو دوزخ میں بھی جھیلنی نہیں پڑتیں لیکن اس پانچ سال کے
صہ میں مجھکو اپنے حالات پر غور کرنے کا کافی وقت مل گیا اور میں اس سوال پر توجہ
ینے کے قابل ہوا کہ کیوں میں جس کی ذات دوسرے لوگوں کی طرح قابلِ فخر ہو سکتی
ی۔ جس کی پیدائش ایک اونچے گھرانے میں ہوئی تھی۔ پستی کی اسی انتہا کو پہنچا؟"
بڑھتے ہوئے جوش کے باعث میری آواز زیادہ تیز اور کرخت ہونے لگی تھی۔
ارے پہلو سے چلنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ محض تمہاری ہی تعلیم کا
یجہ تھا کہ میں نیکی کے بلند پایہ سے گر کر بدی اور گناہ کی دلدل میں پھنسا۔ اس کے
اب میں شاید تم یہ اعتراض کرو کہ اس قسم کی حالت میں میرا فرض تھا ضبط سے
م لیتا۔ اور برے رستہ کو چھوڑ کر سیدھی راہ پہ چلنے کی کوشش کرتا میں نے
بسا کرنے کی ایک دو بار کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکا اس لئے کہ میرے اندر
مضبوط قوت ارادی ہی باقی نہ رہی تھی۔ اسکے باوجود میں اس حقیقت کو نظر انداز نہ
ر سکتا تھا کہ میں پستی کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں ایک دفعہ میری زندگی میں ایک اسی قسم کا
اقعہ پیش آیا جو شاید میرے اندر انقلاب پیدا کر دیتا۔ ایک نوجوان حسینہ سے میری
ملاقات ہوگئی اور اگر وہ زندہ رہتی تو میں یقیناً سدھر جاتا لیکن افسوس قضا
نے اس کو مہلت نہ دی" میں اپنی پیشانی سے عرق سرد کے قطرے پونچھنے کے
ئے ذرا سی دیر ٹھیر گیا اس کے بعد اور بھی زیادہ زوردار لہجہ میں اس کو مخاطب
رتے ہوئے اپنی تقریر کو کچھ اس طرح کے پرجوش لہجہ میں جاری رکھا کہ وہ سہم کر
پیچھے ہٹ گیا" سچ پوچھتے ہو تو تم ہی اس کی ہلاکت کا موجب ہوئے ہاں تم نے
ی اس کو جان سے مارا تھا" یہ الفاظ میں نے نہایت اونچی آواز سے کہے اور
س وقت اس مصلحت کو بھی نظر انداز کر دیا کہ میری آواز کسی دوسرے کے
انوں میں نہ پہنچنی چاہیئے۔ ٹھیرو میں اس کی وجہ تم کو بتاتا ہوں چونکہ میرا دماغی

توازن قائم نہ رہا تھا اس لئے میرا اس سے ایک معمولی سی بات پر جھگڑا ہوگیا۔
جس پر میں نے اسکی توہین کی۔ نتیجہ کے طور پر اس نے ایک آپریشن کرایا اور اس کے
دوران میں مرگئی۔ میں کہتا ہوں یہ نوبت ہرگز نہ آتی اگر تم نے میرے نیک محسوسات
کو کند نہ کر دیا ہوتا۔ اگر تمہاری گندی تربیت نے مجھے انسان سے حیوان بنانے میں
مدد نہ دی ہوتی۔ اُف خدا تم کو غارت کرے واقعہ میں تم ہی میری اور میرے
ساتھ کئی جانوں کی تباہی اور بربادی کا موجب بنے ہو۔ ان حالات میں اگر میں
تم سے بدلہ لینے کو یہاں آیا ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے کیا ایسا کرنا میرا حق نہیں ہے؟"
یہ کہتے ہوئے میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ اب یہ کیفیت تھی
کہ وہ زرد رو لرزہ براندام اپنی کرسی کی پشت پر جھکا ہوا دہشت آمیز نظروں سے
میری طرف دیکھ رہا تھا اور میں کسی دیو کی مانند اسکے اوپر جھکا کھڑا تھا۔
"تم شاید دیوانے ہوگئے ہو" اُس نے رکتے ہوئے کہا "تم نہیں جانتے کیا کہہ رہے ہو"
میں نے سخت آواز میں زوردار قہقہہ لگایا۔
"میں سب کچھ جانتا ہوں" اس کے ساتھ ہی میں نے پُرسکون آواز سے کہا۔
بیشک یہی باتیں مجھکو زیادہ آہستہ لہجہ میں کہنی چاہیئے تھیں لیکن اس سے ان
کی اہمیت یا درستی میں فرق نہیں آسکتا"
"میرے عزیز تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو" اس نے نرم التجائی لہجہ میں کہا "اگر تم چاہتے
ہو تو میں اس بات کی انتہائی کوشش کرونگا ......"
"کہ میری اصلاح کرو۔ کیا یہی کہنا چاہتے ہو؟" میں نے تند لہجہ میں کہا "او دغا شعار آدمی۔
اپنی اس سحر سازی کو اپنے ہی پاس رہنے دے۔ تم میری اصلاح کیا کرو گے جبکہ تمہاری
اپنی حالت ہی اصلاح کی طلبگار ہے۔ عمر بھر تم نے اپنی ہوس رانی اور نفس پرستی کو شستگی
اور خوش اعمالی کے پردہ میں چھپانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود خدا کو بہتر
معلوم ہے کہ تمہاری ہستی میری طرح کتنے نوجوانوں کی تباہی کا موجب ہوئی ہوگی لیکن
خیر جو کچھ ہونا تھا ہو چکا آئندہ کیلئے تم اپنی روباہ خصالی کی زندگی جاری نہ رکھ سکوگے۔
آج سرِ شام جب میں نے تم کو صد شانِ تقدس کے ساتھ جلوس میں شامل ہو کر چلتے
ہوئے دیکھا تھا تبھی میں نے اپنے دل میں اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ
تمہیں ایسی جگہ پہنچا دینا چاہیئے جہاں سے تم اپنی ضرر رساں حرکات کو جاری نہ
رکھ سکو کیا میرا مطلب سمجھ گئے؟"
اُس نے اپنی کرسی کے دونوں بازوؤں کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ اور دہشت عظیم
کی حالت میں اسکی آنکھیں خانۂ سر سے نکلی پڑتی تھیں۔ خیال ہے کہ میرے ارادہ
کی استقامت میرے چہرہ کے انداز سے اس پر واضح ہوگئی۔ کیونکہ اس کی صورت
کہے دیتی تھی کہ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ گیا ہے کہ میں اُسے جیتا چھوڑ کر نہ جاؤنگا۔
کئی بار اس نے بولنے کے لئے منہ کھولا لیکن کوئی آواز نہ نکال سکا حتےٰ کہ آخر کار
مری ہوئی آواز سے محض اتنا کہا۔

"تم ... کیا کہنا چاہتے ہو؟ تمہارا ارادہ میرے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنے کا ہے؟"

"میں تمہاری ناپاک زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے آیا ہوں" میں نے بھنچے ہوئے دانتوں کی راہ سے سنسناتی ہوئی آواز میں کہا۔

اسکے چہرہ کا انداز اتنا بھیانک ہوگیا کہ میں نے اس طرح کی حالت پیشتر کسی آدمی کی نہ دیکھی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ ابھی سے مُردہ اور بے جان ہوگیا ہے۔ ایک لحظہ کے لئے میں فرط حیرت سے چونک ہی گیا لیکن یہ ایک عارضی کیفیت تھی ناگاہ اُس نے شور و غل مچانے کے لئے مُنہ کھولا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی آواز نکال سکتا میں نے دونوں ہاتھوں سے اسکی گردن پکڑلی اور اپنے گھٹنے سے اس کی ٹانگیں دبا کر آہنی انگلیوں کی مدد سے اس کا گلا بڑے زور سے دبانا شروع کیا۔

"ناپاک موذی! تو نے مجھکو اس نوبت تک پہنچایا ہے" میں نے سنسناتی ہوئی آواز سے کہا "اور اگر تو زندہ رہا تو خدا جانے اور کتنوں کی تباہی کا موجب بنے گا۔ اس لئے آج میں تیرا خاتمہ کرکے ہی یہاں سے جاؤں گا اس کے عوض اگر مجھکو پھانسی پر لٹکنا پڑا تو بھی پروا نہیں کیونکہ میں سمجھوں گا میں نے اپنی زندگی میں کم از کم ایک کام نیکی اور ثواب کا ضرور کیا ہے۔"

رفتہ رفتہ میری گرفت مستحکم ہوتی چلی گئی شروع میں اس نے اپنے استخوانی ہاتھوں کی انگلیوں سے میری گرفت ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ عمل زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکا اس کا مُنہ کھُل گیا زبان باہر نکل آئی اور آنکھوں نے ایسا بھیانک انداز اختیار کرلیا کہ ایک بار میرا عزم استوار بھی ڈگمگا گیا لیکن دم گھونٹنے کا عمل اتنا ہی میں مکمل ہوچکا تھا اس کے حلق سے غرغر کی سی آواز ہیبت ناک اور بھیانک انداز سے نکلتی سُنائی دی۔ ایک دو مرتبہ اس نے اپنے پاؤں سے زمین کو رگڑا۔ پھر اس کا بدن ڈھیلا پڑ گیا جب میں نے اپنی گرفت ہٹائی تو وہ مُردہ اور بے جان تھا!

لیکن اس فعل شنیع کی تکمیل کے ساتھ ہی میری اپنی ہمت اور طاقت جواب دے گئی۔ اب مجھ پر عجب طرح کی کمزوری اور ضعف جانی مستولی تھا جس کے باعث سیدھا کھڑا رہنا دشوار ہوگیا تھا۔ چنانچہ میں آتشدان کے ساتھ لگ کر سہارا لیتے ہوئے عجب طرح کی نظروں سے اس بدنصیب کی طرف دیکھنے لگا جو میرے جوش انتقام کا شکار ہوچکا تھا۔ اس کے مرتے ہی مجھ پر مدافعانہ اثرات طاری ہونے لگے۔ جوش کے بدلے تاسف کی لہر بدن میں بھر گئی اور ذہنی درد و اذیت کے باعث ایک دبی ہوئی چیخ منہ سے نکلی کم و بیش پاؤ گھنٹہ میں اسی حالت میں اپنے فعل پر نادم۔ اپنے کئے ہوئے جرم پر پشیمان وہیں کا وہیں کھڑا رہا اس اثنا میں گہری خاموشی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ جلتی ہوئی لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز کے سوا اور کوئی صدا کانوں میں نہ آتی تھی۔ رفتہ رفتہ میں سنبھلنے کے قابل ہوگیا۔ جیب سے رومال نکال کر میں نے ان تمام مقامات پر پھیرے جہاں خیال تھا کہ میری انگلیوں کے نشانات رہ گئے ہوں گے لیکن آہ بدنصیب انسان! مجھے کیا معلوم تھا کہ میں ان کے نشانات ایک ایسی جگہ چھوڑے جاتا ہوں جہاں سے وہ مٹائے نہ مٹیں گے۔ اور جہاں انکی موجودگی انجام کار میری گرفتاری اور سزایابی کا موجب بنے گی۔

اس بارہ میں ہر طرح مطمئن ہونے کے بعد کہ میں نے کوئی تیاری نا تمام نہیں چھوڑی میں نے آخر کار روشنی گل کردی اور کھڑکی کی طرف بڑھا۔ بڑی آہستگی کے ساتھ میں نے کھڑکی کا زیریں پٹ کھولا اور باہر کی طرف دھیان دے کر گہری توجہ کے ساتھ سُننے لگا۔

گہری خاموشی ہر طرف چھائی ہوئی تھی رخصت ہونے سے پیشتر میں نے ایک آخری نظر اس بدنصیب کی طرف ڈالی جو میرے جوش انتقام کا شکار ہوا تھا۔ آگ کے ایک شعلہ تیز نے آنجہانی احد کیلئے اسکی بھیانک اور ڈھلکی ہوئی صورت میری نظروں میں پھیر دی اس کے بعد وہ دوبارہ میری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ میرے بدن میں بے اختیار کپکپی پھر گئی میں اُچک کر کھڑکی سے باہر نکلا اور اُسے بند کرکے وہاں سے رخصت ہوا کرایہ کی موٹر تلاش کی لیکن نہ ملی اس لئے پیدل ہی اپنے ہوٹل تک گیا۔ چونکہ پانی تیز تر پڑنے لگا تھا اس لئے اسکی ٹھنڈی بوندیں میرے چہرہ پر گر کر بخار کا سا جوش رفع کرنے

غلط فہمی

علامہ حسان بن دانش

اوّل اوّل جب تجھے حورِ آشنا سمجھا تھا میں
آج سمجھا ہوں جو سمجھا تھا، بجا سمجھا تھا میں

زندگی اکثر گناہِ زندگی ثابت ہوئی
تجھ کو اپنی زندگی کا مدعا سمجھا تھا میں

آنکھ کے دھوکے میں آ کر گمرہی کر لی پسند
اپنے قلبِ حق نما کو خود نما سمجھا تھا میں

یہ نہ سمجھا تھا کہ ہے دُنیا مقامِ مکر و فن،
مخلصی کو اک فنونِ بے خطا سمجھا تھا میں

سوچتا ہوں تیرے معیارِ جفا کو دیکھ کر
کیوں تجھے اِن بستیوں سے ماورا سمجھا تھا میں

کیا خبر تھی تو ہے اِک محسن کُش و حیلہ مزاج
لوحِ عالم پر تجھے نقشِ وفا سمجھا تھا میں

تھی تری ہر سانس پیغامِ طرب میرے لئے
فطرتاً تجھ کو جفا نا آشنا سمجھا تھا میں

تھا ترے اک اِک اشارے پر سرِ تسلیم خم
خود کو اک مجبورِ تسلیم و رضا سمجھا تھا میں

کیسی دُنیا، کیسی عقبیٰ، کیسا مذہب کیا سماج،
تجھ کو تحصیلِ دو عالم سے سوا سمجھا تھا میں

میری خودداری نے بڑھ بڑھ کر بہت روکا مجھے
اپنی خودداری کو لیکن نا سزا سمجھا تھا میں

ذوقِ سجدہ منفعل سر در گریباں ہے خودی
کِس گنہگاری کو زہد و اتقا سمجھا تھا میں

اب مرا ذوقِ طلب مجبورِ رسوائی نہیں
زندگی بھر سوچ، کس انساں کو کیا سمجھا تھا میں

بخش دے یا رب جوانی کی یہ لغزش بخش دے
اس صنم سازِ تخیل کو خدا سمجھا تھا میں

مغربی دنیا کے مستی و قلندری چند انوکھے نمونے

مستی و قلندری کسی انسان یا قوم کا خاصہ نہیں۔ وہ قدرت کے جذباتی عطیے ہیں۔ جہاں جوش مستی اور ہیجان قلندری نے سر اٹھایا۔ تو لوگوں اور قوموں سے انوکھے خیالات۔ حرکات اور جذبات صادر ہونے لگتے ہیں۔ مستی و قلندری کسی خاص وقت یا موسم پر منحصر نہیں بلکہ جس وقت بھی ان کا ابھار ہوتا ہے۔ انسانوں پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے جس کے زیر سایہ وہ اپنے آپے سے باہر ہوجاتے ہیں۔ بس کی حقیقت کے لاثانی مظاہر بعض مغربی اقوام دکھا رہی ہیں۔

ہولیوڈ جو حسن و عشق کی ایک نرالی دنیا ہے۔ وہاں عشقبازی محبت اور طلاق کی بہار بے خزاں قائم رہتی ہے۔ وہاں محبت ایک کھیل ہے اور طلاق ایک دل پسند مشغلہ۔ امریکہ کی بعض ریاستوں میں طلاق کا کوئی اصول اور قانون نہ ہونے کے باعث ہولیوڈ اور دیگر شہروں کے لوگوں بڑی مشکل کا سامنا ہوتا تھا۔ جس کے حل کرنے کے لئے رینو والوں نے قانون طلاق جاری کرکے امریکہ کے دلدادگان کو دعوت عام دیدی۔ کہ آئیں اور عدالت کی فیس داخل کرکے دولت طلاق سے دامن بھرلیں

رینو چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جس کی انی گنی آبادی ۱۸ ہزار نفوس کی ہے۔ لیکن وہاں ہر سال ۴ ہزار شادیاں رچائی جاتی ہیں اور تین ہزار طلاقیں ہوتی ہیں۔ طلاقوں کا روزانہ اوسط ۱۰ ہے۔ امریکہ کی مختلف ریاستوں کے مرد و زن پر جہاں طلاق کی مستی سوار ہوتی ہے تو لوگ سیدھے رینو میں جادھمکتے ہیں اور طلاق لیکر محبت کے جھمیلوں سے نجات حاصل کرلیتے ہیں۔ دور حاضرہ میں رینو طلاق کا پایہ تخت ہے۔ جس کی رونق کا دارومدار طلاقی تجارت پر ہے۔ وہاں کے زیادہ تر باشندے طلاقوں کی آمدنی سے گلچھرے اڑاتے ہیں۔ وکیلوں کے پو بارے ہیں ایک ایک وکیل سال بھر میں دس دس ہزار ڈالر کما لیتا ہے۔ طلاق کے لئے گواہوں کی ضرورت لابدی ہے۔ جو رینو میں کرایہ پر مل جاتے ہیں اگر بیوی دل خوش کرنے کے لئے کوئی راگ الاپنے لگے۔ اور اسوقت خاوند داد دینے کی بجائے گھر سے نکل جائے۔ یا وہ زور کے خراٹے لیکر سوئے یا غلیظ پائپ سے اپنے ہونٹوں کو آلودہ کرے یا بیوی کے ہمرکاب سمندر میں غسل کرنے نہ جائے تو یہ اور اسی قسم کی دیگر باتیں خاوند کی طرف سے بیوی کے حال پر ظلم و ستم مانی جاتی ہیں۔ اور انہی کی بدولت عدالت جھٹ پٹ ڈگری طلاق صادر کردیتی ہے۔ طلاق لیکر بعض مرد و زن اسقدر دل شکستہ ہوجاتے ہیں۔ کہ سڑکوں پر اشکباری اور آہوں کے مظاہرے کرتے پھرتے ہیں۔ کوئی ان کے حال زار پر رحم نہیں کرتا۔ بلکہ اس حال میں انہیں دیکھ کر لوگ تالیاں بجاتے ہیں اور قہقہے لگاتے ہیں۔

ایک اور لطف یہ ہے۔ کہ عورتیں طلاق ملنے پر جوش مستی میں اپنے لب ہائے لعلیں پر سرخی ملتی ہیں اور عدالت میں جو ستون ہے اس پر لبوں کی مہر ثبت کرکے خوش خوش رخصت ہوتی ہیں۔

مستی و قلندری کی حیا سوز امثالیں جرمنی میں عام ہیں۔ نازیوں اور ہٹلر کے برسر اقتدار آنے کے چند ہی ہفتے بعد ایک صیغہ محکمہ داخلہ کے زیر سایہ قائم کیا گیا۔ اور اس نے حرام کاری کی تلقین شروع کردی۔ ایک ڈاکٹرنی نے جن کا تعلق اس صیغہ سے ہے۔ اوسط درجہ کی عام عورتوں دوکانوں پر کام کرنیوالی گدرائی ہوئی لڑکیوں اور خانگی نوکرانیوں کے لئے اخبارات میں حیا سوز مضامین کی اشاعت کا سلسلہ شروع کردیا ہے جن میں ترغیب دی گئی کہ بچے جننا عورتوں کا قدرتی حق ہے۔ جس کیلئے شادی کی مطلق ضرورت نہیں۔

ہٹلر کو خدمت اور حفاظت وطن کے لئے مردوں کی ضرورت تھی مشہور ہے۔ کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اس کے جدت آفرین دماغ نے فوراً یہ تجویز اگل دی۔ کہ جوان عورتیں شادی کئے بغیر اولاد پیدا کریں بس ایک طوفان آگیا۔ حرامی بچوں کی پیدائش کا بیج بویا گیا۔ اور فصل تیار ہونے لگی اور ۱۵ سالہ یا لگ بھگ اسی سن و سال کی لڑکیاں سرکاری زچہ خانوں کی رونق دوبالا کرنے لگیں۔ کنواری ماؤں کی بہتات ہوگئی۔ اور وہ بچے جننے کی مشینیں بن گئے۔ محکمہ خارجیہ جن کے چلانے کا ذمہ دار ہے۔ جرمنی میں نہایت بیباکی اور حیا شکنی کے رنگ میں یہ اصول تسلیم کرلیا گیا ہے کہ حرامی بچے چونکہ محبت کے ثمر ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ شادی سے ظہور میں آنیوالے بچوں سے زیادہ برتر ہوتے ہیں۔

جرمنی میں ناجائز اولاد پیدا کرنے کا طوفان آگیا ہے۔ وہاں ایسے مکانوں میں جو ہسپتالی وارڈوں کی مانند ہوتے ہیں مرد اور عورتیں قیام کرتے ہیں۔ ان کی چارپائیاں برابر برابر قطاروں میں بچھائی جاتی ہیں۔ جن کے درمیان میں کوئی آڑ یا پردہ نہیں ہوتا۔ مرد اور عورت اکٹھے سوتے ہیں۔ اور بے حجابانہ سب کچھ کرتوت کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~

مشہور ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے جرمنی کی دیکھا دیکھی روس میں بھی حیا سوز مستی کا دور دورہ ہوگیا۔ ہٹلر کی ایجاد کو اسٹالین کے (جو روس میں ڈکٹیٹر ہے) زیر سایہ بڑا عروج حاصل ہوگیا۔ وہی مثل ہوئی کہ ایک تو کڑوا کریلا۔ دوسرے نیم چڑھا "روس میں کمیونسٹ تحریک نے خدا کی ہستی کا انکار کرکے مذہب کو تحس نحس کر دیا اور اخلاق کو بیک بینی و بدو گوش جلاوطنی کا پروانہ دیدیا۔

روس میں دور استالنی ہیں پادریوں کے ذریعہ مذہبی شادیوں کا رواج حد درجہ گھٹ گیا۔ اس کی جگہ عدالتی شادیوں نے لے لی شادی کے خواہاں مرد اور عورت رجسٹرار کے آگے اقرار کرتے ہیں۔ کہ وہ خاوند و بیوی کے رشتہ میں منسلک ہونا چاہتے ہیں۔ اتنا کہا اور فیس داخل کی رجسٹر پر دستخط کئے اور چلتے بنے۔ وہی مثل ہوئی کہ "چٹ منگنی پٹ بیاہ" عیش کی داد دینے لگے۔ ہلدی لگے نہ پھٹکری رنگ بھی چوکھا آگیا۔

روسی شادیاں عام ظاہری مراسم سے مبرا ہوتی ہیں نہ نسبت کی پینگیں بڑھائی جاتی ہیں۔ نہ کورٹ شپ ہوتا ہے۔ نہ والدین کی مرضی حاصل کی جاتی ہے۔ نہ ..... عزیز و اقارب اور دوستوں کو شادی پر مدعو کیا جاتا ہے۔ نہ محفل جشن منعقد کی جاتی ہے۔ نہ عروسی لباس زیب و تن کیا جاتا ہے۔ نہ مبارکباد کے گلدستے نذر کئے جاتے ہیں اور نہ شراب کے خم کے خم لنڈھائے جاتے ہیں۔ وہاں تو اس شعر کے مضمون پر عمل ہوتا ہے۔ کہ ؎

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے؟

روس میں محبت تمام ضابطہ پوری اور رسم و رواج سے بالکل پاک و صاف ہوتی ہے۔ اس میں جذبات کا رنگ ہی نہیں ہوتا۔ ضابطہ اور جذبات کی تو نوبت ہی نہیں آنے پاتی۔ وہاں مرد اور عورت کو بڑی مصروف زندگی سے پالا پڑتا ہے۔ انہیں سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں۔ کارخانہ۔ دفتر۔ دوکان میں زیادہ وقت تک سخت محنت اس کے بعد کلب میں تفریحی مشاغل۔ لوگوں کو مجلسی ربط و ضبط اور محبت سازی کیلئے وقت ہی نصیب نہیں ہوتا۔ طبائع گرمائی ہوئی ہوتی ہیں۔ مرد و عورت ملے۔ آنکھیں چار ہوئیں۔ دل میں پیار آگیا۔ جذبات حیوانی نے سر اٹھایا کھل کھیلے اور شادی کے لئے دفتر رجسٹرار کے آستانہ پر سر جھکا دیا۔

روس میں طلاق کی بھی گرم بازاری ہے اور حرامی بچے جننے کا دستور بھی زوروں پر ہے۔ چند سال ہوئے۔ کہ ایک جاپانی جج نے فیصلہ دیا تھا۔ کہ کوئی بچہ حرامی نہیں۔ حکومت روس نے جاپانی فیصلہ کو عام تشہیر دیدی۔ جس کی بدولت وہاں سب بچے حلالی مان لئے گئے۔ اور ان کی پرورش کا بار باپوں کے سر ڈال دیا گیا۔ اگر باپ پرورش تربیت اور تعلیم کا خرچ ادا نہ کرے تو اس کی اجرت اور تنخواہ سے رقم وضع کرکے ماں کے حوالہ کی جاتی ہے۔ اگر بچے کے ماں باپ دنیا سے اٹھ جائیں۔ یا اس کے اخراجات برداشت کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ تو سرکار بچوں کو اپنے سایہ عاطفت میں لے کر ان کی پرورش و تربیت کرتی ہے روس میں عدالتی شادیوں کے بغیر بھی بچے پیدا کرنے کی رسم ہے۔ اس لئے اکثر پتہ نہیں لگتا۔ کہ بچہ کس مرد کے نطفہ سے ہے۔ (آقا ساغر)

~~~~~~~~~~~~~~~~

لندن کے ایک بڑے میاں کی مستی و قلندری کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے۔ آنمحترم سنہ ۱۸۲۹ء میں عالم وجود میں تشریف لائے۔ اور اب تک ایک دو نہیں دس بیس نہیں بلکہ زندگی کی کامل ایک سو دس بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ آپ کا بیان ہے۔ کہ ملکہ وکٹوریہ کی تاجپوشی کا جشن اپنے بچشم خود ملاحظہ فرمایا تھا۔ پھر بھی آپ کی مستی و قلندری کا یہ عالم ہے۔ کہ ایک اخباری نمائندے نے حسین و نوخیز لڑکیوں کے متعلق آپ کے جذبات و احساسات دریافت کئے تو آپ نے آنکھوں کی ایک چمک اور چہرے کی ایک مخصوص تازگی کے ساتھ جواب مرحمت فرمایا۔ میں نہیں سمجھتا۔ کہ حسین و جمیل لڑکیوں کے بغیر زندگی کی منزل کیونکر طے کی جا سکتی ہے۔ اگر وہ نہ ہوں تو دنیا تاریک معلوم ہونے لگے "

کہا جاتا ہے۔ کہ اس عمر میں بھی آپ کی مستی و قلندری کا یہ حال ہے کہ آپ کے پہلو میں ایک نہ ایک حسین دوشیزہ ہمیشہ موجود رہتی ہے آپ کو عورتوں سے میل جول پیدا کرنے میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ چنانچہ یہ ناممکن ہے۔ کہ کوئی دوشیزہ ایک بار آپ کی طرف متوجہ ہونے کے بعد گھڑی دو گھڑی آپ کے پاس بیٹھے بغیر چلی جائے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~

انگلستان میں ایسے ادارے قائم کئے جا رہے ہیں۔ جن میں لڑکیوں کو جاپانی طرز کی کشتی کی جسے "جوجو تسو" کہتے ہیں تعلیم دی جاتی ہے۔ ان ادارو کے
~~~~~~~~~~~~~~~~

قیام کا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ بہت سے بدمعاش اور آوارہ لوگ موقع پا کر عورتوں پر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور جبراً ان کی عصمت دری کرتے ہیں عزت و عصمت کے ان ڈاکوؤں کا مقابلہ کرنے کیلئے عورتوں کو کشتی سکھائی جاتی ہے تاکہ عورتیں ضرورت پڑنے پر اپنے حریفوں کو چاروں شانے چت گرا سکیں ان اداروں کا قیام اور ان کا مقصد ہر طرح قابل تحسین و ستائش ہے لیکن معلوم نہیں ایسی عورتوں کی عفت و عصمت کے تحفظ کیلئے یہ ادارہ کیا انتظام کر رہا ہے جو خود مردوں کے اخلاق پر ڈاکے ڈالیں اور انکو اپنے دام تزویر میں پھنسانے کی کوشش کریں۔

~~~~~~~~~~

مغرب اور مشرق کی قسمت کا فرق ملاحظہ فرمائیے۔ جنگ ہو رہی ہے یورپ میں ہندوستان یورپ سے دور دراز فاصلے پر ایشیا میں واقع ہے پھر بھی یہاں کے شرفیوں کی قسمت ہے کہ ہم دن رات اسی فکر میں گھل رہے ہیں کہ گرانی شدت سے بڑھ رہی ہے اور ابھی نہ جانے یہ اور کس حد تک ترقی کرے۔ آخر ہمارے کاروبار اور ہمارے اہل و عیال کا کیا انجام ہوگا

لیکن فرانس کے دارالسلطنت پیرس میں یہ مسئلہ در پیش ہے کہ دنیا کے کس ملک کی عورتیں دنیا بھر کی عورتوں سے زیادہ حسین ہیں۔ اس مباحثے میں کشمیر، کوہ قاف، فرانس، انگلستان، ہالیووڈ، ترکی اور ایران وغیرہ کی خواتین کے حسن و جمال پر بحث و گفتگو ہوئی۔ اور آخر میں کامل مغز پاشی اور دماغ سوزی کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ کشمیر اور کوہ قاف کی عورتیں خوبروئی اور خوش جمالی میں تمام دنیا کی حسین و جمیل عورتوں پر فوقیت رکھتی ہیں

~~~~~~~~~~

مستی اور قلندری کے سلسلے میں کچھ خاص لوگوں کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ جو بچے پیدا کرنے میں نمایاں خصوصیت رکھتے ہیں تھوڑا عرصہ ہوا۔ پیرس میں ایک شخص موجود تھا جس کی ۵۶ اولادیں تھیں۔ بشپ لنک آف بلجیم اکسٹھ بچوں کا باپ ہے۔ اور ایک روسی کسان ریری لوف کے ہاں ۷۲ بچے ہیں۔ جن میں ۵۷ صرف اس کی پہلی بیوی کے شکم سے پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن مراکو کا حاکم ملا اسماعیل ان تمام بچہ گیروں سے نمبر لے گیا ہے اور اس نے تقریباً آٹھ سو اٹھاسی اولادیں پیدا کی ہیں۔

(حاجی بغلول)

~~~~~~~~~~

اے وادیٔ کالج کے بچھڑے ہوئے ہمجولی

پھر چاندنی راتوں میں دل تھام کے گاؤں گا
سازِ دلِ وحشی کے ٹوٹے ہوئے تاروں پر
صحرائے محبت کی اُلجھی ہوئی راہوں میں
کمھلائے سے ہونٹوں میں خونِ رگِ جاں بھر کر
برسات کی راتوں کے بھیگے ہوئے تاروں کو
مغموم جوانی میں آہوں کی تپش بھر کر
آغازِ محبت کی معصوم ملاقاتیں

اُمید کی کشتی کو اشکوں میں بہاؤں گا
رُکتی ہوئی سانسوں میں کچھ گیت سے گاؤں گا
عقل و دل و جاں کھو کر کچھ ڈھونڈنے آؤں گا
پھر تیرے تبسم کو رنگین بناؤں گا
سمٹے ہوئے اشکوں کو روداد سناؤں گا
پردیس کی گلیوں میں پھر ٹھوکریں کھاؤں گا
دنیائے تصور میں پھر کھینچ کے لاؤں گا

میں تیرے تخیل کے ہر رنگ پہ چھایا ہوں
تو لاکھ بھلائے جا، میں یاد ہی آؤں گا
~~~~~~~~~~

چھمّا دیوی ترسن

شیورانی دیوی اہلیہ منشی پریم چند مرحوم کا

ایک بلند پایہ بصیرت افروز معاشرتی افسانہ

پنڈت اوما ناتھ پریاگ کے اچھے رئیس ہیں۔ خیالات نئے ہیں لیکن عمل کورانہ ہے۔ پرانے رسم و رواج پر سماج کی جن برائیوں کو برا سمجھتے ہیں۔ انہیں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ چھوت چھات کو بیوقوفی کہتے ہیں۔ مگر جاڑے میں بھی کپڑے اتار کر کھانا کھاتے ہیں سود کی برائی بیان کرتے ہیں۔ لیکن اپنے اسامیوں سے سختی سے سود وصول کرتے ہیں۔ اگر کبھی دل مضبوط کر کے کسی رسم کو توڑنا چاہتے تو اوما آگے بڑھ کر روک بن جاتی ہے

وہ کمسنی کی شادی کے مخالف تھے لیکن جب ایک اچھے خاندان کا لڑکا مل گیا۔ اور اوما نے اصرار کیا۔ تو چھما کی گیارہ سال کی عمر میں شادی کر دی۔ لیکن رخصتی سے پہلے ہی چھما بیوہ ہو گئی۔ تو بچپن کی بیوہ لڑکیوں کی دوسری شادی کے حامی ہونے کے باوجود پنڈت جی اس کی دوسری شادی نہ کر سکے۔ اسے اسکول میں پڑھنے بھیج دیا۔ یہاں تک کہ چھما بچپن گذار کر جوان ہو گئی۔ اور اب اسے اپنی تنہائی شاق گذرنے لگی۔ اسکی تمام سہیلیاں سہاگنیں بن گئیں۔ کنوں کی گود میں بچے کھیلنے لگے۔ انہیں نئے نئے افکار اور نئی نئی تمناؤں نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ لیکن چھما کے لئے وہی سکول تھا۔ وہی کتابیں تھیں۔ اور وہی اپنا گھر تھا جس سے اسے روز بروز نفرت ہوتی جاتی تھی۔ اسے دردسر کی شکایت رہتی اور رفتہ رفتہ اس کی صحت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن وہ کسی کھیل کود میں حصہ نہیں لیتی تھی اسے اپنی بیوگی پر غم نہیں بلکہ غصہ آتا تھا۔ جس کو کسی طرح دور نہ کرنے کے باعث وہ اپنی ہی جان کو گھلا رہی تھی۔

ایک روز اوما ناتھ نے بیوی سے کہا۔ میں چاہتا ہوں کوئی اچھا لڑکا مل جائے تو چھما کی شادی کر دوں۔ بلا سے لوگ ہنسیں گے۔ اس کی زندگی تو خوشگوار ہو جائے گی۔ سکھ دکھ تو قسمت کے ہاتھ میں ہے کم سے کم اسے تسلی تو جائیگی کہ جو زندگی دوسری عورتوں کے لئے راحت اور خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ وہ اسے بھی حاصل ہے۔"

اوما نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ زبان دانتوں تلے دبالی۔ آنکھیں پھیلا دیں۔ اور ایک سانس میں بھگوان سے لیکر اپنی بھاگ تک کو کوس کر رکھ دیا۔

پنڈت جی نے زور دیکر کہا۔ لیکن خیال کرو۔ اس حالت میں وہ کب تک رہیگی رہنے کو تو ایسی لاکھوں بیوائیں آج بھی پڑی ہوئی ہیں۔

"لیکن میں چھما کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔"

"کوئی رنج و غم سے کہاں تک بھاگے گا۔ اسے تو جھیلنا ہی پڑیگا۔ کسی کو شوہر کا غم ہے کسی کو بیٹے کا کسی کو مال و دولت کا۔ دنیا میں تو یہ سب لگا ہی ہوا ہے"

"لیکن جس مرض کا علاج ہو سکتا ہے۔ اسے پالنے کی ضرورت کیا ہے۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر یہ بات بھی سوچنے کے لائق ہے۔ اگر آج میں مر جاؤں۔ اور میرے غم میں تم بھی مر جاؤ۔ تو چھما کا کیا حال ہوگا۔؟"

"چھیا پاپا۔ تمہارے جو جی میں آئے کرو۔ بے بات کی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ آدمی صلاح کی بات بھی کہتا ہے۔ تو منہ سے بدشگونی کی باتیں نکالنے لگتے ہو۔" یہ کہتی ہوئی اوما وہاں سے جھلائی ہوئی چلی گئی

پنڈت جی بیٹی کے لئے شوہر تلاش کرنے لگے۔ مگر شوہر نہ ملا۔ ملا بھی تو ادھیڑ یا سماج سے نکالا ہوا۔ یا مفلس و قلاش۔ اسی طرح مہینوں گذر گئے بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ایک نوجوان ملا۔ جس کے ماں باپ نہ تھے۔ لیکن تھا ذہین اور اپنی کوشش اور سعی سے تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہ اس شرط پر راضی ہوا۔ کہ اسے ولایت جانے کے لئے پانچہزار روپے دیئے جائیں۔ پنڈت جی راضی ہو گئے۔ اپنا گھر بیچ ڈالیں گے۔ سب لڑکی ہی کا تو ہے ابھی لے لے یا مرنے کے بعد۔

مگر جب چھما کو معلوم ہوا تو اس نے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا۔ کہ اُسے یہ ذلت گوارا نہیں۔ جو شخص اس کی مصیبت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنا مقصد پورا کرنا چاہتا ہے۔ اس سے وہ کسی طرح شادی نہیں کر سکتی

اوما نے سمجھایا۔" لیکن مانگ تو رہا ہے اچھے ہی کام کے لئے۔ وہاں سے لوٹے گا۔ تو کوئی اچھی جگہ پا جائے گا۔" چھما بولی۔ "تم کیا کہتی ہو اماں؟ جو شخص ادھرم سمجھ کر بیوہ سے شادی نہیں کرتا وہ اتنا برا نہیں وہ اپنے بات کا سچا تو ہے۔ یہ روپوں کے لئے وہ کام کرنے کو تیار ہے۔ جسے وہ ادھرم سمجھ رہا ہے۔"

"تجھے کیا مطلب روپے تو ہم دینگے"

"آپ کو توہین کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"اچھی طرح سوچ لیں۔"

"سوچ لیا"

"بدنامی سے بچنا مشکل ہے۔"

"بدنام وہی ہوتے ہیں۔ جو بدنامی کا کام کرتے ہیں۔"

اس روز سے چھما میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی۔ پہلے جو آگ آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی وہ اب ہوا لگنے سے بھڑک اٹھی تھی۔ صبر و سکون نے جوش و ہیجان کی صورت اختیار کر لی تھی۔

کتابوں سے اس کی دلچسپی یکایک ترقی کر گئی۔ اور وہ بڑے شوق سے مطالعہ کرنے لگی۔ اس نے فیصلہ کر لیا۔ کہ وہ کسی مرد کی لونڈی نہ بنے گی۔ وہ اپنی مالک آپ ہوگی۔

آخر مس جوش مس آغا اور مس سلوچنا بن بیاہی رہ کر کیا خوشی اور راحت کی زندگی نہیں گذار رہیں۔ انہیں تو کبھی شادی کا نام لیتے نہیں سنا وہ تو شادی کو غلامی کا پٹہ کہتی ہیں۔ پھر میں غلامی کا پٹہ کیوں لکھاؤں اور کیوں کسی کی لونڈی بنکر رہوں۔ اس جذبہ کے پیدا ہوتے ہی چھما میں ایک عجیب طاقت پیدا ہوگئی۔ اس کی نسوانیت جیسے ڈھل گئی۔ اور اس کے اندر سے گویا ایک سخت پتھر نکل آیا۔ بات بات پر شرمانا۔ ہچکچانا۔ تنہا گھر سے نکلتے ہوئے دل دھڑکنے لگنا۔ مردوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ذلیل سمجھنا رات کو کوئی کھٹکا ہوتے ہی تھر تھر کانپنے لگنا۔ اس قسم کی ساری کمزوریاں دور ہوگئیں۔ بناؤ سنگار بھی اسے برا معلوم ہونے لگا۔ اپنی دوسری سہیلیوں کو وہ پاوڈر اور رنگوں سے ملوث دیکھ کر ان کا مذاق اڑاتی۔ زندگی میں اسے ایک نیا لطف حاصل ہونے لگا۔ اب اس کی زندگی اپنے ہی رنج و راحت کے ساتھ خاص نہ تھی۔ بلکہ اس میں سماج کی خدمت کا احساس و جذبہ بھی پیدا ہوگیا۔

وہ ایم اے کر کے ماسٹری کرنا چاہتی تھی۔ لیکن یکایک اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ اور اسے حصول معاش کی فکر میں مبتلا ہونا پڑا۔ اسے ماں کیلئے بوجھ بنے رہنا گوارا نہ ہوا۔ اور اس نے میڈیکل کالج میں بھرتی ہو کر نرس کی ملازمت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا

اماں نے کہا۔ "تجھے اس کی کیا فکر ہے بیٹی تیرے باپ نے بہت نہیں چھوڑا ہے۔ پھر بھی جو کچھ ہے اس سے ہم دونوں کی زندگی کسی نہ کسی طرح گذر جائے گی مجھے یہ پسند نہیں کہ تو کہیں جا کر نوکری کرے۔ تجھے سوچنا چاہئے کہ اس میں تیرے باپ کی کتنی بدنامی ہوگی۔"

"اس میں بدنامی کی کیا بات ہے اماں! اچھے اچھے گھروں کی عورتیں نرس کا کام کرتی ہیں۔"

"مگر ہمارے یہاں تو رواج نہیں ہے۔"

"تو رواج پھیلانا پڑے گا۔ گھر میں کڑھ کڑھ کر مرنے سے تو یہ کہیں اچھا ہے۔ کہ کام کر کے آرام و راحت کی زندگی گذاری جائے۔"

"لوگ کیا کہیں گے۔ کہ باپ کے مرتے ہی لڑکی نوکری کرنے لگی۔"

"میں تو سمجھتی ہوں اس میں پتا جی کی بدنامی نہیں نیک نامی ہے۔ دولت جمع کرنے کا مطلب میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے۔ کہ دوسروں کا حق دبا لے یہ جتنے موٹے آدمی ہیں سب ہی لٹیرے ہیں۔ اور غریبوں کا خون پی پی کر موٹے بنے ہیں۔"

ایسی باتوں کا ماں کے پاس کیا جواب تھا۔ چھما نے اپنی درخواست میڈیکل کالج بھیجدی اور ایک مہینے کے اندر لکھنؤ چلی گئی۔

دو سال گذر چکے ہیں۔ چھما میڈیکل کالج لکھنؤ میں نرس کا کام کرتی ہے۔ وہ تعلیم یافتہ ہونے کے باعث اپنے کام میں اسقدر ہوشیار ہے اور اپنی ذمہ داری کا اسقدر خیال رکھتی ہے۔ کہ اسپتال میں جب کوئی ٹیڑھے مرض کا مریض آتا ہے۔ تو اس کی تیمارداری پر زیادہ تر چھما ہی مقرر کی جاتی ہے۔ اس پر بھی وہ اپنی لیاقت کو برابر ترقی دینے کی کوشش کرتی رہتی ہے اُسے ڈاکٹروں سے کچھ نہ کچھ سیکھنے کی ہمیشہ دھن رہتی ہے جو مریض اسکے چارج میں آتے ہیں وہ اکثر تندرست ہو جاتے ہیں۔ کئی مریضوں نے تو اس کی خدمت و تیمارداری سے خوش ہو کر اسے بڑی بڑی رقمیں دینی چاہیں مگر چھما نے شکریئے کے ساتھ واپس کر دیں۔ جس سے اس کی شہرت و نیکنامی میں اور اضافہ ہوگیا۔

اب کی گرمیوں میں ایک منصف صاحب میڈیکل کالج کے وارڈ میں داخل ہوئے آپ اچھے شکاری تھے۔ سؤر کا شکار کر رہے تھے۔ نشانہ سؤر پر پڑا ضرور لیکن اس نے اُچھل کر اپنی کھرکھیہ اس طرح ان کی ران میں چبھا دی کہ ساری ران شدید زخمی ہوگئی۔ گوشت غائب ہوگیا۔ ہڈی نکل آئی بیہوش ہو کر گر پڑے۔ ساتھ کے آدمیوں نے دوڑ کر ان کی جان بچائی۔ گھر لائے گئے۔ اور دوا دارو شروع ہوئی۔ مگر کچھ ایسی بے پروائی سے کام لیا گیا۔ کہ زخم بگڑ گیا۔ اور اس میں سے سیروں مواد نکلنے لگا جینے کی امید نہ رہی۔ اس کے بعد میڈیکل کالج آئے اور وارڈ میں داخل ہوگئے۔ چھما ان کی تیمارداری کے لئے مقرر ہوئی۔ منصف صاحب کا نام تھا جٹا شنکر۔

پہلے ہی ہفتے میں مریض کی حالت سدھرنے لگی۔ دیکھنے والے بھی کہتے تھے۔ کہ اتنی فکر و توجہ سے چھما نے پہلے کسی کی تیمارداری نہیں کی تھی۔ کھانے پینے تک کا خیال نہ رہتا۔

ایک دن ڈاکٹر نے کہا۔ "منصف صاحب آپ بڑے خوش نصیب ہیں جو آپ کو مس چھما جیسی نرس ملی۔ پانسو روپے ماہوار خرچ کرنے پر بھی آپ کی اتنی اچھی خدمت اور تیمارداری نہیں ہو سکتی تھی۔"

جٹا شنکر اب اٹھنے بیٹھنے لگے تھے۔ بولے "میں واقعی خوش نصیب ہوں۔ ڈاکٹر صاحب! مجھے تو یقین ہے۔ کہ انہوں نے مجھے بچایا۔ ورنہ آپ کی تجربہ کارانہ کوششیں بھی مجھے نہیں بچا سکتی تھیں۔"

ڈاکٹر صاحب کے جانے کے بعد جٹا شنکر نے چھما کی طرف تشکر آمیز نگاہ ہوں سے دیکھ کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے۔ پچھلے جنم میں آپ سے میرا کوئی گہرا تعلق تھا۔"

چھما نے مسکرا کر کہا۔ "آپ پچھلے جنم کو مانتے ہیں؟"

"پہلے تو میں نہیں مانتا تھا۔ مگر اب ماننا ہوا۔"

"تو آپ نے میرے ساتھ کوئی بہت بڑی نیکی کی ہوگی۔"

"میں تو کسی ایسی کا نیکی تصور بھی نہیں کر سکتا جس کا مجھے اتنا اچھا بدلہ ملے۔"

"میں تو کر سکتی ہوں۔ــــــــ"

"کیا واقعی: تمہاری سمجھ میں کیا آتا ہے ــــــ"

"آپ نے میری بیٹی کی شادی میں روپے پیسے سے مدد کی ہوگی۔"

"مجھے تو اپنی فراخدلی کا یقین نہیں۔ جس زمانے میں میں تعلیم پاتا تھا۔ بہن کی ایک بیوہ سے میری شادی طے پا چکی تھی۔ لیکن میں نے پانچ ہزار جہیز مانگے۔ ایسا ذلیل آدمی کسی کے ساتھ کیا نیکی کر سکتا ہے۔"

چھما کو پہلے ہی یہ بات معلوم ہو چکی تھی۔ لیکن جٹا شنکر کو پتہ نہ تھا۔

چھما نے تمسخر آمیز لہجے میں پوچھا۔ "آپ کو پانچ ہزار جہیز مانگتے ہوئے ذرا بھی پس و پیش نہ ہوا۔"

"کیا کہوں اسوقت ایسی ہی سمجھ تھی۔"

"آخر آپ اس لڑکی کے باپ کو کس قصور پر ایسی سخت سزا دینا چاہتے تھے آپ کو بیوی ملتی۔ آپ کے گھر کا کام کاج کرتی۔ آپ اس کو کھلاتے پہناتے اتنے معمولی خرچ میں شاید آپ اس سے اچھا اور کوئی انتظام نہ کر سکتے۔ وہ لڑکی کوئی یورپین لیڈی تو تھی نہیں جو اس کے آتے ہی آپ کا خرچ بڑھ جاتا وہ تو پیسہ کی جگہ دھیلا ہی خرچ کرتی۔"

"اس کا تجربہ تو اب ہو رہا ہے۔ ایک نوکر کھانا پکاتا ہے دو نوکر دوسرے کاموں کے لئے ہیں۔ پھر بھی ٹھکانے کا کھانا نہیں ملتا۔ جو کچھ پاتا ہوں سب خرچ ہو جاتا ہے۔ اگر کبھی بیمار ہو جاتا ہوں۔ تو کوئی پانی دینے والا نہیں۔"

"تو آپ اب بھی اتنا ہی جہیز مانگتے ہیں۔؟"

"آپ مجھے اور زیادہ شرمندہ نہ کیجئے۔"

"میں آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"خیال کیا ہے۔ مفت کی رقم ہاتھ آجائے اور ذرا دل کھول کر خرچ کروں۔"

"مجھے آپ کی بات پر تعجب ہوتا ہے۔ آپ کیونکر امید کرتے ہیں۔ کہ ایک عورت اسقدر اہانت کے بعد بھی آپ سے محبت کریگی۔"

"عورت کی قدر تو اب سمجھ میں آئی۔"

"آپ سچے دل سے کہتے ہیں۔ کہ اب آپ بغیر جہیز لئے شادی کر لیں گے؟"

"ہاں سچے دل سے کہتا ہوں ہوں۔ البتہ عورت ویسی ہونی چاہیئے۔"

"ویسی عورت جبھی ملے گی۔ جب آپ ویسے مرد ہوں گے۔ آپ اپنے کو اتنا گراں قیمت سمجھتے ہیں۔ کہ جب تک عورت کے پلے پر کئی تھیلیاں روپے کی نہ رکھ دی جائیں وہ آپ کے برابر ہو ہی نہیں سکتی۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی اس سے بری مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"میں آپ سے عہد کرتا ہوں اب جہیز کا نام بھی نہ لونگا۔"

ایک مہینے کے بعد ڈاکٹروں نے جٹا شنکر کو اپنے کام پر واپس جانے کی اجازت دیدی اور اب وہ پورے طور پر صحتیاب ہو گئے تھے زخم کا نشان تک نہ تھا۔ کسی تکلیف کے بغیر میلوں چل سکتے تھے۔ چہرے پر سرخی دوڑنے لگی تھی۔ اور پہلے سے کئی پونڈ وزن بڑھ گیا تھا۔ جانے کے ایک روز پہلے وہ مس چھما کے کمرے میں جا کر بولے۔ "میں کل چلا جاؤنگا چھما دیوی!"

چھما نے افسردگی کے ساتھ جواب دیا۔ "جائیے اور پھر کبھی یہاں نہ آئیے گا۔"

"مجھے تو اس بیماری میں جو آرام ملا۔ وہ زندگی میں کبھی نہ ملا تھا۔ جی چاہتا ہے پھر کوئی بیماری ہو جائے اور یہاں پھر آنا پڑے۔"

"ایشور نہ کرے کہ آپ پھر یہاں آئیں۔"

کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے۔ پھر جٹا شنکر بولے۔ "تمہیں مجھ پر ذرا بھی ترس نہیں آتا ہے چھما!"

"بالکل نہیں"

"کیا وہ ترس میری بیماری ہی تک تھا۔"

"اور کیا۔ اب آپ ایشور کی مہربانی سے تندرست ہو گئے۔ اب مجھ سے آپ کا کیا تعلق؟"

"تم بڑی بے مروت ہو چھما!"

"آپ سے بھی زیادہ!"

"میں تو تمہارے سامنے کھڑا بھیک مانگ رہا ہوں۔ تم نے مجھے موت کے منہ سے نکالا ہے۔ تمہیں میری زندگی کو کامیاب بنا سکتی ہو۔"

"کیسے؟"

"کیا مجھے اسے لفظوں میں بتانا پڑیگا۔ چھما؟"

"میں تمہارے دل کا حال کیا جانوں۔"

"خوب جانتی ہو چھما۔ لیکن نااہل سمجھتی ہو اور ٹھیک سمجھتی ہو۔ میں سو بار جنم لوں پھر بھی تمہارے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن پوجا کیلئے تو صرف بھگتی چاہیئے۔ اور میرا سب کچھ تمہارے قدموں . . . . . "

چھما نے بات کاٹ کر کہا۔ "لیکن میں اپنی مالک آپ نہیں ہوں۔ میرے گھر والے جب تک رضامند ہوں۔ میں خود کچھ نہیں کر سکتی۔ اور یہ کہتے مجھ

بڑی شرم آتی ہے۔ کہ جب تک انہیں کوئی ایسا مرد نہ ملے۔ جو انہیں دس ہزار روپے دے سکے۔ وہ کبھی مجھے چھوڑنے پر راضی نہ ہوں گے۔ میں انہیں پچاس روپے ماہوار دیتی ہوں۔ شادی ہو جانے پر میں انہیں کچھ نہ دے سکونگی۔ کیونکہ اسوقت آپ مجھے کوئی کام نہ کرنے دینگے۔ اور نہ مجھے کوئی کام کرنے کا موقع ہی ملیگا۔ جب تک انہیں اتنے روپے نہ مل جائیں۔ جس کے سود سے انہیں پچاس روپیہ ماہوار ملتا رہے وہ کبھی میری شادی کرنے پر رضامند نہ ہوں گے۔"

جٹاشنکر نے ایک لمبی سانس لیکر کہا: "چھما تم نے ایسی شرط پیش کردی ہے۔ کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ میرے پاس اگر روپے ہوتے تو دس ہزار کیا دس لاکھ تمہارے قدموں پر رکھ دیتا۔ لیکن اسوقت تو میرا ہاتھ خالی ہے الہٰذا سوچو تو چھما کیا محبت کی کوئی قیمت نہیں ہے؟"

چھما نے بھی مجبوری کی ایک سانس لی اور بولی: "میرے لئے محبت اسقدر قیمتی ہے۔ کہ میری جان کے سوا کوئی دوسری چیز اس کی قیمت ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا میرے ماں باپ کے لئے اس محبت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی؟"

چند منٹ تک دونوں پھر خاموش رہے اس کے بعد جٹاشنکر نے جیسے یکایک اندھیرے میں راستہ پاکر کہا: "میں تمہارے ماں باپ سے ملنا چاہتا ہوں مجھے ان کا پتہ بتا دو۔"

"ان سے ملنا فضول ہے۔ میں جانتی ہوں وہ لوگ کسی طرح راضی نہ ہونگے آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کیسے رضامند ہو سکتے ہیں۔ یہ ان کی زندگی کا سوال ہے۔ اگر آپ پچاس روپیہ مہینہ دینے کو کہیں۔ جب بھی وہ راضی نہ ہونگے آدمی کا کیا اعتبار۔ کل کو آپ نہ دیں یا آپ کی نوکری چھوٹ جائے تو وہ بیچارے کس کے دروازے پر جائیں گے۔"

جٹاشنکر کو پھر مایوس ہونا پڑا۔ اور اسدفعہ پانچ منٹ تک خاموشی طاری رہی۔ چھما بولی۔ "چائے بنا کر پلا دوں۔ پھر نہ جانے کب موقع ملے۔"

جٹاشنکر نے آنکھوں میں آنسو لاکر کہا: "اسوقت مجھے دو چار گالیاں دیکر دھتکار بتا دو۔ تو اس سے کہیں اچھا ہو۔"

چھما نے مزاحیہ انداز میں کہا: "اتنے دنوں کے بعد تو آپ میرے ایک چاہنے والے پیدا ہوئے۔ پھر میں آپ کی اسطرح ناقدری کروں؟"

"میں تم سے ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں۔ چھما! تھوڑی دیر کیلئے.. سنجیدگی سے کام لو اور میرے سوال کا جواب دو۔ تمہیں پا سکوں یا نہیں یہ تو میری قسمت پر منحصر ہے۔ لیکن تمہارے اس جواب سے مجھے بڑی تسلی ہوگی۔ تمہیں مجھ سے پریم ہے یا نہیں؟"

چھما نے ڈبڈبائی آنکھوں سے جواب دیا۔ "آپ کیلئے میں اپنی جان دے سکتی ہوں۔"

جٹاشنکر نے کرسی سے اٹھ کر پر جوش لہجے میں کہا: "میری محبت کیا یونہی تمہارے دل میں محفوظ رہے گی؟"

چھما نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: "تم نے یہ سوال کرکے مجھے اپنے جذبات کے اظہار کا بہت اچھا موقع دیدیا۔ شنکر! میں نہ اتنی خوبصورت ہوں۔ کہ کوئی مجھے دیکھ کر ہی مرنے لگے اور نہ ایسی نادان ہوں کہ کوئی مجھے فرضی محبت سے پاگل بنا سکے۔ فرض کی ادائیگی کی اہمیت سمجھنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ ادھر سے بھی کوئی کھٹکا نہیں ہے۔ تم جیسے نیک دل اور فرض شناس مرد کی محبت میری زندگی کی سب سے قیمتی چیز ہے۔ اور میں تم سے صدق دل سے کہتی ہوں کہ جب تک تم مجھے خود اس حق سے محروم نہ کر دوگے۔ میں تمہاری محبت کو سینے سے لگائے رہونگی۔ جب جان جاؤں گی کہ تم نے اپنی شادی کر لی ہے۔ تو رو دھو کر اپنے کو سمجھا لونگی۔ اور دل کو چیر کر اس محبت کو نکال پھینکونگی۔ اس کے پہلے کسی طرح نہیں۔"

دن گذرنے لگے۔ چھما بار بار پچھتاتی کہ ایک فضول سی ضد کر کے اس نے جٹاشنکر کو مایوس کر دیا۔ منصف کی تنخواہ چار پانچ سو روپے ماہوار ہوگی۔ بیچارہ بڑی کفایت شعاری سے کام لے تب کہیں پانچ سال میں دس ہزار روپے جمع کر سکتا ہے۔ پھر اسے اسقدر سخت سزا دینے کا حاصل ہی کیا ہے۔ اگر اس نے جٹاشنکر کو یہ سزا دے بھی دی تو اس سے جہیز کا مسئلہ تو حل ہوتا نہیں۔ اس نے سوچا کیوں نہ لکھ دوں میرے ماں باپ روپیہ لئے بغیر شادی کرنے پر رضامند ہیں۔ کیوں نہ تمام باتیں صاف صاف لکھ دوں ان سے کچھ چھپانے کی ضرورت ہی نہیں ہے ایک مذاق تھا وہ ہو گیا۔ ادھر وہ تڑپ رہے ہیں ادھر میں بے چین ہو رہی ہوں۔ ایک ایک پل کاٹے نہیں کٹتا۔ بیچارے کو نہ جانے کتنی مصیبت اٹھانی پڑیگی اس پچھلے خط کو تو معلوم ہوتا ہے انہوں نے آنسوؤں سے ہی لکھا ہے اب ڈرامے کو ختم ہی کر دینا چاہیئے۔

وہ خط لکھنے کے ارادے سے میز پر جا بیٹھی اتنے میں یکایک جٹاشنکر کی گوش آشنا آواز برآمدے میں سنائی دی۔ وہ نوکر سے پوچھ رہے تھے "مس صاحبہ اندر ہیں یا نہیں؟"

وہ فوراً باہر نکل آئی اور بڑے تپاک سے ان کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گئی۔ جٹاشنکر نے کرسی پر بیٹھتے ہی کہا "میں بڑا خوش قسمت ہوں چھما ایک لاٹری میں مجھے ۲۵ ہزار مل گئے ہیں اور میں اسے تمہارے ماں باپ کی نذر کو لایا ہوں۔ تمہیں اسی گاڑی سے میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ میں یہاں سے گیا تو بہت مایوس تھا۔ تمہیں دل میں کتنا برا بھلا کہا۔ وہ اب یاد نہیں۔ مہینے

میں ایک پیسہ تو بچتا ہی نہیں دس ہزار تو شاید دس سال میں بھی جمع نہ کر سکوں لیکن قسمت آزمائی کے لئے لاٹری کا ایک ٹکٹ خرید لیا۔ پہلے بھی کئی بار ٹکٹوں پر پیسے گنوا چکا ہوں۔ کچھ امید نہ تھی۔ لیکن ٹکٹ لے ہی لیا۔ کل تار سے خبر آئی کہ پچیس ہزار ملے۔ اور اس کے آدھ گھنٹے بعد ہی الہ آباد بنک نے میرے نام اس رقم کا چیک بھیج دیا۔ اب زیادہ دیر نہ کر۔ میں چل کر ماتا جی کے چرنوں پر چیک رکھ دوں اور ان کا اشیر باد لوں۔ اور دہیں ہم دونوں شادی کے دائمی رشتے میں منسلک ہو جائیں"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے چیک نکال کر میز پر رکھ دیا۔

چھما نے اس پر خوشی کی ایک نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "میرا دل چاہتا ہے۔ اماں کو یہ روپے نہ دیکر خود ہی رکھ لوں۔ لیکن پہلے کپڑے وغیرہ اتارو کچھ کھاؤ پیو۔ پھر آرام سے چلیں گے۔ نہیں اماں کو یہیں کیوں نہ بلا لوں اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ سب میری ہی شرارت تھی۔ جس پر میں روز پچھتاتی تھی"۔

جٹا شنکر نے تعجب سے کہا۔ "کیا واقعی! تم نے کتنا زبردست چکمہ دیا۔ کتنی بیرحم ہو تم۔ اگر یہ لاٹری نہ نکل آتی تو میں تمہاری چوکھٹ پہ سر ٹکتا رہ جاتا"۔

"بے رحمی پہلے تمہاری طرف سے ہوئی"۔

"میری طرف سے؟"

"جی ہاں: حضور۔ بچپن کی جس بیوہ سے شادی کرنے کا معاوضہ آپ پانچ ہزار روپے مانگ رہے تھے۔ وہ یہی مس چھما یا چھما دیوی ہیں"۔

جٹا شنکر نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ اور بولا۔ "ذرا پنکھا کھول دو چھما مجھے چکر معلوم ہو رہا ہے۔ تمہیں چاہیئے تھا۔ کہ مجھ جیسے حیوان کو ٹھوکر مار کر نکال دیتیں آج مجھے اپنی دنائت کا احساس ہو رہا ہے اور جی چاہتا ہے کہ تم مجھے کھمبے سے باندھ کر ایک ہزار جوتے لگاؤ۔ قسم لو جو میں منہ سے ایک چیخ بھی نکالوں۔ نہیں چھما میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ تم جیسی سورگ کی دیوی کے ساتھ یہ سلوک!" چھما نے پنکھا کھول دیا۔ اور اس کے گلے لپٹ کر بولی "اب ان باتوں کو بھول جاؤ شنکر تم اسوقت تو عورت کی ذرہ سے نا واقف تھے اور مجھے خدمت کا موقع نہ ملا تھا۔ وہی لڑکی جس کو تم نے ٹھکرا دیا تھا۔ آج تمہارے گلے لگی ہوئی ہے یہ اس کی انتہائی خوش قسمتی ہے۔ مجھے تو آج اس ناقدری میں بھی لطف آ رہا ہے"۔

سائنس کی دنیا

یورپ کے سائنسدانوں نے ایسی مشینیں بکثرت ایجاد کی ہیں جن میں اگر مناسب رقم ڈال دی جائے تو مطلوبہ چیز باہر آجاتی ہے، لیکن کسی ہندوستانی نے ایسی ایجادوں کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ اب بیدر صوبہ کے ایک شخص نے ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے، جس میں اگر اکنی ڈال دی جائے تو بٹن دبانے سے سگریٹ باہر آجاتے ہیں اگر صرف ایک ٹکٹ مطلوب ہو تو مشین کے اندر صرف ایک پیسہ ڈالنا کافی ہے، اگر اسٹاک ختم ہو جائے تو اکنی یا پیسہ مشین کے اندر نہیں جاتا معلوم ہوا ہے کہ موجد اس ایجاد کو کلکتہ سے اپنے نام پیٹنٹ کرانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر یہ چیز مارکیٹ میں آگئی تو بہت مفید ثابت ہوگی۔

امریکہ کے ایک کیمیا دان نے ایک ایسا کاغذ ایجاد کیا ہے جس کو دھو کر صاف کیا جاسکتا ہے اس مقصد کے لئے اس نے ایک دوا بنائی ہے جس کو اگر عام کاغذ پر مل دیا جائے تو وہ نہ صرف [illegible] مدت تک محفوظ رکھا جاسکتا ہے بلکہ بوقت ضرورت اسے دھو کر صاف بھی کیا جاسکتا ہے تجارتی کتابوں اور تاش کے پتوں وغیرہ کے لئے یہ کیمیائی حل بہت مفید ثابت ہوگا۔

ہنگری کے ایک موجد نے ایسے سگریٹ ایجاد کئے ہیں جن میں سے سبز، سرخ، گلابی، سفید اور زرد دھواں خارج ہوتا ہے، یہ سگریٹ عورتوں کے مختلف لباس کی ہم رنگی کی خاطر بنائے گئے ہیں معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہنگری نے اسکے موجد کو انعام دیا ہے۔

الیکسس جو انگلستان میں واقع ہے کے ایک مسٹر جبال باغبان نے تجربات کے بعد معلوم کیا ہے کہ اگر پودوں کو بجلی کی خوراک کھلائی جائے تو ان کے پھول زیادہ خوشرنگ اور مضبوط ہو جاتے ہیں، چنانچہ اس نے ٹماٹر کے پودوں کو ایک برقی تار سے باندھ دیا۔ چند دن کے بعد معلوم ہوا کہ وہ نہایت خوشنما اور خوبصورت ہوگئے ہیں غالباً وہ برقی لہروں کی خوراک کھاتے رہے خیال کیا جاتا ہے کہ اگر پودے کھاد کے بجائے بجلی کی لہروں کے زیر اثر رکھے جائیں، تو وہ زیادہ پھلتے اور پھولتے ہیں۔

بلجیم کے ایک شخص زیمر نے دنیا کا عجیب ترین کلاک تیار کیا ہے، اسکے اندر نوے ڈائل ہیں جن سے نہ صرف دنیا کے تمام حصوں کا صحیح وقت معلوم ہو سکتا ہے بلکہ زمین سورج اور چاند کی گردش اور مختلف مقامات کے مدوجزر کا بھی علم ہوتا رہتا ہے۔ اس گھڑی کی بہت سی سوئیاں ہیں جو مختلف رفتار سے حرکت کرتی ہیں، سب سے تیز سوئی ایک سیکنڈ میں ۶ دفعہ چکر کاٹتی ہے اور سب سے سست سوئی ۲۰ ہزار سال میں صرف ایک دفعہ چکر کاٹے گی۔

قدیم یونانی اپنے زیور اور بت قسطنطنیہ کے ایک چشمہ میں ڈبوتے تھے تو ان پر سبز رنگ چڑھ جاتا تھا۔ اب سائنسدانوں نے اس چشمہ کے پانی کا تجزیہ کیا ہے۔ تو معلوم ہوا ہے کہ اس میں پوٹاشیم کلورائڈ ایرن اور بعض دیگر کیمیائی مرکبات پائے جاتے ہیں جب کوئی چیز اس میں ڈالی جاتی ہے تو وہ سبز رنگ کی ہو جاتی ہے چنانچہ حکومت نے چشمہ کے قریب رنگسازی کا ایک کارخانہ قائم کیا ہے جس کا کام پانی سے رنگ کو علیحدہ کرکے اسے صنعت و حرفت اور فنون لطیفہ کے لئے فروخت کرنا ہوگا۔

امریکہ کے ہوٹلوں، ریلوے اسٹیشنوں اور بڑی دکانوں پر ایسی مشینیں نصب ہیں جو چوبیس گھنٹے غیر متوقع حوادث سے بچاؤ کے لئے مسافروں کا بیمہ خود بخود کرتی ہیں مشین کے سوراخ میں سکہ ڈالنے سے ایک تختی باہر نکلتی ہے بیمہ کرانے والا اپنا نام اور اپنے وارث کا نام درج کرتا ہے، مشین میں پالیسی درج کرنے کا وقت اور تاریخ خود بخود درج ہو جاتی ہے اس طرح زیادہ سے زیادہ ۵ ہزار ڈالر کا بیمہ کرایا جا سکتا ہے اس سب کاروائی کے بعد مشین سے ایک پروانہ نکلتا ہے جس کی ایک نقل مشین میں رہتی ہے دوسری بیمہ کنندہ خود رکھ لیتا ہے۔

امریکہ کی بڑی کالونیوں، ہوٹلوں اور سینماؤں میں ٹیلیگرام مشین لگی رہتی ہے ایک خاص قسم کے کاغذ پر جو وہاں موجود ہوتا ہے تار کا مضمون درج کرکے اس میں ڈال دیا جاتا ہے۔ مشین کے ذریعے اسی وقت وہ تار گھر پہنچ جاتا ہے اسکے بعد مشین سے ایک تختی نمودار ہوتی ہے جس پر تحریر ہوتا ہے کہ "پیغام تار گھر پہنچ رہا ہے" جب تار گھر سے منزل مقصود پر پہنچتا ہے تو ایک اور تختی نکلتی ہے جس پر "شکریہ" درج ہوتا ہے۔

ڈنمارک کے دارالخلافہ کوپن ہیگن کے ریلوے اسٹیشن پر ایک مشین رکھی ہوئی ہے جس میں سکہ گرانے سے ٹائپ کی مشین مع دیگر سامان یعنی کاغذ قلم دوات باہر آجاتی ہے جسے آپ حسب ضرورت استعمال کر سکتے ہیں۔

بعض لوگ خط لکھنے میں کوفت اور کسل محسوس کرتے ہیں ایسے اشخاص کے لئے

رمنی میں خط لکھنے والی مشینیں عام ہو رہی ہیں۔ مشین میں سکہ گرانے کے بعد جو کچھ آپ کو لکھوانا ہے بولتے جائیے کچھ عرصہ بعد آپ کا خط فوٹوگراف ریکارڈ کی صورت میں کاغذ پر اچھی طرح لپٹا اور پیک ہوا باہر نکل آتا ہے اس پر صرف مکتوب الیہ کا پتہ درج کر کے اور ٹکٹ لگا کر آپ اسے عام خط کی طرح لیٹر بکس میں ڈال سکتے ہیں۔

برطانیہ میں ایسے دو سائنسدان ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ وہ موت کی شعاعیں دریافت کر چکے ہیں۔ ان میں ایک گرینڈل میتھیوز ہے جسے شعاع موت والا میتھیوز کہا جاتا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک ایسا مصنوعی یا برقی انسان تیار کر چکا ہے جس سے اس قدر کافی طاقت والی شعاعیں خارج ہوں گی جو بیس قدم کے فاصلے پر انسان کو ہلاک کر دیں گی، یا موٹر کار کو روک دیں گی۔ میتھیوز کے خیال سے یہ ممکن ہے کہ برقی لہروں کے حملہ کا ایسا انتظام ہو جائے جو اڑتے ہوئے طیاروں کو درمیان ہی میں روک لیں اور موٹر کاروں اور اسکے اندر کے انجنوں کو روک کر بیکار کر دیں۔ یہ لہریں بجلی کی سی رفتار کے ساتھ دوڑیں گی۔ طیاروں کو ان کے ذریعہ تباہ نہیں کیا جائیگا۔ البتہ ان کے انجن بند کر کے ان کو زمین پر اتار لیا جائے گا۔

دوسرا سائنسدان جیفرے فیلڈ ہے، جو مسٹر کالج میں لکچرار ہے، وہ بھی شعاع موت کی ایجاد کے لئے مشہور ہے، وہ ایسی مشین تیار کر چکا ہے جس کی شعاعیں تھوڑے فاصلہ والی جاندار چیزوں کو ہلاک کر سکتی ہیں اس کا دعویٰ ہے کہ تمام جانداروں کی اعصابی حرکات برقی ہوتی ہیں، اور برقی لہروں سے ان کو روکا جا سکتا ہے اس طریقہ میں مکھیوں، چوہوں اور بھیڑوں کو ہلاک کیا گیا ہے، اسکی بنائی ہوئی مشین سے مختلف طاقتوں کی لہریں اور شعاعیں پیدا کی جا سکتی ہیں، جو شخص ان کے راستے میں آ جائے گا، وہ کوئی درد یا تکلیف محسوس کئے بغیر مر جائے گا، اسے کبھی ضرور درد محسوس ہو گی مگر وہ گھٹتی جائیگی اور آخر کار اس پر موت کی غشی طاری ہو جائے گی۔

فرانس کے سائنسدانوں نے ایسی ہلکی شعاعیں ایجاد کر لی ہیں جو بندوق سے بطور گولی خارج کی جاتی ہیں ان سے ایسے کارتوس چلائے جاتے ہیں جن میں میگنیشی جیسی چیز بھری جاتی ہے، اور ان کارتوسوں سے زوردار شعاعیں خارج ہوتی ہیں۔ پیرس سے باہر ایک محفل رقص جو کھلے میدان میں منعقد کی گئی اس میں رقص کرنے والوں پر یہ شعاع ڈالی گئی۔ ان کی حرکات یکلخت بند ہو گئیں مگر جب شعاعیں بند کر دی گئیں تو وہ پھر حرکات کرنے لگے، یہ شعاع طیارہ شکن توپوں میں بہت موزوں ثابت ہوں گی، کیونکہ حملہ آور طیاروں میں کام کرنے والے بیہوش اور اندھے ہو جائیں گے ایسے ایک کارتوس سے ایک سیکنڈ میں تین لاکھ موم بتیوں کی روشنی خارج ہو گی، اور اس سے کوئی ہوا باز چند منٹ کے لئے اندھا ہو جائے گا،

نیو یارک میں ایک عجیب ڈاک خانہ رائج ہے جس کو "میل میٹ" کہتے ہیں اگر آپ اس میں خط ڈالدیں تو ڈائل گھوم کر جتنی رقم کی ٹکٹیں اس پر درکار ہوں بتا دے گا، اتنی رقم اس میں گرانے سے خط پر ٹکٹ خود بخود چسپاں ہو جاتا ہے اور ڈاک خانہ کی مہر بھی لگ جاتی ہے ایسی مشینوں میں ڈالے ہوئے خطوط پر ڈاکخانہ میں پھر مہر نہیں لگانی پڑتی۔ اس لئے وقت کی بہت بچت ہو جاتی ہے اور ایسے خطوط فوراً منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔

امریکہ میں جوتوں کی دکانوں، ہوٹلوں، کلبوں، تماشا گاہوں وغیرہ میں تھکاوٹ دور کرنے کیلئے پاؤں کی مالش کرنیوالی مشینیں رکھی ہوئی ہیں جن میں سکہ گرانے سے پانچ منٹ تک پاؤں کی مالش ہوتی رہتی ہے۔

بعض مغربی ممالک میں تھیٹروں میں کرسیوں کے پاس سکہ گرانے سے دوربین نکل آتی ہے جس کو لگا کر اسٹیج کا منظر اچھی طرح نظر آتا ہے۔

نیو یارک کے سائنسدان "کلاتلسا" نے ایسا آلہ تیار کیا ہے جس کے ذریعہ ایسی شعاعیں خارج کی جائیں گی جو سینکڑوں حملہ آور طیاروں کو زمین پر گرا لیں گی، یہ شعاعیں لاکھوں آدمیوں کو جو گھروں سے باہر چل پھر رہے ہوں ہلاک کر ڈالیں گی، مگر ان کے چلانے کے لئے بڑے بڑے آلات درکار ہونگے۔

پوپ کے محل میں دنیا کے مشہور سائنسدانوں کو ایک کانفرنس میں دعوت کی شرکت دی گئی ہے جو پوپ کی سائنس اکیڈمی کی طرف سے روانہ کی گئی ہے، اس میں برطانیہ کی نمائندگی سر جیمز جینز، پروفیسر سر ہیرلڈ جیفریز اور پروفیسر پنیتھ کریں گے،

کانفرنس میں اس مسئلہ پر بحث کی جائیگی کہ زمین کی عمر کتنی ہے یہ اپنی طرز کی پہلی کانفرنس ہوگی جو پوپ کے محل میں نشست کریگی، اور جس میں غیر کیتھولک علماء بھی شامل ہونگے، کانفرنس پرائیوٹ ہوگی، جس کی رپورٹ بعد میں شائع کی جائے گی۔ زمین کی عمر کے متعلق جو متعدد سائنٹیفک نظریئے ہیں وہ سب ایجنڈا میں داخل ہیں، اکیڈمی مذکور کے ستر ممبر ہیں جن میں کیتھولک اور غیر کیتھولک دونوں شامل ہیں، ریاستہائے متحدہ امریکہ، پیرس اور اسٹاک ہوم کے سائنسدانوں کو بھی دعوت شرکت دی گئی ہے، پروفیسر پنیتھ کی رائے میں ٹوٹنے والے تاروں کے مطالعہ کے مطابق زمین کی عمر تین ارب سال کی ہے۔

ہنگری کے ایک سائنسدان پروفیسر سینٹ گورگی نے حیاتین کی ایک اور قسم دریافت کی ہے جس کا نام "سائٹرین" یا "وٹامن پی" رکھا گیا ہے۔ اس سائنسدان نے ۱۹۳۸ء میں نوبل پرائز حاصل کیا تھا یہ حیاتین پی درد گردہ کیلئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے اسکی فوراک چھ سے تین سو ملی گرام تک ہے اسکے کھانے سے مریض بہت جلد تندرست ہو جاتا ہے۔

ایک ڈاکٹر نے انکشاف کیا ہے کہ گرمی برداشت کرنے کا مادہ عورتوں میں مردوں کی نسبت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی جلد مردوں کی نسبت ایک درجہ ٹھنڈی ہوتی ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رات کے وقت ان کے بدن کی تپش گر جاتی ہے۔ حالانکہ مردوں کی تپش ایک درجہ بڑھ جاتی ہے۔

واٹ سٹور جہاز ران کمپنی کے لئے لورپول کے کارخانے میں چوبیس ہزار ٹن کا ایک جہاز تیار کیا گیا ہے۔ جہاز میں علاوہ دوسری خوبیوں کے ایسے آئینے بھی لگائے گئے ہیں جو ہر ایک مسافر کی صحت خوبصورتی کو دوبالا کر سکتے ہیں اس کے علاوہ انہیں دیکھ لینے کے بعد بحری بیماری کا خطرہ بھی نہیں رہتا۔ جب مسافر کھانا کھانے کے لئے طعام خانے کی طرف آتے ہوتے ہیں تو ان کی نظر سب سے پہلے آئینے پر پڑتی ہے، کیونکہ وہ سیڑھیوں میں لگوایا گیا ہے فقط آئینے کے دیکھنے سے افسردگی اور اداسی دور ہو جاتی ہے اور بھوک میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ایک موجد نے اعلان کیا ہے کہ اب موٹر پٹرول کے بغیر بھی چل سکتی ہے، اور پٹرول کے بجائے امونیا کام دے سکتی ہے، امونیا ہوا کے زور سے چلے گی۔ اور نائٹروجن پیدا کریگی، اس نائٹروجن سے پسٹن چلنے لگیں گے، اس کے استعمال میں یہ خوبی ہوگی کہ اگر کبھی موٹر ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گی یا حادثہ ہو تو بھی امونیا سے کسی طرح کا خطرہ نہ ہوگا،

ریڈیم جو بیسویں صدی کی ایک نہایت مفید دریافت ہے اس کے نکالنے کیلئے کینیڈا کے مقام "ولی پیک" سے دو سو میل کے فاصلے پر ایک عظیم الشان کارخانہ قائم کیا ہے جس پر لاکھوں روپیہ صرف کیا گیا ہے اب عنقریب ریڈیم کی نکاسی تجارتی اور طبی اغراض کیلئے شروع ہو جائیگی تمام سلطنت برطانیہ میں یہ کارخانہ اپنی نوعیت کا واحد رہیگا امید کی جاتی ہے کہ ریڈیم اب سلطنت برطانیہ کے تمام مقبوضات ممالک کیلئے آسانی کیساتھ مہیا ہو سکے گی، اس کارخانے کے بنانے والوں نے فیصلہ کیا ہے کہ تجارتی ضرورتوں کی نسبت طبی اور تجرباتی کاموں کیلئے ریڈیم مہیا کرنے کو ترجیح دی جائے گی،

پروفیسر سی جے براؤننگ کلاسگو نے لیبارٹری میں چوہوں پر عمل کرنے کے بعد معلوم کیا ہے کہ علاج الامراض میں منشی اشیا کا اثر بہت تیز اور جلدی ہوتا ہے اس کی تصدیق پروفیسر کیمبل نے بھی اپنے تجربات سے کی ہے ڈاکٹر ڈبلیو ایف گیسفرڈ (برمنگھم) نے ثابت کیا ہے کہ افیون وغیرہ کے ذریعہ نمونیہ کے مریضوں کی اموات میں معتدبہ کمی ہوگئی ہے گردن توڑ بخار، ریڑھ کی ہڈی کے بخار، اور امراض تناسلی میں ہر طرح اور نشہ والی چیزوں کی کارکردگی یورپ کے اکثر ڈاکٹروں نے تسلیم کرلی ہے،

نیویارک کی بین الاقوامی نمائش میں ۷ فٹ لمبا اور ساڑھے چار من وزنی "الکٹرو" نام کا ایک مصنوعی انسان بنایا گیا ہے وہ چلنے سے لیکر سگریٹ پینے تک ۲۶ طرح کے کام کرتا ہے، وہ انگلیوں سے سلام کرتا ہے اور انگلیوں پہ دس تک گنتی گنتا ہے،

سورج کی کرنوں کو عام طور پر زندگی بخش خیال کیا جاتا ہے مگر اب متعدد سائنسدانوں کا بیان ہے کہ انسان کی موت بیماری یا کبرسنی کے باعث نہیں ہوتی، بلکہ سورج سے موت کی شعاعیں برابر انسان پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں اور جب ان شعاعوں کا انسان پر کامل تسلط ہو جاتا ہے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے، جوانی کی حالت میں تو سورج کی مہلک شعاعوں سے انسانی جسم سے زندگی کا جو مادہ فنا ہوتا ہے وہ از سر نو پیدا ہو جاتا ہے لیکن بڑھاپے میں فنا شدہ مادے کے عوض دوسرا مادہ جلدی تیار نہیں ہوتا اسی لئے رفتہ رفتہ انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ سائنسدانوں کا بیان ہے کہ موت کی کرنیں ۱۹ فٹ سے زیادہ موٹے سیسے کی چادر کو پار نہیں کر سکتی۔ اس لئے اگر ۳۰ فٹ موٹی سیسے کی دیواروں میں انسان رہے تو وہ موت

سفید پانی کی بیمار عورتیں

عورت کی پوشیدہ بیماریوں میں سے سب سے زیادہ تباہ کن اور جوانی کو برباد کرنے والی سفید پانی کی بیماری ہے۔ جسے سیلان الرحم کہتے ہیں۔ اور جس کی علامت یہ ہے کہ عورت کے خفیہ جسم سے وقت بے وقت سفید رنگ یا زرد رنگ کی لیسدار رطوبت یا پانی جانے لگتا ہے۔ یہ پانی عورت کی جوانی کا جوہر ہوتا ہے۔ جوں جوں یہ سفید پانی خارج ہوتا رہتا ہے۔ عورت نڈھال ہوتی چلی جاتی ہے اس کی جوانی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چہرہ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور بہت اداس رہنے لگتی ہے۔ کمر اور پنڈلیوں میں بلکہ تقریباً تمام بدن میں درد ایسا رہتی ہے۔ جو لوگ عورتوں کی اس بیماری کا علاج نہیں کرتے وہ آخرکار روتے ہیں۔ بعض آدمیوں کا خیال ہے کہ عورت کی بیماری سیلان الرحم کا علاج بہت مشکل سے ہوتا ہے یا اس علاج میں زیادہ روپیہ صرف ہوتا ہے۔ یہ ان کی بھول ہے —— کیونکہ

سفید رطوبت کا علاج صرف تین روپے میں ہو جاتا ہے

اب سے کچھ عرصہ پہلے تک یہ علاج مشکل تھا۔ مگر جب سے دہلی کے زنانہ دواخانہ نے دوا "روک" ایجاد کی ہے۔ اور اسکو عورتوں نے استعمال کرنا شروع کیا ہے۔ اس وقت سے خود ڈاکٹر اور حکیم بھی حیران ہیں کہ کتنی خطرناک بیماری کو اور کتنی جلدی دوا روک سے آرام ہو جاتا ہے۔ دوا روک کی ایک شیشی استعمال کرنے کے بعد عورت مکمل تندرست ہو جاتی ہے۔ سفید پانی وغیرہ پھر خارج نہیں ہوتا بڑی موثر اور بارہ سال کی تجربہ میں آئی ہوئی دوا ہے۔ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی** کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی منگا لیجئے۔ قیمت تین روپے محصول ۸؍

اولاد مت ہونے دو

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ بچوں کی کثرت سے مریشان ہوتا ہے یا عورت کی تندرستی زیادہ بچے پیدا کرنے سے خراب ہو جاتی ہے تو ایسی حالت میں عورت کو چاہئے کہ کچھ عرصہ کے لئے اولاد کا پیدا کرنا بند کر دے۔ تاکہ اس کی تندرستی پھر ٹھیک ہو جائے اس کی ترکیب یہ ہے۔ کہ ایک شیشی دوا "**روسیل**" منگا کر عورت اپنے پاس رکھ لے۔ اور "خاص وقت" سے پہلے اس دوا کی ایک خوراک عورت کھا لے۔ حمل نہ ٹھہر سکے گا۔ چنانچہ جب تک یہ عمل رہے گا۔ عورت کو حمل نہیں ٹھہر سکتا۔ اور جب اس دوا کا استعمال ترک کر دے گی حمل ٹھہر جانا ممکن ہے۔ اس دوا سے عورت کی تندرستی پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔ ایک شیشی میں اسی مرتبہ استعمال کے لائق دوا ہوتی ہے اور اس کی قیمت چار روپے آٹھ آنے ہے۔ محصول ڈاک گیارہ آنے ہے۔ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی** کو خط لکھ کر بذریعہ وی پی منگا لیجئے اور "خاص وقت" سے پہلے ایک خوراک کھا لیجئے۔ حمل نہ ٹھہر سکے گا۔ اور عورت کی تندرستی بگڑنے سے بچ جائے گی

دمہ کا مرض لاعلاج ہے

دمہ کے مریضوں سے آج کل کے حکیم کہہ دیتے ہیں کہ علاج مت کرو کیونکہ دمہ کا مرض لاعلاج ہے۔ یعنی اس مرض کو آرام ہی نہیں ہوتا۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ دمہ کا مریض صرف سات روز میں تندرست کیا جاسکتا ہے۔ یہ دعویٰ اگر آزمانا ہو تو دمہ کے کسی مریض کو دوا "**سالسول**" استعمال کرا دو۔ ایک ہفتہ کے بعد خود دیکھ لینا کہ دمہ کا مرض کس طرح ایک ہفتہ میں دور ہو سکتا ہے۔ دمہ کی یہ دوا ہندوستان کے ایک بہت بڑے طبیب کا نسخہ ہے۔ ہزارہا مریض اس موذی مرض سے نجات پا چکے ہیں۔ دمہ خواہ کسی قسم کا ہو۔ سانس کی کیسی ہی تکلیف ہو دوا "سالسول" چند روز میں مریض کو بالکل تندرست کر دیتی ہے۔ ہزاروں جگہ کی آزمائی ہوئی دوا ہے۔ قیمت بھی بہت کم یعنی ایک شیشی دوا "سالسول" ایک روپیہ چھ آنے کی ہے اور اس پر سات آنے محصول ڈاک کے خرچ ہوں گے دوا منگانے کا پتہ:۔

مینیجر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی

عورت کو ہر مہینے...... تکلیف اور درد

اس مرض کی زیادہ تفصیل لکھنی خلاف تہذیب ہے۔ اگر کوئی بہن اس موذی مرض میں گرفتار ہوں۔ اور ہر مہینے ماہواری کے دنوں میں کئی کئی دن تک سخت درد۔ درد حیض کی تکلیف اٹھاتی ہوں یا بے قاعدگی ہو۔ یا خون کم آتا ہو۔ یا زیادتی ہو یا کمر کی اور درد پنڈلیوں اور پیٹ میں سخت درد کے بعد فراغت ہوتی ہو تو انہیں چاہئے کہ مندرجہ ذیل پتہ پر خط لکھ کر دوا "کورس" کی صرف ایک شیشی بذریعہ وی پی پارسل منگا کر استعمال کر لیں اس دوا کا عجیب اثر یہ ہے کہ خواہ ہر مہینے درد اور سخت تکلیف ہوتی ہو یا کمی ہو یا زیادتی ہو یا مخصوص دنوں میں بے ہوشی وغیرہ کے دورے پڑتے ہوں یا خواہ کوئی بھی بے قاعدگی ہو ہر صورت میں دوا ایسی کارگر ہوتی ہے کہ اس کے استعمال کے بعد ہر مہینے نہ کوئی درد یا تکلیف ہوگی اور نہ کمی بیشی کی شکایت رہے گی بلکہ ایک وقت معین ہو جائے گا یعنی بالکل قدرتی حالات میں بغیر کسی درد یا بے چینی کے ہر ماہ ماہواری ایام آنے لگیں گے۔ یہ دوا بہت مشہور دوا ہے اور ہزاروں عورتوں نے استعمال کر کے دواخانہ کو سارٹیفکٹ بھیجے ہیں۔ ایک شیشی کورس جو ایک مریضہ کے لئے کافی ہے کی قیمت دو روپے آٹھ آنہ (۲/۸) محصول ڈاک سات آنے (۷) منگانے کا پتہ:۔

لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پل بنگش ۱۰۰۰ دہلی

دو روپے میں اصلی فوٹو کیمرہ

جس سے ہر شخص نہایت آسانی کے ساتھ جس کا چاہے فوٹو لے سکتا ہے۔ فوٹو نہایت صاف اور خوبصورت آتا ہے۔ سیکھنے کی بھی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ طریقہ استعمال سمجھانے کیلئے چھپی ہوئی ترکیب استعمال کیمرہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ تصویر کشی کے فلم کارڈ اور تصویر کو صاف کرنے اور دھونے کا مصالحہ وغیرہ بھی کیمرہ کے ساتھ مفت ملتا ہے۔

اس فوٹو کیمرہ کی قیمت بارہ روپے تھی۔ اور جرمنی اور امریکہ وغیرہ سے تیار ہو کر آتا تھا۔ لیکن جاپان کی مشہور عالم تجارت نے اس کو بھی تاک لیا۔ اور بالکل وہی چیز بنا کر ہندوستان میں بھیجدی اور پھر لطف یہ کہ یہ کیمرہ بہت اعلیٰ اور بہتر کام کرتا ہے۔ اور بہت مضبوط اور کارآمد چیز ہے۔ درحقیقت جاپان نے تجارت کے معاملہ میں تمام دنیا کو نیچا دکھایا ہے۔ وہی چیز کسی زمانہ میں بارہ روپے کو ملتی تھی اور اب بالکل وہی چیز دو روپے کو مل رہی ہے۔ چونکہ ایک پائیدار اور کارآمد چیز تھی۔ لہذا کامیاب بکڈپو نے میل آرڈر بزنس کیلئے اس کی ایجنسی حاصل کر لی۔ گو ہندوستان کے عام تاجر اس کیمرہ کی قیمت تین روپے لیتے ہیں۔ مگر ہم نے کم سے کم قیمت یعنی دو روپے کا اعلان کر دیا ہے۔ اور اس فوٹو کیمرہ کے ساتھ تصویر کشی کے فلم کارڈ مصالحہ وغیرہ غرضکہ کمل سامان مفت دیتے ہیں۔ ناظرین "مست قلندر" میں سے جو حضرات فوٹو کیمرہ اپنے پاس رکھنے کے شوقین ہوں وہ **منیجر کامیاب بکڈپو پل بنگش ۱۰۰۰ دہلی** کے پتہ پر ایک کارڈ لکھ کر یہ فوٹو کیمرہ بذریعہ وی۔ پی پارسل طلب کر لیں۔ قیمت ایک فوٹو کیمرہ صرف دو روپے (۲/) محصول ڈاک اس پر سات آنے (۷) لگتا ہے۔ (دو کیمرے ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف)

انگریز اور بندر لال کیوں ہوتے ہیں؟

انگریز کا چہرہ اس لئے سرخ ہوتا ہے کہ وہ غذائیں کھاتا ہے۔ اور بے فکر رہتا ہے۔ بندر کا چہرہ اس لئے سرخ ہوتا ہے کہ وہ پہاڑی بوٹیاں کھاتا ہے اور اس کے جسم میں نیا خون پیدا ہوتا ہے۔ مگر ہندوستانی آدمی دن بدن کمزور اور زرد ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر یہ ہندوستانی بھی پہاڑی جڑی بوٹیوں کا استعمال رکھے تو اس کا بدن بھی سرخ سفید ہو جائے۔ سب جانتے ہیں کہ ہندوستان کی مشہور دوا "**معجون کاشمیری**" کشمیر کی ایک پہاڑی بوٹی سے تیار ہوتی ہے۔ کمزور عورت مرد اور دبلے پتلے آدمی اور بچے اگر ایک شیشی معجون کاشمیری استعمال کریں تو صرف پندرہ دن میں ان کے جسم اور چہرہ پر وہی کیفیت پیدا ہو جائے جو ایک مکمل تندرست اور مضبوط انسان کے چہرہ پر ہونی چاہئے۔ معجون کاشمیری کی ایک خوراک انسانی بدن میں دو تولہ نیا خون روزانہ بڑھاتی ہے۔ سائنس کا یہ زندہ کارنامہ ہے۔ جسے انسانی تندرستی کے لئے آب حیات کا درجہ حاصل ہو گیا۔ لاتعداد مریضوں نے معجون کاشمیری سے اپنے جسم میں وہ حیرت انگیز انقلاب پیدا کر لیا کہ انہیں اب مریض نہیں بلکہ پہلوان کہا جا سکتا ہے۔

یاد رہے کہ معجون کاشمیری" اشتہاری دواؤں سے بہت بلند رتبہ رکھتی ہے۔ اور یہ وہ معرکہ خیز مقوی چیز ہے جس کے مقابلہ پر دنیا کی کوئی دوا اور غذا نہیں آ سکی۔

شباب انگیز جوانی اور نہ برداشت ہونے والی قوت مردانگی حاصل کرنے کے لئے "معجون کاشمیری" کی صرف ایک شیشی استعمال کر لیجئے۔ اور اس کے بعد آپ خود ہی اس دوا کے مجسم اشتہار بن جائیں گے۔ ایک شیشی میں تقریباً ۴۰ خوراک دوا ہوتی ہے قیمت فی شیشی چار روپے سات آنے ہے۔ **منیجر زنانہ دواخانہ پی بکس ۱۳۴ دہلی** کے پتہ پر ایک خط لکھ کر ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ گیارہ آنے محصول ڈاک کے خرچ ہوتے ہیں۔

نوٹ کر لیجئے جس ملک کی آب و ہوا میں آپ رہتے ہیں اسی کے لحاظ سے معجون کاشمیری کا مرکب ہے اور اسکی ایک ایک خوراک اپنے اثر کا پکا اور نمایاں ثبوت پیش کرتی ہے۔ امید ہے کہ ہندوستان کے دبلے پتلے اور کمزور باشندے اس عجیب پہاڑی اور مقوی دوا سے فائدہ اٹھائیں گے۔

سوزاک کا شرطیہ علاج

پرانا سوزاک ہو یا نیا۔ اور خواہ کتنی ہی تکلیف بڑھ گئی ہو؟ اگر ایک شیشی کلوزول اس بیماری کو دور نہ کرے تو ہر حال میں قیمت واپس یہ وہ دعویٰ ہے جو علی الاعلان سال ہا سال سے منظر عام پر ہے۔ "کلوزول" دوا نے سینکڑوں مریضان سوزاک کو تندرست کر دیا ہے ہر ولایتی دوا کے مقابلہ پر کلوزول "اول نمبر" رہی ہے اور نوے فیصدی سوزاک کے مریضوں کو مکمل تندرست کر کے دکھایا خود سینکڑوں ڈاکٹر معترف ہیں کہ کلوزول سے بہتر سوزاک کا دوسرا کوئی علاج نہیں۔

ایک ہفتہ کے بعد مریض خود بخود اس دوا کا معتقد ہو جاتا ہے کیونکہ کلوزول کی ایک ایک خوراک اپنا اثر ثابت کرتی چلی جاتی ہے اور پوری شیشی استعمال کر چکنے کے بعد مریض مکمل تندرست ہو جاتا ہے اگر آپ یا آپ کا کوئی بھائی کو ضرورت ہو تو **منیجر زنانہ دواخانہ پی بکس ۱۳۴ دہلی** کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے ایک شیشی کلوزول کی قیمت دو روپے نو آنے محصول ۱۰/

پیشاب کے بعد سفید قطرہ

اگر کسی مرد کو پیشاب کرنے کے بعد یا پیشاب سے پہلے یا بیوی کے قریب جانے سے پیشتر ہی سفید قطرہ آ جائے (یعنی مادہ خارج ہو جائے) تو اسے جریان کی بیماری کہتے ہیں۔ جریان بڑا موذی اور دردناک مرض ہے اس کا فوراً علاج ضروری ہے۔ **علاج** ہندوستان کے لاتعداد ڈاکٹروں کا فیصلہ ہے کہ جریان کا مرض دور کرنے کی دوا جوہر اعظم سے بہتر اور کوئی علاج نہیں۔ اس دوا کے استعمال کے بعد یہ مرض بالکل ختم ہو جاتا ہے اگر رات کو سوتے میں احتلام (یعنی خواب) ہو جاتا ہے یا پیشاب سے پہلے یا بعد میں سفید رطوبت خارج ہوتی ہے یا سرعت کی شکایت ہے تو اس سے غفلت ہرگز نہ کرنا چاہئے ایک خط **منیجر زنانہ دواخانہ پی بکس ۱۳۴ دہلی** کے پتہ پر لکھ کر جوہر اعظم دوا کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی منگا کر استعمال کیجئے جریان کا مرض ایسا جاتا رہے گا جیسے تھا ہی نہیں ایک شیشی جوہر اعظم کی قیمت صرف تین روپے آٹھ آنے محصول پارسل اندرون ہندوستان غیر ممالک کے منگانے والوں سے محصول چار روپے ہوگا۔

خودکشی!

از فیاض احمد صاحب شمیم کراچی

"بہار کی کیفیات بھی کس درجہ نشاط انگیز ہوتی ہیں۔ ان حیات افروز رنگینیوں نے روح میں ایک جداگانہ کیفیت کو گدگدا کر بیدار کر دیا۔ میری سوئی ہوئی خواہش پھر جاگ اٹھیں۔ وہ پرانی باتیں جنہیں عرصہ ہوا میں بھلا چکا ہوں۔ بار بار اک مجسم شکل اختیار کرکے آنکھوں کے سامنے چلی آتی ہیں۔ بھولی بسری کہانیاں دماغ کے پردہ پر ایک متحرک تصویر کی طرح رقصاں نظر آ رہی ہیں۔ گزرے ہوئے مسرور دن اور شاداب راتیں۔ بے فکری کی گھڑیاں —— بار بار مجھے یاد آتی ہیں۔ اور میرا دل ایک غیر محسوس طریقہ پر بیٹھا جاتا ہے۔ میں ان گزرے ہوئے لمحات کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اور نہیں کر سکتا۔ زندگی مجھے بیکار محسوس ہو رہی ہے —— ایک خلا —— ایک مہیب سکون مجھے گھیرے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ جی چاہتا ہے۔ سینہ کو گریبان کی منت سے آزاد کرکے بھاگ جاؤں —— !

باہر! شفق کے خون سے آسمان رنگین ہو رہا ہے۔ ایک سرمدی نغمانہ کا شامیانہ معلوم ہو رہا ہے۔ یاسمن کی خوشبو نے قیامت اٹھا رکھی ہے خوش رنگ تتلیاں سرخ گلاب کے پودوں کے اردگرد جمع ہو کر آنکھ مچولی کھیل رہی ہیں۔ کوئل کی پرسوز آواز جگر کو جلائے دیتی ہے۔ رونیدگی —— بالیدگی —— زندگی —— سب طرف زندگی —— اور تخلیق —— نرم نرم، سبز مخملی فرش —— رنگ برنگ پھول —— پرندوں کی چہل پہل —— اور آسمان پر اودے اودے بادل —— آہ! دل پھٹا جاتا ہے۔ بیتابیاں سینے میں مچل رہی ہیں —— !

ایسی ہی مدہوش کن تھی وہ رات جب وہ میری زندگی میں پہلی مرتبہ آئے۔ میں نے انہیں پہلی دیکھا۔ ور اپنی زندگی کا چین اور سکھ انہیں سونپ دیا۔ یہی عالم بہار کی رومان انگیز گھڑیاں تھیں۔ جنہوں نے میرے سینے میں ہلچل مچا کر میرا ان سے تعارف کرا دیا! میں نے انہیں دیکھا اور سب کچھ بھول گیا۔ ان نرگسی آنکھوں کی گہرائیوں میں میں نے اپنی زندگی کا دلسوز بھید ڈھونڈ لیا۔ آہ! وہ رنگین شام جب میں نے انہیں دیکھا۔ وہ باغ کی حسین روش پر خراماں تھے۔ زرکار ریشمی ساڑھی کا پلو ہوا کی بیباکیوں سے اڑ اڑ کر شانوں سے ڈھلکا جا رہا تھا۔ اور وہ اسے سنبھالتے سنبھالتے ہوا کے جھونکوں کے ساتھ دوہرے ہوئے جاتے تھے۔ وہ نرگسی آنکھیں زمین پر جھکی ہوئی کسی شے کی تلاش میں سرگرداں نظر آ رہی تھیں۔ مگر آہ! وہ بھاری جھکے ہوئے پپوٹے ایک شان استغنا سے اٹھے اور میں نے ان دلفریب نگاہوں میں اپنی زندگی کا راز پڑھ لیا۔ دو کنول کے پھول تھے جن میں شبنم کے دو قطروں کی طرح دو حسین تتلیاں رقصاں نظر آ رہی تھیں۔ پلکیں اپنی نکیلی تلواروں سے ان نرگسی کٹوروں پر سایہ کئے تھیں۔ اور ابرو اپنے خنجر کو عریاں کئے انہیں تیز نگاہوں سے چھپانے کے لئے کمربستہ۔ اوہ حیا پرور آنکھیں اٹھیں۔ اور جھک گئیں۔ آہ! —— میں کس طرح اس کیفیت کو بیان کروں کہ میں جو ایک وار کی تاب بھی نہ لا سکتا تھا۔ اس مکرر حملہ سے کسقدر مضمحل ہو گیا۔ زمین میرے پاؤں سے نکل گئی۔ وہ پاس سے ہو کر گزر گئے۔ اور میں اپنی جگہ پر کھڑا سوچتا ہی رہ گیا۔ کہ یہ مجسم قیامت زمین کے کمزور سینہ پر کس طرح وارد ہو سکتی ہے، اس کے تو ہر قدم پر سینکڑوں دل نچھاور ہونے چاہئیں۔ اور یہ نازک پاؤں گوشت کے ان تڑپتے ہوئے لوتھڑوں پر ہی خراماں ہونے چاہئیں۔ مگر پہلو میں ایک دل —— اور وہ بھی اس قدر مضمحل اور پریشان —— پیش تک کئے جانے کے ناقابل —— رکھتے ہوئے میں نے پلکیں سے ایک آہ بھری اور خاموشی سے نیچے بیٹھ گیا۔

جب تک میں نے انہیں نہ دیکھا تھا۔ زندگی پھیکی اور بے کیف معلوم ہوتی تھی۔ میری دلچسپیاں۔ فلسفہ کی خشک کتابوں اور زندگی کے پیچ در پیچ گرشموں کے سلجھانے تک محدود تھیں۔ زندگی کی رنگینیاں اور حیات افروز لمحات میرے لئے ایک خواب پریشاں تھے مگر ان کے دیکھنے کے بعد میں سب کچھ بھول گیا۔ فلسفہ کی کتابیں اور منطق کے اصول سب فراموش ہو گئے۔ ایک کیف میرے دل پر چھا گیا۔ اور میری راتیں ایک نشہ سے مخمور ہو گئیں مجھے زندگی ایک سہانا خواب معلوم دینے لگی۔ جیسے میں نے معرض وجود میں آنے کے بعد پہلی دفعہ دیکھا ہو۔ میں تخیل کی ان رنگینیوں میں کھو گیا۔ اور زندگی میرے لئے ایک طویل پرافسوں اور دلفریب سانس بن کر رہ گئی۔

یہ ملکوتی نسخہ جس نے میری رگ رگ میں زندگی کی تگ و دو کا احساس پیدا کرکے خون گرم کو زیادہ سرگرانی سے موجزن کر دیا۔ ایک نشہ بن کر میرے عضو عضو پر چھا گیا۔ میری زندگی ایک رقصاں گیت بن گئی۔ میری بے کیفیاں —— ایک سرمدی مدہوشی میں تبدیل ہو گئیں۔ اور راتیں ایک کیف آور طویل خواب میں مدہوش! وہ شام گزر گئی۔ اور ایک طویل عرصہ تک میں ان نعمتوں کی رنگینیوں سے یکسر محروم رہا۔ زندگی مجھے ایک طویل بھیانک رات معلوم ہونے لگی۔ یہاں ہے

دن ——— اور رات کی کٹھن گھڑیاں کاٹے نہ کٹتی تھیں۔ یونہی گرمیاں گزر گئیں۔ خزاں آئی اور چلی گئی سردی بھی اپنا جوبن دکھا کر غائب ہو گئی۔ اور پھر بہار لوٹ آئی۔ یاسمن کی خوشبو شمیم جاں تازہ کر رہی تھی۔ سُرخ گلاب کے پھول جھوم جھوم کر بلبل شوریدہ سر کے نغمات حیات اور روزمسّن رہے تھے سورج کے طلائی پیالہ میں زندگی کے چند گھونٹ باقی تھے اور زردیلی کرنیں زردی مائل ہو کر۔ دُور دست جام کو سسکتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں میں ساحل سمندر پر بیٹھا لہروں کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ اپنی زندگی کے ناہموار دنوں کا توازن کر رہا تھا ——— بھولی ہوئی کہانیاں ہر لہر کے چڑھاؤ کے ساتھ مجھے اپنے سامنے رقصاں دکھائی دیتیں حتیٰ کہ وہ لہر میرے پاؤں کو چھو کر چھوٹے چھوٹے حلقوں میں منقسم ہو کر دوبارہ زیادہ جوش سے آنے کے لئے واپس لوٹ جاتی ——— میں ٹکٹکی لگائے مندی ہوئی آنکھوں سے اپنی زندگی کے رنگین دنوں میں کھویا پھر رہا تھا کہ مجھے وہی دلفریب شام یاد آ گئی۔ اور میرا تخیل مجھے اُٹھا کر پھر اُسی باغ میں لے آیا۔ جہاں میں نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ میرے خوابیدہ جذبات بیدار ہو گئے۔ روح میں ایک بے چینی سی پیدا ہو گئی۔ سینہ میں ایک درد اُٹھا اور میری بے چینیاں اپنے اپنے ظلمتکدہ کو روشن کرنے کے لئے میرے سینہ میں جمع ہو گئیں۔ میں گھبرا کر اُٹھا۔

میرے دائیں جانب لوگ ایک حلقہ میں پنجوں کے بل کھڑے ہو کر کسی کو دیکھ رہے تھے۔ ایک مظلوم بھکارن بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر بیہوش ہو گئی تھی ننگے سر ننگے پاؤں۔ پھٹے پرانے چیتھڑے پہنے وہ اس بیہوشی میں بھی اپنے لختِ جگر کو سینے سے لپٹائے تھی۔ لوگ ایک لحظہ کیلئے کھڑے ہو کر اسے دیکھتے اور چل دیتے۔ ایک بھکارن کا شدتِ گرسنگی سے بیہوش ہو جانا دُنیا کے لئے معمولی بات ہے۔ مگر میرا دل انسانیت کو اس حقیر اور بیہودہ صورت میں دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ میں آگے بڑھا۔ اسکے منہ میں پانی ٹپکایا۔ اور گرد اُس کی زندگی عود کر آئی۔ میں نے اُس مٹی سے اٹے ہوئے سر کو اپنا کوٹ اتار کر اُس پر رکھ دیا۔ اُس نے ایک لمبا سانس لیکر حسرت بھری اشک آلود نظروں سے اپنے لال کو دیکھا اور اسکی گردن ڈھلک گئی۔ میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا ———

وہ اپنی تمام لطافتوں کو سمیٹے ہوئے میرے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے میں عالمِ بیخودی میں یک لخت کھڑا ہو گیا۔ اور پھر مجھے اپنے فرض کا خیال واپس لے آیا۔ میرا دل سینے میں فرطِ الم سے بیٹھ گیا۔ میں اپنے لئے فیصلہ نہ کر سکا کہ اس بھکارن مٹی کو ٹھکانے لگاؤں یا اپنے جانفروز لمحات کے دوبارہ لوٹ آنے کی خوشی میں خود بھی جان دیدوں۔ اُنہوں نے میری مجبوری کو سمجھ لیا۔ اور میری طرف بڑھے ——— !

"بیچاری مر گئی شاید ——— !" اُنہوں نے ایک سرور انگیز آواز میں کہا۔

"جی! ——— شاید مر گئی بیچاری ——— !" میں نے گھبرا کر جواب دیا۔

"بہت نیکدل معلوم ہوتے ہیں آپ!" اُنہوں نے مجھے شرمندہ کرنے کے لئے کہا۔ میں نے گردن جھکا لی۔ درحقیقت میری حالت بھی اُس وقت عجیب تھی۔ ٹوپی نہ جانے کہاں پڑی تھی۔ کوٹ بھکارن کے سر تلے تھا۔ اور خود میں پریشانیوں کا مجسمہ بنا زمین پر بیٹھا تھا۔ میں نے اس طنز کو بھی خوش قسمتی تصور کیا۔ اور اپنی اس حالت کو غنیمت۔ اور شاید اس کی بدولت انہیں دیکھنا بھی نصیب ہو گیا۔

"شاید! اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو آپ سے ملاقات بھی نصیب نہ ہوتی۔"

وہ زیرِ لب مسکرا دیئے اور میں دل کو تھام کر رہ گیا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ اور چاند حجلۂ مغرب سے نکل کر اپنی حسین روشنی سے دُنیا کو منور کر رہا تھا۔ تمام فضا ایک خیالی جنت کی طرح دلفریب تھی۔ ——— ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے روح کو ایک سرور آمیز خوشی دے رہے تھے۔ سمندر کے نیلگوں پانی میں چاند کی روشنی منعکس ہو کر ایک عجیب بہار دکھا رہی تھی ——— آہ! وہ حسین شام ——— سامنے ہوا کے ہر جھونکے کیساتھ کانپتا اور تھرتھراتا ہوا سمندر ——— اور ادھر ساحل پر اس دھندلکے میں کرسیوں کی قطار۔ رنگین ساڑھیوں کی جھلک ——— سرگوشیاں ——— تبسم اور قہقہے ——— ایک عجیب سماں تھا۔ دُنیا کے ہنگاموں سے دُور ——— غموں اور فکروں کو نظر انداز کئے ہوئے ——— آزاد دُنیا ——— !

"آج کی رات کتنی عجیب ہو گی ——— !" میں نے ایک لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"یہ چٹکی ہوئی چاندنی ——— نیلگوں سمندر میں ستاروں کا عکس اور پھر یہ دلفریب فضا ——— ایسے دلفریب مناظر بھول ہی کون سکتا ہے ——— ؟" انہوں نے انجان بنتے ہوئے جواب دیا۔

"بھولنے والے بھول ہی جایا کرتے ہیں ——— لیکن جن کے دل میں محبت کی شررِ آتش چنگاری ایک دفعہ جگہ کر لیتی ہے وہ عمر بھر اُس کبھی نہ بجھنے والی آگ میں جل جل کر تڑپتے ہیں اور پھر بھی بھول نہیں سکتے ——— !"

"وہ کیونکر ——— ؟" انہوں نے بھولے پن سے کہا۔

تمہیں یاد ہے وہ رنگین شام جب باغ کی حسین روش پر میں نے تمہیں پہلی مرتبہ خراماں دیکھا تھا۔ اُس دن سے میں تمہاری تلاش میں سرگرداں و حیراں تھا۔ تم سے قطعاً ناآشنا ہوتے ہوئے بھی تم سے ملنے کی اُمید میرے پنہاں دل میں مستور تھی اور آج کسے اُمید تھی کہ ہم مل سکیں گے لیکن ایک غم انگیز واقعہ نے ہمیں یکجا کر دیا میں تو کبھی ———"

دُور کسی طرف کوئی دلسوز آواز میں گا رہا تھا میں خاموش ہو گیا۔ ہم دونوں سننے لگے۔ ع

"دشنۂ غمزہ جانستاں۔ ناوکِ ناز بے پناہ۔"

تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں؟ تیرا ہی عکس رخ سہی — ہاں! —!

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں ؎ موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

"موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں کتنا وسیع خیال ہے۔" انہوں نے زیرِ لب کہا۔

"لیکن مجھے اس سے اختلاف ہے۔" میں نے کہنے کی جرأت کی۔ "غالب کے اس تخیل پر میں کبھی یہ شعر دھنا کرتا تھا مگر آج مجھے پتہ چلا کہ موت سے پہلے غم سے نجات ممکن ہے موت غم کا علاج سہی لیکن لطف، وحدت سے بڑھ کر ہلاک کرنے والی کونسی چیز ہو گی۔ موت کا انتظار قیدِ غم سے رہا ہونے کے لئے فضول ہے لطفِ یار تو سیکڑوں بار ہلاک کرتا اور زندگی بخشتا ہے۔ پھر موت کی ہمہ گیری کا تیقن کون کرے۔"

"تمہارا فلسفہ بھی دنیا سے نرالا اور انوکھا ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یقین جانو کہ میں جو آج تک موت کا متمنی تھا اگر میرا رشتہ حیات دستِ اجل منقطع کرنا چاہے تو میں کبھی بھی اس پر رضامند نہ ہوں۔"

"لیکن تمہاری رضامندی پوچھتا ہی کون ہے" اور ہم دونوں مسکرا دیئے شام یونہی گزر گئی۔

〰〰〰

کراچی کی صنعتی نمائش فضائے ہندوستان سے مختلف افراد کو کشاں کشاں لے آئی تھی اور میری سوئی قسمت بھی اسی کے طفیل جاگی۔ نجمہ اپنے بھائی کے ہمراہ میری اجڑی ہوئی دنیا میں ایک سال بعد پھر اچانک وارد ہوئی اور میرے فارغ ذہن پر ایک نورِ بسیط کی طرح محیط ہو گئی — یہ ہنگامہ کیا تھا جس نے کراچی کو دو ماہ ایک محشرستان بنائے رکھا۔ شہر سے باہر دو ایک ٹیلے کے گرد ایک نئی دنیا آباد کر دی گئی تھی۔ برقی قمقمے گھاس کے قطعے۔ خوشنما پھول اور خلق کا انبوہِ عظیم — یہ خوشنما چہروں اور دلنواز مسکراہٹوں کا ایک ایسا امتزاج تھا جس کا بیان معرضِ تحریر میں لانا ناممکنات سے ہے یوں معلوم ہوتا تھا کہ فردوس کا ایک ٹکڑا خلاقِ عالم نے اس دنیا کے تھرکتے ہوئے سینے پر رکھ دیا ہے۔ اور زمین اس بارِ عظیم کے تلے کانپ رہی ہے آدھی رات تک یہ ہنگامہ گرم رہتا حتیٰ کہ سکونِ شب کا خمار حسنِ بے حجاب کو مجبور کر دیتا کہ وہ دوسری شب پھر یہی محشر جگانے لوٹ جائیں۔ دوبارہ اپنے بے پناہ جلووں سے ایک قیامت بپا کریں اور مجروح دل روندتے ہوئے اپنے اپنے راستے پر چلے جائیں صنعتی نمائش — کا تو محض نام تھا نمائش تھی یہ ان گداز بازوؤں کی ان حسین چہروں کی جنہیں سرخی و پوڈر کے امتزاج سے گلال کر دیا جاتا نمائش تھی یہ ان نیم عریاں سینوں کی جنہیں بلاؤز کی مثلث کاٹ میں محض تہذیب کا نام پورا کر دینے کے لئے چھپایا جاتا۔ نمائش تھی یہ ان تراشیدہ گیسوؤں اور بکھرے ہوئے بالوں کی جنہیں دامِ تزویر پھیلانے کے لئے استعمال کیا جاتا — نسوانیت اپنی مجروح صورت میں یہاں جلوہ گر تھی — یہ اس ہندوستان کی بیٹیاں ہیں جنہیں اپنے شرم و حیا پر ناز ہوا کرتا تھا یہ وہی تو اس کی بیٹیاں ہیں جن کی جھلک آسمان کے ستارے بھی نہ دیکھ سکتے تھے اور پھر میرے کانوں میں ایک آواز گونجنے لگی۔ ہاں ہاں! یہ وہی شریف زادیاں ہیں۔ یہ وہی نام و ناموس پر مرمٹنے والیاں ہیں — تم مرد — ذلیل اور بےغیرت مرد — تم میں حیا باقی نہیں — یہ سب تمہارا قصور ہے۔ تم ہی ان کو سجا کر خوشنما کپڑوں میں ملبوس کر کے لاتے ہو کہ تمہارے نام بلند ہوں: دنیا کہے یہ فلاں کی بیٹی ہے۔ یہ فلاں کی بہو ہے۔ یہ فلاں کی بیوی ہے تم گھروں میں انہیں غلیظ کپڑوں اور پریشان بالوں سے پھرنے کی اجازت دیتے ہو۔ مگر نمائشِ حسن کے لئے سرِ شام ہی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ابرو تراشے جاتے ہیں گیسوؤں کو خمدار بنایا جاتا ہے ہونٹ اور رخسار رنگے جاتے ہیں۔ ریشمی ساڑھیاں، مصنوعی قہقہے۔ بناوٹی تبسم۔ سب کھوٹے سکے سرِ شام ہی جمع کر کے بازارِ عالم میں لائے جاتے ہیں۔ اور پھر تم — اکڑ اکڑ کر انکے ساتھ چلتے ہو۔ تمہارا انداز دنیا کو پکار پکار کر کہتا ہے "دیکھو! یہ ہماری ملکیت ہیں" — "یہ ہماری ملکیت ہیں" —!

〰〰〰

نجمہ میری بے چین زندگی میں امن و سکون کا سرچشمہ بن کر آئی اس نے میری زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ میری بے سکون راتیں ایک پر افسوں خواب بن گئیں اور میرے دن رنگین نزہت باریوں سے مخمور۔ جب سکوتِ شب دنیا پر اپنے طویل پر پھیلا کر اندھیرا کر دیتا۔ ہم باغ کی حسین روشوں پر اس دھندلکے میں مسرت سے دوڑتے پھرتے دو چہچہاتے پرندوں کی طرح بےفکر نسیمِ سحر کے جھونکوں کی طرح آزاد اور مسرور — پودوں کی جھومتی ہوئی لرزتی شاخیں اور پھولوں کی دلنواز خوشبو ایک قیامت بپا کر دیتی۔ ہوا جب اپنی خوش آیند راگنی چھیڑتی تو نازک پتیوں کی سرسراہٹ سے ایک عجیب سرور انگیز نغمہ پیدا ہوتا۔ اور ہم پہروں بیٹھے اس مدہوش کن گیت کو سنا کرتے۔ یہ سرمدی نغمہ ہمیں اس دنیائے دوں کے تفکرات سے آزاد کر کے اک نئی دنیا میں پہنچا دیتا محبت کی اس رنگین دنیا میں جو اس دنیا کے مکر و فریب سے بہت دور ہے۔ اس دلفریب سرزمین میں ناز و نیاز اک نئے انداز میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان حسین گھاٹیوں میں جہاں ابدی محبت کے سرچشمے رواں دواں ہیں جہاں یاس و حسرت۔ ریا و ہوس کے عفریت کبھی پہنچ نہیں سکتے۔ ہم نے اپنی زندگی کو ایک کبھی نہ ٹوٹنے والے بندھن میں مقید کر لیا۔ ان محکم زنجیروں میں جنہیں دنیا کی کوئی طاقت توڑ نہیں سکتی۔ خمخانۂ ازل پر بدستِ ساقیٔ الفت نے وہ جام پلایا۔ جس نے ہمیں من و تو کے امتیاز کو بھلا کر ایک عجیب نشے سے مخمور کر دیا۔

یونہی دن گزرتے گئے۔ پُرکیف رنگین دن —!

دن لپکتے ہوئے آئے اور چشمکِ برق کی مانند دوڑتے ہوئے گزر گئے۔ آہ! وہ رنگین گھڑیاں جب میں شام کے دھندلکے میں اپنی نجمہ کا بےچینی سے انتظار کیا کرتا ایک ایک منٹ مجھے طویل سال معلوم ہوتے لیکن وہ چھپ چھپ کر آنے اور پھر اسکی دلنواز مسکراہٹ

میری زندگی کی تمام تاریکیاں دُور کر دیتی۔ اور میں ایک بار پھر اپنے جیون کی نیّا کو ساحلِ اُمید سے ہمکنار پاتا۔ میری زندگی کے اُفق پر چھائے ہوئے تاریک بادل ــــ یاس و حسرت کے تاریک بادل ــــ مجھے دُور ہوتے دکھائی دیتے اور پھر ہم آنے والے دنوں کو بھول کر ــــ اک دوسرے عالم میں پہنچ جایا کرتے۔

لیکن ــــ آہ! وہ منحوس شام ــــ! کاش کہ وہ کبھی آتی ــــ کاش کہ اُس دن تجمہ مجھے نہ ملتی ــــ آہ خدا ــــ تو نے اُس شام کو تخلیق ہی نہ کیا ہوتا ــــ تو دنیا کا نام و نشان مٹا دیتا ... مگر کاش کہ تو ــــ اُس شام کو معرضِ وجود میں نہ لاتا۔ کاش سورج کا سفر شام ہونے سے پہلے ہی منقطع ہو جاتا ــــ زمین اور آسمان ٹکرا جاتے ــــ دُنیا چکی کے اِن دو پاٹوں میں پیس دی جاتی۔ مگر کاش وہ منحوس شام نمودار نہ ہوتی۔

تھک گئے اور چپّو ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ گئے ــــ ہم خود بخود ایکدوسرے سے لپٹ گئے۔ کہ زندہ نہیں تو مر کر ہی اکٹھے ہو سکیں لیکن آہ! یہ اُمید بھی پوری نہ ہو سکی ــــ ہمارے شور و غل نے شاید ایک کشتی والوں کو متوجہ کر لیا تھا اور اب وہ بڑی تیزی سے ہماری طرف بڑھتے آ رہے تھے لیکن یکایک ایک بیرحم موج نے ہماری چھوٹی کشتی کو اُلٹ دیا ــــ اسکے بعد کیا ہوا ــــ میں نہیں جانتا ــــ! ایک ھماکا شور و غل ــــ اور پھر سکون ــــ ابدی سکون!

میں ایک نرم بستر پر پڑا تھا اور ایک نرس میرے سرہانے کھڑی تھی ... تجمہ کہاں ہے؟ ــــ میں نے چلا کر پوچھا! لیکن اُس نے جواب دئیے بغیر منہ پھیر لیا۔ میرا سر چکرانے لگا ــــ آہ! میری تجمہ مجھ سے جُدا ہو چکی تھی ــــ ہمیشہ کے لئے ــــ ــــ! میں دنیا میں اب اکیلا رہ گیا تھا ــــ بالکل اکیلا۔

سمندر کی رنگین لہروں میں ایک چھوٹی سی کشتی ڈالے ہوئے تجمہ اور میں بیرحم اور تند موجوں سے کھیلتے ہوئے اپنی چھوٹی سی کشتی کھیتے سمندر کے سینے پر دوڑ رہے تھے۔ سمندر ہماری جسارت اور بیباکی پر گرج رہا تھا۔ اور ہم ــــ اُس کے دھڑکتے اور کانپتے ہوئے سینے پر آزادی سے بڑھتے جا رہے تھے یکایک سمندر کی لہریں ناہموار ہونی شروع ہو گئیں چھوٹی چھوٹی لہریں۔ بڑی بڑی موجوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ہوا کے جھونکے تیز ہو گئے ــــ اور آہ ــــ! اب ہم ساحل سے بہت دُور آ چکے تھے ننھی ننھی بوندیں پڑنی لگیں میں نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک چھوٹا سا سیاہ بادل گرجتا ہوا لپکتا آ رہا تھا۔ یکایک تمام فضا تاریک ہو گئی۔ ہم نے کشتی کا رُخ بمشکل ساحل کی طرف کیا۔ مگر چپو چلاتے چلاتے بازو شل ہو چکے تھے۔ بادِ مخالف نے ہماری رہی سہی قوتوں کو بھی ختم کر ڈالا ــــ اُوہ! خدا اب کیا ہوگا! ــــ ساحل ابھی کافی دُور تھا۔ سطحِ آب پر صرف ایک کشتی نظر آ رہی تھی۔ اور وہ بھی بہت فاصلے پر۔ ہم نے چلا کر اُسے متوجہ کرنا چاہا۔ لیکن افسوس وہ بہت دُور تھے ــــ چپو پھر ہمت کر کے سنبھالے۔ لیکن ہوا ہمیں دھکیلے جاتی تھی۔ سمندر اپنے منہ میں آئے ہوئے لقمہ کو کیسے واپس جانے دے سکتا تھا۔ ہمارے بازو بالکل

"ہمیں دنیا کی کوئی طاقت جُدا نہیں کر سکتی" ــــ تجمہ کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے "موت کا بے رحم ہاتھ بھی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا"۔ لیکن آہ! میری تجمہ مجھ سے جُدا ہو چکی تھی ــــ جدا نہیں ہونی چاہئے تھی ــــ نہیں ہو سکتی۔ تجمہ میری تھی اور میری رہیگی۔

جذباتِ فروغ

ہو گئیں مخصوص وہ میرے مٹانے کیلئے
لیتے ہو انگڑائیاں تم کیوں جانے کیلئے
اپنے پھر ہوتے ہیں اپنے۔ چوٹ جب لیر لگی
اُسکی اُمیدوں کا برلانا کوئی آساں نہیں
یا تبسم آپ کا یا خون کے آنسو مرے
آئے ہو تو بیٹھو کچھ اپنی کہو میری سنو
ذوقِ سجدہ ساتھ میں رکھتا ہوں دنیائے نیاز
وہ زمانہ بھی پیامِ غم سناتا ہے مجھے

جو بلائیں وقف تھیں سارے زمانے کے لئے
ہیں نہیں بیٹھا ہوں افسانہ سنانے کے لئے
آ گئے آنسو مرے غم کو گھٹانے کے لئے
جو اُمیدیں ہی نہ رکھتا ہو بر آنے کے لئے
چاہتا ہوں تھوڑی رنگینی فسانے کے لئے
آدمی دنیا میں ہے سننے سنانے کے لئے
صرف کعبہ ہی نہیں سر کے جھکانے کے لئے
جو نوید عیش لاتا ہے زمانے کے لئے

حسن والے آزمائیں یا حوادث دہر کے
ہے فروغِ دلحزیں تو آزمانے کے لئے

(ایڈیٹر و اونر) فروغ تکھنوی

آہ! وہی ظالم بہار پھر آ گئی ہے۔ کلیاں کھِل رہی ہیں۔ چمن کا پتہ پتہ خوشی سے ناچ رہا ہے۔ بچھڑے ہوئے مل رہے ہیں ــــ بھونرے کلیوں سے ــــ بلبلیں پھولوں سے ــــ کوئلیں کوکو کرتی خوشی سے دیوانی ہو رہی ہیں ــــ تجمہ میری تجمہ بھی مجھے بلا رہی ہے ــــ جب یہ غذہ میری زندگی کا تمام فسانہ دنیا کی نظروں کے سامنے پیش کریگا۔ میں اپنی تجمہ کے پاس پہنچ چکا ہونگا ــــ کبھی دوبارہ جدا نہ ہونے کیلئے ــــ سمندر کی بیقرار لہریں میرے لئے اپنا آغوش کھولے مچل رہی ہیں۔ ہمیں دنیا کی کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی۔ "موت کا بے رحم ہاتھ بھی ہمیں ایک دوسرے سے جُدا نہیں کر سکتا ــــ!"

سہیل کے خاموش ہوتے ہی کمرے کی فضا ایک لحظہ کے لئے بالکل خاموش اور سنسان ہو گئی۔ "کتنی دردناک کہانی ہے ــــ!" جمیل نے مڑ کر سہیل کو جھنجھوڑا۔ "کمبخت کیا تو اسے بھی خودکشی قرار دے گا ــــ!" "اور کیا ــــ؟"

"آہ! تیرا دل محبت کے لطیف جذبات سمجھنے سے بالکل قاصر ہے ــــ" جمیل نے ایک لمبی آہ بھری اور خاموشی سے لیمپ کی طرف دیکھنے لگا

نامردی کا سبب جریان

جو لوگ جریان کو معمولی مرض سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں دراصل یہ مرض نامردی کا پیش خیمہ ہے۔ اس مرض سے لاپرواہی جسم کو اندر سے گھلا دیتی ہے جسم میں سستی آجاتی ہے۔ ہاتھوں پیروں اور کمر میں درد رہتا ہے دل دھڑکتا ہے دماغ اور تمام اعضائے رئیسہ کمزور ہو جاتے ہیں۔ بینائی اور حافظ کی قوت جواب دیدیتی ہے۔ پیشاب کے بعد اور پیشاب سے پہلے قطرہ آتا ہے۔ اس مرض کی جڑ کھو دینے کا کامیاب علاج **"جریامین"** ہے۔ بیس دن میں نیا جریان اور چالیس دن میں پرانا جریان دور ہو جاتا ہے اور جسم میں طاقت و توانائی اور چہرہ پر رونق آجاتی ہے اس حیرت انگیز جریان کے علاج سے تندرست ہونے والے لوگ جریان کا جادو بھی کہتے ہیں جریان کی طرف سے لاپرواہی برتنے والے مرد اپنی جان کو موت کے پنجہ سے بچانا چاہتے ہیں تو جریامین دوا کو طلب کریں جو اس مرض کا لاجواب علاج ہے بیس خوراک کی دوا کی قیمت تین روپے اور چالیس دن کے کورس کے لئے پانچ روپے ہے۔ منگانے کا پتہ:-

منیجر اکسیری دواخانہ کلاں محل نمبر ۲۱ دہلی

ہائے سوزاک نے مارا

ایک امریکن پروفیسر جو مدت سے سوزاک کو فنا کرنے کا تجربہ کر رہا تھا۔ آٹھ سال میں کامیاب ہو گیا اس نے ایک ایسا مرکب تیار کر لیا جس کی ایک خوراک سے سوزاک کا تڑپتا ہوا مریض راحت محسوس کرتا ہے۔ یہ اس پروفیسر کی شاندار کامیابی ہے جس نے ایک ایسے سخت مرض کو جس کی وجہ سے مریض کی جان پر بن جاتی ہو۔ جڑ سے کھو دینے کی ترکیب معلوم کر لی۔ سوزاک کے شرطیہ مرض کو کھو دینے کی بے مثل دوا کا نام **"بالمون"** ہے جس کی ایک شیشی میں بیس خوراک دوا ہوتی ہے اور اس پوری شیشی سے مریض کو مکمل آرام ہو جاتا ہے ایک شیشی کی قیمت دو روپے دس آنے (عہ) ہے۔ محصول ڈاک کا خرچ آٹھ آنے (۸) علیحدہ ہے۔ منگانے کا پتہ:-

منیجر اکسیری دواخانہ کلاں محل نمبر ۲۱ دہلی

محبوب آپ کے قدموں میں

بیسویں صدی میں جہاں سائنس اپنے کمالات پیش کر رہی ہے۔ وہاں روحانی عامل نے بھی کشائش محبوب کے لئے بیسویں صدی میں ایک اسراری روغن بنایا ہے اس خوشبو کا کمال یہ ہے کہ جس سنگدل محبوبہ کو چاہو اپنا بنا سکتے ہو اس خوشبو کے چند قطرے لگا کر اس کے پاس سے گزر جاؤ۔ وہ خود تمہاری تلاش میں بے چین نظر آئے گا محبوب کو مست و بیخود کرنے اور اس کو تڑپانے کے لئے اس طلسمی خوشبو کا کمال ضرور دیکھئے آپ خود حیران ہوں گے کہ اس میں کونسا طلسمی اثر ہے کہ جس کو چاہو خود بخود کھنچا چلا جائے یہ خوشبو چالیس دن کی محنت اور روحانی کشش کے ذریعہ تیار ہوتی ہے اور عاشقوں کیلئے ان کی مراد پوری کرنے کا ذریعہ بن رہی ہے۔ سنگدل سے سنگدل...کو جو اس خوشبو کو سونگھ لے اپنا بنایا جا سکتا ہے۔ اس خوشبو کو تسخیر کا طلسم محبت کا جادو اور رام کرنے کا عطر کہا جاتا ہے قیمت فی شیشی دو روپے ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ

پتہ۔ جرمنی ٹریڈ ایجنسی دریا گنج نمبر ۳ دہلی

موٹاپہ اور طاقت

اگر آپ قوت مردمی کی تلاش میں ہوں اور یہ چاہتے ہوں کہ آپ مرد بن جائیں تو **طلا مقوی** کی ایک شیشی استعمال کیجئے یہ ایک ایسا طلا ہے جو ایک ہفتہ میں نشو و نما میں فرق لاتا ہے۔ طاقت دیتا ہے جو لوگ کوتاہی اور لاغری کے شاکی ہوں ان کو ضرور ایک شیشی استعمال کر لینی چاہئے۔ خود بخود حیرت ہونے لگے گی۔ بڑی تعجب انگیز دوا ہے۔ اس کی مالش مایوسوں اور پوری طرح سے خوش نہ کرنے والوں کے لئے اکسیری اثر رکھتی ہے مسامات میں بجلی کی طرح دوڑتا ہے۔ اور بڑھانے پھیلنے اور طاقت دینے کا عمل شروع کر دیتا ہے۔ ایک شیشی میں آپ مرد بن سکتے ہیں۔ آج ہی تجربہ کیجئے۔ ایک شیشی کی قیمت تین روپے (سے) ہے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ۔

مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کیجئے

پتہ۔ منیجر اکسیری دواخانہ کلاں محل نمبر ۲۱ دہلی

سالِ نَو اور سالگرہ دلچسپ معمہ کی خوشی میں

دلچسپ معمہ نمبر۱۰ میں انعام ۲۰۰ روپے کر دیا گیا ہے۔ شریک مقابلہ ہونے کی آخری تاریخ ۲۵ جنوری مقرر کی گئی ہے آپ بھی اس نادر موقع سے فائدہ اٹھائیے۔ قسمت آزمائی کا کوئی سوال نہیں۔ اگر آپ غور و فکر سے کام لے کر تھوڑی سی کوشش کرینگے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کامیاب نہ ہوں بلکہ دلچسپ معمہ نمبر۱۰ کو حل کرتے کرتے آپ میں اتنی قابلیت پیدا ہو جائیگی کہ آپ باتوں ہی باتوں میں زندگی کی گتھیاں سلجھانے لگیں گے

دلچسپ معمہ نمبر (۱۰)

پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی

پہلا انعام ۱۰۰ روپے

ذہانت کیلئے انعام حاصل کرنے کا نادر موقع

200

بقایا یکصد روپیہ کے متفرق انعامات

فیس اعلیٰ فی حل چار آنے

اور ساتھ ہی ساتھ بلا فیس کوپن!

آخری تاریخ ۲۵ جنوری ۱۹۴۰ء

اس دن آپ کا حل بہر صورت ہمارے پاس پہنچ جانا چاہیے

کچھ ہی کوپن ہوا ب معاوضہ میں بالکل مفت

مسلسل جیت

CONSISTENCY BONUS

کیلئے تین انعامات

دلچسپ معمے نمبر ۹-۱۰-۱۱-۱۲ میں مسلسل جیتنے اور انعام حاصل کرنے والے حضرات میں تقسیم کرنے کیلئے مبلغ پینتیس روپے کے تین نئے انعامات رکھے گئے ہیں انعام اول بیس روپیہ۔ انعام دوم دس روپیہ انعام سوم پانچ روپیہ۔ آپ چاہے چھوٹے سے چھوٹا انعام حاصل کریں مگر یہ ضروری ہے کہ مندرجہ بالا معموں کی فہرست انعام یافتگان میں آپ کا نام رہے

دلچسپ معمہ نمبر ۱۰!

میں شرکت فرما کر اپنی دلچسپیوں میں اضافہ کیجیے!

دلچسپ معمہ نمبر۱۰ بالکل آسان ہے کیونکہ اس میں اس بات کا امکانی طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی لفظ غیر مستعمل زبانِ اُردو استعمال نہ کیا جائے۔ آپ کوشش کیجیے محنت کبھی رائگاں نہیں جائے گی کیا عجب کہ پہلا انعام آپ ہی کی راہ دیکھ رہا ہو اسلئے آج ہی بلکہ ابھی دلچسپ معمہ نمبر۱۰ کو حل کرنا شروع کر دیجیے اشارات صفحہ آئندہ پر درج کئے جا رہے ہیں

انعامی کوپن سسٹم

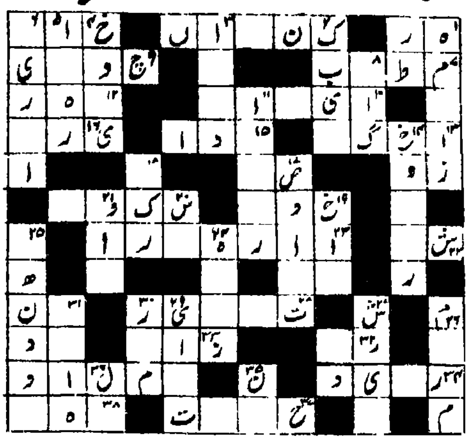
چار چار آنہ والے

فری انٹری کوپن اس ماہ سے جاری کئے جا رہے ہیں جو انعام لینے والے حضرات میں تقسیم ہوتے رہیں گے ان کے اجرا کا مقصد یہ ہے کہ ناظرین ست تلندر کے عالمگیر حلقہ میں دلچسپ معمے کی سکیم کو بیش از بیش وسعت و مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل ہو اور فیس منی آرڈر سے بچت ہو۔

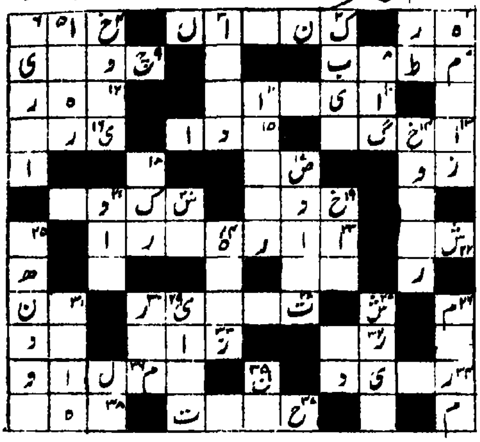
وہ دُور چوٹی پہ اک گھروندہ دکھائی جو دے رہا ہے کچھ کچھ
وہی ہے منزل، وہی ٹھکانا، تمہاری قسمت وہیں لڑی ہے
کمندِ کوشش کو پھینک دیکھو، چڑھو اور اوپر پہنچ بھی جاؤ
تمہارے رستہ میں کامیابی بچھائے آنکھیں وہیں کھڑی ہے

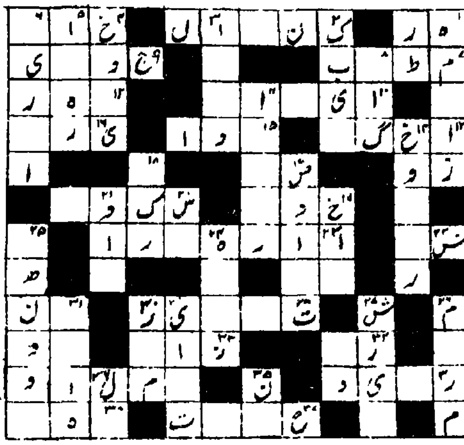
دلچسپ معمہ نمبر (۱۰)

فیس داشدہ کوپن نمبر (۱)



فیس داشدہ کوپن نمبر (۲)





بسلسلہ شرکت معمہ ہذا مجھے تمامی شرائط منظور ہیں۔

نام ~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

پتہ ~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

رسید منیر ~~~~~~~~~~

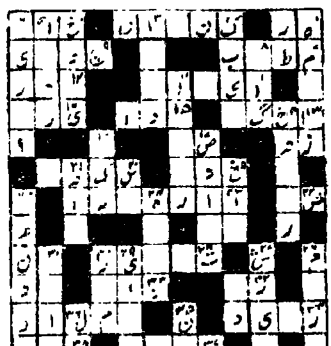
ٹکٹ مالیتی ~~~~~~~~~~

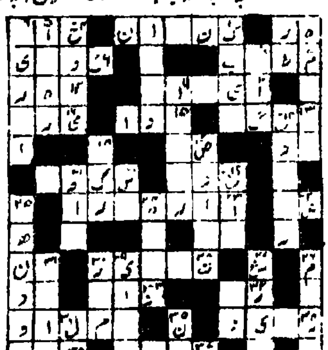
ہدائت خاص { تمام حل ہمارے مطبوعہ کوپن پر بھیجے جائیں۔ سادہ کاغذ پر بھیجے ہوئے حل مقابلہ میں شریک نہیں کئے جاتے۔ خواہ ایک حل بھیجیں یا تین مگر ان تین کوپن کو یکجائی بھیجنا لازمی ہے }

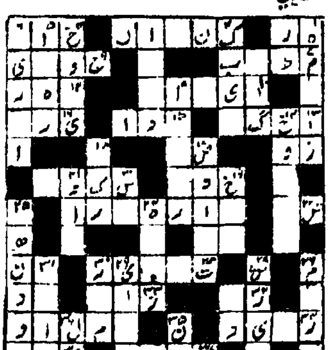
ایڈیٹر دلچسپ معمہ

معذرت } مجھے دلی افسوس ہے کہ میری مسلسل مصروفیتوں کی بنا پر سلسلہ معمہ دلچسپ چند معاونین حضرات کو کچھ شکایت پیدا ہوگئی۔ اُن کی شکایت میرے سر آنکھوں پر۔ شکایت دلیل محبت ہے اس لئے کیوں نہ شکریہ پیش کروں۔ اُمید کہ وہ حضرات میری مجبوریوں پر نظر فرماتے ہوئے مجھے معاف فرمائیں گے۔ **سال نو** سے جیسا کہ میں پہلے اعلان کر چکا ہوں نئے انتظامات کئے گئے ہیں اور موجودہ انتظامات سے مطمئن ہوتے ہوئے میں بہ زور الفاظ میں کہہ سکتا ہوں کہ آئندہ سے میرے معاونین کو ذرا بھی موقع شکایت نہ ملے گا۔ ~~~~~~~~ **ایڈیٹر معمہ** ~~~~

معمہ ہذا ذیل نقشوں پر اپنے بھیجے ہوئے حلوں کی نقلیں اپنے پاس رکھ سکتے ہیں






~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

کامیابی آپ کی راہ دیکھ رہی ہے

مست قلندر کے دلچسپ انعامی معمہ جات کی ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دھوم مچ گئی ہے اب تک ۲۱۰۰ روپیہ نقد کے انعامات نہ صرف صحیح حل کنندگان بلکہ ۴ یم۔ اور ۶-۶ غلطی والوں میں تقسیم ہو چکے ہیں رقم انعامات میں اضافہ کر دیا گیا ہے آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام اُردو دان حضرات کے لئے دماغی تفریح کے ساتھ ساتھ انعام حاصل کرنے کی یہ ایک بالکل نئی اور اچھوتی اسکیم ہے جسے مست قلندری دُنیا میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو رہی ہے

دلچسپ معمہ نمبر ۱ کو حل کرنے کی شرائط!

(۱) حل روشنائی سے صاف بھرا ہونا چاہیئے پنسل وغیرہ کے لکھے ہوئے یا مشکوک حل یا قلم زد کئے ہوئے حل مقابلہ میں شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) تمام حل ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۲ء کی ۲۵ تاریخ تک دفتر میں موصول ہو جانا چاہیئے۔ ۴ر کی فیس بصورت ٹکٹ اور اس سے زیادہ کے لئے پوسٹل آرڈر یا منی آرڈر کا بھیجنا لازمی ہے۔

(۳) ایک خاندان اور ایک ہی پتہ رکھنے والے حضرات اپنے حل ایک لفافہ میں بھیج سکتے ہیں اور اسی صورت سے منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر بھی روانہ کر سکتے ہیں منی آرڈر و پوسٹل آرڈر منیجر دلچسپ معمہ نمبر (۱۰) رسالہ مست قلندر کے نام سے بھیجے جائیں اور اسی نام سے حل ارسال کئے جائیں

(۴) پوسٹل آرڈر کا کراس CROSS ہونا ضروری ہے

(۵) صحیح حل ایڈیٹر معمہ کے پاس موجود ہے جو حل اس کے مطابق ہوگا وہ صحیح قرار پائے گا۔

(۶) ایک نام کے کوپن صرف ایک ہی انعام دیا جائیگا

(۷) اگر ایک لفظ سے دو لفظ بنتے ہیں اور وہ دونوں غلط ہیں تو دو غلطیاں شمار ہونگی۔

(۸) اگر حل کا کوئی خانہ خالی رہ جائیگا۔ تو پورا حل بیکار کر دیا جائیگا

(۹) اپنے حل کی ایک نقل اپنے پاس رکھنا لازمی ہے تاکہ بوقت اشاعت صحیح حل سے مقابلہ کیا جا سکے۔

(۱۰) صحیح حل ماہ فروری سنہ ۱۹۴۲ء کے رسالہ میں شائع کیا جائیگا اور اس سے اگلے ماہ فہرست انعام یافتگان شائع کی جائیگی ضمیمہ مست قلندر میں بھی یہ فہرست علیحدہ شائع ہوگی

(۱۱) اور جملہ انعامات ۲۰ فروری سنہ ۱۹۴۲ء تک روانہ کر دئیے جائیں گے۔

(۱۲) اگر کسی شخص کا نام فہرست انعام یافتگان میں نہ ہو اور وہ اپنے کو مستحق سمجھتا ہو تو تاریخ اعلان انعامات سے ۱۰ دن کے اندر اندر ایڈیٹر معمہ کے نام شکایت بھیجے لیکن شکایت کیساتھ مبلغ ایک روپیہ فیس نظر ثانی بھیجنا لازمی ہے اگر اسکی شکایت درست ہے تو اس کو انعام دیا جائیگا۔ اور رقم نظر ثانی واپس کردی جائیگی۔ ورنہ فیس نظر ثانی ضبط ہو جائیگی۔

(۱۳) بسلسلہ صحیح حل معمہ کسی قسم کے بحث و مباحثہ خط و کتابت یا ملاقات کسی کی اجازت نہیں۔

(۱۴) ایڈیٹر معمہ کا فیصلہ قطعی اور قانوناً قابل تسلیم ہوگا۔

(۱۵) فیس معمہ کسی صورت میں واپس نہ ہوگی۔ نہ آئندہ کے معمہ کی فیس سے ۔۔۔ میں منسوب کی جائیگی۔

(۱۶) مکمل حل ہمارے رسالہ کے مطبوعہ کوپن پر بھرے جانا چاہئیں۔ سادہ کاغذ پر بھیجے ہوئے ردی سمجھے جائیں گے۔ اور فیس داخلہ ضبط کر لی جائیگی۔ جو حل ان شرائط کے خلاف ہوگا رد کر دیا جائیگا۔ اور فیس ضبط ہو جائیگی۔

(۱۷) ایک ہی نام سے دو فیس ادا شدہ کوپن بھیجنے پر ایک بلا فیس رعایتی کوپن بھیجا جا سکتا ہے کوپن چاہے ایک بھرا جائے یا زیادہ مگر یہ ضروری ہے کہ چاروں کوپن یکجائی روانہ کئے جائیں۔ اگر ایک کوپن پھاڑ کر بھیجا گیا۔ تو اسے شریک مقابلہ نہیں کیا جائیگا۔

(۱۸) حل کے فارموں کے وقت پر نہ پہنچے یا راستہ میں گم ہو جانے وغیرہ کے متعلق دفتر پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی

(۱۹) مرسلہ لفافہ کی پشت پر اپنا نام و تعداد کوپن ضرور لکھئے

متفرق نوٹ

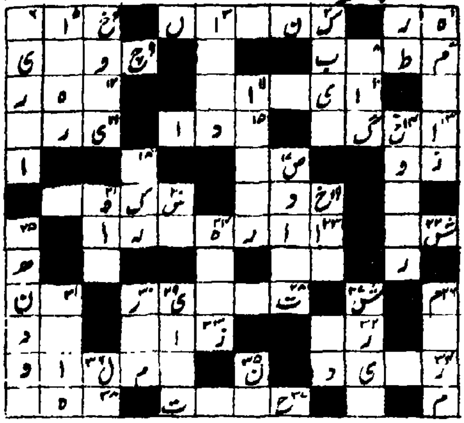
ہر شخص جتنے حل چاہے روانہ کر سکتا ہے۔ زیر۔ زبر۔ پیش۔ ہمزہ۔ جزم۔ استعمال کرنا غیر ضروری ہے۔ (د) اور (و) کی اشکال پورے طور پر نمایاں ہونی چاہیئے نون غنہ کی یہ پہچان ہے کہ اس پر نقطہ نہیں لگایا جائیگا۔ (ی) اور (ے) اپنی اصلی صورت یا اس کے خلاف استعمال ہو سکتی ہیں دو چشمی (ھ) اور ہائے (ہ) اپنی اصلی حالت یا اسکے برعکس استعمال ہو سکتی ہیں اس معمہ میں ایک ہی لفظ متعدد بار استعمال ہو سکتا ہے۔ انعامات صرف انہی پتوں پر روانہ کئے جائیں گے۔ جو حل پر لکھے ہوئے ہونگے انعام یافتگان ہم کو اپنے جدید پتہ پر انعام روانہ کرنے کی ہدایت نہ کریں۔ بلکہ بہتر ہوگا۔ کہ اپنے مقامی ڈاکخانہ سے اندریں باب مراسلت کریں۔ اور اگر کوئی بھی ہمارے محفوظ صحیح حل کے مطابق۔ ہوگا تو انعام اول ایک غلطی والوں میں تقسیم کر دیا جائیگا۔ اور ایک غلطی والوں کا انعام دو غلطی والوں کو دے دیا جائیگا۔ اور دو سے زیادہ کا حل صحیح ہوگا۔ تو رقم انعام بحصہ مساوی تقسیم کر دی جائیگی۔ بسلسلہ منی آرڈر کوپن کے ہمراہ رسید منی آرڈر کا بھیجنا لازمی ہے رسالہ مست قلندر اور اُسکے متعلقہ پریس کے عملہ و دیگر متعلقین کو معمہ میں شریک ہونے کا حق حاصل نہیں ہے۔ تینوں کوپن یکجائی خانہ پری کر کے بھیجنے والے حضرات کو فیس داخلہ صرف ۸ر ادا کرنا ہوگی۔

ہر معمہ کی شرائط ضرور ملاحظہ فرمایئے { ایڈیٹر دلچسپ معمہ

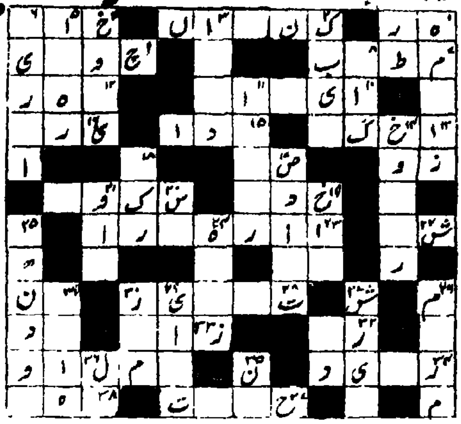
فیس داخلہ فی کوپن چار آنے ہے۔ مگر تینوں کو یکجائی بھیجنے پر فیس صرف آٹھ آنے

دلچسپ معمہ نمبر (۱۰)

فیس ادا شدہ کوپن نمبر (۲)



فیس ادا شدہ کوپن نمبر (۱)



بسلسلہ شرکت معمہ ہذا مجھے تمامی شرائط منظور ہیں

نام ~~~~~~~~~~

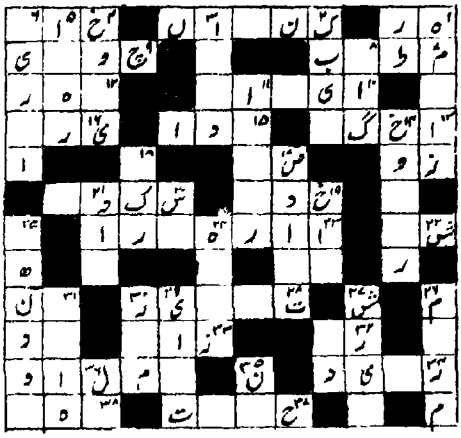
پتہ ~~~~~~~~~~

~~~~~~~~~~

رسید نمبر پوسٹل آرڈر / منی آرڈر ~~~~~~~~~~

ٹکٹ مالیتی ~~~~~~~~~~

ہدایت خاص } تمام حل ہمارے مطبوعہ کوپن پر بھیجے جائیں سادہ کاغذ پر بھیجے ہوئے حل مقابلہ میں شریک نہیں کئے جاتے خواہ ایک حل بھیجیں یا تین مگر ان تین کوپن کو یکجائی بھیجنا لازمی ہے۔ { **ایڈیٹر دلچسپ معمہ**

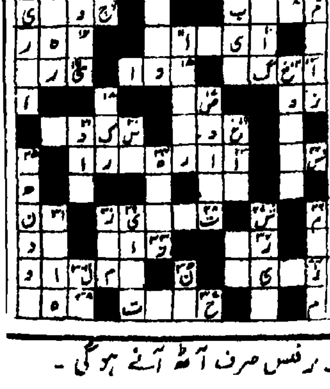


بلا کی لوٹ

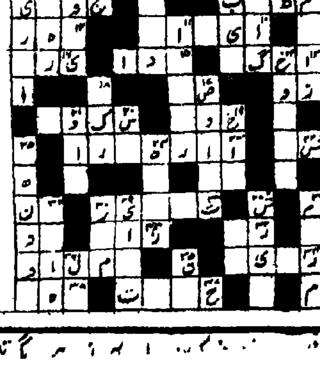
باوجود اس تنگی کے زمانہ کے مست قلندر کا سالانہ چندہ صرف تین روپیہ ہے جس میں سالنامہ کے علاوہ چار خاص نمبر دل کی قیمت بھی شامل ہے دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجئے ہندوستان کے طول و عرض میں ہے کوئی اس پایہ کا رسالہ جو ارزانی میں مست قلندر کا مقابلہ کر سکے؟ اگر نہیں تو آج ہی تین روپئے بھیجکر سالنامہ سے مست قلندر کی خریداری قبول فرمالیجیے۔ آپکو چیدہ چیدہ افسانوں کا باتصویر مجموعہ بالکل مفت ملیگا۔ یہ رعایت صرف نئے سال کیوجہ سے دی جارہی ہے۔

مینجر مست قلندر لاہور

مندرجہ ذیل نقشوں پر اپنے بھیجے ہوئے حلوں کی نقلیں اپنے پاس رکھ سکتے ہیں







بلحاظ تشفی فیس صرف آٹھ آنے ہوگی۔
~~~~~~~~~~

دلچسپ معمّہ نمبر (۱۰) کے اشارات

اشارات دائیں سے بائیں جانب

(۱) ؎ ...شاخ میں شگوفہ کاری ۔ ثمرہ ہے قلم کا حمدِ باری

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام کا وطن

(۴) ؎ ہے بُروں کو عیش اور اچھوں کو ہے دُنیا میں غم
توڑتا ہے گُل کو گلچیں چھوڑتا ہے ...... کو

(۷) خوش خیال لوگ ...کی باتوں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔

(۹) ؎ خوشبو اُڑا کے لائی ہے گیسوئے یار کی
....کہیں کھلے نہ نسیم بہار کی

(۱۰) حساس طبیعت رکھنے والے ..... کرنے والے کو قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

(۱۲) بندۂ عیش و عشرت ..... سے جانا نہیں چاہتے۔

(۱۳) گو یہ ضروریاتِ زندگی میں داخل ہے ۔ مگر موسمِ گرما میں اسکی قربت حد درجہ تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔

(۱۵) آبادی سے دُور گھنے جنگلوں میں گم کردہ راہ کی توجہ ..... پر فوراً متوجہ ہو جاتی ہے۔

(۱۷) ذبح کئے ہوئے بکرے کا سَر (اس لفظ کو بائیں جانب سے پڑھئے)

(۱۹) ؎ نہ تھا کچھ ۔ تو ..... تھا ۔ کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

(۲۰) اکثر شہر کی پُر شور فضا میں دماغی کام کرنے والے لوگ دیہات کی ..... آمیز زندگی کا بعض اوقات حریصانہ طور پر تصور کرتے ہیں۔

(۲۲) "شاہ" کا مخفف۔

(۲۳) "اہر مارا" کے بگڑے ہوئے ہجے

(۲۸) عاشق معجود کے لئے اُس کی محبوب ہستی کی ..... بھی ذریعۂ تسکین ہوتی ہے۔

(۳۲) ضدی لوگ بس ایک بات کی ..... لگا دیتے ہیں۔

(۳۳) جاہل عورتیں اس پرندہ سے کبھی کبھی شگون لیتی ہیں۔

(۳۴) ؎ ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا ..... کا

(۳۷) سنگدل اہلِ تمنا کی ..... کی پرواہ نہیں کرتے۔

(۳۸) اگر دُنیا جانتی ہے کہ ہم نشین دوشیزہ ۔ جوانِ رعنا کی ..... ہے تو اُن دونوں کی تنہائی پر معترض نہیں ہوتی

اشارات بالائی سے زیریں جانب

(۱) اسکی قربت ... ہمیں قلبی مسرت ہوتی ہے۔

(۲) ہندی کے ایک مشہور شاعر کا نام جس کے انتقال پر اُسے ہندوؤں نے ہندو اور مسلمانوں نے مسلمان سمجھا۔

(۳) "داور" کے بے ترتیب ہجے

(۴) بعض شادیاں جو محض والدین کے اثرات .. کے ماتحت کی جاتی ہیں بہت کم کامیاب ہوتی ہیں۔

(۵) ایک مشہور غلہ

(۶) "ارسی" کی بے ترتیب ہجے۔

(۸) بسلسلہ .. بعض اوقات آدمی غیر متوقع باتیں کر بیٹھتا ہے۔

(۱۱) تمنائیں جو ..... پیہم کے بعد پوری کی جاتی ہیں حد درجہ لطف انگیز ہوتی ہیں

(۱۳) بمعنی "ہمشیرہ"

(۱۷) بعض اوقات یہ تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔

(۱۸) اگر غور سے دیکھئے تو دنیا پسند لوگوں کی تعداد جو اس سے خالی ہے بہت کم ہے۔

(۱۹) دورِ حاضرہ میں باکمال شعرا کی ...... قدر نہیں ہوتی۔

(۲۰) اگر آپ اسکے آخر میں حرف "ج" کا اضافہ کردیں تو ہندی زبان کا وہ لفظ بن جائیگا جو دن کیلئے تو کم مگر رات کیلئے بہت راحت رساں ہے۔

(۲۱) دُور اندیش حضرات کا دماغ اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۲۴) "روزہ" کے ترتیب ہجے

(۲۵) لوگ جو دُنیا کے ..... میں مبتلا ہو کر فکرِ عقبیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں قابلِ تعریف نہیں ہوتے۔

(۲۶) جب کوئی ..... ملجاتا ہے تو ہمیں ایک خاص مسرت محسوس ہوتی ہے

(۲۷) کالج میں تعلیم پانے والے لڑکے جو ذہین اور ... ہوتے ہیں اکثر اپنی جماعت میں بارسوخ سمجھے جاتے ہیں۔

(۲۹) بمعنی نفع"

(۳۰) "مرغ" کے بگڑے ہوئے ہجے۔

(۳۱) جوان العمر بیوی کی سُنہری دُنیا شوہر کے مرتے ہی ..... ہو جاتی ہے

(۳۵) اگر آپ اس لفظ کو بلا فصل مکرر زبان سے ادا کریں تو آپ کی والدہ خواہ کیسے ہی کام میں کیوں نہ مصروف ہوں آپ کی جانب متوجہ ہو جائینگی۔

(۳۶) بمعنی "کنارہ"

نوٹ:- معمّہ و اشارات معمّہ کے حقوقِ طباعت رسالہ مست قلندر کیلئے محفوظ ہیں۔

دلچسپ معمہ کی تشریحات

دلچسپ معمہ کے صحیح حل نکالنے کا راز

۱۰ دسمبر سے دلچسپ معمیات کی تشریحات کا سلسلہ جاری کر رہے ہیں۔ صحیح حل کیلئے وہی خاص لفظ کیوں ہونا چاہیئے۔ جو ہم نے لکھا اس کی بجائے متبادل الفاظ سے کوئی دوسرا لفظ کیوں نہیں ہو سکتا؟ یہ جاننے کے لئے پڑھئے۔ حل کنندگان کی واقفیت اور تجربہ میں اس مضمون کے مطالعہ سے غیر معمولی وسعت ہوگی۔ اور ایک نہ ایک دن آئیگا جب کہ انکے حل سو فیصدی صحیح نکلیں گے۔ ایڈیٹر معمہ دلچسپ۔

دلچسپ معمہ نمبر [illegible]

اشارہ نمبر ۱ دائیں سے بائیں جانب

"عقیل و فہیم افسرانِ بالا اپنے .... سے ماتحتین کے دلوں پر قبضہ کر لیتے ہیں"

متبادل الفاظ علم حلم اور قلم ہو سکتے ہیں

علم بمعنی جاننا۔ واقفیت سمجھ۔ فن۔ ہنر

حلم بمعنی۔ درگذر نرمی آہستگی۔

قلم بمعنی خامہ۔

اشارہ کی مناسبت سے قلم تو بالکل بیکار ہے کیونکہ قلم سے یعنی طرز تحریر سے افسرانِ بالا ماتحتین پر اپنی لیاقت کا اظہار کر سکتے ہیں نہ کہ دلوں پر قبضہ۔ ماتحت پھر ماتحت ہے یقیناً بمقابلہ افسر کم لیاقت ہوگا۔ اور جو ماتحت پر اظہار لیاقت ایک عقیل و فہیم افسر کیلئے بیسود ہے۔ علم یعنی واقفیت یا سمجھ سے افسر بالا اپنی علم دانی یا وسعت معلومات کا اظہار کر سکتا ہے نہ کہ دلوں پر قبضہ اور وسعت معلومات کے سلسلہ میں بھی وہی صورت پیدا ہو سکتی ہے جو قلم کے سلسلہ میں اوپر بیان کی گئی

حلم ہاں یہ مناسب لفظ ہے کیونکہ ماتحتین پر اگر سختی کی جائے تو وہ افسر بالا سے بیزار ہو کر انتقاماً اسکی نیک نامی کا خیال دل سے نکال کر وہ صورت اختیار کر سکتے ہیں جس میں اس کی بدنامی ہو۔ افسر بالا بلا وجہ ماتحتین کچھ نہیں کر سکتے۔ عقیل و فہیم افسران بالا اس کو جانتے ہوئے اپنی نرمی سے ماتحتین کے دلوں میں جذبہ ہمدردی پیدا کر لیتے ہیں گویا دل پر قبضہ کر لیتے ہیں اور ایسے ہی افسر ہمیشہ کامیاب ثابت ہوتے ہیں اسلئے حلم اس اشارہ کا صحیح لفظ ہے۔

اشارہ نمبر ۳۵ دائیں سے بائیں جانب "کیا کرے لاچار ہو کر آدمی مصیبت میں .... ہے"

متبادل الفاظ۔ روتا۔ رہتا۔

چونکہ یہ الفاظ مستعمل عوام ہیں اس لئے معنی کی ضرورت نہیں۔

اشارہ کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ مصیبت میں مجبور ہو کر جب آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔ تب یہ کرتا ہے عام طور پر آدمی مصیبت میں نہیں روتے۔ اور اگر روتے بھی ہیں تو ان کی تعداد بہت کم ہے اشارہ سے خصوصیت کا اظہار نہیں ہوتا۔ بلکہ عمومیت ظاہر ہوتی ہے۔ مصیبت میں رہنا کسی کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر مجبوری رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے رہنا اس اشارہ کا موزوں لفظ ہے۔

اشارہ نمبر ۴۲ دائیں سے بائیں جانب

"حسینوں کی آنکھیں عشاق کے لئے .... سے کم نہیں۔"

متبادل الفاظ۔ ساحر اور ساغر

ساحر بمعنی سحر کرنیوالا۔ جادوگر

ساغر۔ جام گلاس اور شراب کا پیالہ۔

عشاق کے لئے حسینوں کی آنکھیں بلحاظ اثرات ساحر اور ساغر دونوں ہو سکتی ہیں۔ مگر "سے کم نہیں" ظاہر کرتا ہے کہ اس تشبیہ میں کمی کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں زیادتی ممکن ہے۔ ساحر کے بعد زیادتی پیدا کرنے کے لئے کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی۔ پھر ساحر کے اثر سے سحر نہیں ہوتا بلکہ اس کی زبان سے ادا کئے ہوئے الفاظ سے سحر پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح صرف آنکھوں سے سحر نہیں پیدا ہوتا بلکہ گردش چشم سے سحر پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہاں گردش چشم کے اظہار کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے۔ برخلاف اس کے حسینوں کی آنکھوں کے لئے ساغر ایک ایسی تشبیہ ہے۔ جس میں کسی قسم کی کمی کی گنجائش نہیں ہو سکتی عشاق انہیں دیکھ کر بیخود ہو جاتے ہیں۔ اور ان پر ایسے اثرات طاری ہو جاتے ہیں۔ جو ساغر کو دیکھ کر ایک بادہ کش پر ہوتے ہیں۔ پھر اس تشبیہ میں اگر اضافہ پیدا کیا جائے تو اسکو بڑھا کر میخانہ بھی کہا جا سکتا ہے جس کو زمانہ قدیم اور جدید کے شعراء نے اپنے اشعار میں استعمال کیا ہے۔ اس لئے ساغر اس اشارہ کا صحیح حل ہے۔

اشارہ نمبر ۸ بالائی سے زیریں جانب

"محکمہ پولیس کے ریکارڈ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری رقوم کی چوریاں بالعموم بغیر کسی چالاک .... کے نہیں ہوتیں"

متبادل الفاظ مجرم۔ محرم

مجرم بمعنی گنہگار۔ قصوروار

محرم بمعنی بھید جاننے والا۔

اس اشارہ میں صحیح لفظ پر پہونچنے کے لئے "ہماری رقوم" استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ہماری رقوم کوئی اسطرح نہیں رکھتا کہ کوئی چالاک مجرم یعنی شاطر چور آکر چرالے۔ ہاں کبھی کبھی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ چور چوری کی غرض سے آیا۔ اپنی خوش قسمتی اور مالک دولت کی بد قسمتی سے وہ اس جگہ پہونچ گیا۔ جہاں دولت پوشیدہ رکھی ہوئی ہے لیکن یہ صورت عام طور پر نہیں ہوتی۔ مگر اشارہ میں لفظ "بالعموم" عمومیت کا اظہار کر رہا ہے۔ عموماً ہماری رقوم کی چوریاں ایسی صورت میں ہو سکتی ہیں۔ کہ دولت کے متعلق بھید رکھنے والا ہی چالاک ہے اپنے کو بدنام نہیں کرنا چاہتا۔ وہ چور یا چوروں سے مل کر تمام واقعات کا اظہار کردے مثلاً فلاں رقم فلاں جگہ رکھی ہے۔ اس قسم کے قفل لگائے جاتے ہیں۔ مکان میں رہنے والے لوگوں کی تعداد اتنی ہے۔ ان کو اس صورت میں زیر کیا جا سکتا ہے وغیرہ وغیرہ بہرحال جب تک کوئی جاننے والا چوروں کو تمام واقعات سے مطلع نہ کرے ہماری رقوم کی چوری ناممکن ہے پولیس کوشش ایسے شخص کو تلاش کر لیتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسا شخص گواہ سلطانی بن جائے مگر پولیس کے ریکارڈ میں اسکا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے محرم اس اشارہ کا صحیح لفظ ہے۔

اشارہ نمبر ۴۹ دائیں سے بائیں جانب

"بسلسلہ شکار وحشی بھڑکنے والے جانور .... سے زد پر آتے ہیں۔"

متبادل الفاظ شکاری۔ مکاری۔

شکاری بمعنی شکار کرنیوالا۔ مکاری بمعنی فریب دھوکا۔

وحشی بھڑکنے والے جانور ذرا سی آہٹ پاکر بھاگ جاتے ہیں شکاری کتنا ہی تجربہ کار کیوں نہ ہو وہ ایسے جانوروں کو زد پر نہیں لا سکتا جب تک مکاری نہ کرے پھر اگر شکاری صحیح مانا جائے تو اشارہ کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ سوائے شکاری کے اور کوئی انہیں زد پر نہیں لا سکتا لیکن اگر اشارہ کو پڑھئے تو لفظ شکاری پسپا کرنے کیلئے "ہی" کا اگر اضافہ نہ کیجئے تو مفہوم پورا ادا نہیں ہوتا اور اشارہ میں لفظ "ہی" موجود نہیں ہے۔ اسلئے مکاری اس اشارہ کا صحیح لفظ ہے

صحیح حل دلچسپ معمہ نمبر ۹

[1] ت	و	[2] ب	ه		[3] م	[4] ع	ق	[5] ف	ل		[6] ج
[7] ک	ر	ا	م	ت		ق		ا		[8] ب	ل
ر		ل		[9] ظ	ا	ل	[10] م		[11] ل	ه	و
[12] ی	[13] ا	و	[14] ر	ی			ف	[15] ر		[16] ل	س
[17] م	ر		م		[18] ع	ت	ا	ب		ت	
	[19] ا	ر	ز		[20] ذ	و	ق		[21] م	ا	[22] ن
[23] ر	م	ل		[24] ش	ا	م		[25] د	ع		ب
ت			[26] ب	ا	ب		[27] ک	ر	ط	[28] م	ص
	[29] ا	[30] ش	ه	د			ح		[31] ر	ز	
[32] ب	ی	س	ن	ی		[33] ج	ا	ن		ا	[34] ع
[35] ز	ا	ت			[36] د	ب	ل			م	ل
[37] د	م	ه		[38] ن	و	ر	[39] ع		ا	ل	م

فہرست انعام یافتگان دلچسپ معمہ نمبر ۹۔ ۱۵ر جنوری سنہ ۱۹۴۰ء کو شائع ہو رہی ہے۔ آپ ضمیمہ مست قلندر اُس تاریخ کو اپنے شہر کے مقامی ایجنٹ سے حاصل کیجئے یا ۱۰ر کے ٹکٹ براہ راست دفتر میں بھیج کر طلب فرمائیے۔ منیجر دلچسپ معمہ مست قلندر آفس لاہور۔

معاونین دلچسپ معمہ کو خوشخبری!

اکثر معاونین دلچسپ معمہ کی یہ تجویز ہے کہ دلچسپ معمہ کا ضمیمہ ہر مہینہ کی ۱۵ کو شائع کیا جائے جس میں صحیح حل فہرست انعام یافتگان۔ تشریحات معمہ اور معمہ آئندہ کا متعلق کوپن طبع کیا جائے۔ ہم اُن حضرات کی اس ہمدردی اور زریں مشوروں کے شکرگذار ہیں۔ اور انہیں خوشخبری دیتے ہیں کہ ۱۵ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء سے ضمیمہ دلچسپ معمہ کا آغاز ہوگا۔ جس میں متذکرہ بالا صورتوں کے علاوہ بلحاظ دلچسپی مزید انتخابی معمہ کا سلسلہ بھی شروع کیا جائیگا۔ یہ معمہ زبانِ اُردو میں اپنی نوعیت کا واحد معمہ ہوگا اور باوجود ان دلچسپیوں کے اسکی قیمت صرف عہ سالانہ ہوگی۔ ہمارے لوکل ایجنٹ سے یہ ضمیمہ ایک آنہ فی کاپی مل سکتا ہے۔ وی۔پی میں مصارف زیادہ ہونگے۔ لہذا بہتر ہوگا کہ زرچندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیے جن اصحاب کو معمہ نمبر ۸ میں انعام ملا ہے اگر وہ چاہیں تو اپنی رقم انعام میں سے زرچندہ محسوب کرا سکتے ہیں۔ اُمید کہ اور دوسرے معاونین حضرات بھی اپنے بہترین مشوروں سے گاہے گاہے سرفراز فرماکر ہمکو مشکور فرمائینگے۔ یہ معمہ جات ہمارے نہیں بلکہ آپکے ہیں اور ان کا مقصد اجراء صرف آپ حضرات کی دماغی تفریح ہے (ادارہ)

شعرائے مست قلندر

دورِ جدید کی شاعری کے چند اچھوتے نمونے

غزل

یقیناً مرا دل کہیں کھو گیا ہے
خدا جانے یہ مجھکو کیا ہو گیا ہے

خلش ہے تمنا ہے دیوانگی ہے
یہ سودا مجھے عشق کا ہو گیا ہے

نہ چھیڑو اسے پھر پریشان ہوگا
مریضِ محبت ذرا سو گیا ہے

حقیقت میں وہ رازدارِ بقا ہے
محبت میں جو دل فنا ہو گیا ہے

قرار آ گیا ہے جو تم آ گئے ہو
خزاں دیدہ گلشن ہرا ہو گیا ہے

پریشاں ہے دل جستجو میں کسی کی
کچھ ایسا کہ کمبخت خود کھو گیا ہے

سکوں رات کو ہے نہ ہے چین دن کو
کہو ربط یہ تم کو کیا ہو گیا ہے

غزل

کبھی طغیانیاں آتی ہیں جب اشکوں کے دریا میں
میں کھو جاتا ہوں نظاروں کی نامعلوم دنیا میں

مذاقِ حسن کچھ بھی ہو محبت پھر محبت ہے
ہزاروں انقلاب آئیں تو کیا تاریخِ دنیا میں

دلِ بے تاب آوارہ پریشان نظارہ ہے
نظارہ خود پریشاں ہے دلِ مضطر کی دنیا میں

میں سمجھونگا دلِ احساس کی تکمیل ہوتی ہے
یہ قطرہ جذب ہو جائے اگر جلووں کے دریا میں

تجلی در نظر، جلوہ بدامن، خلد در چتون
یہ کون آیا مرے آغوشِ جذباتِ تمنا میں

اٹھی نظریں گھٹے جلوے مگر اتنا تو بتلا دو
کوئی جلتا رہے کب تک فضائے برقِ جلوا میں؟

ذرا چھیڑا تھا مضرابِ نفس سے سازِ نظارہ
سمٹ کر آ گئی جلووں کی وسعت چشمِ بینا میں

دلِ برباد کے جذبات سے نظارے بنتے ہیں
بڑی گنجائشیں ہیں دل کے ارمانوں کی دنیا میں

سکونِ آرزو ہے بے خودی کی خبر ہو یارب
وہ پھر محشر سا اٹھا حسن انوارِ تماشا میں!

یہ مانا کچھ نہیں نغماتِ سازِ اشک رنگیں میں
مگر اک راگ بنتا جا رہا ہے موجِ دریا میں!

خدا جانے کسی کی یاد ہے یا دردِ حسرت ہے
رباب اک رقص پیہم کی ہے حالت دل کی دنیا میں

غزل

ہوس ہے ہم کو بھی کعبے میں سر جھکانے کی
جو لے اڑیں نہ ہوائیں شراب خانے کی

ہمیشہ سے ہو جنہیں فکر دل دکھانے کی
کسی کے ساتھ بھلا وہ کرینگے کیا نیکی

وفا کا رنگ محبت کی بو کسی میں نہیں
روش کچھ اور ہی دیکھی نئے زمانے کی

ہمیشہ ہم نے مصیبت اٹھائی ظلم سہے
ہوس ہے پھر بھی حسینوں سے دل لگانے کی

جو رازِ عشق چھپاؤں تو چھپ نہیں سکتا
کہ بات ہی یہ نہیں خلق میں چھپانے کی

ہزاروں داغِ محبت ہیں خانۂ دل میں
کچھ انتہا ہی نہیں میرے اس خزانے کی

سنبھالنے سے سنبھلتا نہیں دلِ بے تاب
دعائیں مانگ رہا ہوں کسی کے آنے کی

اڑاؤں گا یہ خبر دم نکل گیا میرا
کروں گا فکر کوئی ان کو گھر بلانے کی

دل چھین نہ لے زُلف گرہ گیر کسی کی
چھپتے ہی نہیں شمس و قمر میری نظر میں
وہ قتل پہ آمادہ ہوئے ہیں تو سبب کیا
اِس جرم پہ کاٹے گئے ہیں ہاتھ ہمارے
اٹھتا ہے اگر دل میں کبھی درد محبت
پڑھنے میں کسی کے نہیں آتی نہیں آتی
میرے دل بے تاب کی تسکین کو شاکر
اِک چھیڑ کر رہے ہیں کسی کی نظر سے ہم
وہ کیا گئے کہ خاطرِ راحت چلی گئی
تھے محو بیخودی جو کسی کے خیال میں
پھر مجھ پہ اُٹھ رہی ہیں زمانے کی انگلیاں
مانا کہ قابلِ درِ جاناں نہیں مگر
ایمان بھی نثار تصدق ضمیر بھی
اللہ رے تصورِ جاناں کی محویت
رنگینیاں ہیں اشک میں سب اسکے فیض سے
علیہ جتنی وہ چشم عنایت ہوتی جاتی ہے
مرا جذبِ محبت کارفرما ہوتا جاتا ہے
فریبِ حسن کی یہ فتنہ انگیزی۔ معاذاللہ
نہ جانے کیوں مرا دل اُن پہ مائل ہوتا جاتا ہے
میں شیرازہ رواں جتنا فراہم کرتا جاتا ہوں
کیجئے کچھ تو کرم للہ جانِ زار پر
اِک متاعِ رائگاں ہے دل کی آخر کیا بساط
وہ گئے تو ساتھ اپنے ساری رونق لے گئے
کس طرح پھر حوصلہ ہو مجھکو ان کی دید کا
جب کبھی ان کا تصور میں نے خلوت میں کیا
میں نے یہ سمجھا کہ مجھکو مل گیا اوجِ کمال
لو عمر جوشِ جنوں کا پھر زمانہ آگیا
روانی دیکھ لے فرقت میں میری چشم گریاں کی
و فورِ غم سے محبوسِ قفس پہلے ہی مضطر تھا
اگر آتی نہیں بادِ بہاری صحنِ گلشن میں
تبسم زیرِ لب، مخمور آنکھیں پرکشش جلوہ

آجائے نہ پھر پیچ میں تقدیر کسی کی
جس دن سے نظر آئی ہے تنویر کسی کی
ثابت کریں پہلے کوئی تقصیر کسی کی
بھولی تھی کبھی زلفِ گرہ گیر کسی کی
سینے سے لگا لیتا ہوں تصویر کسی کی
تقدیر کی محدود ہے تحریر کسی کی
لے آئے کوئی کھینچ کے تصویر کسی کی
تھوڑا ابھی تو کمیں رہے ہیں نظر سے ہم
پہروں لپٹ کے روئے ہیں دیوار و در سے ہم
اُٹھ کر لپٹ گئے ہیں شعاعِ قمر سے ہم
پھر جھومتے چلے ہیں تری رہگذر سے ہم
اب اور جائیں بھی تو کہاں ان کے در سے ہم
مرعوب ہوگئے ہیں بہت سیم و زر سے ہم
آگے نکل گئے ہیں حدودِ نظر سے ہم
بیتاب بے نیاز نہیں ہیں جگر سے ہم
مجھے اتنی ہی ان سے اور الفت ہوتی جاتی ہے
اُنہیں اپنی جفاؤں پہ ندامت ہوتی جاتی ہے
نگاہیں ملتی جاتی ہیں قیامت ہوتی جاتی ہے
نہ جانے کیوں مجھے اُن سے محبت ہوتی جاتی ہے
مری اتنی ہی برہم بزمِ عشرت ہوتی جاتی ہے
منحصر یہ زندگی ہے آپ کے دیدار پر
جان تک قربان ہے میری نگاہِ یار پر
چھا گئی ہے اِک اُداسی ہر در و دیوار پر
جب نظر ٹھہرے نہ میری روئے پُر انوار پر
ایک پرچھائیں نظر آنے لگی دیوار پر
جھک گیا جب سر مرا اُس ابروئے خمدار پر
اُودی اُودی بدلیاں چھانے لگیں گلزار پر
یہ ہے آئینہ دار اے ہمنشیں قلبِ پریشاں کی
یہ کس نے چھیڑ دی پھر داستاں سیرِ گلستاں کی
اُڑی جاتی ہیں کیوں پھر دھجیاں جیب و گریباں کی
مجھے رہ رہ کے یاد آتی ہے صورت شاہِ خوباں کی

انعام ہمارے معاونین حریبی گذشتہ معمہ کے کسی و اشارات کے متبادل الفاظ کی مدلل مگر مختصر تشریح جو اُن کے روانہ کئے ہوئے حل میں صحیح ثابت ہو بطور روانہ فرما کر غیر کے وہ چیز بصورت انعام حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر یہ انعام اسی وقت پیش کیا جائیگا جبکہ ہم اس تشریح کو سب سے بہتر سمجھتے ہو شائع کر دیئے

بقیہ ؎ جوانی کی پیاس

"آئیں" میں چونک پڑی۔

"پتا جی کو ایک خط لکھ دوں پھر کسی وقت حاضر ہونگا" یہ کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا

"آپ جا رہے ہیں؟" اپنی بے بسی اور بیچارگی پر میرا جی

بھر آیا۔ نند کمار مجھے نہ سمجھ سکا مجھے ندامت ہو رہی تھی۔

"ہاں پتا جی کو خط لکھنا بہت ضروری ہے ارے! اوشا رانی

آپکی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی کیوں؟"

"کچھ نہیں۔ یونہی ایک بات یاد آگئی"، میں نے آنچل سے آنکھیں پونچھ لیں مجھ سے کوئی

دلچسپی نہیں لیتا۔ میری آواز بھرا گئی۔

"ایسے نہ کہئے اوشا رانی۔ ایسی باتوں سے مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ میں آپکے دکھ

کو جانتا ہوں سمجھتا ہوں اس لئے مجھے تو آپسے دلچسپی اور ہمدردی ضرور ہے" میں حیران

کہ ان الفاظ نے میری زندگی میں ایک نئی روح پھونک دی۔ وہ میرے دل کے

بالکل قریب پہونچ چکا تھا میں نے اسکو اجازت دیدی

اسی دن رات کو جب میں نند کمار کے کمرے میں گئی تو وہ لیٹا ہوا کوئی کتاب پڑھ

رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بولا! آئیے آئیے میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ میں اس کے

قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی اور نند کمار بھی اٹھ کر سگرٹ پینے لگا۔

"میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ نند کمار"

"کس بات کی؟" وہ چونک کر ہمہ تن گوش میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں نے آپکا خط پڑھ لیا تھا" میں نے آنکھیں چار کر کے کہا۔

"بس اتنی سی بات تھی۔ آپ بھی سیدھی سادی ہیں۔ ہم تو لوگوں کے خط چرا کر

پڑھ لیا کرتے ہیں"۔

"آپ کی اس بات سے میں بہت متاثر ہوئی کہ آپ کو کسی سے محبت نہیں آپ کو کوئی نہیں چاہتا"

"ہاں یہ بالکل سچ ہے مجھے کوئی نہیں چاہتا"

"جھوٹ بولتے ہیں آپ"

"کس طرح؟"

"اگر آپ کسی کو نہ چاہیں یہ آپ کو معلوم ہو سکتا ہے مگر یہ آپ کو کیا معلوم

کہ کوئی دوسرا آپ کو چاہتا ہے یا نہیں"

"مگر مجھے تو یقین ہے کہ مجھے کوئی نہیں چاہتا"

"اچھا اگر کوئی آپ کو چاہے تو آپ بھی اس سے محبت کریں گے"

"یہ کوئی ضروری نہیں" نند کمار مجھے غور سے دیکھ کر میرے دل کی گہرائیوں میں

اترنے کی کوشش کرنے لگا۔

"مگر آپ چاہنے والی کی راہ میں رکاوٹ تو پیدا نہیں کریں گے؟ آپ اسے چاہنے

تو دیں گے؟" میں کیا کچھ بول گئی اس پر غور نہ کر سکی۔

نند کمار غور کرنے لگا کہ میں نے جو کچھ کہا اس کا مطلب کیا ہو سکتا تھا۔ اس کی

پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ آہ! میں جوانی کی پیاس اور محبت کی بھوک میں کیسی، دیوانی ہو گئی تھی۔ مجھے نند کمار سے یہ باتیں پوچھنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہوئی۔ میرے دل میں جو باتیں تھیں نند کمار کو ان کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا ایک بیچارہ وہ اور ایک بیچاری میں۔

"آپ کا مطلب اُوشا رانی؟" نند کمار کے ہونٹ وا ہو گئے۔

"مطلب یہ کہ آپ مجھے آپ، نہ کہا کریں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے بے تکلف ہو کر بات کریں" ——— اف! ری میری جرأت!

"یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ہر حالت میں آپ کو عزت اور احترام سے مخاطب کروں گا۔ شاید آپ نے جو کہا ہے اسکو سوچا نہیں ہے۔"

"نہیں یہ بات نہیں نند کمار بلکہ جو کچھ میں نے کہا ہے اسکو آپ نے سمجھا نہیں ہے"

"اُوشا!" وہ یکایک اس انداز سے بول اُٹھا گویا میں جو کچھ کہہ رہی تھی اس سے وہ مجھے روکنا چاہتا تھا۔

"کیا بحث ہو رہی ہے نندو!" یہ کہتی ہوئی بھابی آ گئی "ذرا دیدی جی سے بحث کر کے تو دیکھو مجھ سے بہت ڈینگیں مارا کرتی ہیں"

"شاید میں ہار جاؤں گا"۔۔۔ اس جملہ کا مفہوم ہم دونو ہی سمجھ سکے۔

دو تین روز تک ہمیں تنہائی میں ملنے کا موقع نہ مل سکا۔ پھر بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں ہوتی رہیں۔ نند کمار میرے دل کی گہرائیوں کو ٹٹول چکا تھا وہ سمجھ چکا تھا کہ میں کیا چاہتی تھی۔ میں جوانی کی پیاس کو محبت اور پیار کی شراب سے سیر کرنے کے لئے بیتاب تھی اور میرے سامنے وہ لبریز جام رکھا ہوا تھا۔ جس کی آتشیں شراب میں میں اپنی جوانی کو نچوڑ کر ٹپکا دینا چاہتی تھی تا کہ اسکا رنگ زیادہ حسین و دلکش اور اثر تیز ہو جائے۔ اس جام کو پی کر ہم دونوں، عیش جاودانی میں ڈوب جائیں۔ محبت کی رنگینیوں میں کھو جائیں اور شباب کی حلاوتوں میں غرق ہو جائیں۔ میرے دل و دماغ پر ہر گھڑی رنگین و رومان انگیز تصورات چھائے رہتے۔ پچھلے اندوہناک واقعات کے نقوش میرے ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹ چکے تھے۔

کئی روز کے بعد میں پھر بن سنور کر نند کمار کے کمرے میں گئی۔ نند کمار کہیں باہر جانے کے لئے آئینے کے سامنے کھڑا اپنے خوبصورت بالوں کو سنوار رہا تھا میں دیر تک چوکھٹ پر کھڑی اُسکے خوبصورت وجود اور متناسب لباس کا جائزہ لیتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے میرا عکس آئینے میں دیکھ لیا۔ وہ مسکراتا ہوا میری طرف پلٹا "ادھو۔ اُوشا رانی! وہاں کیوں کھڑی ہو۔ آؤ بیٹھو۔"

"کہاں جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟" میں یہ کہتی ہوئی اُسکے بالکل قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ نند کمار گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اور دو ایک قدم پیچھے کی طرف ہٹ کر بولا "میں۔۔۔۔۔ میں۔ ہاں میں سنیما جا رہا ہوں۔"

"کونسی فلم دیکھنے جا رہے ہیں؟" میں غیر ارادی طور پر پھر اُسکے قریب ہو گئی۔

"کنواری ودھوا" یہ کہنے کے ساتھ ہی اُسکے چہرے پر وہ کیفیت طاری ہو گئی گویا اُسے احساس تھا کہ "کنواری ودھوا" کا لفظ میرے لئے کیا اہمیت رکھتا تھا۔ اس نے ایک نظر مجھ کو غور سے دیکھا میں نگاہیں چار کر کے محبوبانہ انداز میں مسکرانے لگی۔ "مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔"

"تم میرے ساتھ سنیما دیکھنے چلو گی؟" اس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔ اور کچھ سوچنے لگا۔

"اس میں حرج ہی کیا ہے دونوں ساتھ چلیں گے تو دلچسپی ہو گی" میں بے صبر ہو کر بولی

"مگر شاید یہ مناسب نہ ہو گا۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو نند کمار؟" میں نے اُس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"ہاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں مگر والے شک کریں گے" یہ کہہ کر اُس نے ہاتھ چھڑا لینا چاہا مگر میں نے اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

"نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا نندکمار۔ انہیں مجھ پر بھروسہ ہے۔ میں ابھی جاکر سسری سے اجازت لے لیتی ہوں"

"مگر اوشا تم انکے بھروسہ سے......." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں ہاں کہو کیا کہہ رہے تھے"

"نہیں نہیں کچھ نہیں۔ یونہی کچھ" وہ مسکرانے لگا...... ہم دیر تک ایک دوسرے کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہے مسکراتے رہے۔

"نندکمار" عالم وارفتگی میں اپنی باہیں اُسکی گردن میں ڈال کر میں اُس سے لپٹ گئی۔

"اوشا! اوشا!! یہ کیا؟" گویا میں خواب میں تھی اور وہ مجھے چونکا رہا تھا۔

"میں تمہاری ہو چکی ہوں نندکمار" ——— میں نے والہانہ اپنے ہونٹ اسکے سامنے واکر دیئے۔ نندکمار کے خوبصورت ہونٹ اس آہستگی سے میرے لبوں سے قریب ہوکر ان میں پیوست ہوئے جس آہستگی سے شام رات میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور پھر اُس آہستگی سے ہمارے ہونٹ جدا ہوئے جس آہستگی سے صبح کا دھندلکا دن کی روشنی میں جذب ہو جاتا ہے۔ میں نے نندکمار کی آنکھوں میں محبت کی چمک دیکھی۔ اُف! میرا عضو عضو مستی اور مدہوشی کی کیفیت سے بوجھل ہو گیا مجھے ایسا معلوم ہونے لگا کہ میں بار شباب سے لچک جاؤنگی۔

رات کے نو بجے ہم دونوں سنیما دیکھ کر واپس ہوئے۔ کھانے سے فارغ ہوکر میں سونے کی تیاری میں مصروف تھی کہ نندکمار شب خوابی کا لباس پہنے میرے کمرے میں آیا۔ اور کہنے لگا "ذرا وہ گانے کی کتاب دوگی جو ہم سنیما سے لائے ہیں؟"

"کیوں نہیں لیجاؤ۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں گانے سے بڑا شوق ہے۔ کیوں؟" میں نے میز پر سے کتاب اُٹھا کر اسکو دیدی۔

"نہیں شوق تو نہیں ہے۔ یونہی گنگنایا کرتا ہوں" یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔

"جاتے ہو؟"

"ہاں جانا ہی چاہیئے"

"ابھی بیٹھو بھی آتنی جلدی کیا ہے" یہ کہہ کر میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ دوسرے لمحہ میں اسکی آغوش میں تھی۔ یہ رات میرے گناہ کی پہلی رات تھی۔ نندکمار کی جوانی کے ٹھہرے ہوئے دریا میں بھی طوفان برپا ہو چکا تھا۔

اسکے بعد ہم دونوں جوانی کی رنگینیوں اور گناہ کی لذتوں میں مبتلا ہو گئے نندکمار اکثر و بیشتر ہمارے گھر آنے لگا۔ دو سال کے بعد نندکمار کی شادی ہو گئی اور وہ مجھ کو بھول گیا۔ ایک مرتبہ بھابی بیمار ہو گئی تو نندکمار کو آنا پڑا میں نے خود کو پھر اسکے حوالے کر دینے کی کوشش کی مگر اُس نے انکار کر دیا میں تڑپ کر